

پہچان کچی

پاکستان سوہاگ

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

غیر بین

سوانحی — شوقِ احمدی

سوانحی — قیصر اکبر

سوانحی — طاہر احمدی

سوانحی — جمیل احمد

سوانحی — روشن احمد

37

جلد

05

شمار

2015

اگست

اشتہارات اور دیگر معلومات

0300-8264242



رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رکن چیف آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

info@aanchal.com.pk

ki/women.magazine

pkwomenmagazine

www.Paksociety.com

سیرت النبیؐ

ابتدائیہ

- 14 سرگوشیاں مدین
15 حمد عابد نظامی
15 نعت اقبال عظیم
16 درجواب آل مدینہ

دانش کدہ

- 21 مالک یوم الدین مشتاق احمد قریشی

ہمارا آنچل

- 25 انعم حسن / صالحہ سحر ملیحہ احمد
ایس انمول / سعدت یوسف

مکمل ناول

- 45 زیست کی شاخ سے پہلے اقرأ صغیر احمد

- 121 عیدی چاند ستاروں کی زہمت جیس خفاء

ناولٹ

- 193 چاند گنگنا دیا حیا بخاری

- 245 محبت دل کا سجدے سباس گل

بیگانہ گھر

- 29 سمیرا شریف طور نذر خواں

سروے

- 37 عید کے رنگ ادارہ

افسانے

- 147 روایت شیکن سندس جیس

- 235 محبت کا چاند سویرا فلک

سلسلہ وار ناول

- 265 اک شمع جلائی ہے حمیرا نوشین

- 269 تمنا چاند ستاروں کی سلمیٰ غزل

- 87 راحت وفا

- 163 سمیرا شریف طور

- 211 شب ہجر کی پہلی بارش ناز کینول بازی

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنسٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ: پریس
باقی اسٹیلیم گراہتی دفتر: کراچی 7: نسرید جیمس رز' عبد اللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400



سرورق: نینا بتول آرائش: روز بیونی پارلر عکاسی: موسیٰ رضا



297	جویریہ سالک	275	یادگار لمحے	حافظ شبیر احمد	روحانی مسائل کا حل
302	شہلا عامر	277	آئینہ	میمونہ رومان	بیاض دل
310	شائلہ کاشف	279	ہم سے پوچھیے	طلعت آغاز	دشمن مقابلہ
314	ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا	283	آپ کی صحت	روبین احمد	بیونی گائیڈ
318	حناء احمد	285	گاکی باتیں	ایمان وقار	نیرنگ خیال
320	خدیجہ احمد	291	حناء کے رنگ	ہما احمد	دوست کا پیغام آنے

خط و کتابت کا پتہ: ”آنچل“ پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 'فون: 021-35620771/2
 فیکس: 021-35620773 کیے از مطبوعات نے اتق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔“ (الترمذی)

سکھنا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگست ۲۰۱۵ء کا آنچل بطور عید نمبر حاضر مطالعہ ہے۔

سب سے پہلے آپ سب بہنوں کو عید مبارک گو کہ عید کو گزرے چند دن گزر چکے ہیں۔ ارادہ تو اس شمارے کو عید پر پیش کرنے کا تھا مگر ہمارے ساری محنت و بجلی گری کر اچھی بجلی کمپنی کے شدید عذاب میں مبتلا ہے۔ اب تو حد یہ ہے سارا سارا دن ساری ساری رات بجلی غائب رہتی ہے۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب آئی اور کب چلی جائے گی۔ بہر حال اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس تیزی سے ہوسکا ہمارے تمام ساتھیوں نے جی جان لگا کر آپ کے لیے آنچل کا یہ شمارہ عید سے قبل تیار تو کر لیا اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ تک کب پہنچتا ہے۔ بجلی نے رمضان کے روزے، افطار و سحر میں غائب ہونے کا معمول بنا رکھا ہے۔ عوام چاہے جتنا شور مچاتے رہیں بجلی کمپنی اپنی ہی من مانی کر رہی ہے۔ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ ادارہ کی پوری کوشش ہے کہ کوئی خامی نہ رہے لیکن اگر پھر بھی کمی محسوس ہو تو ہماری مجبوری کو مد نظر رکھتے ہوئے نظر انداز کر دیجیے گا۔

﴿اس ماہ کے ستارے﴾

☆ زیست کی شام سے پہلے
زیست کی سہانی شام میں عید کے حسین رنگ بکھیرتا اقرأ صغیر کا ناول
دلنشین انداز میں۔

☆ عیدی چاند ستاروں کی
☆ چاند گنگنا دیا
مغرور و شیزہ کی کہانی کیسے بدلی زندگانی جائیے نہ ہمت جہیں کی زبانی۔
چاہا ہے اسی رنگ میں لیلائے وطن کو۔ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار
حیا بخاری کا خوب صورت ناولٹ۔

☆ روایت شکن
اینا کی بلند فصیلوں کو توڑ کر محبت کی نئی روایت قائم کرتی سندس جہیں کی منفرد
تحریر۔

☆ محبت کا چاند
سویرا فلک محبت کا چاند کے ساتھ شریک محفل ہیں۔

☆ ایک شمع جلائی ہے
حمیرا نوشین حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ایک عمدہ تحریر کے ساتھ۔

☆ تمنا چاند تاروں کی
چاند تاروں کو چھو لینے کی خواہش لیے سکلی غزل کے منفرد اسلوب میں

اچھوتی تحریر۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

آنچل * اگست * ۲۰۱۵ء 14

حکمران

تری شان سب سے عظیم ہے
 تیری ذات سب سے قدیم ہے
 ترا نام دل کا سرور ہے
 تیرا نام آنکھوں کا نور ہے
 تجھے اپنے ناموں کا واسطہ
 ترا فضل ہم پہ رہے سدا
 کوئی ماہ ہو، کوئی سال ہو
 ترا لطف شامل حال ہو
 کوئی مرحلہ ہو حیات کا
 رہے آسرا تری ذات کا
 ملیں دو جہانوں کی دولتیں
 تیرے سب خزانوں کی دولتیں
 کبھی لب پہ تیری ثنا رہے
 کبھی ذکر صلی علی رہے
 اے ملوک و مالک و کبریا
 نہیں اور کوئی تیرے سوا

عابد نظامی

نعتیں

مدینے کا سفر ہے اور میں نمدیدہ نمدیدہ
 جہیں افسردہ افسردہ قدم لغزیدہ لغزیدہ
 چلا ہوں ایک مجرم کی طرح جانب طیبہ
 نظر شرمندہ شرمندہ بدن لرزیدہ لرزیدہ
 کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
 کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ
 کہاں میں اور کہاں اس روضہ اقدس کا نظارہ
 نظر اس سمت اٹھتی ہے مگر درزیدہ درزیدہ
 مدینے جا کے ہم سمجھے تقدس کس کو کہتے ہیں
 ہوا پاکیزہ پاکیزہ فضا سنجیدہ سنجیدہ
 بصارت کھو گئی لیکن بصیرت تو سلامت ہے
 مدینہ ہم نے دیکھا ہے مگر ناویدہ ناویدہ
 وہی اقبال جس کو ناز تھا کل خوش مزاجی پر
 فراق طیبہ میں رہتا ہے اب رنجیدہ رنجیدہ

اقبال عظیم

مدیر

ہوتے ہیں۔ آپ کی ڈاک اکثر اوقات تاخیر سے ملنے کی بنا پر اشاعت سے محروم رہ جاتی ہے، کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ آئندہ ان بہنوں کو پہلے موقع دیا جائے۔ مابنامہ حجاب کے لیے آپ کی تجاویز نوٹ کر لی ہیں جلد عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

قانیہ مسکان..... گوجر خان

ڈیر ثانیہ! جتنی رو پیغام کی اشاعت پر شکریہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ یہ آپ بہنوں کا اپنا پرچہ ہے جو آپ کی نگارشات کے بغیر ادھورا اور نامکمل ہے۔ آپ کی چاہتوں اور محبتوں کی عکاسی کرتے اشعار بہت خوب صورت ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بھی بہت سی خوشیاں عطا فرمائے آمین۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

شاہ زندگی..... راولپنڈی

ڈیر زندگی! تمہاری سدا زندگی خوشیوں اور مسرتوں سے ہمکنار رہے۔ طویل عرصے بعد بزم آنچل میں آپ کی شرکت اچھی لگی۔ بہر حال اتنی تاخیر اچھی بات نہیں ہوتی، آپ کی تحریریں پڑھنے کے بعد ہی آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر سکیں گے۔

سدرہ احسان..... سمنیال

پیاری سدرہ! شاد و آباد رہو آنچل اور آپ کے دیرینہ ساتھ کے متعلق جان کر بے حد اچھا لگا۔ آنچل کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ بے شک آپ بہنوں کے داد و تحسین پر مبنی یہ کلمات ہمارے لیے قابل فخر و باعث رشک ہیں اور ہمیں بہتر سے بہترین کی جانب گامزن رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آپ کی نگارشات شائع کرنے کی ضرورت کوشش کریں گے۔

سونیا قریشی..... ملتان

ڈیر سونیا! جگ جگ جیو آپ کے انداز مخاطب پر بے ساختہ مسکراہٹ نے لبوں کا احاطہ کر لیا۔

شازیہ فاروق احمد..... خان بیلہ
ڈیر شازیہ! سدا سہاگن رہو طویل عرصے بعد آپ سے نصف ملاقات اچھی لگی آپ کو شریک محفل کی فکر کرتے جب آپ کی تحریر ”وقت کی ٹھوکریں“ اور ”بند کاجھمبیا“ ہمیں موصول ہی نہیں ہو میں غالباً محکمہ ڈاک کی نذر ہو گئی ہیں۔ البتہ عید کے حوالے سے آپ کی تحریر ”عید کا تحفہ“ اگر گنجائش بن گئی تو عید نمبر 2 میں لگانے کی ضرورت کوشش کریں گے سوٹ کی صورت میں تحفہ ارسال مت کریں آپ کی پتہ خلاص چاہت و دعا میں ہمارے لیے بیش بہا ہیں اور کسی بھی تحفہ سے بڑھ کر ہیں۔

شازیہ خان..... مظفر آباد، آزاد

کشمیر

پیاری شازیہ! جگ جگ جیو جب آپ نے اپنی تحریر کے لیے اتنے صبر کا مظاہرہ کیا اور انتظار کے لمحات سے گزریں تو ہماری جانب سے بھی خوش خبری سن لیں۔ آپ کی تحریر ”فرصت کے رات دن“ قبولیت کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری ہے پھر آپ ناقابل اشاعت میں نام کیوں ڈھونڈ رہی ہیں۔ دوسری کہانی پڑھنے کے بعد جلد آپ کو آگاہ کر دیں گے اب بتائیں خفا ہیں اب بھی؟

حافظہ ریحانہ، زائمہ..... میانوالی

ڈیر سسٹرز! خوش رہیں آپ کا شکوہ بجائے ہمیں اندازہ ہے کہ انتظار کے لمحات بہت کٹھن اور جانگسل

بہر حال معذرت کی ضرورت نہیں ہمارا کام آپ کی اصلاح اور رہنمائی کرنا ہے اس لیے بے فکر رہیے۔
بہر حال آپ کو خود بھی احساس ہے تو اچھی بات ہے آپ کو بھی رمضان و عید کی ڈھیروں مبارک باد۔

مدیحہ کنول..... چشتیاں

پیاری مدیحہ! جیتی رہو آپ کی طویل غیر حاضری کو ہم نے بھی بے حد محسوس کیا تھا اللہ سبحان و تعالیٰ سے آپ کی صحت کا ملہ کے لیے دعا گو ہیں۔ آپ کا دامن بہت سی خوشیوں سے بھر دئے جہاں تک آپ کی تحریک کا سوال ہے آپ کی تحریک ان شاء اللہ باری آنے پر لگ جائے گی۔

وحیدہ بادل..... نامعلوم

ڈنیر و جیبہ! شاد و آباد رہو سب سے پہلے تو بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید۔ خوب صورت لفظوں اور مختص دعاؤں سے بھرپور چاہتوں کی خوشبو لیے آپ کا نامہ بخوبی ہی احساس دلا گیا کہ آپ بے حد حساس اور مختص ہیں۔ آپ کی ان دعاؤں پر ہم بے حد مشکور و ممنون ہیں۔ بہر حال ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ سب کو شرکت کا موقع ملے۔ امید ہے اب ناکامی کا خوف بھی از خود مٹ جائے گا جہاں تک تحریر کا سوال ہے تو جلد ہی پڑھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔ آپ دیگر سلسلوں میں شرکت کر سکتی ہیں۔

زاہرہ فاطمہ..... نامعلوم

پیاری فاطمہ! جگ جگ جیو پہلی بار شریک محفل ہونے پر خوش آمدید۔ آپ کی نگارشات موصول ہو گئی ہیں ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہیں گے البتہ تعارف کے لیے تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔ نازیہ اور سمیرا تک شادی کی مبارک باد ان سطور کے ذریعے پہنچ جائے گی۔

نورین انجم..... کراچی
پیاری گڑیا! سدا مسکراؤ آپ سے نصف ملاقات بعد تصویر بہت اچھی لگی۔ آپ فوراً کلاس کی اسٹوڈنٹ ہیں اور قلم سے دوستی کرنا چاہتی ہیں جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ گڑیا! آپ کو اپنی سال گرو کی ایڈوانس مبارک باد پیش کرتے ہیں اور آپ کے بھائی ذیشان کو بھی سال گرو مبارک۔ اپنے والدین کا نام اپنی کامیابیوں سے یونہی روشن کرتی رہیں۔

سنیاں و اقصیٰ زرگر..... جوڑہ
ڈنیر سسٹرز! شاد و آباد رہو پیغام شائع نہ ہونے کی وجہ کثیر تعداد میں پیغامات کا موصول ہونا ہے ایسے میں تاخیر سے موصول ہونے والے خطوط آئندہ کے لیے روک لیے جاتے ہیں بہر حال اس بار تو آپ کا پیغام شامل ہے امید ہے خطی دور ہو جائے گی۔

نورین مسکان سرور..... سیالکوٹ

ڈنیر مسکان! سدا سلامت رہے آپ کے لبوں کی مسکان۔ آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ حساس دل رکھنے کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ پر گہری نظر اور شعور بھی رکھتی ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ گناہ پر گناہ کرتے اللہ سبحان و تعالیٰ کو ناراض کرتے جاتے ہیں۔ بے شک آپ کا کہنا بجا ہے ورنہ اللہ کی رحمت تو سب کے لیے یکساں ہے اللہ سبحان و تعالیٰ سے دنیا گو ہیں کہ وہ سب کی خطاؤں کو درگزر کرتے ہوئے ہمارے حال پر رحم فرمائے آمین۔ آپ کی تحریر پڑھنے کے بعد ہی کوئی رائے دے پائیں گے۔

فیلم شہزادی..... کوٹ موہن

ڈنیر نیلم! شاد و آباد رہو پہلی تحریر کی اشاعت پر ڈھیروں مبارک باد۔ ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے نیز موضوع کا چناؤ

اور انداز تحریر پختہ ہے تو نوآئزرز کو بھی ایک موقع ملنا چاہیے اسی لیے آپ جیسی بہت سی بہنوں نے اس حوصلہ افزائی کے بعد اپنا ایک نام اور منفرد پہچان بنائی ہے۔ آپ کی دوسری تحریر پڑھنے کے بعد آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔

عائشہ نور عاشا..... گجرات
ڈیر عائش! جیتی رہو! آپ سے نصف ملاقات اور آپ کا نٹ کھٹ انداز بہت اچھا لگا۔ آپ کی تحریروں کی اشاعت پر ڈھیروں مبارک باد۔ ماہنامہ جواب کے لیے آپ کی تجاویز نوٹ کر لی ہیں ان شاء اللہ نئے سال میں یہ پرچہ نئی بہار لیے آپ کی دسترس میں ہوگا۔ سال گرد نمبر سے متعلق مشورے کے لیے شکریہ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

حلیمہ سعدیہ شوکت..... تل فائٹھ
ڈیر سسٹر! جیتی رہو! خط کی اشاعت پر شکریہ کی ضرورت نہیں ہے۔ آنجل آپ سب بہنوں کا پرچہ ہے اور آپ کی ہی نگارشات سے پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے اب آپ ناکامی کے خوف کو دل سے نکال کر شرکت کرتی رہیے گا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو اچھے نمبروں سے کامیابی عطا فرمائے آمین۔

عائشہ نورین..... ساہیوال
پیاری عائشہ! سدا مسکراؤ! تحریر لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ صفحے کی ایک سائیڈ پر اور ایک لائن چھوڑ کر لکھیں، صفحے کی دوسری جانب کچھ مت لکھیں۔ زیرہ کنول نازی تک آپ کی تعریف ان سطور کے لیے پہنچا رہے ہیں۔ نمبر دینے کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے اس لیے معذرت۔

صبا الیاس..... ماہندر
ڈیر صبا! جیتی رہو! بے شک آپ کا کہنا بجا ہے

آپ کی بہت سی تحریریں موصول ہوتی ہیں لیکن آپ کا انداز تحریر ابھی پختہ نہیں ہے۔ املا کی بھی بہت سی اغلاط موجود ہوتی ہیں اگرچہ آپ کی تحریر مختصر ہوتی ہے لیکن ان وجوہات کی بنا پر قبولیت کی سند حاصل کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ بہر حال آپ کسی دوسرے ادارے میں ضرور اپنی قسمت آزما سکتی ہیں۔ ہماری اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے نہ ہی ہماری جانب سے رائزر پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے۔ آپ اپنا مطالعہ وسیع کرتے ہوئے دیگر رائزرز کا بغور مطالعہ کریں لکھنے میں بہت مدد ملے گی۔

سلمیٰ گوری خان..... لاہور
پیاری سلمیٰ! شاد و آباد رہو! آپ کو بھی عید کی ڈھیروں مبارک باد۔ اگر آپ لکھنا چاہتی ہیں تو پہلے اپنا مختصر افسانہ ارسال کر دیں تاکہ آپ کے انداز تحریر کا مطالعہ کیا جاسکے۔ آپ کی نگارشات متعلقہ شعبوں میں ارسال کر دی ہیں جلد شائع ہو جائیں گی۔

فریحہ شیرو..... شاہ نکدر
ڈیر فریحہ خوش رہو! آپ کے محبت نامے کا جواب محبت کے سنگ حاضر ہے، خوب صورت اشعار و دعاؤں سے بھرپور آپ کا خط پڑھ کر اچھا لگا۔ ہماری جانب سے گریجویشن میں اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کرنے پر مبارک باد۔ تعارف باری آنے پر لگ جائے گا، سروے کے لیے آپ سوالات ہمیں ارسال کر سکتی ہیں، ہم ضرور آپ کی رائے کو مقدم رکھیں گے آپ کو بھی عید مبارک۔

ثویہ ملک..... کورنگی، کراچی
پیاری ثویہ! سدا مسکراؤ! یہ جان کر بے حد خوش ہوئی کہ آنجل اور آپ کا ساتھ کس قدر گہرا اور پختہ ہے پانچویں جماعت کی اس طالبہ نے آج بی کام مکمل کرنے کے بعد خاموشی توڑ کر آنجل سے رشتہ اور بھی

کی دوسری تحریر ابھی زیر مطالعہ ہے پڑھنے کے بعد آپ کا آگاہ کریں گے۔

مضبوط بنیاد پر استوار کر لیا ہے۔ اقرار اور سیرانک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچ جائے گی آپ کا افسانہ پڑھنے کے بعد جلد آپ کی رہنمائی فرمادیں گے آئندہ بھی شریک محفل رہے گا۔

اقرا اکبر..... شانگلہ ہل

ڈیر اقرار! شاد و آباد رہو! اسٹیشن سے ارسال کردہ آپ کا خط موصول ہوا۔ پیغامات کے حوالے سے آپ کا شکوہ بجا ہے لیکن ہمیں کثیر تعداد میں ڈاک موصول ہوتی ہے ایسے میں بعض اوقات کچھ بہنوں کی ڈاک صفحات کی کمیابی کی بنا پر رہ جاتی ہے بہر حال عید نمبر 2 میں آپ کا پیغام شامل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

عبیرہ گل..... کراچی

پیاری عبیرہ! سدا مسکراؤ! چاہتوں اور محبتوں سے بھرپور آپ کا نامہ موصول ہوا! ہماری جانب سے آپ کو بھی عید کی ڈھیروں مبارک باد۔ مزید یہ کہ آپ کی تحریر ”کب نہیں غالب غالب“ بہت جلد آنچل کے صفحات پر غالب آ جائے گی یعنی آپ کی تحریر کامیابی کی سند حاصل کر چکی ہے بہر حال آئندہ بھی مزید محنت کے ساتھ کوشش جاری رکھیں۔ کچھ اشعار میں اغلاط موجود ہیں آئندہ اس طرح کا خیال رکھیے گا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

کنزہ مریم..... للیانی، سرگودھا

ڈیر کنزہ! شاد و آباد رہو! آپ کا اندازہ بالکل درست ہے ایک کثیر تعداد میں بہنوں کے خطوط ہماری نگاہ التفات کے منتظر ہوتے ہیں ایسے میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔ بہر حال عید کی خوشیوں میں آپ کے لیے مزید ایک خوش خبری یہ ہے کہ آپ کی تحریر ”سوچ خیال خواب“ منتخب ہو گئی ہے جبکہ آپ

تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان

ڈیر تمنا! جگ جگ جیو! آپ کا اندازہ بالکل غلط ہے ہم آپ سے قطعاً خفا نہیں ہیں۔ آپ کی تحریر موصول ہو گئی ہے پڑھنے کے بعد ہی کوئی رائے دے سکیں گے اگر معیاری ہوگی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ ہماری جانب سے آپ کو بھی عید کی ڈھیروں مبارک باد۔

ثناء اعجاز..... کورنگی، کراچی

پیاری ثناء! جیتی رہو! آپ کے خط کے ذریعے آپ کی والدہ کی وفات کا پڑھ کر دل بے حد افسردہ ہوا۔ بے شک خوشی و غم ہر موقع ہر ماں کا سایہ ضروری ہے اور زندگی کے ہر قدم پر ماں کی گہی محسوس ہونا فطری امر ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے! آپ نے خط اور دیگر سلسلے کے لیے ایک ہی صفحہ استعمال کیا ہے اس طرح ڈاک ضائع ہو جاتی ہے آئندہ خیال رکھیے گا۔

سائرہ سردار..... نامعلوم

پیاری سائرہ! سدا مسکراؤ! غربت و افلاس کی ترجمانی کرتی آپ کی تحریر بہت جلد آنچل کے صفحات پر اپنی جگہ بنائے گی ہماری جانب سے اس کامیابی پر مبارک باد قبول کیجیے۔ اپنے قلمی سفر کو بہتر سے بہترین بنانے کے لیے دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھائیے اور اسی طرح مختصر موضوعات پر اظہار خیال رہیں۔

نوشین..... اٹک

ڈیر نوشین! جیتی رہو! آپ کے سوال کا جواب حاضر ہے۔ آپ میں لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اسی بناء پر آپ کی تحریر ”میں تیری سائباں“ کامیابی کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری البتہ انداز

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

تحریر میں ابھی پہنچتی کچھ کم ہے اسی لیے آپ محنت و مزید کاوش جاری رکھیں اس طرح آپ کی تحریر میں مزید نکھار آئے گا۔

نحل سعدی آرائیں

گولارچی، بدین

ذیٰر سعدی! شاد و آباد رہو آپ کا خط پڑھ کر آپ کے متعلق جان کر اچھا لگا آپ کی تحریر ”جیت“ منتخب شدہ کہانیوں میں جگہ بنانے میں کامیاب رہی۔ آپ کی دیگر نگارشات متعلقہ شعبوں میں ارسال کردی گئی ہیں، معیاری ہوئی تو ضرور شامل کی جائے گی۔ آپ آپچل کے لیے اپنا قلمی تعاون برقرار رکھ سکتی ہیں ہماری جانب سے اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں، اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بہت سی کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

عظمیٰ شاہین..... گجرانوالہ

پیاری عظمیٰ! ہستی مسکرائی رہو آپ کی تحریر ”زندگی پل صراط“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے دل چھوٹا نہ کریں اور مطالعہ کے ساتھ کوشش جاری رکھیں اپنے مطالعہ میں نام در رائےز کے ناول کو مزید شامل رکھیں جس سے آپ کو لکھنے میں مدد ملے گی۔

ہاریہ پاریس..... فیصل آباد

بہن ماریہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر ”اے میرے ہم وطنو“ موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کی تحریر میں نکھار رہا ہے اسی طرح محنت کرتی رہیں تحریر کے حوالے سے خوش کن بات یہ ہے کہ آپچل کے لیے منتخب ہو گئی ہے ان شاء اللہ باری آنے پر جلد ہی آپچل کے صفحات پر آپ جھلکا ہوا دیکھ سکیں گی

نافیہ اشاعت:

کلام میرے کلمہ میرے زندگی کے سفر میں

چڑیا تیرے آنگن کی بد لے نظارے خاک ہو جائیں گے ہم لغزش، عجب غضب کا پپی اینڈ، پنجاب یونیورسٹی کی بس، انجان ہے زندگی، محبت انمول ہوئی ہے سچی لگن، دیا جلانے رکھنا، مکر جال، بلا عنوان، بلا عنوان، موبائل، حاصل زیست، لامتناہی خواہشیں، ماں نہیں عورت، یوں بھی ہوتا ہے راہ زیست، فیس بک، آپچل، آؤ خوشیاں بانٹیں، منہ بولے رشتے، ادھوری محبتیں، چاند سے کہو عید مبارک، پہنچی وہیں یہ خاک، بد نصیب، بیوہ بے مقصد سفر، مہر پہلا روزہ، تیری خوشی ہے میری خوشی، ڈیڈ سیلز، قورمہ، حقیقی خوشی، انا کے قیدی، انتظار لا حاصل، دل کا رشتہ، اک امید کا دیا، اک لمحہ عاشقی، کچھ خواب ادھورے سے۔



مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔
☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام ہما خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے ہما پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

ماہنامہ

مشتاق احمد قریشی

جنت نعیم میں اہل ایمان کو ایسا رزق ایسی نعمتیں دی جائیں گی جن کی خوبیاں کئی جگہ بتائی جا چکی ہیں وہ یقینی نہیں ملے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ہر حال میں یقینی پورا ہوگا۔ جنت میں کھانا غذا کے طور پر نہیں بلکہ لذت کے لئے ہوگا وہاں کھانا اس لئے نہیں کھایا جائے گا کہ جسم و جاں کی توانائیاں بحال رکھنی ہیں کیونکہ اس ابدی زندگی میں جسم کی اجزا تحلیل ہی نہیں ہوں گے۔ انسان ہمیشہ جوان، تندرست و توانا ہی رہے گا۔ اسے غذا کی ضرورت توانائی کے لئے نہیں بلکہ لذت کے لئے ہوگی وہ بھی انعامات الہی کے طور پر ضرورت کے طور پر نہیں۔

جنت کی جس شراب کا اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے کئی جگہ ذکر فرمایا ہے وہ دنیا کی طرح نشا و شراب نہیں ہوگی جو پھلوں اور غلوں کو سڑا کر کشید کی جاتی ہے۔ بلکہ وہ تو قدرتی طور پر جنت کے چشموں سے نکلے گی اور نہروں کی شکل میں بہے گی جسے کئی جگہ بہتی ہوئی شراب کہا گیا ہے۔ یہ بھی پینے والوں کو لذت دے گی کسی قسم کا نشہ یا جیسے دنیا میں شراب پینے والوں کو دوسر ہوتا ہے وہ شراب پی کے بہکتے ہیں جنت کی شراب میں ایسا کچھ نہیں ہوگا ان میں تو لذت ہی لذت سرور ہی سرور ہوگا۔ جن کا تصور انسان دنیا میں کسی طرح نہیں کر سکتا۔

جنت النعیم کے حق دار اہل ایمان کو یہ خوش خبری بشارت کے طور پر دی جا رہی ہے کہ ان کی رفاقت و قرب دل بستگی کے لئے ان کے پاس ایسی حسین و جمیل خوبصورت حور شامل عورتیں ہوں گی جن کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہوں گی انڈوں کی طرح بڑی اور تازک۔

حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر نقل فرمائی ہے کہ میں نے اس آیت کا مطلب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کی نرمی نراکت اس جھلی جیسی ہوگی جو انڈے کے تھیلے اور اس کے گودے کے درمیان ہوتی ہے۔ (ابن جریر)

(۵) دار القرار۔ اس کی تعمیر اللہ تعالیٰ نے روشن یعنی چمکتے ہوئے مروارید سے فرمائی ہے اس میں عام مومن رہیں گے۔ دار کے معنی گھریا ٹھہرنے کی جگہ قرار کے معنی بھی اہل لذت نے آرام کی جگہ ہے لکھا (تاج العروس) جماؤ استقرار۔ (جلال الدین سیوطی) ٹھہرنے کی جگہ آرام کی جگہ (روح المعانی و صحاح) سرسبز و شاداب زمین (ابن عباس) ہم دار زمین (محلی) ٹھہرنا رہنا مراد ہے۔ ہمیشہ رہنا راغب اصفہانی نے لکھا ہے۔ اس کے معنی ہیں ٹھہرنے کی جگہ۔ ٹھہراؤ ٹھہرنا سردی سکون آیات میں مراد ہے ٹھہرنے کی جگہ یا قرار والی جگہ نہ لرزنے والی جگہ قرار کا لفظ قرآن حکیم میں صرف دو بار سورۃ النحل آیت ۶۱ میں اور سورۃ المؤمن ۶۳ میں استعمال ہوا ہے۔ دونوں جگہ زمین کے لئے ہی ٹھہرنے کی جگہ کے طور پر آیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جنہم میں مسلمانوں کی اتنی تعداد داخل ہوگی جس کے عدد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور شمار نہیں کر سکتا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بہت نافرمانی کی جرات کی ہوگی اور اس کی اطاعت کی خلاف ورزی کی ہوگی پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے

کی تو میں اللہ تعالیٰ کی حمد سے میں بھی ایسی تعریف بجا لاؤں گا جس طرح سے میں اس کی حالت قیام میں تعریف بجا لاؤں گا پھر مجھے فرمایا جائے گا اپنا سر اٹھا میں سوال کریں عطا کیا جائے گا شفاعت کریں قبول کی جائے گی۔ ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں جہنم کے پاس آؤں گا اس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو میرے لئے دروازہ کھولا جائے گا میں اس میں داخل ہو جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریفیں ادا کروں گا کہ ویسی تعریفیں مجھ سے پہلے کسی نے نہیں ادا کی ہوں گی اور نہ ہی میرے بعد کوئی اس کی ایسی تعریفیں کرے گا پھر میں ان میں سے ان لوگوں کو نکالوں گا جنہوں نے اخلاص سے کلمہ (اسلام) لا الہ الا اللہ پڑھا تھا پھر میری طرف قریش کے کچھ لوگ کھڑے ہو کر میرے سامنے اپنے نسب کا ذکر کریں گے تو میں ان کے نسب کو پہچان لوں گا مگر ان کے چہروں کو نہیں پہچان سکوں گا تو ان کو جہنم میں ہی چھوڑ دوں گا (کیونکہ انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا ہوگا) (البدر السافرہ جلال الدین سیوطی)

(نوٹ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جہنم میں داخل ہوں گے تو آپ پر جہنم کا کچھ اثر نہیں ہوگا آپ کے لئے بالکل بے ضرر ہو جائے گی جس طرح دنیا میں نمرود کی آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بے اثر ہو گئی تھی۔ آپ کا جہنم میں جانا اپنی امت کے گنہگاروں کی شفاعت کرنے اور جہنم سے انہیں نکالنے کے لئے ہوگا۔ (سیوطی) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم سے جو قوم میری شفاعت کے ساتھ نکلے گی اور جنت میں داخل ہوگی ان کا نام جہنمیوں ہوگا۔ (بخاری کتاب الرقائق - ترمذی جہنم)

جب قرار کا استعمال بطور دارالقرار آئے گا تو اس سے مراد جنت قرار یعنی ٹھہرنے قرار پکڑنے کی جگہ بہشت قیام کے باغات اور جب الارض کے ساتھ استعمال ہوگا تو دنیا جو انسانوں کے ٹھہرنے قرار پکڑنے کی جگہ اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔ قرار کا لفظ دو ہی جگہ قرآن حکیم میں آیا ہے اور دونوں جگہ زمین کو ٹھہرنے کی جگہ کے بطور آیا ہے۔ ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا۔ (المومن - ۶۴)

(۶) دارالسلام۔ جنت کے اس حصے یا طبقے کی تعمیر رب ذوالجلال نے سرخ یا قوت سے کی ہے۔ دارالسلام یعنی سلامتی امان کا گھر جو ہر آفت اور عیب سے سلامت رہنے کی جگہ ہے جہنم سے بری ہونے اور چھٹکارا پانے والوں کی جگہ۔ حقیقی سلامتی جنت میں ہی میسر آ سکتی ہے جبکہ جنت تو آخرت کی زندگی کا آخری ٹھکانا ہے اور آخرت کی زندگی بقاء ہی بقاء ہے اسے چونکہ فنا نہیں غناء ہے احتیاج نہیں عزت ہے ذلت نہیں صحت ہے بیماری نہیں۔ ترجمہ: ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے۔ (انعام - ۱۲۷)

ایمان اپنے اندر دینی شعور کی تعمیر انسان کے لئے قوانین اور اقتدار کی تجویز اور اللہ کی حاکمیت کا تصور پیدا کرتا ہے۔ یعنی دنیا میں اہل ایمان انسان کفر و ضلالت کے ٹیڑھے میڑھے راستوں سے بچ کر ایمان و ہدایت کی صراط مستقیم پر چلتا ہے تو اس کے لئے آخرت میں سلامتی کا خوبصورت گھر اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے نیک اعمال کی وجہ سے پسند کرتا ہے اور دوست رکھتا ہے۔ جو لوگ ایمان پر قائم رہتے ہیں اور نصیحت

پکڑتے ان کے لئے دارالسلام ہے جہاں تسلی اور توفیق سے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ امن و امانیت کا ضامن ہے وہ کسی کے کسی بھی عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ وہ خود اپنے بندوں کا ولی اور مددگار ہے جو لوگ سیدھے راستے پر چلتے ہیں احکام الہی قوانین الہی پر عمل کرتے ہیں اور دنیا کی آزمائش سے سرخرو گزرتے ہیں انہیں ان کی کامیابی پر اللہ تعالیٰ اپنی جنتوں کے انعامات سے نوازتا ہے۔

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ (یونس-۲۵)

آیت کریمہ میں تمام اہل ایمان کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ صرف ان کے نیک اعمال کا ہی صلہ نہیں دے گا بلکہ اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے اپنے فضل و کرم سے جسے چاہے اور جتنا چاہے مزید انعامات سے نواز سکتا ہے۔ سلامتی کے گھر کی طرف دعوت ان ہی لوگوں کو دی جا رہی ہے جو سلامتی چاہتے ہیں دنیا کی زندگی جو سراسر امتحانی و آزمائشی زندگی ہے۔ اسے پوری احتیاط سے احکام الہی اور قوانین الہی کے مطابق بسر کرتے ہیں۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی بھی پوری کوشش اور احتیاط سے ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور اگر کسی طرح کہیں کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے اپنی ندامت اور غلطی کا اعتراف کر کے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ دارالسلام کی دائمی اقامت کی خبر سنارہا ہے۔ بلارہا ہے کہ آؤ زندگی جو تمہیں دنیا کی مختصر مدت میں گزارنی ہے اسے اطاعت و بندگی میں گزارو تا کہ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارے دائمی ٹھکانے جو سلامتی ہی سلامتی والے ہیں میں داخل کر دیا جائے۔

(۷) دارالجلال۔ جنت کے اس طبقے (حصے) کی تعمیر اللہ تعالیٰ نے زر سرخ سے فرمائی ہے۔ اسے دارالقام بھی کہا گیا ہے۔ جلال رب کائنات کی صفت بھی ہے اس کے معنی بزرگی عظمت بلند مرتبہ ہونا جبکہ جلالت کے معنی عظمت قدر یعنی بلند مرتبہ ہونا اور جلال کے معنی عظمت قدر کی انتہا کے ہیں اور اسی لئے یہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے اور ذوالجلال و الاکرام صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے۔ کسی اور کے لئے نہیں۔ جنت کا یہ طبقہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے مالدار اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنے والوں کے لئے مخصوص ہے ایسے ہی لوگوں کے لئے ارشاد ہوا ہے۔

ترجمہ:- انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے گا۔ اور انہیں اس جنت میں لئے جائے گا جس سے انہیں شناسا کر دیا ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ (محمد-۷۵)

آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین مراتب بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اپنے صالح بندوں کی رہنمائی فرمائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ معمول ہے کہ اس کا بندہ اگر اس کی طرف ایک قدم بڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی صالح بندے کی طرف دس قدم بڑھاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کے حال کو درست کر دے گا، تیسرے یہ کہ انہیں جنت میں داخل فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کی مدد فرماتا ہے یعنی انہیں ایسے کاموں کی توفیق دیتا ہے جن سے ان کے لئے جنت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی جو امتحان و آزمائش کی زندگی ہے اسے اگر انسان اللہ کے احکام کے مطابق بسر کرنے کا ارادہ کرے اور ایمان پر قائم ہو جائے تو اللہ اس کی مدد فرماتا ہے اور انسان

قرآن کریم جو کلام الہی ہے سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے رہنمائی و رہبری حاصل کر کے اپنی دنیا کی آزمائش میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

جنت میں داخل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ انہیں خلعتوں سے آراستہ فرما کر وہاں لے جائے گا اسے یعنی جنت کو وہ بغیر رہنمائی کے ہی پہچان لیں گے کیونکہ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جنت کی تفصیل کہ وہ کیسی ہے جو اللہ نے ان کے لئے مہیا کر رکھی ہے جب وہ جنت میں پہنچیں گے تو از خود ہی انہیں سب کچھ جانا پہچانا لگے گا اور وہ خود ہی اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہو رہی ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایک جنتی کو اپنی جنت والے گھر کے راستوں کا اس سے کہیں زیادہ علم ہوگا جتنا دنیا میں اسے اپنے گھر کا تھا۔“ (صحیح بخاری شریف)

اللہ کی مدد کرنے سے مطلب اللہ کے دین کی مدد ہے کیونکہ وہ اسباب کے مطابق اپنے دین کی مدد اپنے مومن بندوں کے ذریعے ہی کرتا ہے۔ مومن بندے اللہ کے دین کی حفاظت اور تبلیغ و دعوت سے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے۔ انہی کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کی مدد فرمائے گا اور ان کی محنت کے صلے میں انہیں جنت میں داخل کر دے گا۔

ترجمہ:- اور جنت پر ہمیز گاروں کے لئے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہیں ہوگی۔ (اور ارشاد ہوگا) یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہر اس شخص کے لئے جو رجوع کرنے والا یا بندی کرنے والا ہو۔ جو رجحان کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو۔ تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔ (ق۔ ۳۲۳-۳۱)

آیات کریمہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ روز حساب میدانِ حشر میں جب عدالتِ الہی سے یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ وہ شخص متقی ہے نیک و صالح اعمال کرتا رہا ہے اور جنت کا مستحق ہے تو فی الفور وہ جنت کے سامنے پہنچا دیا جائے گا خود کو وہ جنت کے سامنے پائے گا۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے اسے کوئی مسافت طے نہیں کرنی پڑے گی۔ فیصلے کے وقت اور جنت میں داخلے کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوگا۔ فیصلہ صادر ہوتے ہی متقی جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(جاری ہے)



انعم حسن گجر

ملیجہ احمد

آنچل کی پیاری پیاری سی قارئین السلام علیکم! امید ہے کہ سب خیر و عافیت سے ہوں گے۔ میرا نام انعم ہے اور گھر والے انو بلاتے ہیں۔ گرمیوں کی پتی ہوئی دو پہروں میں میری آمد ہوئی 19 جولائی میری برتھ ڈے کا دن ہے اور میرا اشار کینسر ہے۔ مجھے آنچل پڑھتے ہوئے نو سال ہو گئے ہیں آنچل کی پرانی قاری ہوں اور بڑے شوق سے آنچل پڑھتی ہوں یہ میرا وہ شوق ہے جس کے لیے میں نے بہت ڈانٹ ڈپٹ برداشت کی ہے بڑوں کی لیکن میرا یہ شوق ختم ہونے کے بجائے دن بہ دن بڑھتا گیا۔ مجھے آنچل کی تمام رائٹرز بہت پسند ہیں خاص طور پر عشنا کوثر، نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف، عفت سحر طاہر اور اقراء صغیر سب سے زیادہ پسند ہیں اور میری خواہش ہے کہ آنچل کی ان رائٹرز کی طرح میں بھی ایک اچھی رائٹر بن جاؤں۔ اب آتی ہوں اپنی طرف تو جناب میرے شوق زیادہ نہیں ہیں گھر کے کام سے فارغ ہو کر آنچل پڑھنا اور ایف ایم سننا میرا شوق ہے۔ ابرار الحق میرے پسندیدہ سنگر ہیں اور عتیق الرحمن اور عدیل عباسی کوئل طارق میرے بہت ہی فیورٹ ڈی جے ہیں۔ گرمیاں کچھ خاصی پسند نہیں لیکن گرمیوں کی بارش کو بہت زیادہ پسند کرتی ہوں اور پسند کرنے کے ساتھ ساتھ اسے خوب انجوائے بھی کرتی ہوں۔ لائٹ کلر پسند ہیں ڈارک کلر متاثر نہیں کرتے۔ خوبی اور خامی تو بس دوسرے

ہی بتا سکتے ہیں لیکن چند خاص عادات خود بتانا چاہوں گی۔ پہلی تو یہ کہ میں بہت احساس طبیعت ہوں کسی کو بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی اور یہ خوبی بھی مجھے کسی اپنے نے بتائی ہے اور خامیوں کی جہاں تک بات ہے تو غصہ بہت کرتی ہوں کسی کی غلط بات برداشت نہیں ہوتی اور اس سے بھی بڑی خامی یہ ہے کہ کسی کی بھی غلطی کو اس کے منہ پر بتا نہیں سکتی۔ اب آپ مجھے اس خامی کی بنیاد پر بزدل سمجھ لیں یا ڈرپوک۔ پسندیدہ خوشبو پوائزن ہے اس کے ساتھ ساتھ پھولوں میں موتیا اور گلاب کی خوشبو انتہا سے زیادہ پسند ہے۔ میں نے کبھی دوست نہیں بنائے لیکن جو دوست بنے ان کی تعداد بہت کم ہے ان میں سے ایک خاص دوست تھی میری جو مجھ سے دوستی کا رشتہ بنانے کے بعد کچھڑ گئی اس کا نام مہرین ہے اور اب اس دوست کے کچھڑ جانے کے بعد میری صرف ایک ہی دوست ہے جس کا نام رابیکا ہے۔ تنہائی میں رہنا اچھا لگتا ہے اس لیے زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتی ہوں اور شور و غل بالکل بھی پسند نہیں۔ میری اس تنہائی پسندی کی بناء پر گھر والے مجھ سے ناراض دکھائی دیتے ہیں اور ان کی غلطی کو دور کرنے کے لیے کبھی کبھار گھروالوں کے ساتھ بیٹھ جاتی ہوں لیکن جب بیٹھ جاتی ہوں تو گھر میں محفل کا سماں بنادیتی ہوں۔ اب میں اپنی ڈرینگ کے بارے میں بتاتی ہوں تو جناب فراگ، ساڑھی موقع کے لحاظ سے بہت پسند ہے اور عام طور پر سادہ شلووار قمیص کو ترجیح دیتی ہوں کیونکہ یہ میرا پسندیدہ لباس ہے۔ آپ کو کیسا لگا میرا یہ تعارف۔ اجازت چاہتی ہوں اور جاتے جاتے آپ سب کے لیے ایک اچھی سی بات ”وقت ایک خاص مصالحہ کی مانند ہے جس سے آپ جو چیز بنانا چاہیں بنا سکتے ہیں“ اس لیے

میری رائے ہے کہ وقت کی قدر کیجیے گا اللہ حافظ۔
☆ ڈیر انعام! سالگرہ مبارک ہو۔

صالحہ سحر

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ امید ہے خوش باش ہنستے مسکراتے ہوں گے۔ اچی ہم تو ماشاء اللہ سے ہر دم ہی مسکراتے رہتے ہیں بلکہ سمجھئے ہم پر تو جیسے فرض کر دیا گیا ہے مسکرانا۔ آپ لوگ بھی فرما رہے ہوں گے کہ پتا نہیں کون سی مہینہ جبین عرف حسین (آہم) تشریف کا ٹوکرا اٹھا کر بولے چلی جا رہی ہے چلیں جی اب ہم آپ کو اپنے بارے میں بتاتے ہیں ہاں جی تو مابدولت کا نام صالحہ سحر ہے (پیر نام صالحہ امتیاز ہے) کیا بتائیں آپ کو سال کے بارہویں یعنی دسمبر کے سچ بستہ مہینے کی 19 تاریخ کو مابدولت اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئیں اور پوری دنیا میں روشنیاں ہی روشنیاں بکھیر دیں۔ محلے میں مٹھائیاں بانٹی گئی تھیں جو کہ مابدولت بھی بہت شوق سے اور بہت زیادہ کھاتی ہیں۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں میرا نمبر دوسرا ہے۔ مجھ سے بڑے بھائی مامون پھر مابدولت بذات خود پھر مجھ سے چھوٹی عائشہ (جو کہ پوری افلاطون ہے) پھر چھوٹا متین اور پھر اس کے بعد مبین (جو کہ میری دعاؤں کا حصول ہے) بڑے بھائی جاب کرتے ہیں تعلیم میٹرک ہے اور مابدولت پڑھتی ہیں۔ ایف ایس سی فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں ڈاکٹر بننے کے ارادے نہیں ہیں پھر بھی میڈیکل کر رہی ہوں ہاہا۔ ہنستی بہت زیادہ ہوں چھوٹی چھوٹی بات پر اور فضول سے لطیفے پر بھی بہت ہنسی آتی ہے۔ رونا بالکل نہیں آتا وہ بھی موقع پر جب

بھی روتی ہوں فضول اور بے موقع ہی روتی ہوں۔ کالا اور فیروزہ رنگ بہت پسند ہے اور پہنتی بھی بہت زیادہ ہوں۔ میری تقریباً ہر چیز ہمیشہ بلیک رنگ میں ہوتی ہے جوتے کپڑے بیک (سوائے کتابوں کے ان پر بلیک کور چڑھا لیتی ہوں)۔ کھانے میں بریانی اور کشمرڈ بہت پسند ہے سبزیوں میں بیٹنگن بہت زیادہ پسند ہیں۔ جیولری میں بس لاکٹ پسند ہے وہ بھی سادہ سا اور میرے پاس ہے بھی۔ سردیاں بہت پسند ہیں دسمبر میرا پسندیدہ مہینہ ہے اور سردیوں میں آئس کریم کھانا بے حد اچھا لگتا ہے۔ اردو ادب کی بے حد دیوانی ہوں اور نیند کی بھی دیوانی ہوں۔ امی کہتی ہیں کہ ایف ایس سی کے اسٹوڈنٹس دن رات پڑھتے ہیں اور ہماری لاڈلی دن رات سوتی ہے ہاہا۔ سچ کرنے کا بے انتہا شوق ہے نماز باقاعدگی سے پڑھنے کی پوری کوشش کرتی ہوں۔ میری آئیدیل شخصیت میرے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اپنے ملک کے حالات دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔ اپنی امی سے بے انتہا محبت ہے وہ دنیا کی سب سے اچھی ماں ہیں۔ مجھے شاپنگ کرنا بہت برا لگتا ہے اور نہ ہی میں شاپنگ وغیرہ کرتی ہوں اس کے علاوہ زیادہ گید رنگ بھی اچھی نہیں لگتی۔ تنگ سب کو بہت زیادہ کرتی ہوں شرارتیں بھی بہت کرتی ہوں اور ڈانٹ بھی کھاتی ہوں۔ میری سب سے اچھی دوست عائشہ ضمیر ہے ہم دونوں کو کرکٹ جنون کی حد تک پسند ہے جب جب ہم دونوں مل جاتی ہیں تو پوری اکیڈمی اور ہاسٹل ہم سے تنگ آ جاتا ہے ہاہا۔ جھوٹے لوگ بہت بُرے لگتے ہیں اور اپنی چائے کی تو میں نے بات ہی نہیں کہ ابھی تک جو کہ میں بہت شوق سے اور بہت زیادہ پیتی ہوں وہ بھی

بہت زیادہ چینی والی۔ اودہ جی بہت لمبا تعارف ہو گیا،
اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچا مومن بنائے اور ہمارے
پیارے ملک کو امن و سلامتی والا ملک بنائے آمین ثم
آمین۔ اللہ حافظ۔

ایس انمول

تمام آنچل اسٹاف، رائٹرز اینڈ ریڈرز کو میری طرف
سے پر خلوص سلام۔ دوستو! میں ہوں ایس انمول
(جی ہاں درست سمجھے وہی (سچیاں محبتاں والی)
میرا ریکل نیم سمیرا احمد ہے۔ 1993ء نامعلوم مہینے کی
نامعلوم ڈیٹ کو اس دنیا میں تشریف لائی ویسے بھی
میں سالگرہ نہیں مناتی، ماشاء اللہ سے ہم دس بہن
بھائی ہیں۔ مابعد دولت کا سب سے پہلا نمبر ہے سو ذمہ
داریاں بھی بہت ہیں، منگنی ہو چکی ہے۔ جوائنٹ فیملی
سسٹم پسند ہے۔ میری فیملی چودہ افراد پر مشتمل ہے
دادا جی بہت شفیق انسان تھے اللہ تعالیٰ ان کو جنت
الفرودس میں جگہ دے آمین۔ میں آسیدہ کرن، صائمہ
احمد، سحر، صاعقہ، جبین، نور، فاطمہ (سسرز) اے آر چاند
ساگر، محسن رضا آفتاب (برادرز) اور میری جان سے
پیاری بہنیں مریم، احمد، نائلہ، احمد، عزا، احمد اور کزن ہارون
عباس، ہم سب مل کر رہتے ہیں۔ آنچل سے وابستگی
2009 سے ہے اور آنچل سے بہت کچھ سیکھا ہے
مثلاً لڑکیاں سیل فون کے غلط استعمال اور چھوٹی چھوٹی
نادانیوں کی وجہ سے اپنی زندگی تباہ کر دیتی
ہیں وغیرہ۔ آنچل پڑھنے کی وجہ سے میری اردو پہلے
سے بہتر ہو گئی، کافی پر اعتماد ہو گئی ہوں جس کے لیے
آنچل کی بہت شکر گزار ہوں۔ خوبیوں اور خامیوں کا
حسین امتزاج ہوں، خوبیاں یہ ہیں کہ سادہ مزاج اور

خوش اخلاق ہوں غرور نام کو نہیں۔ حسد نہیں کرتی اور
دوسروں کی پرائیویسی میں انٹرفیر نہیں کرتی (سچ کہہ
رہی ہوں یار) اور خامیاں..... چھوٹی چھوٹی باتوں پر
گھنٹوں اپ سیٹ رہتی ہوں۔ قوت برداشت نام کو
نہیں، تھوڑی سی بھٹکاو بھی ہوں۔ میری سب سے
بڑی خامی میرا غصہ ہے جو جن بھوت کی طرح سوار
رہتا ہے۔ میں اس پر قابو پانے کی بہت کوشش کرتی
ہوں اور کامیاب بھی ہو جاتی ہوں (مجھے منافقت
جھوٹ اور طنزیہ گفتگو پر بہت غصہ آتا ہے)۔ بے
ہودہ مذاق بالکل پسند نہیں، ایک حد میں رہ کر ہلکا پھلکا
مذاق کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حد درجہ عاجزی
اور انکساری پسند ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میں
مسلمان ہوں، باقاعدگی سے نماز پڑھتی ہوں، اپنے دل
کی ہر بات اللہ تعالیٰ سے شیئر کرتی ہوں۔ بچے بہت
اتجھے لگتے ہیں اور خوب صورت گھر بہت اثریکٹ
کرتے ہیں، گفٹ لینا اور دینا دونوں پسند ہیں اگر
کوئی گفٹ میں کتاب دے تو بہت اچھا لگتا ہے۔
فیورٹ کتاب قرآن مجید اور فیورٹ پرسنالٹی نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی
تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق دے آمین)۔ اس
کے بعد مولانا عبدالستار ایدھی اور ڈاکٹر شیخ محمد اقبال
(ایڈیٹر سفید چھتری سرگودھا) سے بہت متاثر ہوں
مطالعہ کا بہت شوق ہے۔ فیورٹ ناؤز کی لسٹ طویل
ہے، موسٹ فیورٹ ”پیر کا مل“ اور ”تیری راہ میں رُل
گئی دے“۔ فیورٹ شاعر وحی شاہ اور آصف راز
میرے نزدیک رشتوں کی بہت اہمیت ہے اپنی ذات
سے وابستہ ہر رشتے کا خیال پوری ایمانداری سے
کرتی ہوں۔ میری نظر میں قابل احترام اور خوب
صورت رشتہ ماں اور لائف پارٹنر ہے۔ شدید خواہش
ہے کہ خانہ کعبہ کی زیارت کروں، اپنے علاقے میں

غیر فعال بچوں کے لیے اسکول کھولوں اور دوڈ انجسٹ نکالوں۔ کھانے پینے کے معاملے میں زیادہ نخرے نہیں کرتی، موسم سارے ہی اچھے ہوتے ہیں مگر سردیاں اور بارش مجھے بہت پسند ہے۔ فیشن ایبل نہیں ہوں، میک اپ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ پسندیدہ ملک پاکستان، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے، آمین۔ آنجل کی توسط سے بہت پیاری دوستیں ملی ہیں، شمع ناز، شمع مسکان، نبیلہ ناز، طیبہ افضل، سیاس گل، عظمیٰ شاہین، رابعہ رحمان، صائمہ طاہر، سمیرا عبیز، نور سحر شاہ، سونیا کنول، یسین، عمارہ رباب، ایس بتول، شاہ صدیقہ خان، امیتہ ملک، شمع فیاض، حافظہ ریحانہ، زائمہ، طیبہ نذیر وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ہماری دوستی کو مضبوط بنائے اور ہمارا ساتھ ہمیشہ قائم رہے اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

سعدیہ کی طرف سے

سلام الفت ڈیر قارئین! کیسے ہیں آپ؟ میرا نام سعدیہ ہے اور میں سات جولائی کو پیدا ہوئی اور اپنے گھر کی رونق میں اضافہ کیا کیونکہ میں گھر کی پہلی اور اٹھوتی لڑکی ہوں۔ 3rd اینر کی اسٹوڈنٹ ہوں، جوائنٹ فیملی سسٹم سے تعلق ہے جس میں میری امی، ابو دادا دادی، چاچو عبد الوارث، چچی جان اور کزن زریاب ولی ہے، دیکھی جوائنٹ فیملی۔ زری میں تو میری جان ہے میں اسے پیار سے جانو کہتی ہوں اب آپ اس کی عمر کا اندازہ لگائیں وہ دو سال کا ہے ہاہا۔ رنگوں میں وائٹ اور پنک کلر پسند ہے، شاعروں میں نازیہ کنول، وحی شاہ اور علامہ اقبال بہت پسند ہیں۔ کھانے میں چکن اور پلاؤ بہت پسند ہے۔ بیٹھے میں

لذیذہ کھیر بہت پسند ہے پسندیدہ شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد ابو جان ہیں۔ میرے ابو پیچر ہیں اور میری امی ہاؤس وانف ہیں، بچوں میں مجھے سعد الرحمن سے بہت پیار ہے۔ دوستیں بہت سی ہیں لیکن سب سے زیادہ عابدہ خالدہ اور عائشہ سے بنتی ہے۔ کزنز میں ساجدہ آپی، ذکیا آپی، عاصمہ آپی، عشرت، ثنائکہ، مریم، خدیجہ، رومیہ، حمیرا، اقراء، عابدہ اور خالدہ ہیں، جب ہم کزنز اکٹھی ہوتی ہیں تو کافی ہلہ گلہ کرتی ہیں۔ فیورٹ ایکٹر شامل خان، سہیل سمیر اور زینش چوہان ہیں۔ سگرز میں حنا نصر اللہ اور علی رضا پسند ہے۔ میرے گاؤں کا نام کولودال ہے جو بہت خوب صورت ہے۔ پسندیدہ رسالے آنجل اور شعاع ہیں اور فارغ اوقات میں انہی کا مطالعہ کرتی ہوں۔ عصر کا وقت بہت پسند ہے کیونکہ اس وقت اللہ کی تمام مخلوقات اپنے اپنے آشیانوں میں لوٹ رہی ہوتی ہیں۔ تنہائی پسند ہوں لیکن جب عابدہ خالدہ اور میں اکٹھی ہوتی ہیں تو کافی انجوائے کرتی ہوں۔ اب بات ہو جائے خوبیوں اور خامیوں کی، خامی بقول عابدہ کبھی کبھی ضد کر جاتی ہو، خوبی تمہیں غصہ آتا ہے لیکن جلدی اتر جاتا ہے زیادہ دیر کسی سے ناراض نہیں رہ سکتی، تم بہت اچھی ہو۔ خوبی بقول ساجدہ، تم بندے کو بور نہیں ہونے دیتی، حساس ہوں لیکن دل میں رکھتی ہوں کسی پر ظاہر نہیں کرتی۔ آپ سے گزارش ہے کہ میرے خالو جان کے لیے دعا کریں کہ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے، آمین اور اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں، آخر میں آنجل قارئین اور تمام جاننے والوں کو سلام۔

☆ ڈیر سعدیہ! سالگرہ مبارک ہو۔



بھادج اپنے سیکے جا چکی ہے۔

2:- جوڑے آسمانوں پر بننے ہیں اس حوالے سے کیا کہیں گی؟
ج: بالکل اس میں کوئی شک نہیں جوڑے آسمانوں پر ہی بنے
ہیں۔ میرے اور میرے ہر بند کے معاملے میں بھی بس کچھ ایسا ہی
ہوا تھا۔ سلطان میرے سکے خالہ زاد ہیں۔ میں بہت چھوٹی تھی اور
جب بھی خالہ آتی تھیں تو ہمیشہ کہتی تھیں یہ میری بہو ہے۔ تب خالہ
بڑے بیٹے کے لئے مانگتی تھیں جبکہ سلطان دوسرے نمبر پر تھے۔۔۔۔۔
امی اور ابو لوگ خاموش رہتے تھے۔ کچھ وقت سر کا خالہ (جس بیٹے
کے لئے رشتے کا کہتی تھیں) وہ کچھ وجوہات کی بناء پر تعلیم چھوڑ کر
کاروبار سنبھالنے لگ گیا تھا۔ اس کے بعد بھی خالہ کی وہی خواہش

ادارہ آنچل کی جانب سے سلام عرض ہے، ہمازی جانب سے
شادی کی ڈھیروں مبارک باد قبول کیجیے اور اسی حوالے سے اپنے قیمتی
لمحات میں سے کچھ ہل ہمارے نام کرتے ہوئے اپنی ازدواجی
زندگی ہم سے شیئر کرنے پر آپ کے بے حد مشکور ہیں۔
1:- ڈیر سمیرا کیسی ہیں آپ اور شادی کے بعد آج کل کیا



سمیرا شریف طور اور سلطان محمود رخصتی کے بعد

معروفیات ہیں؟

ج: ولیکم السلام!

الحمد للہ میں ٹھیک ٹھاک ہوں اور شادی کی مبارک باد کے لئے
بہت بہت شکریہ۔ آج کل کی معروفیات بس گھر گھر کے کام اور
گھر کی معروفیات۔ اس کے علاوہ آج کل رمضان چل رہا ہے تو
اس کے حوالے سے سحری اور افطاری کی روٹین ہے۔ سترہ روزے
سسرال میں گزارے ہیں اور اس کے بعد میں امی کی طرف
گوجرانوالہ آگئی ہوں تو باقی کا رمضان ادھر ہی گزارنا ہے ان شاء
اللہ۔ امی کی طرف کوئی لمبی جوڑی روٹین نہیں ہے۔ دو سسٹرز چھٹیاں
گزارنے آئی ہوئی ہیں تو گھر میں کافی رونق اور شور رہتا ہے۔

نہی لیکن گھروالے کہتے تھے اپنے بیٹے کو پڑھالیں ہم رشتہ کر لیں
کے۔ کچھ سال مزید گزرے خالہ نے کئی بار رشتہ مانگا مگر ہماری
طرف سے مسلسل انکار تھا۔ پھر خالہ خفا ہو گئیں۔ ۲۰۱۲ دسمبر میں بڑا
بھائی پاکستان آیا تھا ہم اس کے لئے رشتہ دیکھ رہے تھے ۲۰۱۳ء میں
ان کی اور بہن کی شادی کرنی تھی بڑی باجی اور بہنوئی کہتے ہیں خالہ
کی بیٹی سے رشتہ کر لیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ہم نے رشتہ
مانگا خالہ نے دے دیا۔ تب بہنوئی، باجی اور خالہ لوگوں کے درمیان
نجانے کیا بات فاسل ہوئی خالہ بڑے بیٹے کی بجائے سلطان سے
رشتہ کرنے پر راضی ہو گئیں۔ سلطان نے ایم بی اے کیا ہوا ہے اور
ایک پرائیویٹ فرم میں مینیجر ہیں۔ بھائی کی شادی کے ایک ماہ بعد



سلطان محمود بارات کی تیاری کے بعد

ج: میری شادی مکمل طور پر میرے بڑوں امی، وقاص بھائی میری بڑی باجی اور بہنوئی کی رضا مندی سے ہوئی ہے۔ اس میں ایک فیصد بھی لوشو کا کوئی حصہ نہیں۔ رشتہ فاضل ہونے سے پہلے سلطان سے کافی ملکہ سلیم تھی مگر بات طے ہونے کے بعد میں بہت محتاط اور ریزرو ہو گئی تھی۔ ہماری کبھی بات چیت بھی نہیں ہوئی تو بس ہیلو ہائے اور حال چال تک۔ ہماری دنیا کے ہر موضوع پر بات ہوئی سوائے اپنی ذات کے متعلق۔ میں کوشش کرتی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جو بعد میں میرے لئے مسئلہ بنے اور ہمارے ری لیشنز (بھائی بھادج) کو خراب کرے۔ میں گوجرانوالہ سٹی سے بیاہ کر سکی خالہ کے گھر سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں آئی ہوں ہمارا یہ گاؤں پسرور کے پاس ہے۔

4:- بابل کا آنگن چھوڑ کر پیادیں آباد کرتے وقت آپ کے احساسات کیا تھے؟

ج: بہت عجیب سے۔ بہت ڈر اور خوف تھا۔ منفی خیالات کی یلغار تھی لیکن اس بات پر ذہن کلیئر تھا کہ جو بھی ہوگا اچھا ہی ہوگا۔ بس وہی ہوگا جو میرے مقدر میں ہوگا..... مگر اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر جانا بھی بہت حوصلے کا کام ہوتا ہے۔ شادی والے دن میں دو تین بار رد و چکی تھی۔ لیکن نکاح کے وقت میں نے سختی سے سب کو منع کر دیا تھا کہ کوئی بھی میرے پاس نہ ہو ورنہ میں رودوں گی اور نکاح کے وقت میرے پاس صرف میری اسٹوڈنٹس اور دوستیں تھیں یا بھائی

خالہ گھر آئیں تو جاتے وقت کچھ پیسے دے کر (یہ اب ہماری بیٹی ہوئی کہہ کر) چلی گئیں لیکن میں تب بھی سیریس نہ تھی وجہ وہ سٹش کی ٹینشن۔ لوگوں کی باتیں سن کر اور دل ڈرتا تھا۔ اس کے بعد رمضان میں عیدی آئی تب بھی ذہن اس بات کو قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رشتے کو تو قبول کر لیا لیکن ذہنی طور پر پھر بھی ڈسٹرب تھی۔ خالہ بڑے بیٹے کی شادی پہلے کرنا چاہتی تھیں۔ اس کی منگنی ۲۰۱۳ء میں ہوئی تھی اور پھر شادی ۲۰۱۵ء میں۔ امی اور بھائی لوگوں سب نے بہت زور لگایا کہ دونوں بھائیوں کی شادی ایک ساتھ ہو لیکن وہ لوگ نہ مانے۔ وقاص بھائی ناراض حتیٰ کہ امی کو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ لوگ میری بات نہیں مان رہے ہیں یہ منگنی ہی ختم کر دوں گا۔ خیر خالہ نے بھائی سے وعدہ کیا اور ایک دو ماہ بعد شادی کا کہا۔ میرے جیسٹھ کی شادی یکم فروری کو ہوئی تھی اور ہماری ۱۶ مئی کو۔

اس سارے سیٹ اپ میں کئی بار احساس ہوا کہ یہ رشتہ نہیں ہوگا۔ دوسری طرف سلطان بھی وہ سٹش والی اس بات سے پریشان رہتے تھے۔ خیر شادی ہو گئی اور سب ٹھیک ہو گیا مگر اس دوران کئی بار لگا کہ یہ رشتہ نہیں چل سکے گا مگر الحمد للہ میں اس وقت بہت خوش گوار زندگی گزار رہی ہوں۔

3:- شادی کو میرج ہے یا ریجن میرج، نیز آپ شادی ہو کر کس شہر میں آئی ہیں خاندان میں یا خاندان سے باہر؟



سمیرا شریف طور بارات کے دن



سیرا شریف طور اور سلطان محمود رخصتی کے بعد

اولیٰں جو نکاح پر دستخط کروانے آئے تھے۔

5:- شادی کی کن رسومات کتاب نے سب سے زیادہ انجوائے کیا؟ شادی سادگی سے ہوئی یا دھوم دھام سے؟

ج: ہمارے ہاں بہت دھوم دھام سے شادی نہیں ہوتی۔ بلکہ بایوں کی رسم وغیرہ بھی بس اس حد تک ہوتی ہے مہمان آئے کھانا وغیرہ کھایا اور اگر دلہن یا دلہا مان گیا تو اس کو بٹھا کر مشائی کھلا دی۔ بارات کی رسم بھی سادگی سے ہوتی ہے۔ لڑکی کی شادی ہے تو دلیر لے کر جاتا ہے تو ٹھیک درنہ کچھ قرعہ بھی نہیں بھائی جائیں گے اور دلہن کو لے آئیں گے۔ بھائی کی شادی کی بارات لے کر گئے تھے اگلے دن بہن کی بارات اور بھائی کا دلیر تھا۔ کھانے وغیرہ کا اچھا اہتمام تھا اچھی گیدرنگ تھی۔ ہمارے گھر والے مودی وغیرہ نہیں بنواتے۔ جبکہ میرے سرال میں بہت اہتمام سے بایوں مہندی کی رسم ہوتی ہے۔ باقاعدہ اسٹج بناتے ہیں ڈھول بجاتا ہے۔ مطلب ناچ گانا ڈانس..... بھنگڑا..... اس کے بعد بارات بھی دھوم دھام سے آتی تھی۔ مودی اور تصادیر بھی بنی تھیں دلیر بھی کافی اہتمام سے ہوا تھا۔ 6:- عروسی جوڑا آپ نے خود پسند کیا یا سرال والوں کی جانب سے تھا کمر وغیرہ کیسا تھا؟



نکاح کے بعد سلطان محمود اپنے چھوٹے بھائی یاسر کے ہمراہ

ج: پہلے دن کا جوڑا میں نے اور بہن نے مل کر پسند کیا تھا۔ فرسٹ ڈے کا جوڑا لڑکی والوں کی طرف سے خود خریدا جاتا ہے۔ ڈیپ ریڈ اور مونگیا کمر کی ڈبل شرٹ میکسی تھی ساتھ میں شراب تھا۔ جبکہ دوسرے دن دلیر کا جوڑا بھی میں نے اور بھانج نے مل کر پسند کیا تھا بس بے منٹ خالہ لوگوں کی طرف سے تھی۔ پنک اور رنگ کمر (فیروزہ) تھا۔ میکسی فرائڈ اور بلاؤڈ تھا۔

۷۔ بے شوہر کا اسم ٹرای، قسمی قابلیت، پٹے کو سٹار کے
 متعلق کچھ نہیں۔
 یہاں کا بہن سہل بن محمود ہے۔ قصیم ایک بلی ہے۔ ساتھ میں کچھ
 دیگر سے متعلق کچھ ذکر کر رکھے ہیں۔ پرائیویٹ فرم میں منجھڑ ہیں۔
 سٹار کا مجھے جسکے سن کے آئی ڈی کارڈ کے مطابق ۷ جولائی ۲۰۱۵
 آف رتھ ہے۔ جبکہ ریکل میں فٹ آف یہ تو ۷ ستمبر ہے۔ اس
 کے مطابق جو فنی سٹار ہے وہ خود تیار ہی گئیں۔
 ۸۔ اپنی تحریر کے کسی بیرونی جھک آپ کو اپنے شوہر میں دکھائی
 دیتا ہے۔

۹۔ بابا بابا۔ یہ اصرار کا سول ہے۔ مجھے یہ چاہتیں ہیں شدتیں
 کے بیروں سمعان احمد جیسے لگتے ہیں۔ پر سٹائی کے حساب سے میں
 نہیں کہتی۔ لیکن منجھڑ کے حساب سے یہ بہت سی لوگ، کیئرنگ اور
 محبت کرنے والے ہیں۔ باقی میں بیروں پر بھی خصوصیات کو تلاش
 نہیں کرتی۔ میں سمجھتی ہوں اگر میں نے ان کے اندر اپنے بیروں والی
 خوبیاں تلاش کرنا شروع کر دیں تو میرے لئے زندگی گزارنا مشکل
 ہو جائے گا۔ اصل میں بہت سارے خواب اور توقعات انسان کے
 پاس موجود خوشیوں اور خوبوں کو بے معنی اور حقیر بنا دیتی ہیں۔ اس
 لئے میں ان کو ایک اچھے شوہر اور محبت کرنے والے انسان کے روپ
 میں جگ کرتی ہوں تو مجھے یہ بہت معصوم سے انسان لگتے ہیں۔
 ۹۔ سیرا شریف طور اور سلطان محمود ولیمہ کے دن



سیرا شریف طور اور سلطان محمود ولیمہ کے دن

جذبات و احساسات کیا ہیں؟

ج: بہت خوش ہوتے ہیں۔ فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔
 فیس بک پر میرے ٹاڈے سے متعلق کوئی بھی اقتباس جس پر کوئی
 ایج بنایا گیا ہو پڑھ کر سراپتے ہیں۔ اصل میں، میں ان کے ساتھ
 بہت ہی ریزروسی رکھتی ہوں۔ تو جب کسی کو ٹیشن پڑھتے ہیں تو
 کہتے ہیں اتنا اچھا لکھتی ہیں آپ میرے ساتھ کیوں ریزرو رہتی
 ہیں۔ پچھلے دنوں ایک کو ٹیشن پڑھ کر کہہ رہے تھے کہ یہ دولائز اتنی
 اچھی ہیں تو باقی ساری کتاب کیسی ہوگی.....؟ ایک دن کسی نے
 پوچھا کہ آپ بھی سیرا کے ٹاڈے پڑھتے ہیں تو جواب ملا تھا۔ میں نے
 سیرا کا کوئی ناول تو نہیں پڑھا لیکن سیرا کو ضرور پڑھا ہے..... لیکن
 جو بھی ہے میں مکمل کوشش کرتی ہوں کہ میرے اور ان کے ری لیشن
 کے درمیان ایک رائٹ نہ آئے۔ ورنہ ہماری حقیقی زندگی کا چارم ختم ہو
 جائے گا۔

10۔ کیا آپ کی تحریریں ان کے زیر مطالعہ رہتی ہیں اور
 تعریف و تنقید کیا سننے کو ملتا ہے؟

ج: نہیں انہوں نے میری ایک بھی تحریر نہیں پڑھی کہتے ہیں کچھ
 دینا میں بھی ضرور پڑھوں گا۔ جب کچھ پڑھا ہی نہیں تو تنقید اور
 تعریف کیسی.....؟ ہاں البتہ کو ٹیشن پڑھ کر ضرور سراپتے ہیں اور میری
 تعریف بھی کرتے ہیں اپنے مطلب کی۔



سیرا شریف طور اور سلطان محمود ولیمہ کے دن

کھانے پینے کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ دودھ یا پانی بھی چٹا ہو مجھ سے شیر کرتے ہیں۔ اکثر میں چڑ کر کہہ دیتی ہوں بھی کیا بآپ



سلطان محمود اپنے بڑے بھائی فیصل کے ہمراہ

خود پی لیں، تو کہتے ہیں سلطان اپنی ملک کے بغیر کیسے کچھ کھانی لے۔ سلطان کو چین نہیں آئے گا۔؟ انف یہ ڈائلاگ۔ تو کہتے ہیں دل سے کہہ رہا ہوں ڈائلاگ نہیں۔ ماشاء اللہ بہت سی ہنس اور اچھے ہیں۔ میرا کوئی آئیڈیل نہیں تھا شاید بہت بھی تو ان سے زیادہ اچھا نہ ہوتا۔

15:- شادی کے بعد کہیں گھومنے پھرنے کا اتفاق ہوا یا ہو تو آپ کہاں جانا پسند کریں گی؟

ج: ابھی تک تو نہیں ہوا۔ شادی کے بعد اگلے دن سلطان کی چچی کی بالکل اچانک ڈیوڑھی ہو گئی تھی اور اس کے بعد میں چار پانچ دن کے لئے یہاں رہنے آئی بھی تو اکیلی تھی۔ پھر واپس گاؤں گئی۔ تو ایک باریا لکھوٹ لے کر گئے تھے ان کے دو دوستوں نے ہوٹل میں انوائٹ کیا تھا۔ تینوں دوستوں اور ان کی سزاور بچے تھے۔ اس کے علاوہ مسکادہ کے دنوں میں ہی ہم گوجرانوالہ میں ایک دو جگہ گھومنے گئے تھے۔ ان کا ارادہ عید کے بعد یا جب بھی موقع ملا آزاد کشمیر یا شمالی علاقہ جات جانے کا ہے۔ ویسے میں ان کو کہہ تو رہی ہوں کہ ہم پیسے جمع کر لیتے ہیں پھر عمرہ کرنے چلے جائیں گے۔ سیر کی سیر اور عبادت کی عبادت۔ کہہ تو رہے ہیں ان شاء اللہ ہم ضرور عمرہ کرنے جائیں گے۔ دیکھیں اللہ کو کیا منظور ہے۔

16:- مزاج کے لحاظ سے کون زیادہ گرم ہے نیز غصے میں شوہر کی کیفیت اور آپ کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟

ج: ہم دونوں ہی مزاج کے گرم نہیں ہیں۔ یہ مجھ پر غصہ نہیں کرتے ہاں دو بار ایسا ہوا ہے۔ پہلی بار شاید موت کی بات پر یہ خفا ہوئے تھے تب مجھے ان سے سوری کرنا پڑا تھا۔ دوسری بار ہم سیالکوٹ گئے تھے ڈنر میں جانا تھا یہ چاہتے تھے کہ میں پارلر چلی جاؤں میرا جانے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ تب ان کا رویہ تھوڑا خفا تھا سا تھا تو میں پھر پارلر چلی گئی تھی مگر اس کے بعد اگلے چار دن تک ہماری

11:- سسرال کی جانب سے آپ کے کھینے پر کبھی پابندی عام ہوئی تو رد عمل کیا ہوگا؟

ج: ابھی تک تو کو کوئی پابندی نہیں ہے اور مجھے نہیں لگتا آئندہ بھی ایسا کچھ ہوگا۔ ہو سکتا ہے میں خود غی زندگی اس کی ترجیحات کو دیکھ کر وقتی طور پر کم لکھا کروں یا نہ لکھوں لیکن ان کی طرف سے ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ روٹی روٹی کی بات جب ایسا کچھ ہوا تو یقیناً میں بہت ہرٹ ہوں گی اور شاید میرے اندر زندگی کے بہت سے پہلوؤں میں کوئی واضح فرق بھی آجائے۔ لیکن ابھی ایسا کچھ نہیں تو میں پرسکون ہوں کہ آئندہ بھی ایسا کچھ نہیں ہوگا۔

12:- منہ کھانی میں بطور گفت جہاں کی نذر کیا گیا؟

ج: گولڈن ریگ تھی۔

13:- ان کی جانب سے پہلا جملہ کیا تھا جسے سن کر آپ کی سماعتیں سکھ ہو گئی ہوں؟

ج: نکاح سے پہلے یا بعد میں کسی نے (شاید بیٹھانی یا نند) میری تصویر لے کر ان کو داس ایپ کی تھی پھر نکاح کے بعد کال آئی تھی۔ آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مجھے تو اب وہ کچھ بھی یاد نہیں۔ ہمارے ہاں دلہا دلہن کو ایک ساتھ اسٹج پر نہیں بٹھایا جاتا (اپنے گھر میں جا کر وہ جہاں مرضی بٹھائیں) لیکن مجھے اسٹج پر لے کر گئے تھے اور سب کے اصرار پر گھومتی نما چادر بھی اتار دی گئی تھی۔ تب دیکھ کر انہوں نے کسی کی کبھی پروا کئے بغیر ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہیں کہا تھا اور بھی سنسن پاس کئے تھے۔ میں سر جھکائے جواب دیتی رہی تھی۔ سبھی کہہ رہے تھے دلہا دلہن تو ایسے باتیں کر رہے ہیں جیسے دونوں خالہ کی بیٹی اور بیٹے کی شادی میں آئے ہوئے ہیں۔ فطری شرم و حیا تو تھی لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں نے ان سے دلہنوں کی طرح شرمانے درمانے والا کوئی سین نہیں رکھا تھا۔ میں بہت پر اعتماد دلہن رہی تھی اصل میں یہ بہت خوش تھے اور بار بار مجھے بھی شامل گفتگور کتے تھے۔

14:- آپ دونوں میں سے زیادہ کیئرنگ اور لوگ کون ہے؟

ج: سلطان زیادہ کیئرنگ ہیں۔ میری ایک بہت ہی پرانی عادت ہے کہ میں کسی سے بھی اپنے اندر کی بات شیر نہیں کرتی۔ ان سے بھی نہیں کرتی۔ میں بہت ریزرور ہوتی ہوں۔ خالہ زاد ہونے کے باوجود ہمارے درمیان بہت کمٹس تھیں۔ میں نے اب تک کوئی بھی ڈیمانڈ نہیں کی۔ کھانے پینے سے لے کر کپڑے کسی بھی چیز کی نہیں۔ کچھ میں ادبی سی لڑکی ہوں اور جس ماحول اور جن لوگوں میں گئی ہوں کچھ وقت لگے گا مزاج بننے اور ایک دوسرے کو سمجھنے میں۔ میری چھوٹی چھوٹی ضروریات کا بھناں خیال رکھتے ہیں۔ باہر جو بھی کھاتے ہیں وہ ایک طرف لیکن گھر میں آنے کے بعد میرے

17:- شادی کے بعد پہلی نوک جھونک یا لڑائی کس بات پر

ہوتی؟

ج: ہماری آپس کی ایک دو باتیں تھیں۔ دو تین دفعہ ہماری لڑائی ہوئی تھی زیادہ تر میرا سوڈا آف ہوتا ہے۔ یہ مناتے ہیں بار بار سوری کرتے ہیں لیکن جب تک میرا دل آمادہ نہیں بات نہیں کرنی..... ہاں شدید لڑائی کچھ دن پہلے ہوئی تھی۔ وجہ سو بائل اور فیس بک کی ایک دو باتیں بنی تھیں۔ بات زیادہ بڑھ گئی میں رو پڑی بس کیا تھا ان کے ہاتھ پاؤں کے سب چڑیا طوطے اڑنے لگے۔ کافی مناتے رہے میں نہ مانی۔ دو تین دن تھا رہی۔ سب کے سامنے بھی سنجیدہ سنجیدہ۔ ورنہ سب کے سامنے ہمارا آپس میں رویہ اچھا ہو جاتا ہے۔ پھر انھوں نے سوری کی بہت ہی زیادہ معذرت کی ”شرمندگی کا اظہار“ پھر ہماری خود بخود ہی صلح ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد میں نے سوچا کہ بہت زیادہ خفا نہیں رہتا۔ اصل میں جتنی بار بھی لڑائی ہوئی ہے میں بہت ہی ریز ہو جاتی ہوں بات چیت، سلام دعا سب بند اور پھر خود بخود ہی میں کچھ دن بعد مان جاتی ہوں۔ ورنہ امی کے گھر تو میں لڑیا کرتی تھی بول بال کر دل کی بھڑاس نکال لیا کرتی تھی لیکن وہاں نہ بول سکتی ہوں اور نہ ہی چیخ چلا سکتی ہوں۔ سو بالکل کم صدم ہو جاتی ہوں۔

18:- شوہر کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے یا آپ کا تجربہ کیا کہتا ہے؟

ج: گزرتا ہوگا۔ ابھی نئی نئی شادی کا شمار ہے۔ سو بغیر کچھ کھائے کچھ بھی شوہر صاحب آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ جب کچھ پرانی ہوگی تو دیکھوں گی کہ اس کہاوت میں کتنا سچ ہے۔ ابھی تو یہ عالم ہے میاں جی کو سب کچھ اچھا اچھا ہی سوجھ رہا ہے اور ہم بلا کے حقیقت پسند ایک انچ بھی اپنے طے شدہ قوانین سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔

19:- سسرال کے دیگر رشتوں میں کون کون ہیں نیز ساس، سسرندوں وغیرہ سے آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟

ج: ہمارے گھر میں خالہ خالو، جیٹھ، جیشانی، ایک چھوٹی ننہ ہے اور ایک دیور۔ بڑی ننہ میری بھانج ہے۔ ایک دیور ہماری امی جی کے ہاں ہوتا ہے۔ وہاں وہ سرگودھا یونیورسٹی کے کیمپس میں بی بی اے کر رہا ہے۔

20:- کوئی خاص ڈش جو سسرال والوں کی فرمائش پر آپ نے خود بنائی ہو؟

ج: میں سکھا دے کے بعد کئی تھی تو اگلے دن میری چچی ساس کی ڈچھ ہو گئی تھی اس رات مجھے فرما دیا گیا تھا کہ اب یہ گھر تمہارا ہے تم عارفہ (جیشانی) کے ساتھ مل کر گھر کے کام دیکھ لیا کرو۔

میرے تایا کی بہو کو کہا گیا تھا میرا اور تم مل کر چاول پکالو۔ سو انہوں نے چاول پکائے تھے جس میں میری شمولیت آئی ہی تھی کہ ناخن کٹا کر شہیدوں میں شامل ہو جاؤں (یعنی ایک دو چیزیں تھمانے کی حد تک تھی) نتیجتاً جو چاول بنے تھے وہ بھی بہت کمال کے تھے۔ جیشانی کا کہنا تھا کہ اگر اچھے بنے تو میرا کیڈٹ نمے بنے تو میرا نے بنائے ہوں گے۔ سو آج تک وہ کریڈٹ میرے سر ٹھوپا جاتا ہے۔ کاش میں خود بننا ہی لیتی۔ کم از کم کریڈٹ تو اچھا ہوتا۔ میں گھر کی صفائی ستھرائی اور باقی سب کام کر لیتی ہوں۔ افطاری کی تیاری بھی مل کر کر لیتے ہیں۔ کبھی کبھار روٹیاں بھی پکالیں۔ لیکن ٹنڈوں کے سالن، اور چنے کی دال کی ٹھوڑی کے علاوہ میں نے ابھی کوئی اور ڈش نہیں بنائی۔ ابھی میرا موقف ہے کہ ساری زندگی پڑی ہے کھانے پکانے میں ابھی میں کچن سے دور ہی رہوں تو بہتر ہے۔

21:- موصوف کی کوئی ایسی عادت جسے آپ بدلنا چاہیں نیز آپ کی کوئی ایسی خامی جسے وہ بدلنا چاہیں؟

ج: بس دو نمہ ہی بن جائیں اور پانچ وقت کی نماز پڑھا کریں۔ دین کی جو ضروری تعلیمات ہیں ان پر عمل کریں اور بدعات سے بچنے کی کوشش کریں۔ میری سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ میں ان سے کچھ شیئر نہیں کرتی، میں ریز رو رہتی ہوں، بہت فریج نہیں ہوتی وہ چاہتے ہیں جیسے وہ ہر وقت ڈائلاگ بولتے ہیں میں بھی بولا کروں ان سے ہر بات شیئر کیا کروں ریز رو نہ رہا کروں۔

22:- شوہر کا سوڈا عموماً آپ کی کس بات پر خراب ہوتا ہے؟

ج: جب میں منہ بنا کر رہتی ہوں اور رسائیں نہیں دیتی۔

23:- شادی سے پہلے کی سیرا اور اب کی سیرا میں آپ کو کیا فرق محسوس ہوتا ہے؟

ج: بہت زیادہ۔ مجھے لگتا ہے اب مجھے لوگوں کو برداشت کرنے کی کسی حد تک عادت پڑنا شروع ہو گئی ہے۔ مجھے غینہ کی قربانی دینے کی عادت بھی ڈالتا پڑ رہی ہے اور دل نہ چاہنے کے باوجود بہت کچھ کرنا اور برداشت کرنا۔ بہت فرق ہے امی کے گھر میں شہزادیوں کی سی زندگی گزاری ہے۔ خود مختار اور سیلف میڈ۔ میرے ذہن میں ہر وقت خیالات کا ایک طوفان سا برپا رہتا ہے۔ سب سے زیادہ جو چیز تکلیف میں مبتلا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مجھے اب سسرال میں لکھنے کا وقت نہیں ملتا اور اگر ملے تو ذہن نہیں بنتا۔ کبھی کبھار مجھے لگتا ہے میں کسی کو بھی خوش نہیں کر پا رہی۔ عجیب سی سوچیں دل و دماغ کو الجھائے رکھتی ہیں اور سب سے مشکل یہ ہے کہ میں اپنی سوچوں کو کسی سے شیئر نہیں کر سکتی۔ خیر سب سے بڑی تہدیلی تو یہی ہے کہ میں ابھی تک یہ نہیں سوچ پائی کہ کون سی چیز مجھے خوش رہنے سے روکتی ہے۔ میری سوچوں میں تسلسل نہیں رہا۔ میں گھنٹوں لکھنے کی

کوشش کرتی ہوں لیکن لکھ نہیں پاتی۔ خیالات کی بھرمار ہوتی ہے لیکن الفاظ قلم تک نہیں آتے۔

24: شادی کے بعد آپ کی کیا روٹین ہے؟

ج: پہلے میں زیادہ تر وقت لکھنے میں اور بچوں کو پڑھانے میں گزارتی تھی لیکن اب جگہ، وقت، روٹین ہر چیز بدل چکی ہے۔

25: اپنی والدہ کی کوئی ایسی نصیحت جسے آپ نے پلو سے باندھ لیا ہو؟

ج: بہت سی نصیحتیں ہیں۔

26: مرد حضرات بیویوں سے اپنی تنخواہ چھپاتے ہیں آپ کیا کہیں گی؟

ج: ہو سکتا ہے سچ ہو۔ لیکن سلطان نے ابھی تک مجھ سے نہیں چھپائی اور نہ ہی کبھی میں نے ان کی تنخواہ میں دلچسپی لی ہے۔ میں بہت محدود سی لڑکی ہوں مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان کی کیا تنخواہ ہے۔

27: آپ خود کو کسی بیوی اور بہو ثابت کرنا چاہیں گی؟

ج: میں جب اس گھر میں آئی تھی تو بالکل خالی ذہن تھا۔ کوئی لائحہ عمل کوئی پری پلان نہ تھا۔ اب بھی کوئی سوچ نہیں ہے۔ میرے اندر کسی کو خدمت سے مرعوب کرنے کا مادہ نہیں ہے۔ میں دوسروں کو عزت دیتی ہوں جتنی وہ ذہن زد کرتے ہیں۔ غیر ضروری کوششیں میں نہیں کرتی۔ جہاں میں دیکھتی ہوں کہ میری کسی کوشش کا کوئی فائدہ نہیں وہاں میں ذہیت بن کر بیٹھ کر دیکھتی ہوں اب اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

28: سسرال والے آپ کی کس خوبی کے سب سے زیادہ

معترف ہیں؟

ج: پتا نہیں۔ میں نے ابھی کسی سے پوچھا نہیں اور نہ ہی کسی نے بتایا۔ شاید کوئی خوبی ہو لیکن ابھی مجھے کوئی نظر نہیں آئی کہ میں نے کسی کو معترف یا مرعوب کیا ہو۔

29: شادی کے بعد سسرال میں پہلی عید ہے، پہلا رمضان سسرال میں کیسا گزر رہا ہے نیز بطور عیدی میاں جی سے کیا لینے کا ارادہ ہے؟

ج: شادی کے بعد یہ میرا پہلا رمضان ہے۔ بہت اچھا گزر رہا ہے۔ لیکن مجھے اس سارے رمضان میں ٹیکے میں گزرے پچھلے ماہ رمضان بہت یاد آئے۔ خصوصاً وہ سحری میں مساجد کی آوازیں، افطاری میں اذان کی آواز پر روزہ افطار کرنا، رمضان میں دسترخوان کی سادگی اور اہتمام، سحری کے بعد میری ہال میں درس سنتا، مختلف اسکالرز کے درس نیٹ سے سرچ کرنا، نعیتیں اور حمد وغیرہ سنتا۔ وہاں وہ ماحول نہیں تھا۔ سائرن کی آواز پر روزہ افطار کرنا۔ میرے دل کی

تشتی نہیں ہو پاتی تھی کہ بغیر اذان کی آواز سے روزہ کھول لوں۔ آج کل امی کی طرف آگئی ہوں صبح کے وقت درس سننے جا رہی ہوں لگتا ہے دنیا میں آگئی ہوں۔

میاں جی سے عیدی میں کیا لینے کا ارادہ ہے؟ بڑا مشکل سوال ہے۔ دیکھئے کیا ملتا ہے۔ خود براڈ ڈیجیٹل خریدنے والے ہیں دیکھئے ہمارے لئے کیا براڈ ڈیجیٹل خریدا جاتا ہے۔ آفرز تو کافی ساری ہوتی ہیں۔ دیکھئے میں کیا لیتی ہوں۔

30: آپ کے موجودہ ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ میں آپ کا فحورث کردار کون سا ہے اور کیوں؟

ج: کبھی کردار میرے فحورث ہیں۔

شروع میں ولید اور انا کے کردار میرے فحورث تھے لیکن ان کے کرداروں کو جیسا میں نے لکھا تھا پتا تھا ان دو اقسلا میں آکر مجھے لگ رہا ہے کہ جیسے کوئی کی آگئی ہے کہانی ویسے ہی لکھ رہی ہوں جیسے سوچتی تھی لیکن کہانی میں ان کرداروں کی نفسیات کے سبب کارٹین کافی اری ٹیٹ ہو رہے ہیں تو سوچ رہی ہوں اب ان کی کہانی سیٹ دوں تاکہ زرش کی طرح انا کو بھی کچھ زیادہ ہی سناتا پڑ جائیں۔ اس کے علاوہ سکندر میرا فحورث کردار ہے۔ شہزاد اور مصطفیٰ کبھی کے پسندیدہ ہیں۔ مگر سوٹ فحورث سکندر اور ولید کہہ سکتے ہیں۔

31: مصطفیٰ اور شہزاد کے کپل میں آپ کا اپنا کپل موجود ہے آپ کیا کہیں گی؟

ج: ہو سکتا ہے دیکھنے والی نگاہ کو میاں لگتا ہو۔ شہزاد کے وجود میں کہہ سکتے ہیں لیکن مصطفیٰ کے کردار میں میرے میاں نظر نہیں آتے سمعان کا کردار کہتے تو پھر غلط نہیں تھا۔

32: اپنے ماسٹر میں اپنے آئیڈیل کی جھلک نظر آتی ہے یا نہیں؟

ج: میں نے آئیڈیل نہیں بنائے۔

شادی کی رات تک شوہر کے متعلق میرے دل میں کوئی خیال نہ تھا۔ شادی ہوئی سلطان کو ایز آلائف پانٹر پایا۔ اب وہی سب کچھ ہیں۔ میں آئیڈیل ازم پر یقین نہیں رکھتی۔ میں سمجھتی ہوں کہ آئیڈیل بنانے سے بہتر ہے کہ انسان کسی کا آئیڈیل بن جائے۔ باحیثیت انسان سلطان بہت ہی ٹاکس انسان ہیں اور شوہر کے حوالے سے بہت ہی محسوس۔ ہم ابھی تک انڈر اسٹینڈنگ کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ دھیرے دھیرے امید ہے کہ ہماری ایک اچھی لائف گزرے گی اگر میں حد سے زیادہ حساسیت کا فکار نہ رہوں تو آئین۔

33: دور حاضر کی کن رائٹرز کی تحریروں سے متاثر ہیں؟

آنجل اگست ۲۰۱۵ء 35

گھر تک ہی ہوگی۔

36: آپ کے شوہر سسرال جانے کے لیے جلدی رضامند

ہو جاتے ہیں یا باقاعدہ راضی کرنا پڑتا ہے؟

ج: نہ جی..... ان کا بس چلے تو کہیں جانے ہی نہ دیں۔ یہ جو یہاں نظر آرہی ہوں یہ بھی میری ایسوشنل قسم کی بلیک میلنگز کا نتیجہ ہے ورنہ اسی گھر میں قید کر لیں۔ جہاں نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے چکر لگاتے ہیں کم کم ہو کر بہت قنوطیت کا شکار ہوتے ایک طرف بیٹھ کر سب کو دیکھنا شروع کر دیتی ہوں۔ تب یہ آتے جاتے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہا ہے اور میں نفی میں سر ہلاتے پھیلے چہرے سے مسکراتے کی کوشش کرتی ہوں۔ تب شدت سے جی چاہتا ہے کہ میں کسی کھلی ہوا میں جا کر گہرے گہرے سانس لے کر اونچی اونچی آواز میں بولوں اور قہقہے لگاؤں۔

37: نو عمر لڑکیوں کو اپنی ازدواجی زندگی کامیاب بنانے کے

لیے کوئی گر جٹ آپ بتانا چاہیں؟

ج: ابھی تو آغاز ہے۔ ابھی میں خود ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے کے گر سیکھنے کی کوشش میں ہوں اتنی ایکسپریٹ نہیں ہوئی کہ کسی کو کوئی مشورہ دے سکوں۔ میں اپنی لائف سے بہت خوش ہوں میرے میاں بہت اچھے ہیں لیکن۔ بس سب کو یہی کہوں گی کہ اصل زندگی اماں کے گھر میں ہی ہے۔ جتنا چھوٹا ہے اس میں جی لو۔ شادی کے بعد کی زندگی میں بہت خوشی ہے، دلکشی ہے چارم ہے۔ محبت ہے۔ سب کچھ ہے لیکن وہاں اپنی ماں نہیں ہے۔ وہاں ماں کی چاہت اور محبت نہیں ہے۔ وہاں اپنے ورشتے نہیں ہیں جن سے لڑ جھگڑ کر دل کی بھڑاس بھی نکالی جاتی تھی اور پھر بھی سب مل جل کر بیٹھ جاتے تھے۔ میں اپنے امی کے گھر کو اور امی کو بہت مس کرتی ہوں کبھی تو دل کرتا ہے پھوٹ پھوٹ کر رووں لیکن وہاں ماں نہیں۔

38: اس کے ساتھ ہی ہم نے شکر یے کے ساتھ میرا سے اجازت چاہی کہ انہوں نے ہمارے لیے اور اپنے قارئین کے لیے اتنا وقت نکال کر اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس جوڑے کو بہت سی خوشیاں عطا فرمائے اور زندگی میں کامیابی نصیب فرمائے۔ آمین

آمین

آپ کا بھی شکریہ۔
مجھے آپ سب سے دل کی باتیں شیئر کر کے بہت اچھا لگا۔ اگر کوئی بات اچھی نہ لگی ہو تو درگزر کر دیجئے گا اس سے پہلے کہ اس پر تنقید کا بازار گرم کیا جائے۔ خوش رہیں۔ اللہ حافظ۔



ج: تقریباً سبھی سے جو اچھا لگتی ہیں۔ ہر رائٹر کی تحریر اپنی مختلف خصوصیات کی بناء پر پسند آ جاتی ہیں۔ کافی عرصہ ہو گیا ہے کچھ نیا پڑھے۔ لاسٹ ٹائم نمبر کا جنت کے پتے پڑھا تھا یا چند ماہ پہلے مفت سحر کا بن مانگی دعا پڑھ رہی تھی۔ جب سے شادی ہوئی ہے کچھ بھی نہیں پڑھا حتیٰ کہ اپنی قسط تک کو ہاتھ نہیں لگایا۔ دیکھئے کچھ وقت گزرنے کے بعد ٹائم ٹیبل سیٹ ہونے کے بعد دوبارہ سے اپنی لائف کی طرف لوٹ آؤں جس میں میں رائٹر کے ساتھ ساتھ ایک قاری بھی تھی۔ ابھی تو نئے ماحول اور نئے لوگوں کو سمجھنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہوں۔ جو کسی بھی ناول سے زیادہ ضروری ہے۔

34: لکھنے کے علاوہ اب دیگر کیا مشاغل ہیں؟

ج: گھر، میاں جی، کبھی کبھار فیس بک چیک کر لی اور بس۔

35: چھٹی کا دن عموماً آپ دونوں کیسے اور کہاں گزارنا پسند

کرتے ہیں؟

ج: میاں جی کی خواہش ہوتی ہے کہ چھٹی کا دن ہم سارا وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزاریں۔ گاؤں میں رہتے ہیں کہیں باہر نکلنے یا آنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سر شام ہی سب اپنے اپنے گھر دوں میں کھس گئے۔ شادی کے بعد میری کوئی پسند نہیں ابھی تک تو جتنے بھی سنڈے گزرے ہیں گھر میں ہی گزرے ہیں۔ اگر کبھی میاں جی کا کہیں لے جانے کا دل کیا تو زیادہ سے زیادہ ملاکی دوڑ مسجد تک اور ہماری دوڑ (اسی گاؤں میں رہنے والی) اپنی باہمی کے



سمیرا شریف طور اور سلطان محمود بارات کے دن

حک کے سنگ

مونا شاہ قربشی..... کبیر والا

جواب:- (۱) بڑی بھین کی باٹھ ڈھونڈنے کے باعث ذمہ داری تو بہت ہے مگر رمضان میں افطار کی ذمہ داری میرے شانوں پر جمی ہوئی ہے عصر کی نماز سے فراغت کے بعد میں اور میرے کام تیز رفتاری والے ٹرک پر کام موزن ہو جاتے ہیں۔

جواب:- (۲) ای بھی ہیں اور چھوٹی بہن بھی تو بے طرح نہ تو کام کا بوجھ ذمہ سے نہ عبادت میں خلل کا غم، اتفاق میں برکت ہے کے مصداق تمام کام خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

جواب:- (۳) ہر عمر کے مخصوص تہجدات ہی خاص عبادت میں شامل ہیں۔

جواب:- (۴) عید لینے کا مہر ہر اس شخص سے آتا ہے جن کے تعلق پر نہیں مان اور فخر ہوتا ہے اور ہم چونکہ ابھی اپنے بابا جان کے آگن کی چکار کو برقرار رکھے ہوئے ہیں تو فی الحال والدین سے پورے حق سے ان کی جیب خالی کرنا عید کا سا مزہ دیتی ہے۔

جواب:- (۵) میں سمجھتی ہوں عید سے زیادہ جائیداد کا لطف آتا ہے ایک افراتفری اور عجیب سی ہڑ بومک بھی ہوتی ہے کچھ بنانا، کچھ کے لیے جاٹ اور سالن کا سامان تیار کر کے رکھنا۔ یہ کام تو ایسی ہر انجام دہتی ہیں کمران کی مدد بھی تو کرنا ہوتی ہے۔ ان سب کے بچ ہی مہندی کا کام چھڑ جاتا ہے جو رات دو بجے تک جاری رہتا ہے۔ ایک شورا اور ہنگامہ ہوتا ہے گویا شادی والے گھر کا سا سماں ہوتا ہے۔

جواب:- (۶) کافی عرصے تک سنبھال کر رکھے مگر اب کچھ سے بالاتر ہے وہ سب گئے تو گئے کہاں کہیں دکھائی ہی نہیں دیتے شاید اپنی بے قدری کے باعث نظروں سے اوجھل ہو گئے ہوں۔

جواب:- (۷) کیا ظلم تھا بھین کی عید کا سا راحر اور ساری دلکشی مفقود ہے، بس ایک قاریٹی کی گئی ہے اب تو وہ زمانہ پر غلوں تقلید مانہ مفاہرست ہے

عائشہ پرویز..... کراچی

جواب:- (۱) محروم افطار کی ذمہ داری میں، میں اپنی امی کے ساتھ افطاری میں چھوٹی موٹی چیزیں بنا کر پوری کرتی ہوں۔

جواب:- (۲) رمضان المبارک کے پرکٹ لمحات میں اپنے گھر کے معاملات و دیگر عبادات میں توازن قائم نہیں بنا کر رہتی ہوں کیونکہ اس سے میرے روزمرہ کے کاموں اور عبادت میں آسانی رہتی ہے۔

جواب:- (۳) رمضان المبارک میں اپنی کوئی خاص عبادت نہیں الحمد للہ رمضان سے ہٹ کر عام دنوں میں بھی عبادت کرتی ہوں۔

جواب:- (۴) اپنی عید لینے کا اپنا ہی مزہ ہے میں صرف اور صرف بابا کی عید وصول کرتا ہوں حق یعنی ہوں اور ذمہ وصول کرتی ہوں اس کو مثل بیک ٹیکل کر کے۔۔۔۔۔

جواب:- (۵) مجھے جائیداد بہت پسند ہے مگر کی تیاری خوب بڑھ چڑھ کر کرتی ہوں اور یہ سوچ کر کرتی ہوں کہ اگر سب سے حسین اور خوبصورت نظر آئے۔

جواب:- (۶) عید کے دن کو خوش آمدید چہرے پر مسکراہٹ لا کر کہتی ہوں جب مہمان آتے ہیں تو مسکراتی ہوں اور جب عید دیتے ہیں تب تو اور سی مسکراتی ہوں۔۔۔۔۔

جواب:- (۷) بھین میں ملنے والے عید کا لڈو آج بھی سنبھال کر رکھے ہیں کیونکہ مجھے ہر چیز سنبھال کر رکھنے کی عادت ہے خاص کر جب کوئی آپ کا آپ کا اپنا پیار سے کھائے۔

جواب:- (۸) بھین کی عید اور موجودہ عید میں بہت فرق ہے۔ وہ دور اور تھا جب سب ملنے تھے بنا مطلب کے بے اوت محبت میں داؤں میں دوسرے کی خوشی،

خوشی اور غم ہم لگتا تھا اور اب سب مطلب سے ملتے ہیں اب تو خون کے رشتوں میں بھی آنا آگئی ہے مجھے بھین کی عید پسند تھی جتنا بھی یاد آتی ہے۔

شمع مسکان..... جام پور

اس مقدس مہینے کے صدمے اب پروردگار میرے اواس کشن میں اک خوشی کا پھول کھلا دے

جواب:- (۱) بلا شک و شبہ یہ خالص خواتین کی ذمہ داری ہوتی ہے محرمی و افطاری تیار کرنے کی۔ محرمی و افطاری کا اہتمام کرنے کے لیے خواتین کو ہی بھین میں منت کرنا پڑتی ہے اور شاید بہت حرم بھی آتا ہوگا بنانے میں۔ پر جہاں تک میری بات ہے تو میرا کام پورے ماہ صیام کو صرف دیکھو کچھ کر خوش اور سیر ہونا ہے۔ کام شام کے معاملے میں آزاد ہوں، دودھ بھانپوں اور ایک ٹغہ باقی کے ہوتے ہوئے اب

میں کیا کام کرتی اچھی لگوں کی (۱۱۱۱) محرمی میں بھین کی نماز کے بعد بس ایک سگنی لے کر روزہ رکھتی ہوں پھر پورا دن کچھ عبادت اور کچھ کمری سے زود آ زماں کرتے نظر آتا ہے بس جی اب شام میں عید کیا قبول کرے گا دیسے مشروبات میں ہی تیار کرتی ہوں دو تین قسم کے اور وہی کثرت سے بنتی ہوں۔

جواب:- (۲) یہ سوال ہے انٹرنیٹنگ لیکن ان کے لیے جو کام کرتے ہیں میں تو بس عبادت کر لوں اور روزے رکھ لو (جتنی رب تو چاہے) کافی ہے نماز الحمد للہ قائم سے اور عبادت قرآن مجسم بھی کثرت سے کرتی ہوں۔ ہمارے گھر کا ماحول بہت مذہبی ہے پوری سی سگنی پورے روزے رکھتی ہے۔ چاہے گری جتنی آزمائش لے روزے کوئی نہیں چھوڑتا۔

جواب:- (۳) تہجد کی نماز میں روٹھو میں تہجد نہیں پڑھتی مگر رمضان المبارک میں تہجد پڑھتی ہوں اور قرآن پاک کثرت سے پڑھتی ہوں میں پڑھتی ہوں اور بھی دیکھا ٹغہ باقی نے زیادہ پارے پڑھ لیے تو ظہر کی نماز کے بعد بھی پڑھ لیتی ہوں ایک مقابلے کی کس فضا قائم ہو جاتی ہے ہمارے درمیان۔

جواب:- (۴) عید پر عید لینا اور دینا عید میں اور رنگ بڑھ جاتا ہے دلکشی و رعنائی بڑھ جاتی ہے۔ دیسے تو پوری سگنی سے لینا اپنا حق یعنی ہوں مگر ٹغہ باقی اور اپنے کزن شاہد شاہ سے تو احساس دلادلا کر لیتی ہوں (اب آپ دونوں کی حقیقت سامنے آئی نا) چلو وہ تو دیتے ہیں پر اپنے آفتاب بھیا کا کیا گروں جن پر کہنے سننے کا بھی فرق نہیں پڑتا۔ کچھ بھی اپنی پاکٹ ملکی نہیں کرتے۔

جواب:- (۵) چاندنی رات نام ہی روٹھک سا لگتا ہے بہت پیاری رات ہوتی ہے یہ رات میں جاگ کر گزارتی ہوں بھی سب کو بھین لگاتے، دیسے اپنے ہاتھوں پر نہیں لگاؤں بھی مہندی عید پر بہت ملے لگاؤں بھی پر اب نہیں۔

جواب:- (۶) بچہ کی نماز پڑھ کر عید کو تسلیم کرتی ہوں عید کی نماز کی تیاری کے لیے بھانپوں کا شور مچاؤں۔ چیز نہیں ہے کچھ دو چیز حالانکہ بھانپوں کا سب کچھ رات میں تیار کر کے رکھ دیتی ہیں اور میں اپنے کوش تھانی میں اپنی تمام ٹھیکیں صاف کر لیتی ہوں اپنے ابو جان کو بہت مس کرتی ہوں اپنے ابو کے بغیر مجھے عید پر رونق ہی نہیں آتی اور میں نہ ہی عید مناتی ہوں۔ بس اپنے بچوں کو پیارا پیارا تیار کرتی ہوں (آخرا نہیں بھی تو نماز پڑھنے جانا ہوتا ہے اپنے پیار کے ساتھ) بس پھر پورا دن میں اور محرمی تھانی اور اپنے ابو سے وابستہ یادیں۔

جواب:- (۷) بھین میں دوستوں کے دینے کے تمام کا لڈو سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں اور اس کا کریڈٹ میری عید ہی کو جاتا ہے جنہوں نے ہی ان کی حقارت کی دھن میں کہاں اس وقت یہ سب کر سکتی تھی اب کا لڈو کھاتی ہوں تو بہت خوشی ہوتی ہے لڈو کی شادی کے بعد ٹغہ باقی نے ہر چیز دیسے ہی دے دی ہوتی ہے ماحصر جاوید (میری دوست ٹیس کزن) کے تو ذمہ دار ہیں فرزان باقی، فرزان باقی اور سائرہ باقی کے کا لڈو بھی رکھے ہیں ایک شعر جو اکثر عید پر لکھتے ہیں تقریباً ہر کا لڈو بھین ہے اب پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔

سوایا پکا عید کی پرنی رسم ہے تم میرے گھر آنا کھیں میری رسم ہے

جواب:- (۸) بہت فرق ہے میری نظر میں بیٹ عید بچوں کی ہوتی ہے اور میری بھی بھین کی عید بہت اچھی اور مزے کی ہوتی تھی اب تو کس عید و مردوں کو دیکھنے

تک سڑتی ہوں میری بالی بھر ہے، منوروز میں کے کپڑے سلائی کرتی ہیں سب ہی کڑکڑاتے کرکھیں گے آج کیسا سوت ہوتی ہے اور جب میں لباس زیب تن کے تک جب چاروں سے عید ملتی تو ان کی نظروں میں اپنے لیے ستائش دیکھ کر ہنسے گئیں ہائی بس بہت حیرت سے کہتے تھے برابر وہ دن کہاں؟

سب اس گل رحیم یار شان

سب سے پہلے تو آپ سب کو ہماری جانب سے بہت بہت عید مبارک، اعلیٰ کریم پاکستان کے لیے اور پاکستانیوں کے لیے اس عید کو خوشی اور سکون کا باعث بنائے گا۔

جواب:- (۱) یہ توقع ہے کہ سحری اور افطاری جاری کرنے کی ذمہ داری جاری غرائض کے سہی ہوتی ہے ہم سحری اور افطاری دونوں میں ہی اپنا سکھڑا پادکھانے کی کوشش کرتے ہیں سحری میں پڑھے پکھلتی ہیں باقی چائے، لسی، پٹا، پھل پر برتن لگانا سحری کے لیے عشا سے پہلے پھلیاں تیار کر کے رکھنا اور سحری میں تمام لوازمات پھل رچنا ہمارا کام ہے سحری میں عموماً دل یا سبزی ہوتی ہے اور کچھ بھی کباب یا آلیٹ جی بنتا ہے سب کو سحری کے لیے چگانے کا کام بھی مبادلت کرتی ہیں اور جب سب سحری کر چکے ہیں تو پھل سے برتن سست کر دھونے کا کام بھی ہم کرتے ہیں کیونکہ ہمیں پسند نہیں کہ گندے برتن کچھ کچھ کچھ میں پڑے رہیں ماسی کے انگڑا میں، سو ہم کچھ صاف کر کے ہی سحری کو ختم کر دیتے ہیں اور افطاری کے لیے ہم سالن وغیرہ بناتے پکڑوں کا مسالا تیار کرتے ہیں وہی کھنے بناتے ہیں باقی کچھ بہت جی کرتی ہیں۔ افطاری میں عموماً آم اور گجور کے ٹک ٹک کے ہر اور روح افزا کھن ضرور بنتی ہے سو سے بھی گھر میں بناتے جاتے ہیں اور میٹرونی وغیرہ۔ تریز بھی لازمی ہوتا ہے اور روزہ افطار کرنے کے لیے گجوریں بھی اچھٹے اٹھ پاک کا خاص کرم ہے کہ ہم اس کی نعمتوں سے فیض یاب ہو رہے ہیں اللہ پاک ہم سب کو اپنے شکر گزار بندوں میں شامل کریں اور اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے ہمیں نوازتے رہیں آمین۔

جواب:- (۲) ہمارے رمضان میں ہم درود پاک اور استغفار ہر نماز کے بعد ایک صبح ضرور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سحری کرنے سے پہلے نفل ضرور ادا کرتے ہیں اس کا بہت ثواب ہے اور دعائے جلیلہ جو ویسے تو چند روز ہیں روزے کو افطار کے وقت پڑھنے کی روایت ہے مگر ہم ہر نماز اور ہر افطار کے وقت دعائے جلیلہ ضرور پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کے گناہ معاف فرمائے اور ہماری عبادات کو قبول فرمائے آمین۔

جواب:- (۳) ہمارے رمضان میں روٹین تبدیل ہو جاتی ہے ہم رات میں عبادت کرتے ہیں اور صبح فجر نماز کے کھٹے سوا کھٹے بعد سوتے ہیں اور تقریباً چار گھنٹے کی نیند کے بعد بیدار ہوتے ہیں اور پھر ہی روٹین کے کام ہوتے ہیں اور توازن ہو جاتا ہے۔

جواب:- (۴) بالکل جتنا عیدی لینے کا اپنا ہی مزہ ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں عیدی ملتی نہیں پڑتی بھائی صاحبان بنانا سب سے ہی عیدی دیتے ہیں اور ہمارے دل سے ان کے لیے ڈیڑھ دو دعائیں نکلتی ہیں اس کے علاوہ ہماری بیسٹ فرینڈز ہمیں عیدی بھیجتی ہیں جو ہمارے لیے بہت خوشی کا باعث ہوتی ہے۔

جواب:- (۵) چاند رات تو واقعی چاند رات ہوتی ہے کیونکہ ہمارے امی بابا کے سارے چاند ستارے گھر کے آگن میں اتر آتے ہیں اور ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ سب کے گانے سے پہلے گھر کے تمام اہم کام بنائیں جن میں سب سے اہم پورے گھر کی دھلائی صفائی ہوتی ہے اور ساتھ میں ہماری بھی اور واپڈ ادا لوں کے تعاون سے وقفے وقفے سے ہم عید کے روز بننے جانے والے لمبوسات بھی استری کرتے ہیں گھر کے مردوں نے صبح نماز کے لیے جاتے ہوئے کیا پہننا ہے۔ نماز عید سے آ کر کیا کھانا پوتا ہے اس سب کی تیاری ہم چاند رات کو ہی کرتے ہیں اور چاند رات ہو مہندی نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے ہم مہندی بھی لگواتے ہیں بہنا سے تمام امور سے فراغت کے بعد ڈیڑھ دو گھنٹے کی نیند سے پہلے ہم سب کا منہا لیتے ہیں۔

جواب:- (۶) ہمیں عید کے دن کا آغاز تو ہم نماز پھر سے کرتے ہیں اور اس کے بعد تمام دوستوں کو عید مبارک کے پیغامات بذریعہ ایس ایم ایس بھیجتے ہیں پھر جو بھی اٹھتا جاتا ہے اسات سلام اور عید مبارک کہہ کر عید کے دن کو خوش آمدید کہتے ہیں اور نماز عید کی تیاری کرتے ہیں۔

جواب:- (۷) بالکل جتنا ہمیں کپڑا لٹو کپین جوالی کیا ہم نے ہر دور کے عید کا راز اب تک سنیاں کر رکھے ہوئے ہیں کبھی کبھار یادوں کی اہم کھول کر وہ سب کارڈ دیکھتے اور پڑھتے ہیں تو ہونٹ آپ ہی آپ مسکرانے لگتے ہیں۔

جواب:- (۸) بچپن کی عید میں کوئی لکڑیاں مہاری نہیں ہوتی تھی اور اب کی عید میں لکڑیاں مہاری، مہمانداری اور داری سب بھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچپن کی عید میں جہ پچھلے طور عیدی ملا کرتے تھے ہم بے دھڑک خرچ کر دیا کرتے تھے جبکہ اب کی عید میں پیسے بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں بچپن میں عیدی ملا کرتی تھی اب عیدی ملتی بھی پڑتی ہے دونوں ادوار کی عیدوں کا الگ مزا ہے لیکن بچپن کی عید اس لیے پسند ہے کہ جب کوئی لکڑی لکڑی مہاری کی سب ہر خوشی ہر گھڑی ہماری تھی۔

جاناں..... جکوال

جواب:- (۱) مجھ پر سحری، افطاری دونوں ذمہ داریاں ہیں اور میں ذمہ داری بہت اچھے طریقے سے بھاری ہوں سحری ٹائم ۲ بجے اٹھ کر سب کے لیے پراٹھے پٹا سب کو دیکھنا اٹھنا اور افطاری کا اہتمام شام ۴ بجے سے شروع ہو جاتا ہے اور وقت پر مکمل انتظام ہو جاتا ہے۔

جواب:- (۲) رمضان المبارک کے پر کیف لمحات میں دیکر گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ نماز، قرآن پاک سب عبادات اپنے اپنے وقت پر ہو جاتی ہیں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔

جواب:- (۳) یہی کوشش ہوتی ہے کہ سارا دن جیسے بھوک میں گزارتا ہے تو سکون سے بھی گزارے غصے سے مکمل پرہیز اور نماز تو ویسے عام دنوں میں بھی ہا قاعدگی سے پڑھتی ہوں قرآن پاک کی روٹین بھی مکمل طور پر سیٹ ہو جاتی ہے۔

جواب:- (۴) جی بالکل عیدی لینے کا اپنا مزہ ہے میں اب بھی ابو جان سے عیدی لیتی ہوں ویسے غول جاتی ہے ہائی کیل کے کبر سے شلا بھائی بچا جان سے۔

جواب:- (۵) چاند رات بہت مصروف گزارتی ہے کاموں میں سب کے کپڑے سیٹ کرنے اور عید کی صبح کے کھانے پکانے کی پلاننگ کرتے کرتے مہندی لگانے میں۔

جواب:- (۶) عید کے دن کو خوش آمدید سب سے پہلے ابو کو عید مبارک کہہ کر اور اس بھی ہو جاتی ہوں کیونکہ ابو اور پچھو کو ایک ساتھ مبارک باد کہتی تھی مگر اب پچھو اس دنیا میں نہیں تو صرف ابو جان، ہاں پچھو کی مغفرت کے لیے بہت سی دعائیں ضرور کرتی ہوں۔

جواب:- (۷) عید کا رڈ بچپن کے سب میرے پاس ابھی تک محفوظ ہیں۔

جواب:- (۸) بچپن کی عید اور موجودہ عید میں فرق یہ ہے کہ پہلے صبح صبح جاگ کر جلدی سے نئے کپڑے پہننے کی جلدی ہوتی تھی اور جبکہ اب صبح کو کنگ کرنے کی تیاری شروع ہو جاتی ہے زیادہ تر وقت کچن میں گزار جاتا ہے عید الفطر میری پسندیدہ عید ہے کیونکہ ہمارے رمضان کے بعد روزہ داروں کے لیے خدا کی طرف سے تحفہ ہوتا ہے اور دل مکمل طور پر سکون میں ہوتا ہے ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ رمضان کے با برکت مہینے سے چھڑنے کا دکھ بھی اور عید کی خوشی بھی۔

حبیبہ نذیر..... شادیوال گجرات

جواب:- (۱) سحری میں ایلی بناتی ہوں الارام لگا کر سوتی ہوں ویسے کبھی کبھار ذمہ کی آواز سے بھی آنکھ مکمل جاتی ہے سب سے پہلے اٹھ کر تہجد ادا کرتی ہوں پھر آٹا گوند متی ہوں یا رات کو ہی گوندھ کر رکھ دیتی ہوں پھر پراٹھے وغیرہ بنا کر ساتھ ہی بناتی ہوں پھر کھروالوں کو اٹھاتی ہوں اور افطاری میں کچنیں ساتھ دیتی ہیں یکید اور مصباح تینوں بچپن مل کر کرتی ہیں۔

جواب:- (۲) بہت طریقے سے آرام سے صبح اٹھ کر گھر کے کام وغیرہ کر کے مارنگ شوخ کا جائزہ لیتی ہوں پھر ٹھوڑی دیر بعد قرآن پاک کی تلاوت کر کے اگر ٹائم ملے تو کوئی اچھی سی بک ریڈ کر لیتی ہوں اور معمول کے ساتھ نماز پڑھنا اور صبح وغیرہ پڑھنا الحمد للہ رمضان بہت آرام سے اور سکون کے ساتھ گزارتا ہے۔

جواب:- (۳) رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ شکرانے کے نوافل ادا کرتی ہوں اور خاص الخاص صبح پر 786 دفعہ بسم اللہ شریف پڑھتی ہوں رمضان میں بھی اور اس کے علاوہ بھی پڑھتی ہوں روزانہ میں اپنی قاری بہنوں کو کہتا چاہوں گی کہ

اپنا معمول بنالیں یہ پڑھنا ان شاء اللہ پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔

جواب:- (۳) عید کی مجلس اپنے پایا سے بھائیوں کی ہے۔ انوں سے اور بہنوئوں سے بس اور کسی سے بھی نہ ملتی۔ حق اور نہ لینا چاہوں گی۔

جواب:- (۵) کچھ مدت پہلے اسکا حکم جاتی ہوں۔ چاند دیکھ کر دعا کرتی ہوں سب کے لیے اور اپنے لیے اور سب گھر والوں کے کپڑے ساتری کر کے رکھ دیتی ہوں چاند رات کو ہی اور کچھ گھر کے کام بھی بناتی ہوں اور سب کٹون کر کے چاند رات کی مبارک باد دیتی ہوں ساری رات سوتی نہیں ہوں ہم تینوں بہنیں بہت انجوائے کرتی ہیں مصباح لکیر اور ایک دوسرے کو مندی وغیرہ لگاتی ہیں ہر بار مجھے بھی فورس کرتی ہیں تم بھی مندی لگوانا لیکن میں نہیں لگوانی مجھے پسند بہت ہے لیکن کیا کروں میں اور اس کی ہو جاتی ہوں مجھے خود بھی نہیں پتا میرے ساتھ کیوں ایسا ہوتا ہے دوسروں کو خوش دیکھ کر ہی خوش ہو جاتی ہوں (بس دعاؤں میں مجھے ہمیشہ یاد رکھے گا بلینز)

جواب:- (۶) عید کے دن سب سے پہلے فجر کی نماز ادا کرتی ہوں اور پھر ساری دعا مانگی کرتی ہوں پھر سوایاں بناتی ہوں پھر سب کھاتے ہیں اور پاپا کی تیاری کر کے انہیں مسجد بھیجتی ہوں پھر گھر کے کام ہم تینوں بہنیں مل کر کرتی ہیں پھر میں لہا کرانی ماما کے ساتھ عید کی نماز ادا کرتی ہوں پھر میں اپنی بڑی بہنوں نوپلا آبی اور کھلیا آبی کو کال کرتی ہوں کہ جلد از جلد جائیں لیکن وہ عید کے دوسرے یا تیسرے دن آتی ہیں پھر ہم سب مل کر بہت ہلکے کھاتے ہیں اپنی بھانجیوں ہادیہ نور اور ندیا نور کے ساتھ اور ابو بکر بھائی اور عمر فاروق بھائی ان دونوں کی بہت کی محسوس ہوتی ہیں پھر ہم اسکا سہاں کرتی ہیں اور ان سے بات کر کے نہیں سامنے دیکھ کر سکون آ جاتا ہے۔

جواب:- (۶) میں سنبھال کر رکتی ہوں عید کا راز بچپن سے لے کر ابھی تک سب کا راز میرے پاس موجود ہیں۔

جواب:- (۷) یہ کیسا سوال کر دیا آپ نے کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا پہلے بھی اور اب بھی ایک جیسی ہی گزرتی رہی ہیں عید میں کیونکہ گھر میں ہی گزرتی ہے میں بھی بھی عید کے دن انہیں بھی نہیں جاتی۔ معمول کے دنوں کی طرح گزرتے ہیں یہ دن بھی ایذا پہل پہل کی اور میری دونوں بھانجیوں زینت و نسیم آپ سب کو عید مبارک۔

فرحان حبیب ضیاء

سب سے پہلے تو آپ تمام کی خدمت میں محبت بھرا سلام ملے۔ میری جانب سے تمام مسلمانوں کو دعا کہل سے وابستہ تمام افراد کو عید کی دلی مبارک باد۔ اللہ پاک ہم سب کی عبادت قبول فرمائے آمین۔ اس بار سروے میں سوال نمونہ سے ہٹ کر زیادہ دلچسپ ہیں۔

جواب:- (۱) مجھ پر ہی ساری ذمہ داری ہے۔ سحر و افطاری کی اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کوئی بھی چیز باہر سے نہیں آتی ہر چیز گھر میں بنتی ہے اور افطار پر تو خاص اہتمام ہوتا ہے لیکن الحمد للہ میری بہنوئی ہے زیادہ تر وہی بناتی ہے۔ لیکن ظاہر ہے مجھے اس کے ساتھ مستقل رہنا پڑتا ہے دیکھنا اور ہر چیز کی مقدار بتانا طریقہ بتانا پڑتا ہے۔

جواب:- (۲) الحمد للہ میں ہر کام کے لیے مناسب وقت نکال لیتی ہوں۔ گھر پر امور بنانے کے بعد عبادت کے لیے بھی وقت آرام سے نکال لیتی ہوں اور ہر کام اگر تاہم ٹھیک اور وقت کی اہمیت کے ساتھ کروں تو باآسانی ہو جاتا ہے۔ کوشش کرتی ہوں کہ صلوٰۃ ایچ پڑھ لوں ویسے نوافل بھی پڑھ لیتی ہوں یا قضاے عمری۔

جواب:- (۳) ہاں یہ بات تو ہے عید لینے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ چاہے ہم جتنے بھی بڑے ہو جائیں دل کرتا ہے کہ ہمیں بھی کوئی عید دی دے۔ مجھے ضیاء عیدی لینے اور میرے ایک بھائی ہیں اللہ پاک ان کو شاد باد اور ہمیں آمین۔ اس بھائی سے تو میں منہ سے بانگ کر عیدی لیتی ہوں۔ ویسے مجھے میری تالی امی (ساس) مرحومہ بھی عیدی دیتی تھیں اور میری امی بھی دیتی ہیں۔ اللہ پاک میری امی کو سلامت رکھے آمین۔

جواب:- (۴) چاند رات کو تو گھر میں بہت ہنگامہ مچا ہوتا ہے۔ منائی، عید کے کھانوں کی تیاری جو ہمارے یہاں فرامشی پروگرام ہوتے ہیں۔ ان سب کی تیاری، کپڑے پریس کرنے اور پھر اس پر بھی ضیاء کو بھی بیٹے کو وہ پسند بھی نہیں آتا۔ یہ سارا کچھ کرتے کرتے 3, 4 بج جاتے ہیں۔ پھر فجر میں اٹھنا ہوتا ہے اتنا سب کر کے بھی صبح نہیں ہوتا اس کا بھی اپنا مزہ ہے۔

جواب:- (۵) صبح نماز سے دن کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر ناشتے اور شیر خوردگی کی تیاری میں لگ جاتی ہوں۔ عید کی صبح الگ اور حسین لگتی ہے۔

جواب:- (۶) عید کا راز تو کوئی نہیں رہے مگر عید کے حوالے سے اچیر ساری یادیں ہیں جو آج تک ذہن میں محفوظ ہیں اور ہمیشہ ہیں گی۔

جواب:- (۷) بچپن کی اور اب کی عید میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بچپن میں بے فکر تھی نہ کوئی مینشن نہ کوئی پریشانی بس دل کرتا تھا جلدی سے عید آ جائے اور ہم نئے کپڑے پہن لیں ایک ایک دن ہماری لگتا تھا۔ اب دل کرتا ہے کہ عید کا چاند صبح کے بجائے ظہر آئے تاکہ کام پورے ہو جائیں۔

جواب:- (۸) پہلے عیدی لینے کی کوشش ہوتی تھی اب عیدی اپنے کی مینشن۔ فی امان اللہ! پاک اس عید کو سب کے لیے بہت مبارک ثابت کرے آمین۔

سعدیہ عظیم..... بھاولپور

جواب:- (۱) افطاری اور عمری بنانے کا اپنا اپنا ہی طرز ہوتا ہے عمری امی ہی بناتی ہیں اور کسی بھی موقع ہمیں بھی ملتا ہے۔ افطاری ہم ہی بناتے ہیں اور میں بہت انجوائے کرتی ہوں کیونکہ بچپن میں ٹھہر کے خاص اہتمام کرتا بہت اچھا لگتا ہے روزہ ہوتا ہے سب کا تو اہتمام بھی خاص کرتا ہوتا ہے جو اچھے سے کرتی ہوں۔

جواب:- (۲) جیسا کہ آپ کو پتا ہے کہ رمضان المبارک میں کام بڑھ جاتا ہے لیکن تاہم ٹھیک بنالیا جائے تو کوئی مشکل نہیں ہوتی۔

جواب:- (۳) رمضان المبارک میں تو کچھ خاص کرنے کو دل چاہتا ہے جیسا کہ خاص عمری ہو، خاص افطاری یا رمضان المبارک کی کوئی نماز ہو کچھ خاص کرنا چاہتے ہیں اسی طرح میں نوافل، سورت یا عین وغیرہ کا اہتمام کرتی ہوں۔

جواب:- (۴) عیدی تو اپنے والدین، چاچاؤں اور ماسکوں سے لینا اپنا حق سمجھتی ہوں۔

جواب:- (۵) چاند رات کو ہم مل کے سارے کام ٹھیک لیتے ہیں اور تیاریاں تو پہلے سے کچھ کر لیتے ہیں ہاں کام بعد میں گھر کے امور ٹھکانے کے بعد ایڈ میں مہندی لگانا ہوتا ہے جو لازمی کام ہے ہمارا۔

جواب:- (۶) سب کو مبارک باد دینا اور نماز کیلئے تیار کرنا اور نماز کے بعد عیدی وصول کرنا۔

جواب:- (۷) بچپن کے عید کا راز تو کیا ہم نے کزنز کے دیے کے غلطو بھی ابھی تک سنبھال کے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ بہت یادگار چیزیں ہیں۔

جواب:- (۸) بچپن کی عید پر تو کہتے تھے کہ عید آتی ہے چیزیں کھانے کا دن ہے کچھ چٹائیں ہوتا تھا کھانے اور ٹھیکنے کے علاوہ اور اب تو ہوتا ہے کہ کچھ خاص کریں کہ سب انجوائے کریں اور سارا دن بچپن کی نذر ہو جاتا ہے۔ عید تو دنوں ہی ابھی ہوتی ہیں بڑی عید تو عید لگتی ہوتی ہیں لیکن ہم لوگ عید الفطر کو زیادہ اہتمام کے ساتھ مناتے ہیں کیونکہ رمضان المبارک کے بعد نئے والا انعام ہوتا ہے۔

نویہ بلال صبح..... ظاہر پیر

السلام علیکم سب سے پہلے میری طرف سے تمام لوگوں کو عید مبارک پیش کرتے ہیں چہ دل سے کھائے مبارک اس عید کے موقع پر یہ تحفہ ہے ذرا سا

اب آتے ہیں سوال و جواب کی طرف میرے پاس زیادہ دلچسپ جوابات تو نہیں لیکن کوشش کی ہے کہ آپ کو پسند آئیں۔

جواب:- (۱) ہمارے گھر میں سحر و افطاری ذمہ داری امی پر عائد ہے لیکن میں گھر کے دوسرے کاموں کے ساتھ ساتھ افطاری میں بھی مدد کر دیتی ہوں کوشش کرتی ہوں کہ امی کا پورا پورا ساتھ دوں۔

جواب:- (۲) رمضان المبارک عبادتوں کا مہینہ ہے اس لیے ہر کسی کی کوشش ہوتی ہے کہ ٹھیکوں سے دامن بھرا جائے کام بھی زیادہ نہیں ہوتا اسکول و کالج سے سب کی چھٹیاں ہوتی ہیں اس لیے کام کے وقت پر کام کر کے باقی وقت عبادت کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔

جواب:- (۳) کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ روزہ و تسبیح و قرآن کی تلاوت، تراویح و نوافل کے ساتھ ساتھ مشروں کی مخصوص دعاؤں کا ذکر بھی جاری رہے۔

سویا اس پر یہ عید میرے لیے کی ہوئی۔
آخر میں سب کو خوشیوں اور عید کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں دعاؤں
میں دعا کو یاد رکھیے گا۔

میزاب..... قصور

جواب:- (۱) سحر و افطار کی ذمہ داری عموماً گھٹس بلکہ یہ ذمہ داری ہوتی ہی
خواتین کی ہے اور مجھ پر سحری ہانے اور افطار کیلئے اہتمام کرنے کی یہ دونوں ذمہ داری
میری ہیں خاص طور پر سحری میں ہی ہٹائی ہوں جبکہ افطار کی تیاری میں اور بھابھی مل کر
کرتے ہیں۔

جواب:- (۲) جیسے کہ ہمیں پتا ہے کہ رمضان شریف کا مبارک مہینہ تو ہوتا ہی
عبادات کا ہے تو ایسے میں پہلے کوئی اگر نماز اور نفل عبادت پر زیادہ غور یا توجہ نہیں کرتا تو
اس مبارک مہینے میں سبھی کی کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ خدا کو راضی کرے پس
اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح عبادت کرنے کی توفیق دے اور ہماری نفل، فرضی سب عبادت اپنی
بارگاہ میں قبول فرمائے آمین۔

جواب:- (۳) اس مبارک مہینے میں اتنا سکون ہوتا ہے کہ بندہ کوئی لمحہ ضائع نہ
کرے اور جتنا ہو سکے اپنا وقت خدا کی یاد میں اور عبادت میں گزارے۔ رمضان کے
مہینے میں ہر وقت میرے ہاتھ میں تسبیح رہتی ہے اور کوئی نا کوئی دھانک زبان پر رہتا
ہے اس طرح کسی فضول بات کو سوچنے سے انسان بچا رہتا ہے اور خاص طور پر قرآن
پاک کی تلاوت کرنے کا تو اپنا ہی مزہ ہے اور وہ بھی ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ جس اللہ
تعالیٰ قبول فرمائیں۔

جواب:- (۴) چھوٹی عید پر عید لینے کی تو کیا ہی بات ہے اور وہ بھی سبھی سے
پانچ کر اور ڈنٹ کر لینا کتنا اچھا لگتا ہے لیکن یہ الگ بات ہے کہ مجھے بھی عید
مانگی نہیں پڑتی بلکہ خود ہی مل جاتی ہے اور ماشاء اللہ سے میرے چھ بھائی ہیں تو جب
سب سے عید ملتی ہے تو اتنا مزہ آتا ہے کہ پوچھیں مت یہ عید کی واحد خوشی ہوتی ہے
جو میرے چہرے سے دھمکتی ہے۔ جبکہ بہنوں سے عید کیلئے میں ذرا جھجک کر لیتی
ہوں کیونکہ وہ میں اپنا حق نہیں سمجھتی۔

جواب:- (۵) چاند رات کو پتا نہیں لوگ کیسے اتنے اچھے سے سلیمینٹ
کرتے ہیں کیونکہ میرے لیے تو چاند رات بھر پور مینشن کا نام ہے کیونکہ عید کے دن
سب کے لیے کھیر بھی ہٹائی ہوتی ہے جو کہ ہمارے رواج کے مطابق پانچ چھ گھنٹے سے
پہلے نہیں بنتی اور پھر سر شام سارے گھر کی لڑکیاں میرے سر ہو جاتی ہیں مہندی لگوانے
کے لیے انہیں مہندی لگاتے ہوئے بارہ بج جاتے ہیں کھیر بھی گھر والوں کے لیے
میرے ہاتھ کی ہوتی چاہے اس کے علاوہ میں کپڑے سلائی کرتی ہوں تو سبھی کے
کپڑے سلائی کر کے دباغ خراب ہو جاتا ہے تو میں اپنا سوٹ چاند رات کو سلائی
کرتی ہوں فاطمی یہ کہ ساری رات جاگ کر گزارتی ہوں اور نفل مینشن میں گھر کے
سبھی کام بھی کرنے اور اپنے آپ پر کوئی توجہ نہیں دے کہ میں نے آج تک عید پر
مہندی بھی نہیں لگوائی تھی چوڑیاں پہنی ہیں۔

جواب:- (۶) بہت ہی اچھے طریقے سے عید کے دن کا آغاز کرتی ہوں سبھی کو
بٹھا کھلا کر اور جو نزدیک نزدیک غریب لوگ رہتے ہیں ان کے گھر بیٹھا وغیرہ سب کچھ
اور کوشش کرتی ہوں کہ آج کے دن غصہ نہ کروں کیونکہ مجھے غصہ بہت آتا ہے۔

جواب:- (۷) سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے آج تک کوئی عید کا رٹلا ہی نہیں تھی
بچپن میں اور تھی اب اور مجھے شوق بہت ہے کہ کوئی مجھے عید کا رٹلا دے پر نامی یہ
خواہش آج تک پوری نہیں ہو سکی۔

جواب:- (۸) بچپن میں بڑوں سے سنتے تھے کہ عید تو بچوں کی ہوتی ہے جب
سوچتے تھے عید تو عید ہوتی ہے اس کی خوشی بھی سب کو ایک جتنی ہوتی ہے لیکن اب
جب بڑے ہو گئے ہیں تو واقعی پتا چل گیا ہے کہ عید تو بچوں کی ہوتی ہے اور مجھے بڑی
عید چھوٹی عید سے ٹھوڑی زیادہ پسند ہے کیوں چھوٹی عید پر عید پڑھتے ساتھ ہی
سارے بھائی اپنے اپنی تسلیہ کو لے کر اپنے اپنے سسرال چلے جاتے ہیں اور گھر میں
میں اور امی اکیلا رہ جاتی ہیں اور ہمیں اپنے سسرال میں بڑی ہوتی ہیں جبکہ بڑی عید
کا پہلا دن سارے لوگ گھر میں گزارتے ہیں تو اس لیے۔

حمیرا نوشین..... منڈی بھائو الدین

جواب:- (۴) بچپن میں عید آنے کا بہت انتظار رہتا تھا سب سے عید کی
لینا ہوتی تھی والدین ہماری ماموں خالہ وغیرہ سے ذمہ داری عید لینے کا اپنا ہی سرو تھا پر
اب دعوات نہیں رہی اس لیے والدین سے ہی حق جتا کر وصول کرتی ہوں۔
جواب:- (۵) چاند رات کو شام تک کرنے کا اپنا ہی مزہ ہے اس لیے افطاری
کے بعد بازار کا رخ کرتے ہیں مزے کی بات یہ ہے کہ اپنی دوستوں کو عید دینے
کے لیے چاند رات ہی کو خریداری کر کے عشا میں ہی کھوا دیتی ہوں۔
جواب:- (۶) ہر مسلمان کی طرح نماز و دعا سے فارغ ہو کر نہانا نیا لباس زیب
تن کر چار ہو کر بیٹھا کھانا بازار سے کھانے پینے کے لیے اپنی پسند کا سامان منگوا کر اور
ایک دوسرے کو عید مبارک دے کر۔

جواب:- (۷) کارڈ مجھے بہت پسند ہیں اور بچپن سے ہی دوست ایک دوسرے
کو عید کا رٹلا دیتے آئے ہیں اس وقت سے لے کر اب تک میرے پاس سارے عید
کا رٹلا موجود ہیں مگر میں پہلے ہی سے عید کا رٹلا نہ کر دیتوں کو دیتی ہوں۔

جواب:- (۸) بچپن میں بے لکڑی اور آ زادی سے عید کرنے کا اپنا ہی مزہ تھا
عید جمع کرنے کے بعد سب بچے مل کر بازار کی طرف نکل جاتے اور خوب انجوائے
کرتے لیکن اب تو عید کے روز بھی گھر تک ہی محدود رہتے ہیں یا ماموں کے گھر عید
ملنے جاتے ہیں خیر میرے لیے دونوں عیدیں ہی اپنی اپنی جگہ پر پسندیدہ ہیں اور
قابل احترام ہیں شکریہ۔

دعاے سحر..... فیصل آباد

جواب:- (۱) سحر و افطار میں ہی ہٹائی ہوں تو کوئی مسئلہ اس لیے نہیں ہوتا کہ
میں اپنی سے روزہ رکھتی ہوں اور روٹھن سے روزہ بھی میں ہی رکھتی ہوں (بہن بھائی
ابھی چھوٹے ہیں) افطار میں پکڑے سو سے وغیرہ روٹھن سے نہیں بنتے کہ میری
نظر میں یہ بے جا اسراف کے زمرے میں آتا ہے اور سارا دن خالی رہنے والا معدہ
ایک دم سے سرخ غذا میں مشغول نہیں کر پاتا میں عصر کے بعد تیاری شروع کر دیتی ہوں
اور مغرب سے کچھ پہلے ہی فارغ ہونے کی کوشش کرتی ہوں۔

جواب:- (۲) رمضان میں جہاں افطاری کی ذمہ داری بڑھتی ہے وہیں روٹھن
کے کام کم ہو جاتے ہیں یعنی درجہ آج کل گھر پر ہیں تو مدد کر دیتی ہیں سوز زیادہ مشکل
نہیں ہوتی۔

جواب:- (۳) نماز اور تلاوت کی پابندی کرتی ہوں اور میرے پاس کتاب ہے
”رمضان المبارک کی عبادات“ تو اس میں بتائی گئی عبادات و تسبیحات کو فالو کرتی ہوں۔
جواب:- (۴) ماما ہر تہوار پر کچھ اچھا سا گفٹ کرتی تھیں مجھے اور اب تو میرا شمار
عید دینے والوں میں ہونے لگا ہے مگر بھی پاپا اور ماما سے ہی عید لینا لیتی تھی جو ہمیشہ
یعنی رضا مارسل ماسور پر خرچ ہو جاتی ہے۔

جواب:- (۵) ہماری عید کی ساری تیاری رمضان کے پہلے عشرہ میں ہی مکمل
ہو جاتی ہے کیونکہ شعبان سے شروع کر دی جاتی ہے تو چاند رات کو بس گھر چلو امور
ہوتے ہیں یا پھر یعنی درجہ کو مہندی کی گھر مجھے مہندی لگانا پسند نہیں تو مجھے ایسی کوئی فکر
ہی نہیں ہوتی۔

جواب:- (۶) عید کی صبح سماج گاتی تھیں (دیے میں تو 12 بجے ہی سب کو عید
مبارک کا سچ کر دیتی ہوں) پھر ختم ہونے والے کاموں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے
بچوں کو تیار کرنا نماز پڑھنے جانا آ کر بھیدیاں ہٹانا عید کی کالین دین اور مہمانوں کی
آمد کوئی یہ سب دعا کی عید۔

جواب:- (۷) اتنا احب کہتی تھیں دعا تو پھر ابھی سنبھال کر رکھتی ہے کیونکہ میں
گفٹ کو بھی بہت احتیاط سے رکھتی ہوں۔ بچپن سے ہی کوئی خاص دوستی کسی سے
نہیں رہی لہذا کسی کی طرف سے کارڈ کا سلسلہ بھی نہیں تھا ہاں ہر فلکشن یا تہوار پر خود کو
خود ہی ڈنٹ کرتی ہوں کارڈ بھی لیتی ہوں خود کے لیے اور گفٹ بھی اور وہ سب سنبھال
کر رکھتی ہیں۔

جواب:- (۸) بچپن میں تو ہر عام دن بھی شب بھات سے کم نہیں ہوتا تھا اور
جس دن کوئی پسند کی چیز ملے یا کوئی پسندیدہ مہمان آ گیا تو عید الفطر اور عید الاضحی
انہیں ہمارے گھر آئیں اب تو عید بھی یوں ہی گزار جاتی ہے کہ کپڑے ڈھگر پر ہی
لٹکے رہ جاتے ہیں۔ پہلے سال چاند رات پر میری ماما کی ڈھکھ ہوتی تو آپ اندازہ لگا

جواب:- (۱) سحر و انظار کی ذمہ داری پختہ خواتین پر ہی عائد ہوتی ہے جو اسٹ فیل سسٹم میں ایڈسٹری تقسیم ہو جاتی ہے کسی نے سحری بنا کر ثواب کا ذخیرہ اکٹھا کیا اور کس نے روزہ انظار کرا کر ٹیکسوں کا پلڑا بھاری کیا مگر جو خواتین الگ رہتی ہیں انہیں ذوق و شوق سے یا چارو ناچار دونوں ہی تیار کرنے کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے اور میں بھی چند سالوں سے انہی خوش نصیبوں میں سے ہوں سحر و انظار کی ذمہ داری مجھ پر ہی ہے۔ میاں صاحب کی ذمہ داری کھانے اور صرف کھانے کی ہے کیونکہ مجھے مردوں کا کام کرنا بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ انظار کی مکمل اہتمام ہوتا ہے روزنی ڈشز تیار ہوتی ہیں بازار سے بھی خدمات حاصل کی جاتی ہیں مگر زیادہ تر گھر پر ہی سب کچھ تیار ہوتا ہے۔ سحری بالکل سادہ ہوتی ہے پراٹھا سالن یا انڈے کے ساتھ ساتھ میں کوئی مشروب دودھ سوڈا کسی وغیرہ بنا سکتی ہوں۔ یہی بھی لازمی جزو ہے۔

جواب:- (۲) رمضان المبارک میں سحری کر کے نماز اور ذکر و دعا کے بعد لمبی اور گہری نیند لیتی ہوں مختلف کاموں کے لیے مختلف ملازمتیں آتی ہیں اس لیے اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی ہاں کوئے کھدروں، الماریوں اور کچن کی معمولی صفائی ہمیشہ خود ہی کرتا پڑتی ہے۔ دونوں بچوں کو ناشتہ وغیرہ کرا کر میں دھو کر کے قرآن پاک کی تلاوت کرتی ہوں پھر جو ضروری کام نظر آ رہے ہوتے ہیں وہ کرتی ہوں تھوڑی دیر ڈائجسٹ بھی پڑھ سکتی ہوں انظار کی کامیابی کا دن پہلے ہی طے ہو چکا ہوتا ہے اس لیے تمام چیزیں موجود ہوتی ہیں نماز ظہر اور تسبیحات سے فارغ ہو کر میں کچن کا تھوڑا دیر کیلئے رخ کرتی ہوں کہ اگر شام میں دہی بڑے بول یا بریانی وغیرہ بنانی ہوتی ہے تو اس کی آدھی تیاری اس نام کر سکتی ہوں بوندی گرم پانی میں بھل کر تھار کر رکھ دیتی ہوں یا لو بواں کر لیتی ہوں۔ پیاز، ٹماٹر وغیرہ کاٹ لیتی ہوں۔ بریانی کا مسالا تیار کر لیتی ہوں اسی طرح اگر روٹل بنانے ہیں تو اس کا آمیزہ تیار کر کے روٹل بنا کر فریج میں رکھ دیتی ہوں نماز عصر کے بعد ایک بار پھر قرآن پاک کی تلاوت کر کے کچن میں داخل ہو جاتی ہوں۔ انظار کی سب کچھ منٹ پہلے میں فارغ ہو جاتی ہوں جن جن کے گھر انظار کی بھیجی ہوئی ہے وہ بھیج کر دھو کر کے بیچ سنبھال لیتی ہوں۔ ساتھ ساتھ دسترخوان پر چیزیں چنتی جاتی ہوں مٹی تو میری ہے نہیں جو میری سیلپ کر دے دو بچے ہیں ان کا کام صرف کام بڑھانا ہوتا ہے بڑا بیٹا ماشاء اللہ اب نو سال کا ہو گیا ہے میں روزہ انظار کر کے مطرب کی نماز پڑھ سکتی ہوں اور وہ دسترخوان پر سے ساری چیزیں اور برتن کچن کے کاؤنٹر پر منظم کر دیتا ہے جو روزہ نوازی ہے اس کی دل اسی پر خوش ہو جاتا ہے۔

جواب:- (۳) رمضان المبارک کی خاص عبادات میں ذکر و دعا کی تسبیحات بڑھ جاتی ہیں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کا شرف بار بار حاصل ہوتا ہے تہجد کے لواظ اور کر کے سکون قلب کی دولت ملتی ہے بازار وغیرہ جانے سے اجتناب کرتی ہوں لی دی سے مکمل احتراز ہوتا ہے خاصوٹی بڑھ جاتی ہے فضول کوئی ترک ہو جاتی ہے میرے خیال میں یہ بھی عبادت میں شامل ہے۔ لب ہر وقت ذکر الہی اور ذکر مصطفیٰ میں مصروف رہتے ہیں۔

جواب:- (۴) عید کی لینے کا واقعی اپنا ہی ایک مزہ ہے میں چھوٹی ہونے کے ناتے سب بہن بھائیوں سے اور رشتہ داروں سے عید کی بٹورٹی بھی مکراب میری جگہ میرے بچوں نے لے لی ہے۔ میری امی، بہنیں، بھائی، بھابھیاں سب میری عید میری بچوں کی طرف منتقل کر دیتے ہیں اور وہ اپنے اپنے منی باکس بھر کر خوب اترتے ہیں کہ ہمارے پاس بڑا روٹی کی تعداد میں عید کی ہے۔ ماما بابا اگر آپ کو ادھار پیسے چاہیے ہوں تو ہمارے بچوں کی طرف رجوع کریں۔

جواب:- (۵) میں کئی دن پہلے سے صفائی وغیرہ کا کام شروع کر دیتی ہوں چاند رات کو مکمل صفائی ہو جاتی ہے صبح بھگی پھلکی سی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے جو میری میڈم صبح آ کر کر جاتی ہے سارا دن گھر چمکتا رہتا ہے چاند رات کو ہی کھیر بنا لیتی ہوں روٹل کا آمیزہ تیار کر سکتی ہوں چٹا چٹ کے لیے چنے اور آلو بواں کر لیتی ہوں صبح مہمانوں کی آمد سے قبل سب کچھ تیار ہوتا ہے اپنے ہر جینڈ اور بچوں کے کپڑے ایک دن پہلے ہی پر لیں کر کے چنگ کر دیتی ہوں مجھے صبح وقت پر کام کرنا بہت برا لگتا ہے وقت سے پہلے ہر چیز ریڈی ہوتی ہے۔

جواب:- (۶) عید کا دن بڑا خوشگوار ہوتا ہے بچے عید کی آمد پر کلکسٹار ہے ہوتے ہیں انہیں اس طرح خوش دیکھ کر ہمارا دل خوش ہو جاتا ہے اور عید کی خوشی صبح

معتوں میں محسوس ہوتی ہے بچوں کو تیار کر کے کزنز کی طرف بھیج دیتی ہوں۔ ہر جینڈ عید کی نماز کے لیے چلے جاتے ہیں میں ان کتے سے پہلے تیار ہو جاتی ہوں عید والے دن صبح صبح تیار ہونا بڑا اچھا لگتا ہے۔

جواب:- (۷) بچپن کے کارڈز تو سنبھال کر نہیں رکھے ہوئے البتہ بچپن کے کارڈز ابھی تک میرے پاس محفوظ ہیں انجمن کے بعد شوہر کی طرف سے ملنے والے تمام کارڈز اور ٹکٹس جی ابھی تک میرے پاس محفوظ ہیں اور میں اکثر ان کو نکال کر پڑھتی اور دیکھتی ہوں تو بہت اچھا لگتا ہے عجیب سی خوشی ہوتی ہے۔

جواب:- (۸) بچپن کی عید بے فکر کی عید ہوتی تھی کھانا پینا، گھومتا پھرتا، دوستوں سے ہمیں لڑاتا اس عید کا اپنا ہی ایک حرحہ تھا ان عیدوں کی خوشی تو شاید ہی کسی کو مل سکے آج کل مادہ پرستی کا دور ہے عیار، محبت خلوص مٹتا ہو چکا ہے مجھے سے مجھے کپڑے سلوائے جاتے ہیں بڑا روٹل کی شاہج کر کے بجٹ تک خراب کر لیتے ہیں اور پھر ایک دوسرے سے ملتا تک پسند نہیں کرتے تیار ہو کر بھی سوچتے رہتے ہیں کہ وہ ہمارے ہاں آئیں گے تو ہم بھی ان کے ہاں جائیں گے۔ مجھے عید انظر بہت پسند ہے اس کتے کا پتا چلا ہے 30 دن روزے رکھ کر اس کا انتظار کرتے ہیں اس عید کا اپنا ہی حرا ہے۔

عائشہ نور عاشا..... گجرات

جواب:- (۱) یہ پہلا رمضان ہے جس میں سحری اور انظار دونوں کی ذمہ داری مجھ پر ہے سحری کے لیے میں پہلے سے ہی بچپن اور آٹو کباب بنا کر فرج کر رکھے ہیں اور انظار میں ہمارے ہاں ایک دو ڈشز پر گزرا نہیں ہوتا۔ اس لیے انظار میں تھوڑا وقت لگ جاتا ہے لیکن سحری و انظار بنانے میں الگ ہی حرحہ ہے۔

جواب:- (۲) رمضان المبارک کے بر کیف لمحات میں گھر کے امور اور عبادات میں توازن رکھنا میرے لیے مشکل بالکل بھی نہیں کیونکہ میں سوتی بہت کم ہوں اور میرا راتنام مکمل آتا ہے سحری کے بعد بھی زیادہ وقت عبادت میں گزرتا ہے اور اس کے بعد گھر کے کام سنبھال لیتی ہوں۔

جواب:- (۳) یہ مجھ پر میرے رب کا کرم ہے کہ میں اپنا فرض (نماز) ہمیشہ ادا کرتی ہوں اور رمضان میں نمازیں اور تلاوت قرآن لکھی ہو جاتی ہیں ویسے تلاوت قرآن ایک دفعہ کرتی ہوں اور اس مبارک ماہ میں تین سے چار مرتبہ کرتی ہوں۔

جواب:- (۴) آپ کی شادی کے بعد چاند رات کے کاموں کو سنبھالنے کا موقع پہلی بار ملا ہے اور پھر پورے کوشش ہوئی کہ ماہ رمضان کی طرح چاند رات بھی اچھی رہے۔

جواب:- (۵) ہاں جی عید لینے کا اپنا ہی حرحہ ہے اور میں بھائی سے لکھی ہوں باقی جس کی مرضی ہے۔

جواب:- (۶) نماز اور ذکر کے بعد میں آخری آرام گاہ ضرور جاتی ہوں اور اس بار بھی کوشش کروں گی اور اگر صحت ہوئی تو ضرور جاؤں گی کیونکہ وہاں بے حد سکون ہوتا ہے شاید اس لیے کہ ہمارا آخری گھر وہی ہوتا ہے۔

جواب:- (۷) اللہ اللہ وہی کی نذر کیوں کریں جی وہ بھی جو فریڈ نے اتنی محبت سے دیے ہوں میرے پاس بچپن سے لے کر آج تک کا ہر کارڈ محفوظ ہے ان میں سب سے زیادہ کارڈ میری بہت اچھی دوست رفا کے ہیں وہ ہمیشہ خود کارڈ بنا کر دیتی ہیں ان کا رڈز میں ایک کارڈ میری کزن کرن کا بھی ہے جو میرے پاس محفوظ ہے۔

جواب:- (۸) بچپن کی عید اور موجودہ عید میں بہت فرق ہے بچپن کی عید میں اپنی ذات ہی محو ہوا کرتی تھی مکراب کوشش ہوتی ہے کہ دوسروں کی ذات محو بنائی جائے۔ ان فیکٹ اس بار میں نے اور میری سسٹر عین افضل ڈائج نے ایک مقصد ترتیب دے رکھا ہے تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ دعا کریں کہ ہمارا رب ہمیں ان فیک مقاصد کا مایاب کریں اور پھر ہر سال یہ دعوت اختیار کرے مقصد پورا ہو جانے کے بعد آپ تمام بہنوں سے شیئر بھی کروں گی۔

سدرہ..... بھاولنگر

جواب:- (۱) میری کوئی بھی چوڑی لکھی نہیں ہے میں امی، بھائی اور دو چھوٹی بہنیں باقاعدگی سے روزے میں اور امی ہی رکھتی ہیں اس لیے سحری پر کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ انظار پر اہتمام ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داری مجھ پر ہی ہے اس لیے چھوٹی بہنوں کو ساتھ لگاتی ہوں اور جو ڈشز مثلاً بیٹے، چکڑے، فروٹ

جانتے ہیں کہ یہ بھی سہولت ہے۔
 جواب: (۲) چونکہ عقیقہ کی پہچان ہی ہے اور سب سے پہلے سو گھر کا کام
 آتا ہے اس لیے سب سے پہلے سو گھر کا کام کر کے عقیقہ ہوتی ہے اور جب مرضی عبادت
 کریں گے تو عبادت میں سہولت ہوگی۔

جواب: (۳) رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ طیبہ اور استغفار کا روز
 کہنا چاہیے۔
 جواب: (۴) بی باکل عید لینے کا اپنا ہی حرم ہے میں حق سمجھ کر تو کسی
 سے سہولت نہیں کرتی کیونکہ سب ہی عید لینے دیتے ہیں کہنے سے پہلے اس لیے کوئی
 بحث نہیں۔

جواب: (۵) اہل گھر صرف سفر ہوتا ہے اس لیے زیادہ کچھ نہیں پڑتا۔
 پانچویں کو خوش و خوش چاہیں اور کچھ لینے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اس کے علاوہ
 گھر کے لیے عقیقہ کر کے رکھا جاتا ہے جو کہ عموماً کشترا پر مشتمل ہوتا ہے اپنی چار دیواری میں
 جتا ہے اور دوسرے ممکن جگہوں کے پڑے پر اس کر کے رکھی ہوں اور ہاں
 سب سے پہلے عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۶) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۷) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۸) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۹) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۱۰) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۱۱) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۱۲) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۱۳) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۱۴) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۱۵) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۱۶) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۱۷) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۱۸) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۱۹) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۲۰) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۲۱) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

وقت و شوق سے کرتے ہیں جس میں چاہت ملی کا شریعت اور حدیثی ہدایتیں ہیں۔
 قرآن و حدیث و غیرہ ضروریات شامل ہیں۔

جواب: (۲) ہماری خواہش یہ تھی کہ ہم خاص کام نہیں ہیں سہولت بات کر
 کام کرنے میں اس لیے کام کے وقت کا سہولت عبادت کے وقت عبادت میں ہوتی ہے۔
 جواب: (۳) نماز تو ہم پر ہی پڑی جاتی ہے لیکن قرآن پاک ہر صحت میں
 سنا جیسویں روزے کو ضرور ختم کر دینا ہوتا ہے تو اس لیے چاہے ایک دن میں تین یا
 چار چار مرتبہ ہی کیوں نہ پڑھیں وہ پڑھنے ہی ہوتے ہیں۔

جواب: (۴) ہم باپ دادا کی مائی ماما چاہو جو کہ بہت جگہ کرنے کے بعد
 ہی دیتے ہیں پر حرم بہت آتا ہے ان سے عید لینے میں اس کے علاوہ کچھ لوگ خود
 ہی کچھ دیتی ہیں ان سے مانگنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی لیکن آج کل تو میں
 اپنی کزن اقرا سے بھی لیتی ہوں کیونکہ وہ ایک شجر جو ہیں۔

جواب: (۵) پانچویں کو تو کام ختم ہی نہیں ہوتے لیکن پھر بھی ہاتھ پر ہوتی
 جاتے ہیں۔
 جواب: (۶) ایک دوسرے کو ہندی دکھا کر پھر ای کی قبر پر جاتے ہیں اس
 کے علاوہ ہر گھر آ کر شہد و غیرہ ہوتا ہے۔

جواب: (۷) بچپن میں ملنے والے کارڈ کھیل عید پر ہی جلا ڈالے تھے لیکن
 جو کہ یاد خاص ہیں وہ اب بھی تک پڑے ہوئے ہیں۔
 جواب: (۸) بچپن کی عید کا تو اپنا ہی حرم ہے جہاں دل کرتا تھا وہاں کھو جتے
 تھے لیکن اب صرف عبادت ملنے پر ہی جاتے کا موقع ملتا ہے اس لیے بچپن کی عید
 میں ہی حرم ہوتا ہے۔

جواب: (۹) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۱۰) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۱۱) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۱۲) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۱۳) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۱۴) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۱۵) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۱۶) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

جواب: (۱۷) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 جواب: (۱۸) عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔
 عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے اور عید لینے کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

میں نے کسی کو یہ نہیں دیا۔ یہ میرے لئے تھا۔ تو کوئی ہی ہو جاتی ہے
 اور پھر خود پر بھجی جان سے حسد آتا ہے کہ میں سو گری کرتی ہوں یا
 اپنے عیادت آگاہ کے ساتھ۔

جواب۔ (۷) ایک فہم کی کہ تحقیق کی تہذیب ہو گئے ہیں یہاں سے۔
جواب۔ (۸) کوئی فرق نہیں ہے جیسے میں اپنے مکرر واپس کی نظر
میں بھی لگتی ہی ہوں وہ مجھے جھوٹی عید یعنی عیدِ فطر پہنچے ہے وہ جہاں کی ہے کہ
یہی عید ہر طرف گوشت کی گوشت تھک رہا ہے اور گوشت میں نے بھی زندگی میں
کما ہی نہیں اور سب سے قرم میں تمام چار میں کرہ تمام تھکے والیاں میری آجیالا
جہاں سے مسک کوئی کی جانب سے لک کی کمر اس میں سے عید مبارک ایڈا اللہ اعظم۔
(۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰)

خاصہ تاحفہ — نو شہرہ ویرکان (دوئی جلت)

اسلام عظیم سے پہلے تو انچہا صاف سمراہنہ مدہلانے کیلئے نئی قیصر
آرا اور دیگر معضنین جن کی دل آویز، پر اثر اور فصحت میز کی تھیں ہمیں زندگی میں
آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہیں گو بہت بہت مہارک بارہتہ کرتے چل یونہی جان دیتی
رات چمکی ترقی کرتے آئین۔ سال کے بارہ محضوں سے ایک مہینہ اور مضامین کا ہے
کہ جس میں عتہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں اور برکتوں اور نعمتوں کا سمندر بہا دیا ہے یوں
محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی ہو ہر ایک کی کوشش ہوئی ہے
کہ روزانہ سے کد بارہ اس کی برکتوں اور نعمتوں سے فیضیاب ہو۔

جواب :- (۱) شاوی سے پہلے سحری تو ای سی تیار کرنی چھیں، ہاں البتہ لفظاری میں تھوڑی بہت پھر کر دینی بھی مرئی کے گوشت کے پکھڑے بہت حرے کے مثالی چھیں اس کے علاوہ چھین وغیرہ صاف بھی چھیں لیکن شاوی کے بعد الحمد للہ لفظاری اور سحری دونوں خود تیار کرتی ہوں اتنا تو اہتمام نہیں کرتی کیونکہ ہم ساوہ غذا کھاتے ہیں لیکن پھر بھی کسی نیکو کی کچھ نہ کچھ ضرور ملائی ہوں۔

جواب۔ (۲) میں چونکہ شادی شدہ ہوں اور بادشاہ اللہ سے میرا واسطہ ہے اور ابھی سے سسرال میں رہتا ہوں اور ابھی میں کوشش کرتی ہوں کہ ان کا بھی پورا خیال رکھوں اس کے علاوہ میں کالج میں ایک اے فزیکل کی اسٹوڈنٹ بھی ہوں۔ آج کل کلاسز ریکلر ہو رہی ہیں تو کافی وقت روکتا ہے لیکن میں اب صرف یہ سب کچھ کر سکتی ہوں بلکہ اپنی عبادات کے لیے ابھی باقی کمال بھی ہوں نماز اور قرآن پاک کی عبادت بھی خشوع و خضوع کے ساتھ کرتی ہوں قرآن پاک سحری کے بعد عشا کی نماز کے بعد پڑھتی ہوں۔

جواب: (۳) چونکہ رمضان المبارک میں ہر نیکی کا اجر 70 گنا زیادہ ہو رہا ہے اور یہی معاملہ عبادات کے ساتھ ہے تو سب سے پہلے تو میں نیماز کی پابندی کروں گا۔ قرآن مجید کی باتا بھی کے ساتھ دنوں میں دو دفعہ تلاوت کرتی ہوں اور رمضان میں کوشش ہوتی ہے کہ قرآن مجید کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھوں ویسے بھی اگر سکون نہ کر میں ہے تو اس کو یاد کر کے دلی سکون ملتا ہے۔

جواب:- (۴) عیدی لینے کا حق تو بچپن میں ہی زیادہ ہوتا ہے ہوتا ہے،
 سے پیدا ہوگئے تھے تو ان سے عیدی لینی کسی شادی کے بعد بھی لینی ہوتی ہے
 عیدی لینے میں حرج ہوتا ہے تو دینے میں بھی آتا ہے زیادہ لیا جاتی ہے
 جواب:- (۵) اف چاند رات کیا سول پوچھ لیا آپ نے ایک آگیا
 افراتفری ہوگئی ہوتی ہے شادی سے پہلے چاند رات کو ای کوئی میٹھی چیز جیسے
 کسٹرو وغیرہ بنا کر فرنگ میں رکھ دیتی تھی ہم سب بہن بھائی نے کپڑے تو

10 تا 12 دن پہلے بنوا لیتے تھے لیکن جوتے اور چمڑیاں جو کے ساتھ چاند رات جا کر خریدے تھے اس کا ہتھاسی مراد ہوتا تھا شاہی کے بعد میں اس چیز کو بہت کم ہوں شاہی کے بعد چاند رات کو سب کے کپڑے عستری کر کے کد کھدایے اور کوئی میٹھی چیز ملا لیتی ہوں میں چونکہ جوائنٹ سکیلی میں آئی ہوں تو سب بچوں کا کپڑا ہوتا ہے۔

جواب :- (۶) میرے دل میں سب سے پہلے نماز پرستی ہوں میرے دل میں
شکر لیا کرتی ہوں کیونکہ یہ بیشک روزِ عباد کے لیے ایک انعام ہے مگر میرا
ہوں اس کے بعد اگر جیسا سوچا ہو تو اس کے پاس جا کر کانٹا کھانے کا نام سے میری
کتنی ہوں اور پھر دن کا آغاز ہو جاتا ہے۔

اگست ۱۵ء 43

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
PK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

PR.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

جواب: (۷) عید کا روز بھیجتا بہت پسند ہے اور میں نے تو اپنی دوستوں کے سارے عید کا روز سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں میرے خیال میں یہ ایک خوب صورت روایت ہے لیکن مجھے لگتا ہے کہ اب یہ روایت دم توڑ رہی ہے۔ اب تو لوگ عید کے سنبھالنے کا زیادہ تر موبائل فون پر بھیجتے ہیں لیکن میں اب بھی اپنے دوستوں اور عزیزوں کو عید کا روز بھیجتی ہوں جو عید کا روز میں جہد کسی اور میں کہاں۔

جواب: (۸) اب کی عید اور بچپن کی عید میں بہت فرق ہوتا ہے اب کو تو چاہی ہے کہ کتنی آزادی اور بے فکری کی عید ہوتی ہے کسی بھی بات کی کوئی مینشن نہیں ہوتی بچپن میں صرف اور صرف اپنے جوتوں اور کپڑوں سے غرض ہوتی ہے۔ عید کا مزہ تو اب بھی آتا ہے مگر سو طرح کی پریشانیوں اور مینشن وغیرہ ہوتی ہیں لیکن عید کا اپنا ہی مزہ ہوتا ہے۔ میں 2013ء کی عید کو بھی کسی بھی نہیں بھلا سکتی جب اللہ نے مجھے ماستا جیسے رشتے سے ہمکنار کیا اور موسیٰ علی کی صورت میں مجھے چاند سا بیٹا دیا میری یادگار عید تھی وہ ان لمحوں کو میں کبھی بھی نہیں بھلا سکتی۔

آخر میں اتنا ہی کہنا چاہوں گی کہ روزہ صرف یہی نہیں کہ بھوکا رہنا اور روزہ ہو گیا بلکہ روزہ ہماری آنکھوں کا بھی ہوتا ہے زبان کا بھی ہوتا ہے کانوں کا بھی روزہ ہوتا ہے جسم کے ہر عضو کا روزہ ہے تو خدا ارا جھوٹ، غیبت، چوری، کالی گلوچ ان سب سے پرہیز کریں۔ سب سے اہم بات حقوق اللہ کی اوائلی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھیں یہ رمضان آپ سب کے لیے جنتوں پر کتوں کو سینے کا مہینہ بنے قائم۔

سلمیٰ عنایت۔۔۔۔۔ کھلا بہت، قانون شب

جی جناب! چل ہاتھ میں آ باورق گردانی کرتے کرتے میری نظر عید کے رنگ پر پڑی تو جی چل اٹھا کیوں نہ میں بھی اس سروے میں حصہ لوں تو جی سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

جواب: (۱) بھی نظاری تیار کرنا میری ذمہ داری ہے میں عصر کی نماز پڑھ کر نظاری کی تیاری شروع کرتی ہوں نظاری میں پکڑے، چٹا چاٹ، فردٹ چاٹ اور مشروب وغیرہ تیار کرتی ہوں میں سارے کام خوش اسلوبی سے کرتی ہوں اور میری عادت ہے کہ کام کے دوران میں، میں اپنی زبان کو دروازائی سے تر رہتی ہوں۔

جواب: (۲) رمضان المبارک میں چونکہ زیادہ کام نظار اور سحری کے وقت ہوتا ہے جسے میں اچھے طریقے سے مکمل کر دیتی ہوں رمضان میں، میں رات کو نہیں سوتی بلکہ اپنے فطہ کے حضور گھڑی رہتی ہوں سحر تک میں نماز تہجد ادا کرتی ہوں اور امی کے ساتھ سحری تیار کرتی ہوں۔ سحری نماز کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہوں اور تھوڑی دیر کے لیے آرام کرتی ہوں اشرفی کے وقت اٹھ کر پھر نماز تلاوت قرآن پاک اور وظائف کرتی ہوں سحر تک یہی معمول رہتا ہے پھر نظاری کی تیاری کرتی ہوں۔

جواب: (۳) رمضان المبارک میں اپنا زیادہ تر وقت قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے گزارتی ہوں اور رمضان المبارک میں نماز تہجد کا اہتمام کرتی ہوں عام دنوں میں بھی نماز تہجد ادا کرتی ہوں مگر رمضان المبارک کی راتوں میں نماز تہجد کا اپنا ہی لطف ہے میری تمام قارئین بہنوں سے گزارش ہے کہ یہ مبارک مہینہ ہے اس میں خدا کا اپنے بندوں پر خاص کرم ہوتا ہے ہم سحری کے وقت اٹھتے ہیں طرح طرح کی دُشمن تیار کرتے ہیں اگر ہم حضور کے دو پا چار رکعت نماز تہجد ادا کریں تو کیا فرق پڑتا ہے ہمارا اللہ ہم سے راضی ہوگا اور اپنا کرم فرمائے گا۔ میری بہنوں ہر رمضان کو ایسے کڑا دھیسے یہ تمہارا آخری رمضان ہو پھر دیکھو کہ کیسے عبادتوں میں سکون ملے گا کیسے زندگی سنور جائے گی اور ساتھ ہی رمضان کی مبارک گھڑیوں میں اپنے لیے میرے لیے اور تمام امت سلسلے کے لیے دعا کریں۔

جواب: (۴) جی میں عیدی لینے کا اپنا ہی مزہ ہوتا ہے میں اپنے والدین، بچا، ماموں، دادا، نانا، نانی سے عیدی لینا اپنا حق سمجھتی ہوں۔

جواب: (۵) چاند رات کے موقع پر میں اپنی امی کے ساتھ مل کر بہن بھائیوں کے عید کے کپڑے پر لیں کرتی ہوں اور دیگر کام نمٹاتی ہوں تو جناب اپنی تیاری یہ کرتی ہوں کہ مہندی لگاتی ہوں اور بہن کو بھی لگاتی ہوں امی کو لازمی مہندی لگاتی ہوں میں تو چاند رات کو جاتی رہتی ہوں مجھے تو خوشی سے نیند نہیں آتی۔

جواب: (۶) عید کے دن کا استقبال بہت خوشی سے کرتی ہوں کیونکہ یہ دن تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے جنتی تحفہ ہے۔ جس پر خوش ہوں ہمارا غرض

ہے تاکہ ہم اپنے رب کا شکر ادا کریں کہ اس نے یہ دن ہمیں عطا کیا میں خوشی کا اظہار کر کے عید کو خوش آمدید کہتی ہوں۔

جواب: (۷) بچپن میں ملنے والے عید کا روز میں نے سنبھال کر رکھے ہیں کیونکہ یہ ایک حسین ہار ہوتے ہیں میرے پاس میری کنبلی لالہ حیدہ، عائشہ اور تاباں خان کے کاڑ موجود ہیں اس کے علاوہ میرے طیب ماموں کے دیے ہوئے کاڑ بھی میں نے سنبھال رکھے ہیں میں ہر عید کے موقع پر پرانے عید کاڑ کھول کر دیکھتی ہوں اور پرانی یادیں تازہ کرتی ہوں۔

جواب: (۸) بچپن کی عید میں اور موجودہ عید میں بہت فرق مجھے محسوس ہوتا ہے کیونکہ جب چھوٹے تھے تو جب 29 روزہ ہوتا تو انتظار رہتا کہ اللہ کرے چاند نظر آ جائے اور کل عید ہو ہم تو امی سے پوچھ پوچھ کر جھکتے تھے کہ امی عید کب آئے گی اس کے علاوہ جب امی کا کام مکمل نہ ہوتا تو امی کہتی کہ اللہ کرے 30 روزے ہوں تاکہ میرا کام مکمل ہو جائے مگر میں تو لعل پرستی اور دعا میں کرتی کہ اے اللہ آج آخری روزہ ہو میں روزے نہ ہوں بلکہ 29 کے بعد عید ہو ہمیں عید کا شدت سے انتظار ہوتا تھا مگر آج کے دور میں بچوں میں وہ جوش و خروش ہی نہیں اور نہ ہی انتظار ہوتا ہے عید کا جیسے ہم لوگوں کو ہوتا تھا۔

میں سچ بتاؤں تو مجھے دنوں کی عیدیں بے حد پسند ہیں دنوں کے الگ الگ رنگ اور مزہ ہے۔ عید الفطر اور عید الفی دنوں خدا کی طرف سے مسلمانوں کے لیے بہترین تحفہ ہے اس لیے دنوں عیدوں پر خوشی کا اظہار کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

دلکش مریم۔۔۔۔۔ جینیوٹ

جواب: (۱) کھانا ہماری والدہ خود بناتی ہیں مگر سحری میں چائے بنا کر پیش کرتا اور افطاری میں دسرخوان کو مختلف ڈشز سے سجانا میری ذمہ داری ہے۔

جواب: (۲) رمضان ہو یا عام دن کھانا ہمارا دوپہر سے پہلے ہی تیار ہو جاتا ہے ساتھ ہی گھر کے باقی کام بھی نبھا لیتے ہیں یقین کیجیے ہم گیارہ بجے تک سارے کام بھی کر لیتے ہیں اور کھانا بھی تیار ہو جاتا ہے سو عبادت میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اور رمضان میں تو ہر مسلمان کی خواہش و کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ عبادت اور رمضان کی برکات سمیٹے۔

جواب: (۳) نماز کی پابندی تو ہوتی ہی ہے مگر میں رمضان میں تسبیحات کو معمول بناتی ہوں اور کثرت سے استغفار کرتی ہوں اور سب کے لیے اس پاک با برکت مہینے کے صلے پر بخشش کی دعا کرتی ہوں۔

جواب: (۴) واقعی عیدی لینے کا اپنا ہی مزہ ہے مگر میں کچھ بھی مانگتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہوں مگر پھر بھی اپنے ابو جی اور دادی جان سے عیدی وصول کرنا اپنا حق سمجھتی ہوں (وہ اس لیے کہ ابو جی بہت تنگ کر کے عیدی دیتے ہیں ہمارے پاس بھائی نہیں ہے سو ابو جی ہمیں بھائی کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتے) آخر عید کی شام کو ہمیں ابو جی سے عیدی ملتی ہے وہ بھی ہماری مرضی کے مطابق یعنی جتنی ہم سسر ز مانگیں۔

جواب: (۵) ہماری والدہ کام کے معاملے میں تھوڑی سخت ہیں سو ہر کام وقت پر ہو چکا ہوتا ہے اس لیے ہمیں اپنی تیاریوں میں دشواری نہیں ہوتی۔

جواب: (۶) عید بہت ہی خوشی کا دن ہوتا ہے سب سے پہلے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں پھر گھر والوں اور دوستوں کو عید کی مبارکباد دیتی ہوں۔

جواب: (۷) مجھے عید کا روز بہت پسند ہیں اور میری خواہش ہوتی ہے کہ میری فریڈز عید پر مجھے عید کا روز لازمی دیں اور میں نے عید کا روز سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔

جواب: (۸) بچپن کی عید میں بے فکری ہوتی تھی اور حالات بھی آج جیسے نہیں تھے۔ اب جو عید پر غریبوں کے چہروں پر فخر و پریشانی دیکھتی ہوں تو دل کرتا ہے کم از کم عید کے دن ہی کسی مگران کے چہروں سے فخر و پریشانی دور کر دوں۔

عیدیں آتی ہیں گزر جاتی ہیں
جس عید پر تم آئے مجھے وہی پسند ہے

(جاری ہے)





نہایت کی کھڑک سے پہلے انکسار

بارشوں کے موسم میں بارشیں تو ہوتی ہیں
دل میں بھیگ جانے کی خواہشیں تو ہوتی ہیں
وصل کے اجالوں کی اوڑھنی میں چھپ کر بھی
ہجر کے اندھیروں کی وحشتیں تو ہوتی ہیں

طرف پشت کیے ہوئے گویا ہوئی تھی احد کا موڈ بری
طرح خراب تھا۔

”سنو، تم یہاں مہمان ہو اور مہمان بن کر رہو، مالکن
بننے کے خواب مت دیکھو، ایسی باتوں سے میں انہیں
ہونے والا نہیں ہوں۔“ وہ ایک قطعی بے رحم و بے حس شخص
تھا اپنے اظہار رائے کے سامنے وہ سامنے والے کی عزت
واحساس کی قطعی پروا نہیں کرتا تھا۔

”میں آپ کو انہیں چاہتی نہیں چاہتی احد صاحب
آپ نے مجھے پناہ دی اور اس پناہ کا حق میں ایسے معمولی
معمولی کام کر کے ادا کرنا چاہتی ہوں تاکہ کل میرا ضمیر مجھے
یہ طعنہ نہ دے کہ آپ کے احسانوں کا بدلہ نہ دے سکی۔“
”آئی ڈونٹ کیئر“ میں ایسی چھوٹی موٹی باتوں کی
پروا نہیں کیا کرتا ان فضولیات سے جان چھڑا کر آؤ میں
تم سے کچھ اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ ہنوز اسی لہجے
میں کہتا ہوا چلا گیا۔

وہ تیز تیز ہاتھ چلاتی سوچنے لگی کہ وہ کوئی پریشان
کرنے والی ہی بات کرے گا۔

☆☆☆

کپڑوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ ہاتھ لے کر چیخ
کر کے نم بالوں میں برش کر کے ہیر بینڈ لگاتی اس کے
کمرے کے پاس پہنچی تھی کہ وہ لہجہ کرتا لاؤنج میں ہی مل
گیا تھا۔ اس کی یہ عادت اچھی تھی کہ وہ مجید بابا کی غیر
موجودگی میں اس سے زیادہ خود پر انحصار کرتا تھا ناشتہ، کھانا،
چائے، کافی جس چیز کی اس کو ضرورت ہوتی وہ خود لے لیا

وہ سر پکڑے گوگو کی حالت میں بیٹھا سوچ رہا تھا رائے
کی گمشدگی کے متعلق کہ وہ آخر کہاں غائب ہو گئی ہے۔ معا
اس کی سماعتوں میں کچھ آوازیں گونجیں چند لمحے کھڑا وہ سن
گن لیتا رہا پھر اس کے قدم لان کے عقبی حصے کی طرف
بڑھے۔ وہ اس کی پریشانی سے بے خبر پکڑے دھونے میں
مصروف تھی۔

احد گہری سانس لے کر رہ گیا کچھ دیر قبل ہونے والی بے
سکونی اطمینان میں بدلتی گئی رائے اس کی آمد سے بے خبر
کپڑے دھونے میں مگن تھی جب جھاگ سے بھرا ہوا تھا بیڈ
شیٹ، کپڑے اور احد کے ٹی شर्टس اور ٹراؤزر وغیرہ عارضی طور
پر باندھی گئیں رسیوں پر سوکھ رہے تھے اس نے تنقیدی
نگاہوں سے کپڑوں کو دیکھتے ہوئے رائے کو دیکھا وہ پانی سے
شرابوئل کھولے لے چپ چپ کپڑے دھو رہی تھی احد کو متوجہ
کرنے کے لیے کھنکھاتا پڑا پر رائے اپنی سوچوں میں گم تھی کہ
اس کی آواز پر ایک دم چونکی اور قریب رکھے گیلے دوپٹے کو سر پر
ڈالتے ہوئے تل بند کر کے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

”یہ کیا کر رہی ہو، کس نے کہا تمہیں یہ سب کرنے
کے لیے؟“ اس کا لہجہ سرد تھا۔

”کسی نے نہیں، کپڑے اتنے گندے ہو رہے تھے،
اس لیے میں نے دھو دیئے۔“

”یہ کپڑے لائڈری جاتے ہیں گھر میں واش نہیں
ہوتے“ مجید بابا کی غیر موجودگی کی وجہ سے کپڑے نہیں گئے
لائڈری تم نے گھر میں دھو ڈالے۔“

”گھر میں کپڑے دھونا منع ہے کیا۔“ وہ اس کی

آنچل * اگست ۲۰۱۵ء 46

کرتا تھا۔ عموماً ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ وہ کوشش کرتی تھی احد کو اپنی کوئی ضرورت کہنی نہ پڑے مجید بابا کی دی ہوئی ڈیوٹی وہ احسن طریقے سے نبھائے۔

”کیا بات ہے؟“ وہ سر سے پھسلے دوپٹے کو درست کرتی سنجیدگی سے گویا ہوئی احد دائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھ گیا تھا جبکہ رائے دروازے کے قریب رکھی چیر پر بیٹھی تھی ان میں خاصا فاصلہ تھا احد نے اس کے آنے سے قبل تمام کھڑکیاں اور دونوں دروازے کھول دیے تھے مجید بابا کے جانے کے بعد اس نے بے حد محتاط رہنا شروع کر دیا تھا وجہ رائے کی موجودگی تھی وہ نہیں چاہتا تھا اس کے کمزور پر شک کا معمولی سا بھی دھبہ لگے۔ کاجل سے شادی کے انکار پر ڈیڈ نے کیا کیا الزام نہ لگائے وہ بے حد سنجیدگی سے اس سے مخاطب ہوا۔

”بات یہ ہے کہ میرے کوئی گھٹیا علی نے کال کی تھی اور.....!“

اس نے وڈیرے اور مبشر کے درمیان ہونے والی گفتگو اور اپنے اور مبشر کی گفتگو اس کو حرف بہ حرف سنا دی اس دوران اس کی نگاہیں گاہے بگاہے اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ لیسن کلر کی کرتی اور دوپٹے پر وہاٹ کڑھائی تھی اور وہاٹ ٹراؤزر میں دوپٹے کو سلپتے سے اوڑھے اس کا سادہ چہرہ پاکیزگی کے نور سے چمک رہا تھا۔ وہ گم صم و خاموش تھی۔ چہرے پر عجب سے رنگ پھیل رہے تھے احد نے طویل خاموشی پر نگاہ اٹھا کر دیکھا اور اس کا دل ان کہی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔

”کیا یہ لڑکی اس وڈیرے کی منکوحہ ہو سکتی ہے اس کے چہرے پر ایک خاص سادگی اور نکھار ہے جو ان چھوٹی کلیوں کی زینت ہوتا ہے۔“

”اس طرح چپ رہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا مجھے کیا کہنا ہے یہ جواب دو؟“ قبل اس کے کہ نگاہ پھسلتی ہی چلی جاتی اس نے نگاہوں کے احترام کو برقرار رکھا۔

”میں کیا جواب دوں اب آپ فیصلہ کر چکے تو میرے انکار و اقرار کی کوئی گنجائش کہاں رہتی ہے۔“ اس کی لرزنی

آواز میں آنسوؤں کی نمی پنہاں تھی۔

”کیا مقصد ہوا اس بات کا میں سمجھا نہیں۔“

”میں نے یہاں آتے ہی بابا کو ہر بات بتا دی تھی اور یقیناً انہوں نے بھی آپ سے کوئی بات نہ چھپائی ہوگی۔ سب جان کر بھی آپ انجان بن رہے ہیں تو پھر میں کس طرح بتاؤں آپ کو اس بات کا یقین دلا سکتی ہوں کہ میرا اس خبیث شخص سے کوئی تعلق نہیں تھا وہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔“ اس کے وجہ چہرے پر گہری سنجیدگی تھی وہ اس کی ایک ایک بات بغور سن رہا تھا لیکن چہرہ سپاٹ اور انداز میں بے نیازی وہ بے پروائی نمایاں تھی۔

”مگر میں تمہاری بات پر کسی طرح یقین کروں کیا ثبوت ہے تمہارے پاس۔ جس سے تم ثابت کر سکو کہ جو تم کہہ رہی ہو وہ سچ ہے۔“

”آپ عاشق کی بات پر یقین کر چکے ہیں کیونکہ اس میں آپ کا مفاد ہے آپ کی جاب کی سلامتی کی بات ہے اس لیے آپ میری بات پر یقین کر کے بھی یقین نہیں کریں گے آپ اس کا مطالبہ ماننے کا فیصلہ کر چکے ہیں میں بھی اب آپ سے یقین کی بھیک نہیں مانگوں گی مگر یہ بات میری یاد رکھیے گا وہ جھوٹا اور فریبی شخص ہے میرے حصول کے لیے جو اس نے وعدہ کیا ہے وہ کبھی بھی وعدہ وفا نہیں کرتا یہ اس کی سرشت میں شامل ہے۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

اس نے ایزی ہو کر بیٹھتے ہوئے اس کے لہراتے آنچل کو دور تک دیکھا تھا۔



انجمنٹ کے انویشن کارڈ دیکھتے ہوئے شاہ رخ صاحب دوسری کرسی پر بیٹھے ان کے لیے چائے بناتے ہوئے مجید بابا سے ان کا حال احوال دریافت کر رہے تھے۔ ان کے خوش گوار موڈ کو دیکھتے ہوئے وہ مودبانہ لہجے میں گویا ہوئے۔

”شاہ رخ بیٹے اگر برائے مانیں آپ تو کچھ پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں۔“

آنچل اگست ۲۰۱۵ء 47

آنسوؤں پر اپنا اختیار کھو بیٹھی۔

”اللہ سے دعا کرو اللہ ہی تمہارے پیار کے دل میں رحم ڈالیں گے ورنہ وہ ضد میں بیٹے کو نہ کھو دیں۔ احد بھی ضد میں ان کا ثانی ہے۔“



رہین پھولوں کی بازو کے پیچھے کھڑی شاہ رخ اور مجید بابا کی تمام گفتگو سن چکی تھیں۔ احد کے مطابق ان کے جذبات نے ان کے انتقام کے جلتے الاؤ میں کچھ ٹھنڈک ڈالی تھی یہ ان کی لگائی ہوئی آگ ہی تھی جو ان باپ بیٹے کے تعلق کو جلا رہی تھی یہ آگ سیر نہ پڑ جائے اس خوف سے وہ وقتاً فوقتاً تیل چھڑکتی رہتی تھیں انہوں نے دیکھا بابا کے جانے کے بعد وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے ہیں شاید بیٹے کی یاد میں محو تھے۔ وہ خاصی افسردہ سی وہاں آ کر گویا ہوئیں۔

”کارڈ لکھ رہے ہیں بھائی صاحب لائیے میں کوئی ہیلپ کرادوں آپ کی؟“

”لکھ لیے ہیں تمام کارڈ صرف یہ چند ایک رہ گئے ہیں جو نام یاد نہیں ہیں یاد آنے پر لکھ دیے جائیں گے ویسے میں نے تقریباً سب کو ہی یاد رکھا ہے۔“ راہین کو دیکھ کر ان کے لہجے میں شفقت دہائی تھی۔

”ارے..... آپ نے سب کو یاد رکھا ہے پھر چاند پا کا کارڈ کہاں ہے؟“ وہ کارڈ دیکھتے ہوئے حیرانی سے کہہ رہی تھیں ان کے چہرے پر سایہ سالہرایا تھا۔

”مجھے یاد نہیں رہا پھر وہ یہاں رہتی کہاں ہے؟“ ان کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

”بھائی صاحب مجھ سے مت چھپائیں جن کو دل سے چاہا جائے وہ کب بھلائے جاتے ہیں آپ بھی چاند پا کو نہیں بھولے ہوں گے یہ میں جانتی ہوں لیجئے یہ کارڈ میں نے لکھ دیا ہے آپ خود جا کر دیتے گا وہ کراچی آگئی ہیں۔“ وہ کارڈ پر نام لکھ کر ان کو پکڑاتی ہوئی مسکرا کر گویا ہوئیں۔

”راہین بیٹا میں عمر کے اس دور سے نکل آیا ہوں جب ایسی باتیں زندگی کا حاصل ہوا کرتی تھیں اب میں بھی دو

”ارے آپ کو کب سے ضرورت پڑنے لگی بابا بات کرنے کے لیے اجازت کی، آپ ملازم نہیں اس گھر کے فرد ہیں جو پوچھنا ہے بلا اجازت پوچھیں۔“

”بہت شکریہ بیٹا آپ لوگوں کی اس بے لوث محبت نے ہی مجھے کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں لاوارث و بے سہارا ہوں اپنوں کی محبتیں بہت قیمتی اور انمول ہوتی ہیں چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی بیٹا۔“ وہ کہتے ہوئے ہلکی پکار رہے تھے۔

”آپ دل بڑا کر لیں احد بیٹے کو معاف کر دیں آپ تو جانتے ہیں اچھی طرح ان بہن بھائی میں کتنی محبت ہے یہاں میں مونا بیٹی اور بہو بیگم کا چہرہ اترادیکھ رہا ہوں ادھر احد بیٹے کا بھی یہی حال ہے وہ بھی مضطرب و طول ہیں۔“

”آپ کی بات بالکل درست ہے بابا، جس طرح ان دونوں کو ایک دوسرے سے بے انتہا محبت ہے اس سے کہیں زیادہ مجھے اپنے بھائی سے محبت ہے اسی محبت کو مزید جوڑنے کے لیے میں نے کا جل کو بہو بنانا چاہا تھا کا جل کو اپنانے سے انکار نے ہماری محبتوں کے چمن کو خاک کر دیا ہم لوگوں کی جب ہنسائی کا باعث بنے میرے بھائی کی روح کو تکلیف پہنچی ہوگی میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا وہ اسی طرح گھر کی خوشیوں کو تر سے گاتا قیامت۔“ ان کا پتھر دل نرم نہیں ہوا تھا ان کا طبیعت بھرا لہجہ کہہ رہا تھا وہ کسی صورت احد کو معاف کرنے والے نہیں۔ وہ چائے دے کر وہاں سے اندر کمرے میں آ گئے جہاں رابعہ بیگم اور مونا ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

”کیا ہوا بابا بات نہیں بنی کیا؟“ رابعہ نے بچھے لہجے میں پوچھا۔

”اللہ مالک ہے بہو بیگم صاحب بچپن سے ہی اپنے منوں کے عادی رہے ہیں۔ کبھی ان کی بات سے کسی نے انکار کی جرأت نہ کی، پہلی بار ان کے کسی حکم سے انحراف کرنے کی ہمت چھوٹے صاحب نے کر دکھائی ہے وہ ان کی اس گستاخی کو کسی طور معاف کرنے کو تیار نہیں۔“

”مما، بھائی کو کس طرح معافی ملے گی، ان کے بغیر ہر خوشی ادھوری ہے۔“ مونا رابعہ سے لپٹ کر رونے لگی وہ بھی

”کیسی باتیں کرتے ہیں آپ بھی وہ منہ کالا کرے گا تو سیاہی ہمارے چہروں پر آئے گی۔ آپ لاکھ بے دخل کر دیں گے احد کو مگر ہمارے خاندان کا وارث وہ ہی رہے گا اکلوتا وارث سمجھ رہے ہیں ناں آپ۔“



وڈیرے عاشق علی سے بات ہوئی تو اس نے ملاقات کے لیے اسے تنہا ہی بلایا تھا مبشر اور دیگر ساتھیوں نے اس کے تنہا جانے پر خاصی مخالفت کی تھی وڈیرے کے مطابق ان کے پاس مکمل معلومات تھیں۔ اس کے ظلم و عیاشیوں کے جے جے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے یہاں معاملہ بھی ایک ایسی لڑکی کا تھا جو شادی کی رات بھاگ گئی تھی پھر اس کو احد کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔

”وہ لڑکی سچ کہہ رہی ہوگی کہ وڈیرہ جھوٹ کہہ رہا ہے وہ اس کی منکوحہ نہیں ہے وہ اس کے نشئی باپ کو پیسے دے کر اسے خریدنا چاہتا تھا وہ کسی نہ کسی طرح اس کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی نکل گئی تھی اور ایک ڈرامائی انداز میں تم تک پہنچ گئی تھی لیکن وہ تمہیں اپنا رقیب سمجھ بیٹھا ہے۔“

”اچھا پھر میں چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھ جاؤں۔“

اس نے اکھرے لہجے میں کہا۔

”ہر وقت تمہاری ناک پر غصہ رہتا ہے بات سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہو اس جیسے لوگ اپنی زمین اور عورت کسی کو نہیں دیتے ہیں خواہ لاشوں کے ڈھیر کیوں نہ لگانے پڑ جائیں وہ بھی اپنی ضد سے باز نہیں آئے گا۔“

ان کے اتنا سمجھانے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ تنہا ہی گیا تھا مگر وہ تینوں کو لیگ ہی نہیں دوست بھی تھے وہ بھی دوسری گاڑی میں اس کے پیچھے آئے تھے اور باہر ہی رک گئے تھے وڈیرے کی وسیع اوطاق روایتی انداز میں سجی ہوئی تھی جس میں ثقافتی رنگ ہر شے میں نمایاں تھے۔

وڈیرہ اس کے آنے کے چند منٹ بعد آ گیا تھا وہ ہاسٹ کاٹن کے کڑکڑاتے سوٹ میں گردن اکڑائے تکبرانہ چال چلتا ہوا اندر آیا تھا ساتھ دو ملازم بھی تھے جو ہاتھ جوڑے اس کے پیچھے چل رہے تھے وہ احد کے مقابل بیٹھا تھا ٹانگ پر

جوان بچوں کا باپ ہوں اور وہ بھی میرڈ ہے ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں جو کبھی کم عمری میں ہوا کرتا تھا۔“

”میں جانتی ہوں لیکن بھائی صاحب دل پر کس کا زور چلتا ہے مگر اس میں جو ایک بار قابض ہو گیا وہ پھر قابض ہی رہتا ہے۔ اب کا جل کو ہی دیکھ لیں آپ خاموشی سے احد سے محبت کرتی آرہی تھی نا معلوم کب سے، وہ ٹھوکر مار کر اسے بے دردی سے چلا گیا اور وہ کالج کی طرح ریزی ریزہ ہو گئی۔“ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے شاہ رخ کے دل میں بیٹے کے لیے از سر نو غصہ اٹھنے لگا راین لمحے بھر میں پانی کی حسین دنیا سے حال کی بد صورت دنیا میں لآئی تھیں۔

”کئی مرتبہ منیر طعنے دے چکے ہیں کہ کا جل کو کہ گھر میں جوان و خوب روڑ کے کہتے ہوئے اس کی شادی باہر کیوں کی گئی، ضرور اس میں کوئی عیب ہے۔“

”میں خود سمجھاؤں گا اسے منیر سمجھدار بچہ ہے کا جل ہیرا ہے ہیرا۔“

”احد کی ٹھوکر نے اسے پتھر بنا دیا ہے بے وقعت ہو کر رہ گئی میری کا جل۔“ وہ سسکنے لگی تھیں۔

”غم مت کرو، اسے سزائیں نے دے دی ہے وہ اس گھر میں کبھی نہیں آ سکے گا۔ ہمیشہ کے لیے گھر سے اور جائیداد سے بے دخل کر دیا ہے میں نے۔“

”احد کو کیا فرق پڑے گا اس سے آپ سے وہ محبت کرتا نہیں ہے بھابی اور مونا میں جان ہے اس کی تو وہ ان کو وہاں پر بلواتا رہتا ہے اور سچ پوچھیں تو بھائی صاحب احد کے کردار پر مجھے بھروسہ نہیں ہے۔“ وہ لہجہ دبا کر گویا ہوئیں۔

”خوبرو و جوان ہے پیسے کی کمی اس کو ہرگز نہیں ہے شہر سے دور جنگل میں وہ رہا ہے آواز خود مختار کسی کا ڈرو خوف نہیں ہے ایسے میں شیطان ورغلانا ہے میری بات مانیں بھائی صاحب اسے بے لگام مت چھوڑیں نگاہ رکھیں اس پر۔“

”میں نے کہا نہ میری بلا سے وہ کہیں بھی منہ کالا کرتا پھرے مجھے پروا نہیں ہے۔“ وہ کارڈ سمیٹتے ہوئے بے پروا لہجے میں کہہ رہے تھے۔

گادس کی عزت کا ہے تمہارا جھوٹا مجھے مجبوراً کھانا پڑے گا۔
تمہاری اترن پہننی پڑے گی دل نہ چاہتے ہوئے بھی۔“
اس کی آنکھوں میں نفرت تھی لہجے میں قہر تھا اگر ممکن ہوتا تو
احد کو کچا جباتا اس کی وجاہت و کم عمری اور بادقار شخصیت
نے اس کی رقابت کو بڑھا دیا تھا وہ چشم تصور میں رائے کو اس
کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

”یہ کیا تجو اس کر رہے ہیں آپ میں آپ سے بے
ہودہ گفتگو کرنے نہیں آیا۔“ وہ سخت لہجے میں اس سے
مخاطب ہوا۔

”سچ بات پر بندہ اسی طرح بھڑک اٹھتا ہے بابا اس
لڑکی کو تم کس نیت سے بھگا کر لے گئے تھے کس رشتے سے
تمہارے ساتھ رہ رہی ہے وہ، ایک جوان و خوب صورت
لڑکی کو کیا تم نے چھو نہیں ہوگا کیا تم نے اسے اپنے پاس
بہن بنا کر رکھا ہوا ہے سائیں؟“ وہ تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔
اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اس طرح اسے کبھی
کسی کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ بے گناہ وہ بے خطا
ہوتے ہوئے اپنی بے گناہی ثابت کرنی پڑے گی۔

”ہاں بولو اب چپ کیوں ہو بابا ایک چھو کرے اور
چھو کری کے بغیر نکاح کے ساتھ رہنے کا مطلب کیا ہوتا
ہے؟“ اس کے لفظ انگاروں کی مانند تھے۔

”اس کا مطلب ایک بے بس و مجبور کو سہارا دینا ہوتا
ہے کسی مظلوم لڑکی کو ایک شیطان کے شر سے پناہ دینا ہوتا
ہے۔“ وہ بھی اسی لہجے میں بولا۔

”اچھا تم فرشتے ہو آدمی نہیں ہو یہ مطلب ہے
تمہارا؟“

”میں آدمی ہی ہوں مگر تم جیسی ہوس پرستی پر لعنت بھیجتا
ہو۔ تم جیسے گھٹیا لوگوں کے لیے عورت صرف ایک جنس
ہوتی ہے فقط ایک جسم جس کو حاصل کرنے کے لیے تم دم
ہلاتے پھرتے ہو جو بد قسمتی سے تمہارے ہاتھ آ جائے تو تم
اس کی ہڈیاں تک چاؤالتے ہو اور جونہ ہاتھ آئے تو اسی
طرح اپنی شکست اور کمزوری کو چھپاتے ہوئے دوسرے کو

ہانک رکھ کر اس کی چھوٹی چھوٹی گدلی آنکھوں میں غصہ و
کینہ تھا وہ اطمینان سے بیٹھے احد کا جائزہ بڑی گہری
نگاہوں سے لے رہا تھا۔

اونچا لبائندہ..... سرخ و سپید رنگت..... روشن پیشانی و
بروقار و بارعب سراپا ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کسی اعلیٰ فیملی سے
تعلق رکھتا ہے وہ دل ہی دل میں اپنا اور اس کا موازنہ کرتا
ہو اسوج رہا تھا۔

”ہوں یہ بھگا کر لے گیا ہے رائے کو یہ فاریسٹ آفیسر
جو اکثر رات کی تاریکیوں میں جنگل میں ہونے والی
چوریوں کے سلسلے میں چھاپے مارنے آتا رہتا تھا۔ مجھے پتا
ہی نہ چلا کہ اس نے رائے سے چکر چلایا اور بھگا کر لے
گیا سال۔“

”اگر آپ میرا جائزہ لے چکے ہوں تو ہم بات شروع
کریں مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ احد اس کی نگاہوں کی چھین
شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

”ایسی بھی کیا جلدی ہے سائیں ابھی تو آئے ہو آپ،
ابھی تو مہمان نوازی بھی نہیں کی ہے بہت سی باتیں کرنی
ہیں۔“ اس کے لہجے میں سختی و ترشی بے حد نمایاں
تھی وہ مسلسل اسے غصہ دیتا تھا۔

”عاشق علی صاحب آپ ٹو دا پوائنٹ بات کیجیے میں
رائے کے بدلے اکبر خان کو ہانگ رہا ہوں آپ کی بھی
ذمہ داری ہے آپ بتائیں آپ کیسے کہیں کرنا ہے؟“ وہ
سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر گویا ہوا اس کی شفاف و
روشن آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ ذریعہ گریزاں کرنا ہی
ادھر کرنے لگا۔

”آفیسر صاحب بات کچھ ایسی ہے کہ دائرہ مری بیوی
ہے بیوی کا مطلب سمجھتے ہو نا تم آفیسر عزت، شملہ وہ
سرے شملے میں لگا وہ موتی ہے جس کے بغیر ہر شملہ بے
رہے ہو گیا ہے وہ وہاں موجود ملازمین کو جانے کا اشارہ کرتا
ہے۔“

”میں جھوٹا برتن استعمال نہیں کرتا اور نہ کسی کی اترن
نے پہنی ہے مگر یہاں معاملہ میری عزت کا میری

وہ بے ضمیر و سطحی سوچ رکھنے والا ادھیڑ عمر شخص تھا۔
 ”تم جیسے شخص کے ساتھ مقابلہ کر کے مجھے کیا کرنا ہے۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”فیصلہ ہو جائے گا جو جیتے گا رائمہ اس کی ہوگی۔“ پھر ہنس کر گویا ہوا۔

”جیت ہار کیا معنی رکھتی ہے وہ ہے ہی میری اس کے لیے مقابلے کی ضرورت نہیں ہے تم جاؤ اور اسے لے کر آؤ ورنہ تو میرے پاس ہوگی مگر تم زندہ نہیں رہو گے زندہ رہنا چاہتے ہو تو وہ کرو جو کہہ رہا ہوں۔“

”تم کچھ بھی کر لو رائمہ کی تم پر چھائیں بھی حاصل نہ کر سکو گے یہ میرا وعدہ ہے ایک مرد کا وعدہ کیونکہ بات اب مردانگی کی آگنی ہے۔“ ایک لا حاصل بحث کو سمیٹنے ہوئے وہ وڈیرے کی غیض و غضب سے باہر نکلی ہوئی آنکھوں میں دیکھتا ہوا چیلنج کرتا گویا ہوا۔

”مجھ سے دشمنی تم کو بڑی مہنگی بڑے گی احد سائیں شاید تم مجھ سے ابھی اچھی طرح واقف نہیں ہو اگر میں چاہوں تو میرے آدی میرے ایک اشارے پر تمہیں مار کر حویلی میں کہیں بھی دفن کر دیں گے یا یہاں سے جانے کی آرزو لیے زندہ درگور کر دیے جاؤ گے۔“ اس کے لہجے میں رعونت تھی۔

”تم مجھے موت سے نہیں ڈرا سکتے یہ میرا ایمان ہے جو رات قبر کے اندر آتی ہے وہ زمین کے اوپر نہیں آ سکتی ہے تم یا تمہارا کوئی غلام میرا راستہ نہیں روک سکتا۔“ وہ اطمینان سے کہہ کر آگے بڑھ گیا اور وڈیرے منہ پر ہاتھ پڑا کر گھونٹا رہا کیونکہ وہ جانتا تھا باہر اس کے ساتھ ہی موجود ہیں۔

”میری بات یاد رکھنا آفیسر تمہارے پاس فیصلہ کرنے کے لیے وقت بہت کم ہے میں تمہیں صبح تک مہلت دے رہا ہوں رائمہ یہاں نہ آئی تو۔۔۔“ وہ بولتا رہا احد بے نیازی سے وہاں سے نکل گیا۔

~~~~~

رات سوتے جاگتے خوف و تحکرات میں ہی گزری تھی جب بھی آنکھ کھلی دوزخ کا مردہ چہرہ دکھائی دیتا تھا۔

”اوائے آفیسر زبان سنبھال کر بات کر میری چھت کے نیچے مجھے ہی کتا کہہ رہا ہے تو۔“ وہ ایک دم ہی چیخا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”تو بھی اپنی زبان کو قابو میں رکھ ورنہ تیری چھت کے نیچے ہی اس زبان کو تیرے گلے میں ٹانگی بنا کر لٹکا دوں گا۔“ وہ ذرا بھی مرعوب نہ ہوا تھا۔

”جو لوگ عورت کی عزت نہیں کرتے میں ان کی عزت نہیں کرتا۔ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی عورت سے جڑا ہر رشتہ قابل احترام و توقیر ہے مگر تم جیسے نفس کے غلام ان باتوں و جذبات کو اہمیت کہاں دیتے ہیں۔“

”دیکھو آفیسر یہ کتابی باتیں صرف کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں اور مجھے کبھی بھی کتابوں سے رغبت نہیں رہی میں نے سوچا تم سیدھے طریقے سے میری بات مان جاؤ گے اور اس لڑکی کو میرے حوالے کر دو گے مگر تم میری سوچوں کے برعکس ٹیڑھے ثابت ہوئے ہو، میں ابھی بھی تمہیں آخری موقع دینا چاہتا ہوں یہاں سے جا کر رائمہ کو گیسٹ ہاؤس کے باہر بھیج دو، کہو تو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں میں لے آؤں گا اسے۔“ اس نے لہجہ بدلتے ہوئے بڑے مفاہمت بھرے انداز میں کہا۔

”تم اسے کس رشتے سے لے کر آؤ گے، میری طرح تم بھی اس سے کوئی رشتہ نہیں رکھتے ہو، مجھے معلوم ہے نہ وہ تمہاری منکوحہ ہے اور نہ بیوی۔“ اس کی بات پر اس نے خونخوار نظروں سے احد کو دیکھا اور غرا کر بولا۔

”رات تک وہ لڑکی یہاں نہ پہنچی تو تم دیکھنا کل سارا گاؤں گیسٹ ہاؤس کے باہر ہوگا لوگ تمہاری نہیں میری بات پر یقین کریں گے تمہاری طرح وہ مجھ سے شادی ہونے کا ثبوت نہیں مانگیں گے میرے ایک اشارے پر گیسٹ ہاؤس کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے اور تم دونوں کو کاری کر کے باروا لیں گے۔“

”بہت زعم ہے تمہیں اپنی بد معاشی و طاقت پر۔“

”ہاں ابھی بھی تم سے زیادہ طاقت ہے میرے اندر تم جیسے ہزاروں کو پھجوا سکتا ہوں چاہو تو مقابلہ کر لو مجھ سے۔“



تھا وہ اسے اپنے ارد گرد ہی کسی سانپ کی مانند پھنکارتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

احد سے وہ کسی خیر کی امید نہیں رکھتی تھی کہ کل رات تک اس کا رویہ بڑا روڈ تھا کوئی نرمی و درگزر وہ کرنا جانتا نہیں تھا یا صرف اس کے لیے ہی دل میں گداز پن نہ تھا وہ پہلے دن سے اس سے بد مزاجی ایکٹرین و سر دمہری سے پیش آتا تھا، اس کی پہلی کوشش یہ ہی تھی کہ وہ کسی طرح یہاں سے چلی جائے اور اب قدرت اسے موقع فراہم کر رہی تھی بہت بہترین موقع تھا اس سے جان چھڑانے کا جو اس کے لیے گنوا نا مشکل تھا۔ وہ صبح ہی چلا گیا تھا بغیر ناشتہ کیے اور ناشتہ وہ بھی نہ کر سکی تھی فقط آدھا کپ چائے پی تھی وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ بے کلی و وحشت بڑھتی جا رہی تھی وہ سوچ رہی تھی اس کی بھی کیا قسمت ہے کل اس کا باپ اس کا سودا کر چکا تھا پیسہ حاصل کرنے کے لیے اور آج احد اپنی جاب کی خاطر اسے عاشق علی کو سوہنے کو تیار تھا۔ کل ماں نے اپنی جان دے کر اس کی آبرو بچالی تھی۔ آج کون اسے بچائے گا؟ ان سوچوں میں ابھی دوپہر ہو گئی تھی اور جب وہ ظہر کی نماز ادا کرنے آئی تو فیصلہ دل میں کر چکی تھی آبرو سے زیادہ زندگی قیمتی نہ تھی۔

شام تک وہ آیا تو ہاتھوں میں کھانے کے کئی شاپر تھے وہ اس کو دے کر بولا۔

”مجھے اندازہ ہے تم نے رات سے اب تک کچھ نہیں کھایا ہے کھانا لگاؤ میں فریش ہو کر آتا ہوں سخت بھوک لگی ہے۔“ وہ اس کی سوالیہ نگاہوں کو نظر انداز کر کے گویا ہوا پھر تیز تیز قدموں سے اپنے روم کی طرف بڑھ گیا۔

وہ کئی لمحوں تک شاپر ہاتھوں میں تھامے کم صم سی کھڑی رہی مگر احد کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی تھی اس کا سہا ہوا دل مزید سہم کر رہ گیا۔ اسے لگا کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے اس کا انداز بہت عجیب سا لگا تھا اسے پندرہ منٹ بعد نکھرا نکھرا وہ کھانے کے لیے بیٹھ رہا تھا چکن بریانی، کباب، مشن اسٹو، سلاد، رائتہ، تاقان اور چپاتی ٹیبل پر بھی ہوئی تھی وہ پلیٹ اٹھاتا کچھ فاصلے پر کھڑی اضطرابی انداز میں

ہاتھوں کو سستی رائے کو دیکھ کر بولا۔  
”وہاں کیوں کھڑی ہو کھانا کھاؤ آ کر ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“  
”میں آپ کے ساتھ نہیں کھاؤں گی آپ کھالیں میں بعد میں کھالوں گی۔“

”میرے ساتھ کیوں نہیں کھاؤ گی میں کسی دائمی بیماری میں مبتلا ہوں؟“ حسب عادت وہ سرد و خشک لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

”میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے میں اپنی اوقات جانتی ہوں پلیز آپ کھائیں میں آپ کے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں تب تک۔“ وہ ہوا کے جھونکے کی مانند سرعت سے وہاں سے نکل گئی تھی وہ بھی اس وقت کئی الجھنوں کا شکار تھا کئی فیصلے اس کو جلدی اور سوچ سمجھ کر کرنے تھے عاشق علی اور اس کے مابین زبردست جنگ چھڑ گئی تھی کل تک وہ جس لڑکی سے چڑتا رہا تھا آج وہ ہی اس کی مردانہ وقار کا مسئلہ بن گئی تھی اب عاشق علی اس کی پرچھائیں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ اس کی خودداری و عزت نفس کا سوال تھا۔ رائے کافی بنا کر لائی تو وہ کھانا کھا چکا تھا سب کھانا جوں کا توں رکھا تھا بھوک شاید اسے بھی نہ تھی چند لقمے لے کر اٹھ گیا تھا۔

ابھی رائے کافی لے کر اس تک بڑھی تھی فضا فارتنگ سے گونج اٹھی فارتنگ اتنی شدید اور اچانک ہوئی تھی کہ درو دیوار لرز اٹھے تھے۔

☆☆☆.....

منگنی کی تقریب بہت دھوم دھام سے جاری تھی شہر کے اعلیٰ ہوٹل میں رنگوں، خوشبوؤں اور قہقہوں کے طوفان اٹھائے تھے شاہ رخ صاحب کا شمار ملک کے بڑے صنعت کاروں میں ہوتا تھا وہ سماجی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا تک ان کی رسائی تھی وہ شہر میں مشہور و معروف تھے۔ تقریب میں اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ نمایاں تھے۔ حماد بزنس مین تھا جاذب نظر خوش اخلاق و سلجھا ہوا نوجوان تھا اس وقت بلیک تھری پیس سوٹ میں وہ اور مونا سب کی نگاہوں کا مرکز تھے بائل گرین اور پرپل کلرز کنٹراسٹ جھللاتے سوٹ میں

آنچل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 52



وہ میک اپ جیلری میں حسین لگدی تھی مجید بابا کئی بار اس کی بلا میں لے چکے تھے وہ دیکھ رہے تھے اس خوشی کے موقع پر بھی مونا کی آنکھوں میں ایک نمی تھی اور ایسی ہی نمی رابعہ بیگم کی آنکھوں میں بھی تھی مہمانوں سے علیک سلیک کرتے ہوئے ان کی نگاہیں گاہے بگاہے داخلی دروازے کی طرف اٹھتی تھیں کہ شاید احد آ کر سر پرانز دے اس پر گھر کے دروازے بند کیے گئے تھے وہ یہاں آ سکتا تھا یہ گھر کی دہلیز نہیں ہوٹل تھا۔ کھانا شروع ہوا تو سب کھانے میں مشغول ہو گئے تھے رابعہ موقع غنیمت جان کر مجید بابا کے قریب آ کر رنجیدگی سے گویا ہوئی۔

”وہ اتنا کشمور بن گیا ہے کہ لاڈلی بہن کے آگے اس نے اپنی ”اتا“ کو فوقیت دی۔ میں سوچ رہی تھی وہ چند لمحوں کے لیے مگرتائے گا ضرور۔“

”میں بھی انتظار کر رہا ہوں بہو بیگم یقین تو مجھے بھی تھا احد میاں کتے کتے کا لیکن باب ٹائم کہاں رہا جان کتے کا پھر نامعلوم کیا بات ہے وہ فون بھی نہیں اٹھا رہے وہ بار بار صبح سے فون کر کے تقریب کے متعلق پوچھ رہے تھے۔“

بات کرتے ہوئے ان کے لہجے میں فکر مندی عود کرائی تھی۔

”یہ بات تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں مجید بابا دوسرے تک میرے اور مونا کے موبائل پر بھی وہ رابطے میں تھے اب موبائل آف جا رہا ہے احد کا نہ معلوم کیا ہوا ہے؟ خدا کرے وہ خیریت سے ہو؟“ وہ ایک دم بے چین ہو کر گویا ہوئیں۔

”خود کو سنبھالیے بہو بیگم ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، وہ ٹھیک ہوں گے دراصل احد میاں کو فون چارج کرنے کی عادت نہیں ہے میں ہی یہ کام کرتا تھا اب بھی یقیناً بیٹری ختم ہوگئی ہوگی اس لیے فون نہیں کر رہے ہیں۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو مجید بابا میرا دل تو آج صبح سے ہی گھبرا رہا ہے آپ دیکھ رہے ہیں لوگ کس طرح بن بن کر احد کی غیر موجودگی کے متعلق پوچھ رہے ہیں حالانکہ شے دار تو سب ہی کچھ جانتے ہیں پھر بھی کیا کریں کہ لوگوں کو دوسروں کے خدو خوں پر نمک چھڑکنے میں مزہ آتا ہے۔“

”بابا کولڈ ڈرنک لا کر دو مجھے۔“ راجین جو رشتے داروں

میں بیٹھی باتیں کرتے ہوئے ان کو گفتگو کرتے دیکھ رہی تھیں وہاں آتے ہوئے ان سے حکمیہ لہجے میں مخاطب ہونے کے بعد رابعہ سے تنقیدی لہجے میں کہنے لگیں۔

”بھابی! اس دو ٹکے کے ملازم کو آپ اتنی اہمیت کیوں دیتی ہیں اس وقت مونا کے سرال والوں کے پاس ہونا چاہیے تھا آپ کو اور آپ اس سے باتوں میں لگی ہیں جب ہی وہ اتنا سرچڑھ گیا ہے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔“

”راجین وہ ملازم ہی سہی مگر بزرگ ہیں ان کے بارے میں بولتے وقت لہجے کو احترام کے دائرے میں رکھا کرو مونا کے سرالیوں کی فکر مت کرو وہ کم ظرف نہیں ہیں جو ذرا ذرا سی بات کو ایشو بنا کر تمباکھا کھڑا کریں۔“

”میں تو ملازم کو ملازم ہی سمجھتی ہوں بھابی خواہ آپ کچھ بھی کہیں خیر میں یہ کہہ رہی تھی ادھر دیکھیں بھائی جان کس طرح چاند آ پا پر لٹو ہو رہے ہیں۔“ انہوں نے انج کی طرف اشارہ کیا جہاں بلوسلک کی ساڑھی میں ملبوس خوش شکل پر وقار خاتون کا تعارف وہ اپنے داماد سے کر رہے تھے۔ شاہ رخ صاحب کا انداز بے حد نارمل و عام سا تھا مگر وہ جانتی تھی وہ دلربا سی عورت ان کی چاہت تھی کسی زمانے میں وہ ان سے شادی کتا رز و مند تھے۔

”چاند آ پا کی جگہ ان کے پہلو میں آپ کو موجود ہونا چاہیے تھا اور آپ ہیں کہ ان سے بے خبر مجید بابا کے ساتھ گپ شپ میں لگی ہیں۔“ انہوں نے گہری نظر رابعہ پر ڈالتے ہوئے ان کے چہرے سے حسد جاننے کی سعی کی تھی۔ جس میں ان کو شدید ناکامی ہوئی تھی وہ ایسی ہی نظر آرہی تھیں پر سکون و بے فکر حسد و جلن کی رمت تک چہرے پر نہ آئی تھی۔

”چاند سے کئی بار مل چکی ہوں اور آج بھی وہ سب سے پہلے مجھ سے ملی ہیں وہ بے حد نفیس و بے ضرر عورت ہیں اور ہا سوال شاہ رخ کا تو میرے لیے یہی اطمینان کافی ہے چاندان کا ماضی نہیں اور میں ان کا حال ہوں۔“



فارنگ اتنی شدید تھی کہ کھڑکیوں کے شیشے تڑتڑ کی آواز



کے ساتھ ٹوٹ کر گر رہے تھے کافی کامیاب اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا وہ سراسیمہ سی وہیں کھڑی تھی۔ لاؤنج اور ڈائننگ روم کا داخلی دروازہ اندر کی طرف سے آتا تھا جبکہ اندر کی دیواریں عقبی طرف تھیں جو حصہ جنگل کی طرف تھا اور ان دیواروں میں قد آور کھڑکیاں تھیں ان کھڑکیوں اور دیواروں کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ احد نے اڑتے شیشوں اور گولیوں سے بچنے کے لیے صوفے کی سمت جست لگائی تھی دشمن اس کی سوچ سے بھی آگے کی چال چلنے والا تھا۔

”اسٹوپڈ اس طرح کھڑی کیوں ہوں، سٹ ڈاؤن، سٹ.....!“ ابھی وہ اسے نیچے بیٹھنے کا کہہ ہی رہا تھا کہ کھڑکی سے ایک انگارہ اڑتا ہوا عین اس کی طرف بڑھا تھا اور احد نے جھکے جھکے ہی آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا وہ چیختی ہوئی گری تھی گولی اسی لمحے اس کے سر سے گزر کر دروازے میں پیوست ہوئی تھی وہ بے اوسان گری تھی کلائیوں میں پڑی چوڑیاں ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں احد نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور غصے سے بولا۔

”میری سوچوں سے بھی زیادہ تم اسٹوپڈ ہو ابھی وہ بلٹ ڈور کی جگہ تمہارے اس بھروسے بھرے سر میں پیوست ہو چکی ہوئی عجیب لڑکی ہو تم۔“ وہ جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں اس سے مخاطب ہوا تھا وہ آہستگی سے اٹھ کر صوفے کے پیچھے بیٹھ گئی تھی وہ بے حد ہراساں و متوحش تھی۔

فائرنگ متواتر ہو رہی تھی اور ان کو جگہ سے اٹھنے کا موقع نہیں مل رہا تھا لیکن دیکھ رہی تھی وہ بالکل بھی خوف زدہ و فکر مند نہ تھا۔ کئی کالز اس نے کی تھیں مگر دوسری طرف سے ایک بھی اینڈ نہ کی گئی۔

”ہوں مجھے معلوم تھا پولیس نام قانون کا لیتی ہے مگر کام مجرموں کا کرتی ہے کوئی کال ریسو نہیں کر رہا ہے از خود انور کر رہے ہیں میری کال کو۔“ وہ موبائل نیچے پھینک کر غصے سے بڑبڑایا اور پھر چند سیکنڈ بعد فائرنگ بند ہو گئی تھی۔

”یہیں بیٹھی رہو اٹھنا نہیں ابھی۔“ وہ تیزی سے اٹھتا ہوا اس سے کہہ رہا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا دل کی حالت ابھی بھی بے قابو تھی فائرنگ کا دورانیہ صرف پانچ

منٹ تھا مگر شدید تھی کہ ابھی بھی کالوں میں جھنجھاہٹ و بدن میں سنناہٹ کم نہ ہوئی تھی۔ وہ کھڑا ہو کر در و دیوار کا جائزہ لے رہا تھا معاہدے کے فون کی گھنٹی بجی تھی۔

”ابھی جو تم نے دیکھا وہ بے حد معمولی سا اثر تھا قلم ابھی باقی ہے اگر زندہ اس جگہ سے نکلنا چاہتے ہو بلاتو رائے کو ابھی اسی وقت یہاں چھوڑ جاؤ۔“ دوسری طرف عاشق علی کی پھنکارنی ہوئی آواز آئی تھی اس نے ایک نگاہ سہی ہوئی رائے پڑا لی بھی پھر موبائل کان سے لگائے باہر نکل گیا۔

”نور اسی وقت میں اسے لینے رہا ہوں میری عزت کسی غیر مرد کے پاس ہو اور معلوم ہونے کے بعد میں سو جاؤں یہ ناممکن بات ہے۔“ حاکیت و سفاکی بھرا لہجہ وہ بہت جذباتی و بے چین لگ رہا تھا محسوس کی جانے والی کھلبلی تھی۔

”میں نے کہا تھا تا تم سے کہ رائے اب میری انا میری غیرت کا مسئلہ ہے تم اس کی پرچھائی بھی نہیں دیکھ سکو گے ابھی جو تم نے تماشہ دکھایا ہے میں اس سے مرعوب ہونے والا بھی ہرگز نہیں ہوں۔“ وہ لان میں نکل آیا تھا رائے کے سامنے اس کے ہی متعلق بات کرنا اسے معیوب لگ رہا تھا۔

”آفیسر تم اپنی موت کو آواز دے رہے ہو شیر کے منہ سے شکار چھیننا کیا اتنا آسان سمجھا ہے تو نے؟“ وہ پوری طاقت سے چیخا۔

”شیر کے منہ سے شکار چھیننا بالکل آسان ہے میرے لیے تم رائے کو بھول جاؤ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے نہ وہ تمہاری تھی نہ ہے اور نہ ہوگی۔“

”اگر وہ میری نہیں ہے تو تیری بھی نہیں رہے گی آفیسر تجھے ابھی میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے تو یہاں سے زندہ نہیں جاسکتا ہے یہاں دور تک کوئی تیری مدد کو نہیں آئے گا سمجھا ابھی بھی وقت ہے دائرہ کو چھوڑ دے۔“ دوسری طرف وہ شاید غصے بے بسی سے اپنے بال نوچنے لگا تھا۔

”اہمیت ہے تو چھڑوالے میں چیلنج کر رہا ہوں۔“ کہہ کر اس نے لائن ڈسکونکٹ کر دی اور مڑا تو رائے کو اپنے قریب کھڑے دیکھ کر اس نے گہری سانس لی تھی وہ نامعلوم کب سے اس کی پشت کے پیچھے کھڑی تھی اور فوج چہرہ بتا رہا تھا کہ



وہ سب سن چکی ہے اور اس نے بھی ماتم ضائع کیے بنا عاشق علی سے کی گئی گفتگو کے کچھ حصے سنا دیے تھے۔  
”اب کیا ہوگا، ڈیرہ چھوڑے گا نہیں، وہ کاری کرا دے گا۔“ وہ ایک دم ہی خوف زدہ ہو کر رونے لگی۔

”پلیز، ٹیک اٹ ایزی مائے نسو ہر مسئلے کو حل نہیں کرتے وہ کس قدر شاطر و مکار آدمی ہے یہاں تک کہ وہ چکا ہے ہمیں ابھی یہاں سے نکلنا ہوگا۔ جگہ بالکل بھی سیف نہیں رہی۔ وہ گاؤں کے لوگوں کو رات کی تاریکی میں لانے سے بھی گریز نہیں کرے گا کیونکہ وہ پہلی بار کسی کو حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ایسے لوگ زخمی سانپ کی مانند ہوتے ہیں جو ہر وقت اپنے دشمن کو ہلاک کرنے کی سعی میں مبتلا رہتے ہیں جا کر فائنٹ اپنا سامان پیک کرو ہمیں ابھی نکلنا ہوگا یہاں سے۔“ وہ اس کو کہہ کر کسی کو کال کرنے لگا تھا۔  
بے گناہ و بے خطا ہونے کے باوجود کاری ہو کر مرنے کے لیے وہ تیار نہ تھی جس عزت کو بچانے کے لیے اس کی ماں کو قتل ہونا پڑا تھا گھر چھوڑنا پڑا تھا اور یہاں اس سر پھرے بد مزاج شخص کی جلی کٹی سن رہی تھی۔ وہ بد لحاظ، بد مزاج، کٹھن مگر اس نے کبھی بھی اس کی بے بسی و تنہائی سے فائدہ اٹھانے کی سعی نہ کی تھی اور جب سے بابا گئے تھے اس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اس سے کم سے کم سامنا ہو۔

”اتنی دیر لگا دی معمولی سا سامان پیک کرنے میں۔“ وہ دستک دیتا اندر آتا ہوا بولا اس نے جلدی سے چھوٹا سا بیگ اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔ احد کے ہاتھ میں ایک بڑا بیگ تھا اس نے بنا کچھ کہے رائے کے ہاتھ سے بھی بیگ لے لیا اور تیز تیز چلتا ہوا باہر نکل گیا اس کی تھلید اسے بھی کرنی پڑی۔ گیٹ کے باہر کار کھڑی تھی اور ساتھ ہی بندوقیں تانے دو ملازم ٹائپ آ دی کھڑے تھے احد نے سامان ڈیگی میں منتقل کرنے کے بعد اسے کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ان دنوں کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔

وہ دنوں چوکیدار تھے جو مودبانہ انداز میں اثبات میں سر ہلارہے تھے۔ وقت نو دس بجے کے درمیان کا تھا مگر باہر پھیلی سناٹا ویرانی ماحول کو پر ہول بنا رہی تھی رات کی گہری

تاریکی فضا میں رچ بس چکی تھی۔ ان کو ہدایات دینے کے بعد اس نے ڈرائیونگ ڈور کھول کر دوپستول فرنٹ سیٹ پر رکھی تھیں اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے نگاہ مرر پر گئی تو رائے کی پیشانی پسینے و خوف سے تر دیکھ کر نرمی سے بولا۔

”ڈرو نہیں، مان ریو الورڈ کو چلا نا پڑتا ہے از خود نہیں چلتی۔“ ڈیرے عاشق علی کی حالت بن جل مچھلی کی مانند تھی رائے کی ملنے کی خبر نے اسے جس قدر پر جوش و پر مسرت کیا تھا اس قدر ہی احد کو دیکھنے اور ملنے کے بعد اس کے اندر رقابت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اپنی گھٹیا سوچ اور ذہنیت کے مطابق وہ رائے کو احد کے ساتھ اپنی تھوڑا کلاس سوچوں کے عکس میں دیکھ چکا تھا اور اپنی ہی سوچوں کے عکس کے ہر منظر پر وہ بے بسی و جلن کے لالو میں جل رہا تھا۔

فون پر احد سے ہونے والی گفتگو نے اس کے اوسان خطا کر دیے تھے غیض و غضب سے اس کا چہرہ بگڑ کر رہ گیا تھا۔ سانس بری طرح پھولنے لگا تھا۔

”ارے اس چھو کرے کی بات کو دل سے کیوں لگاتے ہو سائیں وہ کل کا چھو کر آپ کی برابری نہیں کر پائے گا میں ابھی گاؤں کے لوگوں کو جمع کرتا ہوں اور ہم جا کر اس چھو کر کو زندہ اور اس آفیسر کی لاش لے کر آئیں گے۔“ بخشو نے ہمت کر کے اس کو سمجھانے کی سعی کی۔

”تو کہہ رہا تھا وہ کانپڑی بتا رہی تھی رائے کو میڈم نے شہر بھیجا ہے پھر وہ اس آفیسر کے ساتھ جنگل والے گیٹ ہاؤس کس طرح پہنچی ہے اور وہ آفیسر اس پر اتنے کم دنوں میں کس طرح ایسا فائدہ ہوا کہ وہ مجھ سے مقابلہ کر رہا ہے؟“ ”سائیں یہ کیا چکر ہے میں بھی سمجھ نہیں پایا ہوں مگر کانپڑی نے جو بھی کہا وہ درست ہے وہ میڈم کی خاص ملازمہ تھی اسکول اور گھر میں ساتھ ہی رہتی تھی اس نے خود اس رات میڈم کو فون پر بات کرتے ہوئے سنا تھا وہ چھو کر سے کہہ رہی تھی وہ بھاگ کر اس کے گھر پہنچ جائے اس کے رشتے دار کراچی سے آئے ہوئے ہیں وہ ان کے ساتھ اسے بھی بھیج دے گی۔ مگر کانپڑی کہتی ہے اس نے

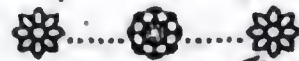


چھپ کر دیکھا تھا وہ گاڑی میں نہیں تھی۔“ بخشو نے مہبہ جین میڈم کی ملازمہ کانپڑی کو چند روپے دے کر ساری معلومات حاصل کر لی تھیں اور عاشق علی کو بتا دیا تھا۔

عاشق علی نے جب رائے کو گھر میں نہ پایا اور ڈھونڈنے کے باوجود بھی وہ نہ ملی تو اس نے پہلے اسلام الدین عرف سلامو کو خوب مار لگوائی تھی اور یہ ہی پوچھا تھا کہ اس کی بیٹی کس طرح اور کس کے ساتھ بھاگی ہے اس کی دوستی کس لڑکے کے ساتھ تھی، سلامو نے ٹوٹی ہڈیوں کے ساتھ درد سے کراہتے ہوئے قسم کھائی تھی کہ رائے ایسی لڑکی نہ تھی اس کی دوستی صرف اپنی ماں اور اسکول میڈم کے ساتھ تھی اور اس نے یہ بتایا کہ وہ آج رات تک اس کے ساتھ تھی اس کی حسرتوں کے پھولوں میں آگ لگ گئی تو اس نے سلامو کو بھی زندہ نہ رہنے دیا تھا۔ آخری سائیس لیتے سلامو کو وہ گھر سمیت زندہ جلتا چھوڑ آیا تھا سلامو کی کرب ناک چیخوں پر اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا تھا دوسرا نمبر اسکول کا تھا وہاں بھی وہ آگ لگا چکا تھا میڈم مہبہ جین پر اسرار طود پر وہاں سے غائب ہو گئی تھیں۔

”جاؤ جلدی گاؤں والوں کو تیار کرو اور چلنے کی تیاری کرو، میں آ رہا ہوں۔“ وہ اس کے حکم پر ہوا کی مانند روانہ ہو گئے تھے اور وہ دیوار گیر قد آؤ آئینے کے سامنے کھڑا مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا سوچ رہا تھا بہت بڑی غلطی کر دی سلامو کو مار کر آج وہ زندہ ہوتا تو رائے کو بہلا پھسلا کر اپنے قدموں واپس لے لے تا بیٹی کتنی ہی باپ سے خفا ہو مگر باپ کو اپنے آگے ہاتھ جوڑے دیکھ کر ساری خفگی بھول جاتی ہے سلامو کی موت کا اسے سخت رنج ہو رہا تھا اپنی جلد بازی و غصے پر اسے رنج تھا۔

باہر گاؤں کے لوگ اس کے حکم پر جمع ہو رہے تھے۔ لاٹھی، ڈنڈے، کلہاڑی، اسلحہ سب میں تقسیم ہو رہا تھا۔ غریب و بے قصور لوگ وڈیرے کا حکم ماننے پر مجبور تھے۔



مونا کی منگنی کا فنکشن بہت بہترین رہا تھا شاہ رخ صاحب اس رشتے پر بے حد خوش تھے خوش رابعہ بیگم بھی

تھیں مگر بیٹے کی غیر موجودگی کا ملال ان کی آنکھوں میں نمی بن کر چمکتا رہا تھا۔ چاند بھی ان کی رنجیدگی کو محسوس کر رہی تھیں مہمانوں کی اکثریت جانے کے بعد جب چند قریبی عزیز واقارب اور گھر والے رہ گئے تو وہ اپنی سوچوں میں کم ایک طرف تنہا بیٹھی رابعہ کے پاس چلی آئی تھیں ان کو دیکھ کر وہ سوچوں سے نکلی تھیں۔

”اس طرف دوبارہ ڈنر چل رہا ہے اور آپ یہاں تنہا بیٹھی ہیں آپ نے پہلے بھی کچھ نہیں کھایا تھا اب کچھ لے لیجیے۔“ انہوں نے دوسری طرف اشارہ کیا جہاں سامین، کاجل اور دیگر مہمان مزے سے کھانے پینے میں مصروف تھے ان میں شاہ رخ بھی نمایاں تھے مونا اپنی فریڈ ز اور کزنز کے ساتھ دوسری ٹیبل پر بیٹھی تھی مجید بابا ان کو آگے کریم اور میٹھے پان سرور کر رہے تھے۔

”شکریہ چاند! میرا دل ہی نہیں چاہ رہا کھانے کو بھوک ہی ختم ہو گئی ہے۔“

”احد کی جدائی کو دل کا دگ بٹایا ہے آپ نے رابعہ“

”دگ خود بخود لگ جاتے ہیں انہیں لگانے کی ضرورت کہاں پڑتی ہے آپ نے دیکھا پچھا شہر گویا لٹا آیا تھا اس تقریب میں شاہ رخ نے چپڑا ہی سے لے کر منسٹر تک کو انوائٹ کیا تھا اگر ایک کال وہ احد کو بھی کر دیتے تو کیا کمی آ جاتی، ہماری پہلی خوشی سے ہمارا بیٹا محروم رہا وہ بیٹا جو ہمیشہ ان کی ہر بات ماننا آتا تھا ایک بار اس نے اپنے حق کی بات کر دی تو انہوں نے گویا احد کو اپنے دل سے نیکل پھینکا۔“ وہ کوشش کے باوجود اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پاسکی تھیں۔

”مجھے آپ کے دکھ کا اندازہ ہے رابعہ ایک ماں کے لیے ہر خوشی اور حوری ہوگی لیکن میں شاہ رخ کی سنگ دلی و ہٹ دھرمی سے بھی واقف ہوں جب تک اس کے دل پر احد کی طرف سے جی بدگمانی و غصے کی گرد صاف نہیں ہوگی وہ اس کا نام سننا بھی پسند نہیں کرے گا۔“ وہ ان کا ہاتھ تھام کر محبت سے سمجھانے لگی تھیں۔

”چاند آپ ہی سمجھائیں شاہ رخ کو وہ آپ کی بات رو نہیں کریں گے۔“ وہ نشو و نما سے آنکھیں صاف کر کے

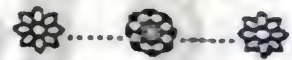


ان سے لڑا جت بھرے لہجے میں گویا ہوں۔  
”میلے بھی کئی بار ایسا ہوا ہے انہوں نے آپ کی بات کی جان چڑھی ہے۔“

”میں جانتی ہوں رابعہ راسمن نے مہملوم کس کس انداز میں میری ابو شاہ رخ کی محبت کی داستان سنائی ہوں گی لیکن ڈیر ایسا کچھ نہیں تھا ہم کلاس فیلو تھے کالج سے یونیورسٹی تک ہم نے سفر ساتھ طے کیا اور اس دوران وہ مانے جانے کب ایک طرفہ محبت کے سفر پر گامزن ہو گیا ایک طرفہ محبت کی کوئی منزل نہیں ہوتی ہے یہ سفر خواری کے کچھ نہیں دیتا ہے میری محبت کا شرف تھے جو ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔“

”جی راسمن نے بتایا تھا مجھے وہ آپ کو پسند کرتے تھے اور آپ کسی اور کو لیکن جانے کچھ لوگ صرف ایک بار محبت کرتے ہیں وہ محبت ان کی پہلی اور آخری ہوتی ہے شاہ رخ نے آپ سے دیے ہی محبت کی ہے بدلے کی توقع نہ رکھتے ہوئے وہ آج بھی آپ کا بے حد احترام کرتے ہیں۔“ رابعہ کا لہجہ بالکل سادہ و پروقار تھا۔

”شکر ہے آپ کا دل میری طرف سے صاف ہے۔ میں پوری کوشش کروں گی احد اور شاہ رخ کے درمیان جو دوری ہے اسے ملن میں بدلنے کی۔“



سارا راستہ وہ زیر لب دعاؤں کا درد کرتی رہی تھی احد نے یہاں سے نکلنے کے لیے شارٹ کٹ کا انتخاب کیا تھا یہ راستہ دشوار گزار و کٹھن تھا مگر یہاں سے وہ محفوظ طریقہ سے باہر نکل سکتے تھے اور کم سے کم وقت میں بھی۔

آج سارا دن ان الجھنوں میں گزرا تھا وہ جو موتا کی وجہ سے یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا تھا کہ اس خوشی کے موقع پر وہ کس طرح لاڈلی و چہیتی بہن سے دوری کو برداشت کرے گا۔ خصوصاً امی کی بے حد فکر تھی وہ جانتا تھا اس کی غیر موجودگی کو وہ کس دل سے برداشت کریں گی۔ مگر آج کا دن بے حد ہماگ دوڑ و پریشانی میں گزرا تھا اور اب بھی وہ محو سفر تھا۔

تہائی میسر آتے ہی گھر والوں کی یاد ستانے لگی تھی وہ

سوچ رہا تھا موتا کیسی لگ رہی ہوگی۔ وہ اور امی اس کو بے حد مس کر رہی ہوں گی اور بار بار کا لڑ بھی کر رہی ہوں گی کیونکہ مجید بابا نے بھانڈا پھوڑ دیا تھا کہ وہ یہیں موجود ہے باہر نہیں گیا گڑ بڑ حالات کی وجہ سے اس نے وہ نمبر آف کر رکھا تھا اور اس کو یہ فکر ستا رہی تھی کہ وہ لوگ وہاں پریشان ہو رہے ہوں گے۔ گیسر بدلتے ہوئے اس پر نگاہ پڑی تھی وہ بے خبر سو رہی تھی۔

”ہونہہ مجھے مصیبت میں مبتلا کر کے خود آرام سے سو رہی ہے ایڈیٹ بابا سے میں نے پہلے کہا تھا اس طرح آنے والی لڑکیاں اپنے پیچھے کئی پریشانیاں اور ہنگامے لے کر آتی ہیں میرا خدشہ سچ ثابت ہوا وہ عاشق صاحب مجنوں کے نقش قدم پر چلنے کی سعی میں یہ بھی بھول بیٹھے ہیں کہ یہ لڑکی ان سے عمر میں کئی گنا کم ہے۔“ اس کے ذہن میں سب خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے جب اس کی کار بمشتر کے چھوٹے سے بنگلے کے سامنے رکی تو رات کا آخری پہر تھا چند گھنٹوں بعد ہی صبح روشن ہونے کو تھی۔

”ہم گاؤں سے باہر آ گئے ہیں؟“ کار روکنے کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ باہر دیکھتی ہوئی خوابیدہ لہجے میں استفسار کرنے لگی تھی۔

”جی ہاں یہ کراچی کا ایک علاقہ ہے گلشن۔“ اس نے اپنے مخصوص لٹھ مار انداز میں جواب دیا اور ساتھ ہی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

”ہینکس گاڈ تم بخیر و عافیت یہاں پہنچ گئے ہو میں رات بھر ایک پل کے لیے نہیں سو سکا۔“ مبشر کار دیکھتے ہی باہر نکل آیا تھا اس سے لپٹ کر بولا۔

”سونے والے سو لی پر بھی سو جاتے ہیں یار تمہیں نیند کیوں نہیں آتی؟“ اس نے اس سے علیحدہ ہو کر رائے کے لیے گیٹ کھولتے ہوئے کہا تھا رائے کو لگا وہ اس پر طنز کر رہا ہے خود پر اسے حیرت تھی پے در پے بدلتے حالات پھر فرنٹ سیٹ پر اسلحہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے وہ جانتی تھی اسلحہ نمائش کے لیے نہیں رکھا گیا تھا احد اسے بخوبی استعمال کرنا جانتا تھا اور راستے میں کسی سے مدد بھیڑ



ہوئی تو وہ کسی کو مارنے سے بھی گریز نہیں کرے گا اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی خاطر کسی کا خون بہے وہ شخص جو اس کی وجہ سے پہلے ہی پریشانیوں میں مبتلا ہے خون خرابہ کر کے کسی بڑی مشکل میں گرفتار ہو وہ دعا کرتی ہوئی نیند کی آغوش میں چلی گئی تھی اور اب آنکھ کھلتے ہی اس کے طنز کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بہت عجیب مہرباں تھا وہ طنز و دل آزاری کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔

”اب باہر نکلنے کے لیے بھی دعوت دینا پڑے گی؟“ اس کی سرنا داز پر وہ گھبرا کر باہر نکلی تو مبشر نے ایک چوری نگاہ اس پر ڈالی اور احد کے ہمراہ آگے بڑھ گیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھے بنان کے پیچھے چل رہی تھی۔

”آئیے بیٹھیے نایاب کا اپنا گھر ہے۔“ وہ ایک لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔

اے سی کی کوننگ سے ٹھنڈے اور خوب صورت ڈیکورڈ لاؤنج میں احداثے ہی صوفے پر نیم دراز ہو چکا تھا جبکہ وہ کھڑی تھی۔

”بھابی گھر پر نہیں ہیں کیا؟“ احد نے پوچھا۔

”کل ہی اپنی ماما کے گھر گئی ہے وہ۔“ وہ اطمینان سے گویا ہوا۔

”ہوں تب ہی تو ایسی باتیں کر رہا ہے۔“ اس کے سنجیدہ لہجے میں شوخی تھی۔

”یہ میرے پاس ایسی ہی باتیں کرنے کے عادی ہیں آپ کو بھی معلوم ہو گیا ہوگا آپ آئیے میرے ساتھ میں آپ کو روم دکھا دوں آپ فریش ہو جائیں۔“ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ اس کمرے میں آگئی یہ بیڈ روم تھا سنگل بیڈ، ڈریسنگ ٹیبل، مہرون پردے کا پرٹ سے آراستہ کمرہ خاصا نفیس و سادہ تھا۔

”یہ میری اماں کا روم ہے اماں ان دنوں میری بڑی سسٹر کے گھر گئی ہوئی ہیں آپ ایزی ہو جائیں یہاں آپ ہر خطرے سے محفوظ ہیں۔“ وہ دروازے میں کھڑا کہہ رہا تھا پھر اپنی بات مکمل کر کے وہ چلا گیا رائے ست قدموں سے اٹیچڈ باتھ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”تمہارے ریسٹ ہاؤس سے نکلنے کے چند گھنٹے بعد ہی وہاں حملہ ہوا تھا پرویز کی کال آئی تھی اس وقت قاسم بھی بے حد فکر مند تھا تمہارے لیے میں نے بتا دیا تھا تم وہاں سے نکل چکے ہو اور یہاں آ رہے ہو۔“ وہ اس کے سامنے بیٹھ کر فکر مندی سے گویا ہوا جبکہ احداثے انداز میں کہنے لگا۔

”یہ مجھے معلوم تھا وہ ایسا کرے گا اور جلدی کرے گا وہاں موجود چوکیداروں کے بارے میں معلوم ہوا وہ بخیریت ہیں؟“ وہ ان کے لیے فکر مند نظر آ رہا تھا۔

”وہ ٹھیک ہیں تم ان کو سمجھا آئے تھے اس لیے وہ چوکنہ تھے لوگوں کو دور سے دیکھ کر ہی وہ لائٹس آف کر کے اور گیٹ پر تالا لگا کر چھپ گئے تھے ان میں سے کسی ایک نے پرویز کو کال کر کے صورت حال بتائی تھی وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔“

”ڈیش گڈ وہ پاگل ہو گیا ہوگا اپنی ناکامی پر بہت سیلفش آدمی ہے وہ۔“

”احداثے سیریس یار یہ سب تم کیوں کر رہے ہو ایک لڑکی کی خاطر تم نے ایک بہت نامعقول شخص سے دشمنی مول لی ہے میں کہتا ہوں جو وہ کہہ رہا ہے وہ مان جاؤ لڑکی ان کے حوالے کر دو اور اپنی جان چھڑاؤ پرانے جھگڑے سے۔“

”لڑکی اس کے حوالے کر دوں امپابل اس کی اصلیت جاننے کے بعد میں کبھی ایسا نہیں کروں گا تم جانتے ہو میں گھٹیا لوگوں سے کپڑا مارتا نہیں کرتا۔“ وہ دو ٹوک وائل لہجے میں بولا کچھ توقف کے بعد مبشر نے آہستگی سے کہا۔

”تمہارے ارادے کیا ہیں، رائے کو سہارا تم دو گے؟“

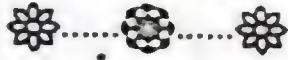
”وہاٹ یو مین سہارا میں ایک وحشی و بے ضمیر انسان سے محفوظ کرنا چاہ رہا ہوں یہ سہارا نہیں تو اور کیا ہے تم کس قسم کے سہارے کی امید کر رہے ہو؟“

”میرے خیال میں تم پہلے فریش ہو جاؤ میں اتنے میں کافی بنا کر لاتا ہوں۔“ وہ کچھ تھکا تھکا الجھا الجھا محسوس ہو رہا تھا مبشر نے اپنے لفظوں کو زبان پر آنے سے روک لیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں بیٹھے تھے مبشر نے میکرونی پائنا،



سنان ہو جاتا ہے یہ تمہارا گھر آبادی کے درمیان ہے۔“  
 اس کا لہجہ حیران کن تھا جیسے کہہ رہا ہو وہ کیا کرے؟  
 ”ریٹ ہاؤس میں تم رہ رہے تھے رات میں یہاں  
 آ جایا کرو۔“  
 ”یہ پاسل نہیں ہے میں رات دن سفر نہیں کر سکتا پھر  
 بھی ٹرائی کروں گا کہ مجید بابا کسی طرح پپا سے اجازت  
 لے لیں تو ان کی یہاں موجودگی بہتر ہوگی۔“  
 ”بات ساری تنہائی کی ہے امی اور عمامہ ایک ڈیڑھ  
 سال سے پہلے آنے والی نہیں ہیں۔“  
 ”اصل فساد کی جڑ وہ خود ہے اب اتنا تو اسے برداشت  
 کرنا پڑے گا میں اس کی خاطر جاب لیس ہو کر بیٹھنے سے  
 رہا ایک تو بے سبب بلا گئے پڑ گئی ہے پھر.....!“  
 ”پلیز پکیز یا کیا کہہ رہے ہو ذرا سوچو تو کبھی آواز باہر  
 جارہی ہے وہ سن رہی ہوگی کیا سوچے گی اتنی انسلٹ مت  
 کرو اس کی۔“ مبشر نے گھبرا کر کہا۔  
 ”کم آن نکلو، مہی اور مویا ویٹ کر رہی ہوں گی میرا۔“  
 اس کے لہجے میں بے نیازی تھی۔



شاہ رخ مسز چاند کو اپنے آفس میں دیکھ کر خوش گوار  
 حیرت کا شکار ہوئے تھے۔  
 ”اتنے حیران ہونے کی کیا بات ہے کیا میں تمہارے  
 آفس نہیں آ سکتی۔“ وہ ان کے سامنے بیٹھتی ہوئیں مسکرا کر  
 گویا ہوئیں وہ بھی خوش دلی سے بولے۔  
 ”شیور شیور دائے ٹاٹ میں نے توقع نہ رکھی تھی تم سے  
 کبھی کہ تم اس طرح بھی مجھ سے ملنے آ سکتی ہو، میرے  
 لیے یہ گز سر پرائز ہے اپنی دے یہ بتاؤ کیا لوگی شوگر کین  
 ابھی بھی تمہارا فیورٹ ہے یا بدلتی زندگی کے ساتھ شوق بھی  
 بدل گیا ہے؟“ وہ انٹرکام کار سے سوراٹھاتے ہوئے شونہی سے  
 استفسار کرنے لگے۔

”زندگی بدلتی ہے تو شوق بھی بدل جاتے ہیں  
 میرے لیے بلیویری منگوا لو۔“ ان کے انداز میں سنجیدگی  
 دہائی تھی شاہ رخ بلیویری ڈرنگ لانے کا کہہ کر سنجیدگی

تھا مبشر نے پر غلوں لہجے میں کہا۔  
 ”میں کو کتنا غرمہ بھی رہنا پڑے موٹ ویکم میرے  
 نزدیک مہمان رحمت ہوتے ہیں وبال جان نہیں تم اپنی  
 منطق اپنے پاس ہی رکھا کرو۔“ وہ کہہ کر برتن اٹھانے میں  
 اس کی مدد کرنے لگا۔  
 ”سنو.....“ وہ کچن سے باہر نکل رہی تھی جب وہ وہاں

آ کر گویا بول۔  
 ”تم یہاں بالکل محفوظ ہو کسی بھی قسم کی فکر کرنے کی  
 ضرورت نہیں ہے ریٹیکس ہو کر رہو، یہاں ضرورت کی ہر  
 چیز موجود ہے اگر کچھ چاہیے تو بتا دو؟“ لائٹ بلو پینٹ و  
 ڈارک پلوٹھرٹ میں بلیوین خوشبو میں بکھیرتا وہ کچھ فاصلے پر  
 کھڑا چہرہ رہا تھا اس نے نفی میں سر ہلادیا زبان سے کچھ  
 بولا ہی نہ گیا کہ آنسوؤں کا گولہ حلق میں پھنس کر رہ گیا تھا۔  
 ”مبشر نور میں جا رہے ہیں وہ اپنی وائف کے پاس  
 جائے گا اور میں آج کا دن اپنی فیملی کے ساتھ رہوں گا۔“ وہ  
 بولتے بولتے رکھتا رہا کہ بے باق وانا آنسو گرنے لگے تھے  
 اس نے بے اختیار اس کی طرف نگاہ ڈالی تھی وہ اپنے چہرے  
 کی پچھل کی بوٹ میں دھکتی تھی اب بھی وہ حصار قائم تھا۔  
 ”ہمیں کل آفس جوائن کرنا ہے رات کو ہم روانہ  
 ہو جائیں گے معاملہ جب تک کیسز نہ ہو جائے تمہیں  
 یہاں رہنا ہوگا، میں فون کرتا رہوں گا تمہیں گھبرانہ نہیں۔“  
 اس کی جھٹی جھٹی سسکیاں دے بے باق وانا آنسو اس کے اندر کہیں  
 نامانوس دستک ہونے لگی تھی وہ کچھ دیر اسے نکلتا رہا پھر  
 شانے اچکا کر دہاں سے چلا گیا۔

”وہ تنہا یہاں کس طرح رہ سکتی ہے یار، پھر یہ معاملہ  
 اتنی جلدی حل ہونے والا نہیں ہے نا معلوم کیا کیا فیملی کرنا  
 پڑے گا ابھی۔“ مبشر کی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔  
 ”آئی نو، ہٹ میں کہاں لے کر جاؤں گا اسے؟  
 ریٹ ہاؤس لے جانے کی حماقت نہیں کر سکتا مجید بابا اس  
 وقت تک گھر نہیں آ سکتے جب تک پاپان کو خود وہاں سے  
 آنے کا نہ کہیں میرے پاس جو ہنگوڑ ہے وہ تم جانتے ہو  
 ماحصل سمندر پر ہے وہاں میں اسے چھوڑ نہیں سکتا رات کو



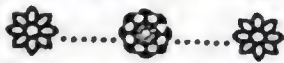
”اپنی پسندنا پسند کا اظہار کرنا بغاوت نہیں کہلاتا تم اپنے دل کو وسعت دو اور اس کی جگہ خود کو رکھ کر سوچو کیا تم ایسا فیصلہ قبول کر لیتے شادی تا حیات قائم ہونے والا بندھن ہے اگر شریک سفر من پسند نہ ہو تو یہ بندھن جڑے نہیں رہتے۔“

”میں جوڑے ہوئے ہوں نہ اس بندھن کو رابعا ج تک میرے دل سے دور ہے۔“ ان کے لہجے میں عجیب سی سوگواہی تھی۔

”پھر تم احد سے بھی نہیں توقع کر رہے تھے کہ دل میں کسی اور کو بسائے وہ کا جل سے شادی کر لیتا اور پھر تمہاری طرح کسی اور کے سامنے یہی سب کہہ رہا ہوتا جو تم کہہ رہے ہو۔“

”مجھے معلوم تھا وہ کسی کے ساتھ انوالو نہیں۔“ وہ جھل سے ہو کر گویا ہوئے۔

”اب تم کچھ بھی ریزن دو میں ماننے والی نہیں میں نے ایک دوست کی حیثیت سے جو سمجھانا تھا وہ سمجھا دیا ہے رابعہ اور بچوں کی قدر کرو ہر بات رابین کے کانوں سے سننا چھوڑ دو، اور یہ دیکھو کا جل کئی ماہ سے میکے میں کیوں بیٹھی ہے۔“



می اور مونا کے تمام شکوے شکایات فون تک ہی محدود رہے تھے اس کی شکل دیکھتے ہی ان کو یہ احساس ہوا انہوں نے اسے ہر موقع پر مس کیا تھا تو اور وہ ان کی ہر خوشی سے ہی محروم رہا تھا۔

سینڈز پٹ کے ساحل پر اس کا خوب صورت بنگلہ تھا جو اس نے حال ہی میں تعمیر کرایا تھا می اپنے ساتھ مجید بابا کے علاوہ دو ملازماؤں کو لے کر آئی تھیں اور ساتھ کئی طرح کی ڈشیں بنا کر لائی تھیں کئی ماہ بعد وہ لوگ ساتھ کھانا کھا رہے تھے چکن چاؤ من، کباب، مٹر پلاؤ، سیخ بوٹی کباب، کڑھائی گوشت اور قیمہ فرائی، پرائیڈ اور چپاتی کے ساتھ کئی قسم کے میٹھے، سلاڈ، ریسے اور چٹنیاں بھی مینو میں شامل تھیں۔ دسترخوان بھرا ہوا تھا۔

”می، اتنا سارا کھانا کون کھائے گا؟“ وہ مسکرا کر پوچھنے لگا۔

”میں جانتا ہوں میری محبت میں تم یہاں نہیں آئی ہو کیونکہ محبت تم نے مجھ سے کبھی کی نہیں تھی پھر کیا وجہ ہے جو تم یہاں تک چلی آئیں؟“

”محبت کا صرف وہی رشتہ پائیدار نہیں ہوتا ہے شاہ رخ جو ایک عورت و مرد کے درمیان قائم ہو بلکہ محبت تو احترام و خلوص کے رشتوں میں جنکڑ کر اور بھی مضبوط ہو جاتی ہے اور میرا تم سے یہ رشتہ تا حیات رہے گا ایک بے حد محترم و پر خلوص دوست کا میں تمہیں پسند کرتی ہوں دل سے قدر کرتی ہوں۔“

”بائی گاؤ! تم نے کوئی رشتہ تو قائم کیا مجھ سے ورنہ تازیت میں تارسانی کے الاؤ میں جھلستا آ رہا ہوں تم نے دوست کہا ہے تو مجھ سے بڑھ کر کوئی دوست پاؤ گی بھی نہیں۔“

”میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنے آئی ہوں احد کے حوالے سے مجھے امید ہے تم مائنڈ کیے بنا میری بات سمجھنے کی سعی ضرور کرو گے۔“

”سوری ڈیر میں احد کے حوالے سے کچھ سننا بالکل بھی پسند نہیں کرتا وہ.....!“

”پلیز اتنے سنگ دل نہ بنو ایک ذرا سی بات پر کوئی اولاد کو خیم سے جدا نہیں کیا کرتا تم نے ظلم کی انتہا کر دی ہے مونا کی انجمنٹ باری سے بھی تم نے اسے محروم رکھا احد ہوتی ہے زیادتیوں کی بھی شاہ رخ تم ایسے کھور نہ تھے۔“

”جس کو تم ذرا سی بات کہہ رہی ہو وہ بہت بڑی بات ہے اس نے کا جل سے شادی کرنے سے انکار کر کے پورے خاندان کی توہین کی ہے چاند۔“

”نہ تم نے کبھی اسے یہ بتایا کہ تم کا جل کو بہو بنانا چاہتے ہو؟“

”نہیں مجھے یہ پسند نہ تھا کہ وہ اپنی پڑھائی چھوڑ کر ایسے بے مصرف باتوں میں لگ کر اپنا اور تعلیم کا حرج کرے میں نے سوچا تھا وقت آنے پر بتاؤں گا اور جب بتایا تو وہ باغی بن گیا اور باغیوں کو معافی دینا میری سرشت میں نہیں۔“



”ہم کھائیں گے کتنے عرصے کے بعد مجھے اپنے بیٹے کے ساتھ کھانا نصیب ہو رہا ہے۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے پیار سے گویا ہوئیں۔

”بھائی آپ آجائیں واپس می آپ کے جانے کے بعد ہنسنا مسکرانا ہی بھول گئی ہیں آج دیکھیں آپ کے ساتھ ہیں تو بات بے بات مسکرا رہی ہیں اور کتنی اچھی لگ رہی ہیں۔“ مونا نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

”تھوڑا دیرت کرو میں کسی اچھے سے لوکیشن والے گھر کی تلاش میں ہوں جیسے ہی کوئی گھر پسند آیا تو میں می اور بابا وہاں رہیں گے۔“ اس نے مونا کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا وہ چونک کر گویا ہوئی۔

”ارے می بابا اور آپ اس گھر میں رہیں گے تو میں کہاں ہوں؟“

”تم اپنے گھر میں رہو گی حماد کے ساتھ۔“ وہ بے ساختہ گویا ہوا تو مونا شرمائی می اور مجید بابا کے علاوہ وہاں موجود ملازما میں بھی ہنس پڑی تھیں۔

کھانا کھانے کے بعد مونا، می اور ملازما میں باہر ساحل پر چلی گئی تھیں وہ چائے کا گگ تھاے ٹیرس پر آ گیا تھا جہاں سامنے تاحد نگاہ نیلا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ یہ پرائیویٹ زون تھا یہاں عام لوگوں کی آمدورفت نہ تھی۔

”رائین نے بہت کوشش کی یہ کھوج لگانے کی کہ بہو بیگم اتنی تیاریاں کس کے لیے کر رہی ہیں مگر میں نے انہیں کانوں کان خبر نہ ہونے دی اور خدا کا کرنا بھی ایسا ہوا کہ وہ رات کو ہی اپنی بہن کے ہاں چلی گئیں اب آئیں گی تو معلوم ہونے پر دونوں ماں بیٹی کا برا حال ہوگا۔“ وہ تنہائی ملتے ہی احد کے پاس آ کر گویا ہوئے تھے وہ خاموش رہا تھا۔

”آپ یہاں ہیں بیٹا وہ رائے بیٹا کہاں ہیں کیا وہ ہیں؟“

”وہ بھی یہیں ہیں مبشر کے گھر پر آپ کے آنے کے بعد حالات گڑبڑ ہو گئے تھے اور مجھے یہاں رائے کو لے کر آنا پڑا میں آپ کو تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔“

”اللہ خیر کرے بیٹا آپ نے کل فون نہیں اٹھایا تب

ہی مجھے کچھ ڈر سا محسوس ہوا تھا۔“ اس نے ان کو چیدہ چیدہ باتیں بتادی تھیں جنہیں سن کر وہ بے حد فکر مند ورنجیدہ ہو گئے تھے وہ ان کی محبت سے خاص متاثر ہوا تھا۔

”بیٹا ایسے لوگ اسی طرح عورت کو اپنی مردانگی کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اصل مردانگی عورت کو زیر کرنا نہیں ہوتا اصل مردانگی یہ ہے کہ غیر محرم عورتوں کی موجودگی میں اپنی حیا اور نفس کو زیر کر دو گرنہ جانور اور انسان کے نفس میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔“

”جو لوگ نفس کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں پھر انہیں اسی طرح نفس کی غلامی کرنا پڑتی ہے پھر وہ جانور کے ہی مشابہ ہو جاتے ہیں۔ آپ پاپا سے بات کریں اور انہیں اس بات کا ذرا بھی پتا نہیں چلنا چاہیے آپ کسی طرح بھی وہاں سے آئیں اور مبشر کے گھر میں رائے کے ساتھ رہیں۔“

”وہ ہر وقت غصے میں رہتے ہیں میں ان کی مرضی کے خلاف بات کرتے ہوئے ڈرتا ہوں بیٹا۔“

”ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا آپ میرا نام سن کر تو وہ بھیجتے ہوئے بھی نہ بھیجیں گے اب اس کا نصیب اگر اسے تنہا رہنا ہے تو تنہا رہے گی وہ۔“ وہ چائے پیتے ہوئے شانے اچکا کر گویا ہوا۔

”بیٹا میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں وڈیرے سے بچانے کے لیے آپ کو جو بھی کرنا پڑے آپ کیجیے گا۔ آپ کو مونا کا واسطہ ہے بیٹا۔“ وہ ہاتھ جوڑ کر رو پڑے تھے وہ مگ ٹیبل پر رکھ کر ان کے جڑے ہاتھ تھام کر گویا ہوا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے..... اس اجنبی لڑکی سے اتنے کم عرصے میں اتنی محبت ہو گئی ہے آپ کو بابا؟“

”وہ بہت مظلوم و پیار کرنے والی لڑکی ہے اتنے کم عرصے میں اس نے میرا اتنا خیال رکھا کہ میں سوچتا تھا اس کا باپ بڑا بد بخت آدمی تھا۔“

”آپ جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی یہ دنیا قائم ہے بابا ورنہ یہاں تو معمولی سی بات پر خون کے رشتوں کو ٹھوکر مار دی جاتی ہے۔“ اس کی نگاہوں میں اپنے باپ کا چہرہ تھا۔



موناریت بریٹشی گھروندے بنارہی تھی می چینج کر کے اس کے پاس آگئی تھیں وہ لیونگ روم میں تھا دونوں سائیڈ بڑی بڑی گھڑکیوں سے سمندر کی لہریں دکھائی دے رہی تھیں۔ شام تیزی سے پھیل رہی تھیں موسم خاص سہانا لگ رہا تھا ملازمہ کافی دے کر گئی تھی۔

”حماد کئی مرتبہ پوچھ چکے تھے تمہارے متعلق میں نے کہہ دیا آپ لندن میں ہو اب میں ہونے والے داماد کو کیا بتاؤں، دامادوں سے ایسی باتیں شیئر نہیں کی جاتی ہیں کل کو اس نے آپ کا نمبر مانگ لیا تو کیا جواز پیش کروں گی؟“ موقع ملتے ہی انہوں نے اپنی پریشانیاں بتانا شروع کی۔

”آپ اس کو میرا نمبر دے دیجیے گا میں خود بات کلیئر کر لوں گا حماد سے۔“

”احد بیٹا کوئی بات ہے بے حد الجھے الجھے لگ رہے ہو کیا برا بلغم ہے؟“ وہ اسے بغور دیکھتی ہوئی گویا ہوئی تھیں وہ چونک کر مسکراتے ہوئے بولا۔

”اس سے بڑی برا بلغم کیا ہوگی می میں آپ سے اور موٹا سے دور ہوں، پھر کبھی کبھی پاپا کو بھی مس کرنے لگتا ہوں۔“ وہ سنبھل کر بولا۔

”پھر توڑ دو نہانا کی دیوار کو تم پہل کر لو گھر آ جاؤ میرے بچے شاہ رخ بھی تمہاری جدائی کو محسوس کر رہے ہیں مگر مجھے معلوم ہے وہ خود دکھ و تکلیف برداشت کر لیں گے جدائی کے کرب کو سہہ لیں گے مگر پہل نہیں کریں گے تم ہی اس انا کے بت کے چکنا چور کر دو احد!“ ان کی آواز بھرا گئی تھی وہ ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوا۔

”بات انا کی نہیں ہے می! نہ ہی میری یہ خواہش ہے پاپا پہل کریں۔ اپنوں کے لگائے زخم جلدی نہیں بھرتے ہیں جس دن یہ زخم ٹھیک ہو گئے میں اسی دن گھر آ جاؤں گا پلیز“ جب تک آپ مجھے گھر آنے کا نہ کہیں۔“ رابعہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئیں وہ اس کے درد سے آشنا تھیں۔

شام ڈھل رہی تھی لہروں نے تیزی اختیار کر لی تھی چائے کے ساتھ لوازمات سجائے وہ ریت پر بیٹھ گئے تھے۔ مونابے حد خوش تھی ہر گھنٹے بعد اس کو کچھ نہ کچھ کھانے

کے لیے چاہیے تھا ابھی بھی وہ پلیٹ بھرے دہی بڑے چھوٹے اور دوسری پلیٹ میں چپس و نمکوں لیے کھانے میں لگن تھی اور احد سے مخاطب ہوئی۔

”میں ایسی خوب صورت جگہ چھوڑ کر کہیں جانے والی نہیں ہوں۔“

”ٹھیک ہے ہم تو اب جائیں گے تم یہیں رہنا تنہا اور دیکھنا رات کو یہ خوب صورت سمندر کیسا دکھائی دیتا ہے۔“ وہ شوخی سے بولا۔

”اوہو بھائی میں کس طرح تنہا یہاں رہ پاؤں گی اتنے بڑے گھر میں؟“

”کیا ہوا بیٹا! لڑکیاں گھروں میں رہتی نہیں ہیں کیا؟“

اس سے بات کرتے ہوئے یکا یک ذہن کی اسکرین پر ایک چہرہ نمودار ہوا تھا سیاہ دوپٹے کی اوٹ میں آنسو برساتا چہرہ وہ بے کل سا ہو گیا۔

”نہیں، کوئی لڑکی گھر میں تنہا نہیں رہ سکتی بھائی! تنہائی میں بھوت آ جاتے ہیں سب سے پہلے ہمارے اندر کا خوف ہمیں بھوت بن کر ڈراتا ہے آپ کو یاد ہے ایک بار واش روم کا لاک خراب ہو گیا تھا اور ایک گھنٹہ مجھے لاکڈ رہنا پڑا تھا۔ کتنے عرصے تک میں اسی خوف میں مبتلا رہی تھی۔“

وہ خوف زدہ سے انداز میں کہہ رہی تھی اور وہ آتی جانی لہروں کو دیکھتے ہوئے کہیں گم ہو گیا تھا اس کے ذہن میں کھٹی کھٹی سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔

”مجھے تو لگ رہا ہے تم ابھی تک اس خوف سے باہر نہیں آ سکی ہو خیر احد نے یہ بات مذاق میں کہی ہے کوئی تمہیں اس طرح تنہا چھوڑ کر جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم سیریس مت ہو میری جان!“ رابعہ نے موناب سے ہنس کر کہا تو وہ مسکرا دی تھی مگر احد کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی تھی۔ اندھیرا پھیلنے سے قبل وہ گھر کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔



وہاں سے واپسی پر می وغیرہ کو ڈراپ کر کے وہ آیا تو کچھ دوست مل گئے تھے ان کے ساتھ کپ شپ میں ٹائم



گزرنے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ ڈنر کر کے باہر نکلا تو احساس ہوا بارہ سے اوپر ٹائم ہو چکا تھا وہ فاسٹ ڈرائیونگ کرتا وہاں پہنچا تو پورا بنک خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ گاڑی پارک کر کے وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا لاک کھول کر اندر آیا اور ایک پرسکون سانس لیا۔ وہ سامنے ہی بیٹھی تھی قرآن پاک کو سینے سے لگائے بے ساختہ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اس کی گرجے نکھیں گریہ وزاری سے سرخ ہو رہی تھی۔ ابھی بھی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں وہ نظر چرا گیا۔

”تمہیں تنہائی میں خوف محسوس تو نہیں ہو رہا تھا؟ موت کہہ رہی تھی لڑکیاں تنہا گھر میں نہیں رہ سکتی ہیں بھوت ڈرانے لگتے ہیں۔“ رائے جو اس کے جانے کے بعد سے خوف و تنہائی کے آسیبوں سے سہمی ہوئی تھی اس کو دیکھ کر کسی حد تک خوف سے نکلی تھی مگر اس کی جاتے وقت کی جانے والی سنگ دلانہ باتوں کی کڑواہٹ بھولی نہ تھی سو سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

”میرا مقدر یہی ہے کوئی کب تک ترس کے سکے میرے خوف کے برتن میں ڈالتا رہے گا۔“ اس نے چونک کر اسے دیکھا وہاں موجود ریک میں وہ قرآن پاک رکھ رہی تھی موڈ خاصا آف تھا۔ وہ کچن میں چلا گیا پیزا ٹرے میں رکھ کر لاونچ میں آیا تو وہ وہاں نہیں تھی وہ چند لمحے ٹرے ہاتھ میں پکڑے پند دروازے کو دیکھنے لگا پھر بلا خرد تنک اسے دینی پڑی تھی اسے آچل کی مخصوص اوٹ کے ساتھ..... ابھی چند لمحوں قبل وہ چہرہ بادلوں سے نکلے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

”یہ کھالو مجھے یقین ہے تم نے کچھ نہیں کھایا ہوگا اس معاملے میں بہت بے پروا ہو۔“ اس نے وہیں کھڑے کھڑے ٹرے اس کی طرف بڑھائی تھی۔

”مجھے بھوک نہیں ہے آپ خود کھالیں۔“ اس نے غصے سے کہہ کر دروازہ بند کرنا چاہا تھا احد نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند ہونے سے روک دیا اور کھڑپن سے بولا۔

”میں یہاں تمہارے ایٹنی ٹیوڈ دیکھنے نہیں آیا ہوں موت

کی بات سن کر مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں تم بھی اس نئی جگہ پر تنہائی میں خوف سے مرنے جاؤ اور میرے لیے مزید پرابلم کری ایٹ نہ ہو جائیں یہ سوچ کر چلا آیا تھا اور تم نہ جانے کیا سمجھ رہی ہو پکڑو یہ!“ وہ ٹرے سے تھما کر چلا گیا تھا۔ پھر ڈور لاک کر کے ٹرے لے کر بیڈ پر آ گئی تھی۔ ہر بار وہ اپنے رویے اور تلخ جملوں کی مار لگاتا تھا۔ اس کو پناہ دے کر احسان کیا تھا اس کی جان و آبرو بچا کر اور ان احسانوں کا بدلہ وہ اسی طرح آتے جاتے جوتے مار کر لیا کرتا تھا زبان کی مار ہر مار پر حاوی ہوتی ہے۔ لیکن احد کی غیر متوقع آمد نے اندر ہی اندر اسے بے حد ڈھارس دی تھی۔

وہ سنگ دل تھا..... بے رحم تھا..... مگر اس کا کردار انسانی رفعتوں کو چھوٹا تھا وہ اب بے فکری سے سو سکتی تھی۔



”زہے نصیب..... آپ تو رات کو ہی واپس آ رہے تھے گلے پڑی بلا کا آپ کو بالکل بھی خیال نہ تھا وغیرہ وغیرہ پھر اب صبح آنے کا مقصد کیا ہوا؟ آفس میں داخل ہوتے ہی بمشروع لہجے میں کہتا ہوا اس کے پیچھے چلا آیا۔

”تم کو معلوم ہے نا بولتے وقت میں سوچنے کا عادی نہیں ہوں بعد میں قیل ہوتا ہے کہ مجھ سے کچھ غلط ہوا ہے اور اس غلط کو صحیح کرنے میں مجھ کو کوئی عارضہ لاحق نہیں ہوتا۔ مجھے احساس ہوا ہے تنہا چھوڑ دانی جگہ پر اچھا عمل نہیں ہے سو میں چلا گیا۔“ اس نے بیٹھتے ہوئے اپنی کوتاہی کا اعتراف کھلے دل سے کیا تھا۔

”تم اس معاملے میں خاصے دل سے انوالو ہو رہے ہو خیر تو ہے نا میرے بھائی؟“ وہ کچھ جھک کر اس کی طرف دیکھتا ہوا شرارتی لہجے میں بولا۔

”پلیز اسٹاپ اٹ یار! معاملے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو میں کس الجھن میں ہوں اور وہ ایک بڑی مشکل میں گرفتار ہے ویسے بھی وہ ان لڑکیوں سے مختلف ہے۔ بہت ایٹنی ٹیوڈ ہیں اس میں بہت باحیا و مضبوط کردار کی لڑکی ہے۔“ احد کا لہجہ عام تھا۔



”بات سمجھنے کی کوشش کرو! بات ہماری حدوں سے  
آگے نکل چکی ہے اب تمہیں انکل سے مدد لینی ہوگی۔“  
”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے میں پپا سے مدد لوں  
بھلا اتنا کمزور نہیں ہوں میں۔“

”دیکھو انکل کی عزت ہے اونچا مقام ہے سوسائٹی میں  
اور وہ یہ سب جان چکا ہوگا اور وہ یہاں بلیک میل کرے گا  
بہت اسٹریٹنگ کلیو اس کے ہاتھ لگا ہے۔ یہ میڈیا کی سنوائی  
کا دور ہے اگر وہ جھوٹا نکاح نامہ بنا کر میڈیا میں پیش  
کر دے تو سوچو پل بھر میں خاندان کی عزت کو چونا لگ  
جائے گا پھر نہ خاندانی عزت رہے گی اور نہ دائرہ!“

”اے اپنے کالے دھندوں کی خبر ہے اور یہ بھی معلوم  
ہے کہ اس کے خلاف آدھے سے زیادہ ثبوت میرے پاس  
موجود ہیں میڈیا کا وہ سوچے گا بھی نہیں۔“  
”اس وقت وہ پاگل ہو گیا ہے اور پاگل پن میں کچھ  
بھی کر سکتا ہے۔“ پرویز بھی اسے سمجھانے کی سعی میں تھا  
مگر وہ ان سے تعاون کرنے کو تیار نہ تھا۔

”جرگے میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جب  
تم جرگے میں نہیں جاؤ گے تو وہ تمہارے اریسٹ وارنٹ  
نکلوا دے گا اور سب سے پہلے پولیس تمہارے گھر جائے  
گی اور پھر ہماری طرف بھی چھاپے مارے جائیں گے۔ تم  
جانے ہو ہماری پولیس اگر اعتراف کروانا چاہے تو گوٹے  
بھی بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ رائے تمہارے ساتھ غیر  
قانونی طریقے سے رہ رہی ہے یہ ہم جانتے ہیں تمہارے  
تعلقات کی نوعیت بے حد پاکیزہ و شفاف ہے مگر یہ بات  
کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔ ہمارا معاشرہ اور ہمارا مذہب  
دونوں ایسے رشتوں کو قبول نہیں کرتا ہے۔“

”تم لوگ کہنا کیا چاہتے ہو کلیئر بات کرو مجھ سے؟“  
حالات کی سنگینی کو وہ بھی بھانپ گیا تھا اور جو وہ لوگ کہہ  
رہے تھے وہ بھی غلط نہ تھا اس نے ریلیکس انداز میں  
استفسار کیا۔

”ہماری رائے یہ ہے تم کوئی وقت ضائع کیے بنا رائے  
سے نکاح کر لو۔“

”گڈ..... ویری گڈ! شکر ہے تمہارے دل میں بھی  
گداز پن پیدا تو ہوا مگر آج سے قبل تو یہ زمین بخر ہی پڑی  
تھی۔ لگتا ہے بہانا نے کو ہے۔“ وہ شوخ ہوا۔  
”بی سیریس مبشر! میں اس لڑکی کو پروفیکٹ کرنا چاہتا  
ہوں اس کے ساتھ ٹائم پاس نہیں کر رہا میں ان میں سے  
نہیں ہوں جو ان بے ہودہ باتوں کو انجوائے کرتے ہیں۔  
عورت اور مرد کا رشتہ صرف یہ نہیں ہے کہ مل کر عشق و عاشقی  
کی جائے۔“ سنجیدگی سے اس نے اسے لتاڑا تھا وہ گردن  
بلا کر رہ گیا تب ہی باہر سے وڈیرے عاشق علی کے کچھ  
خاص لوگوں کی آمد کی خبر ملی تھی۔

”تم یہاں سے باہر نہیں آؤ گے ان لوگوں سے ہم  
خود بیٹ لیں گے۔ تمہارے آنے سے بات بگڑ جائے  
گی وہ تمہیں دیکھ کر مشتعل ہوں گے اور لڑکی کا مطالبہ  
کریں گے۔“ قاسم اور پرویز بھی آفس میں اسے سمجھا  
رہے تھے جو تنہا۔

”وہ تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں ان کا معاملہ  
مجھ سے ہے۔“

”ہم جانتے ہیں وہ تمہارے پاس ہی آئے ہیں لیکن  
ان کے ارادے اچھے ہرگز نہ ہوں گے ان کے گاؤں کی  
لڑکی کا معاملہ ہے اس لیے وہ ہمارے توقع سے زیادہ بھرے  
ہوں گے۔“

قاسم نے بھی رسائی سے سمجھا یا تھا وہ مان گیا تھا وہ  
تینوں چلے گئے۔ وہ چھ لوگ تھے اونچے قد فربہ جسم وادھیڑ  
عمر چہروں والے جن سے سفاکیت عیاں تھی۔ اسلحہ جنہوں  
نے زیور کی مانند سجایا ہوا تھا آتے ہی انہوں نے رائے اور  
احد کورات ہونے والے جرگے میں پیش ہونے کا حکم نامہ  
جاری کیا تھا اور پیش نہ ہونے کی صورت میں بھیاٹک  
انجام کی دھمکیاں دے کر چلے گئے تھے۔ احد دوسرے روم  
میں سب سن رہا تھا وہاں آکر ان کے پریشان چہرے دیکھ  
کر مسکرا کر بولا۔

”وہ ڈرانے آئے تھے اور ڈر گئے تم لوگ؟ اسے بزدلی  
کہوں یا بہادری؟“



”وہاٹ.....“ وہ مارے حیرانگی کے اٹھ کھڑا ہوا اور پاٹ دانا واز گونج کر رہ گئی۔

”اتنا حیران کیوں ہو رہے ہو؟ ایک یہی طریقہ ہے تمہارے پاس اپنی عزت بچانے اور اس وڈیرے کو شکست دینے کا۔“ مبشر نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”میں اس لڑکی سے کیسے نکاح کر سکتا ہوں جس کے بارے میں میں جانتا نہیں اور یہ..... یہ کوئی آسان کام نہیں ہے میں اس لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا۔“ وہ ایک دم سے اضطراب و وحشت کا شکار ہو گیا۔

”کول ڈاؤن نکاح کرنا بہت آسان ہے مگر خود پر ناجائز تعلقات کا الزام برداشت کرنا آسان نہیں ہے۔ نکاح کر کے تم گھر والوں کی خفگی و ناراضگی کا اور چند لوگوں کا سامنا کرو گے اور جلد ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا..... مگر رسوائی کے بعد دوسروں خصوصاً اپنوں کے گے سرخروئی پانا بہت مشکل کام ہے۔ یہ طعنے تمہاری آنے والی نسلوں کو بھی کو برداشت کرنے پڑیں گے۔“ آگے کنواں اور پیچھے کھائی وہ سچ مچ سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا اس معاشرے میں کسی لڑکی کی مدد کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی مرتا ہے مرنے والے کی عزت لٹتی ہے لٹ جانے والے کو غلط دستور رائج کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں اور درست کام کرنے والوں کی اچھائیوں کو بھی برباد کر ڈالتے ہیں آہ.....!

”وہ بے چاری گاؤں کی ایک غریب ولا چار لڑکی ہے جو حسن کی دولت سے مالا مال ہے مگر تمہاری جیسی ویل آف فیملی سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔ اس کا شجرہ نسب غربتوں سے پُر ہے اس لیے تم اس سے رشتہ جوڑنے کی خواہش نہیں رکھتے؟“

”اسٹاپ اٹ..... لعنت بھیجتا ہوں میں دولت اور اسٹیٹس پر۔“ وہ جھنجھلایا گیا۔

”کال آرہی ہے تمہارے فون پر۔“ قاسم نے ٹیبل پر رکھا فون اٹھا کر دیا اور دوسری طرف مجید بابا تھے بہت گھبرائے ہوئے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

”بیٹا! مجھے معاف کر دیجیے گا کل جو کچھ آپ نے مجھے

بتایا تھا وہ سن کر میں ساری رات سو نہ سکا تھا۔ یہی خوف رہا کہ وہ موذی آپ کو اور رائے بیٹی کو نقصان نہ پہنچا دے یہاں سب سے زیادہ سوال آپ کی زندگی کا ہے۔ میں نے کچھ دیر قبل ہی بڑے صاحب کو رائے بیٹی کے بارے میں پہلی ملاقات سے لے کر کل تک کا سب بتا دیا ہے۔“ اس کی پیشانی پر یک دم سلونٹیں دو آئی تھیں وہ متحیر ہوا۔

”یہ آپ نے کیا کیا بابا!“ وہ شدید اضطراب میں مبتلا ہو گیا۔

”مجھے یہی مناسب لگا بیٹا! آپ کی زندگی سب سے زیادہ قیمتی ہے اب جلدی سے رائے بیٹی کو کہیں روپوش کر دیں صاحب بہت غصے میں گئے ہیں وہ رائے بیٹی کو وڈیرے کے حوالے کرنے گئے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کسی غیر لڑکی کی خاطر وہ اپنی عزت پر داغ نہیں لگنے دیں گے۔“ وہ ہچکیوں سے رو رہے تھے۔

”رائے کو بچالیں بیٹا! اس کو بچالیں وڈیرہ بہت بُرا حشر کرے گا اس کا۔“ پھر بہت خاموشی سے اس نے دوستوں کے سامنے سرینڈر کر دیا تھا۔ اپنے باپ کی ہٹ دھرمی اور سنگ دلی سے بھی واقف تھا وہ اپنی عزت و نام کی نگہبانی کی خاطر رائے کو لہجہ ضائع کیے بنا وڈیرے کے حوالے کریں گے اور وہ اس شخص سے شکست کھانے کو تیار نہ تھا ایک اور قابل بھروسہ دوست کو کال کر کے بلوایا گیا تھا۔ وہ مبشر کے بنگلے پر پہنچے تو دو پہر ڈھل رہی تھی رائے اس افتاد پر ہکا بکا تھی۔

”یہ سپر میرج ہوگی میں تم سے کچھ ڈیماء نہیں کروں گا اور تم بھی جب چاہو حالات معمول پر آتے ہی طلاق لے سکتی ہو میں سپر سائن کر دوں گا۔“ وہ اس کو سمجھا رہا تھا وقت بے حد کم تھا۔ شاہ رخ صاحب کسی بھی ٹائم وہاں پہنچ سکتے تھے وڈیرے کا نام سن کر اس کی رنگت بھی زرد پڑ گئی تھی۔

”ہم میں سپریشن ہو جائے گی نہ میں نے کبھی شادی نہ کرنے کا عہد کیا تھا آپ بعد میں اپنے وعدے سے مکر تو نہیں جائیں گے؟“ اس نے آہستگی سے پوچھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟ تمہارے عشق میں بے حال



خوف بھی غالب تھا۔

”اب مجھ سے اتنا چھپنے کی کیا ضرورت ہے میں تمہیں کھاتا تو نہیں جاؤں گا باہر آؤ۔“ وہ جھجکتی ہوئی باہر آئی تو وہ گویا ہوا۔

”پاپا آئیں گے ابھی غصے میں شاید بہت ہی برہم ہوں شور شرابا کریں لیکن تم نے روم میں ہی رہنا ہے اور جب تک میں نہ کہوں باہر نہیں نکلنا انڈر شیٹڈ؟“

”جی..... ایسا ہی کروں گی۔“ آواز میں خاصی تابعداری تھی۔

”جاؤ۔“ وہ اپنے مخصوص ہیردوسیاٹ لہجے میں گویا ہوا اور اسی لمحے باہر کاررکنے کی آواز آئی تھی کیونکہ گیٹ پر چوکیدار موجود تھا اور مبشر جاتے ہوئے اسے ان کی آمد کی اطلاع دے کر گیا تھا۔ رائے کمرے میں چلی گئی تھی پانچ منٹ بعد وہ اس کے روبرو تھے۔ وہ سلام کا جواب گول کر کے اسے خفگی سے دیکھتے ہوئے بولے۔

”مجید بابا نے جو کچھ بتایا وہ کہاں تک درست ہے؟“

”بابا نے جو کچھ بتایا وہ حرف بہ حرف درست ہے کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔“

”پہلے دن ہی آپ کو اس لڑکی کو دھکے دے کر ریٹ ہاؤس سے نکال دینا چاہیے تھا ضرورت کیا پڑ گئی تھی ایک اجنبی وکٹر لڑکی کی خاطر یہ سب ہنگامہ کھڑا کرنے کی؟“ وہ شدید غصے میں کہہ رہے تھے۔

”وہ بے حد مجبور و بے قصور لڑکی ہے وڈیرہ اس کے باپ۔ ساس کا سودا کرنا چاہتا تھا۔“

”سو وہاٹ..... اس لڑکی سے ہمارا کچھ لینا دینا نہیں ہے کسی غیر لڑکی کی خاطر میں بلاوجہ دشمنیاں افروز نہیں کر سکتا۔ کچھ دیر بعد آئی جی اور دوسرے اشخاص بھی آ رہے ہیں تاکہ لڑکی اس کے حوالے کر کے معاملہ رفع دفع کر کے آئیں۔“ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے عجلت بھرے انداز میں گویا ہوئے۔

”وہ لڑکی عاشق علی کو اب کبھی نہیں ملے گی۔“ اس کا لہجہ

ٹھوس تھا۔

ہو کر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے؟“ احد کو پٹری سے اترنے میں دیر نہ لگتی تھی سو اس وقت بھی وہ رسٹ وارج دیکھتا ہوا سرد مہری سے گویا ہوا وہ چپ رہ گئی۔

”میں ان فضول چکروں میں نہیں پڑتا اگر بابا اپنی زبان بند رکھتے تو مجھے یہ سب کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔“ لاؤنج میں ان چاروں کے علاوہ ایک باریش نکاح خواں موجود تھے وہ دونوں صوفے پر بیٹھے تھے۔

وہ عام سے کاٹن کے لکیر ایڈی سوٹ میں ملبوس تھی نکاح سے قبل مبشر نے اپنی بیوی کا سرخ دوپٹہ لاکر اس کے سر پر ڈال دیا تھا۔ نکاح ہوا تھا ان چاروں نے گلے مل کر مبارک باد دی تھی خوب بھیج بھیج کر اسے گلے سے لگایا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

”ارے کیا مصیبت ہے چھوڑو یہ کوئی خوشی کا موقع نہیں ہے کپرو ماتر ہے۔“

”ہمارے لیے خوشی کا ہی موقع ہے میری جان! ادھر رے ہی سہی کم از کم ہماری لائن میں تو آئے تم چھڑے چھڑاؤ متے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے..... ہا ہا ہا۔“ وہ تینوں مٹھائی کھاتے ہوئے اس سے شوخیاں کر رہے تھے رائے وہاں سے جا چکی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ کمرہ لا کڈ کے اپنے من پسند مشغلے میں مصروف ہوگی۔

”انگل یہاں پہنچنے والے ہوں گے ہمیں بہت تحلل سے یہ سب ہینڈل کرنا ہوگا۔“

”نہیں فرینڈز! تم لوگوں نے یہاں تک میرا ساتھ دیا میں تم لوگوں کا شکر گزار ہوں بس اب یہاں سے یہ میرا پرسنل میٹر شروع ہو چکا ہے یہاں سے مجھے تنہا ہی اسٹینڈ لینا پڑے گا۔“ ان لوگوں کو سمجھا سمجھا کر زبردستی بھیجا تھا پاپا کسی تجھی لمحے کیا کہہ دیں اس بات کا احساس ان کو خود بھی نہیں تھا۔ یہ بات صرف وہ جانتا تھا اور اپنے دوستوں کی بے عزتی اسے ہرگز قبول نہ تھی۔ ان کے جانے کے بعد اس نے رائے کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور مسلسل کئی دستک کے بعد دروازہ کھلا تھا۔

”جی..... کیا بات ہے؟“ آنسوؤں سے بھیگی آواز پر



”کیا مطلب ہے اس اسٹوڈنٹ بات کا؟ کسی اجنبی کو رکھ کر اپنے منہ پر ناجائز تعلقات کی کالک لگواؤ گے؟“ وہ ناگواری بھرے انداز میں گویا ہوئے۔

”بلاؤ اس لڑکی کو کہاں ہے وہ؟ میرے پاس نام نہیں ہے۔“

”وہ لڑکی اب میری بیوی ہے پپا! وہ کہیں نہیں جائے گی۔“

”وہاٹ..... یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں احساس ہے اپنی بات کا یہ کس طرح سے ہو سکتا ہے؟“ بے یقینی وحیرت ان کے بارعب چہرے سے عیاں تھی۔

”میں نے آج ہی نکاح کیا ہے رائے سے وہ اب میری عزت ہے۔“ اس کے لہجے میں مضبوطی وہٹ دھری تھی چٹانوں کی مانند۔ شاہ رخ نے بیٹے کے وجہہ چہرے پر ایک عزم و استقامت دیکھا تھا وہ شاکد رہ گئے تھے۔

”آپ جائیں اور اپنے دوستوں کو بھی واپس لے جائیں یہ میرا میٹر ہے اور میں بخوبی حل کروں گا اسے۔ آپ کو زحمت کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔“

”شٹ اپ! بکواس بند کرو اپنی۔“ وہ بھرے بادلوں کی طرح گرجے تھے۔ ”ایک دو کوڑی کی لڑکی سے نکاح کر کے تم نے ہماری عزت و وقار مٹی میں ملا دیا ہے۔ میں کہتا ہوں ابھی اور اسی وقت طلاق دو ہمارے گھر میں ملازم بھی خاندان دیکھ کر رکھے جاتے ہیں اور تم ایک ایسی لڑکی کو ہماری بہو بنا چاہتے ہو جس کا باپ شرابی و جواری آدمی تھا اور ماں ایک غریب عورت جو لوگوں کی سلائی و کڑھائی کر کے گھر چلاتی تھی۔“

”میرے لیے یہ باتیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔“

”تمہارے نزدیک یہ باتیں اہمیت رکھ بھی کیسے سکتی ہیں برخوردار! عزت و نیک نامی تمہیں پلیٹ میں رکھ کر جو مل گئی ہے۔ کبھی باپ کا نام ہٹا کر دیکھو اپنے نام سے پھر پتا چلے گا کہ کس گھیت کی مولی ہو تم؟“ وہ ہونٹ بھیجنے خاموش ہی رہا تھا جبکہ وہ بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔

”تمہارا اسٹینڈرڈ اتنا لو ہوگا مجھے یقین نہیں آ رہا اور تم اس تھرڈ کلاس لڑکی کو نہیں چھوڑو گے یہ بھی میں جان گیا ہوں۔ تم نے جو حماقت کی ہے اس کا کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے اور ان چاروں کو جو تمہارے گواہ بنے ہوں گے اپنے چیلوں کو بھی کہہ دینا اپنی زبان بند رکھیں۔ پہلے اس عاشق علی سے نبٹ لوں پھر تم سے بھی نبٹوں گا تم نے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھایا ہے وہ اس کی آنکھوں میں چھائی نفرت کو دیکھ کر پُرسوج لہجے میں گویا ہوئے۔

”بلاؤ اس لڑکی کو اور چلو میرے ساتھ یہاں رکنا سراسر حماقت ہے۔“

”پپا.....“ وہ کچھ چاہتا تھا تب ہی وہ ہاتھ اٹھا کر گویا ہوئے۔

”میں کوئی فضول بات نہیں سنوں گا لے کر آؤ اسے میں انتظار کر رہا ہوں۔“ وہ کہہ کر چلے گئے احد کے بلانے پر وہ باہر آئی تھی۔

”پپا کی باتیں تم نے سن لی ہوں گی یقیناً وہ اسی طرح کھری و سیدھی بات کرتے ہیں۔ ہم گھر جا رہے ہیں وہاں ہمارے نکاح کی خبر کسی کو بھی نہیں مجید بابا کو بھی نہیں۔“ وہ اسے سمجھا کر کپڑوں کا بیک اٹھا کر چل پڑا وہ بھی اس کے پیچھے چلنے لگی تھی۔

”اس گھونگھٹ کی اب کیا ضرورت رہتی ہے بناؤ اسے۔“ اس نے مڑ کر کہا۔ وہ اسی طرح ملٹی کلر ریشم اور شیشوں کی کڑھائی والی سیاہ شال کی اوٹ میں چہرہ چھپائے بے جان قدموں سے پیچھا رہی تھی۔ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا اس نے گھبرا کر شال کو پیشانی تک کھینچا تھا وہ اس شخص کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پار ہی تھی جس کی پاٹ دار آواز بند دروازوں کے پیچھے بھی واضح سنائی دے رہی تھی۔ اپنی ماں اور باپ کے متعلق ان کے لفظوں نے اسے گویا پاتال میں پھینک دیا تھا۔ آج سے پہلے اسے اپنی غربت و افلاس پر کبھی شرمندگی نہ ہوئی تھی۔ شاہ رخ صاحب نے احد کے پیچھا آئی لڑکی کو دیکھا سیاہ بادلوں کی اوٹ میں چمکتے چاند کی مانند تھا وہ چہرہ۔



ملنے کی خواہش بھی نہ کی تھی۔“

”میرا دل تو بہت چاہ رہا تھا ویسے بھی اب اس بے چارے بچے سے اسی طرح باہر ہی ملنا ہوگا، بھائی صاحب تو اب اسے کبھی گھر میں قدم رکھنے نہیں دیں گے۔“

”اللہ نہ کرے جو بھی ایسا ہو راین! تم کیسی باتیں کرتی ہو؟ میرا احساں گھر میں آئے گا اور جلد آئے گا ان شاء اللہ۔ میں نے اللہ کے حضور گڑ گڑا کر دعائیں مانگی تھیں احدا کے اس گھر میں خوشیوں کے ساتھ آنے کی بلکہ میں نے یہ دعا کی تھی کہ شاہ رخ نے احدا کو گھر سے نکالا ہے وہ ہی لے کر بھی آئیں۔“ راین کی بات پر وہ ناخوش گوار لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

”بھائی صاحب کی ضدی طبیعت کو جانتے ہوئے بھی آپ نے ایسی دعا کی ہے۔“

”دعاؤں سے تو پہاڑ بھی ریزہ ہو جاتے ہیں تمہارے بھائی کیا چیز ہیں۔“

”اللہ آپ کی دعا قبول کرے بھابی! آج ابھی سے رمضان المبارک کی آمد کی تیاریوں میں لگ گئی ہیں پورا ایک ہفتہ پڑا ہے رمضان شروع ہونے میں۔“

”ایک ہفتہ کہاں پتا چلتا ہے راین! اس وقت دنیا میں سب سے برق رفتاری سے گزرنے والی شے کا نام وقت ہے۔ یہ ایک ہفتہ بھی پلک جھپکتے گزر جائے گا میں نے کچن کے تمام سامان کی لسٹ تیار کر دی ہے۔ مجید بابا کے ساتھ جا کر گروہری کراتی ہوں پھر غرباء و مساکین میں راشن، کپڑے اور رقوم بھی تقسیم کرنی ہے۔“ وہ لٹیں مونا سے لیتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

”مجید بابا تو آج صبح سے اپنے کوارٹر میں بند ہیں کسی کام کا ہوش نہیں ہے انہیں یہ سب آپ کی وجہ سے ہے جو اس کی آنکھوں پر چربی چڑھ گئی ہے۔“

”ارے ان کا بڑھاپا ہے راین! اب اس عمر میں ان سے کام لینا اچھا نہیں لگتا۔“

”مفت کی روٹیاں توڑنے کے لیے کیوں رکھا ہوا ہے نکال باہر کریں جب وہ کسی کام کے نہیں رہے ہیں آپ

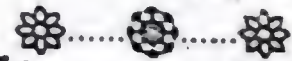
”ہوں..... احدا کے پھسلنے کی وجہ اس لڑکی کا بے تحاشہ حسن ہے، عجیب فتنہ گر حسن کی مالک ہے یہ لڑکی! میرے پتھر دل بیٹے کو موم بنا ڈالا۔“ وہ سوچ رہے تھے ان کے چہرے پر سختی درعب اس قدر تھا کہ وہ سلام کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکتی تھی۔ وہ کار کے پاس کھڑے تھے موبائل ہاتھ میں لیے ہوئے احدا سامان ڈیڑگی میں رکھ کر پلٹا تو رائے کو دیکھا جو بے حد گھبرائی و سہمی کھڑی تھی۔

”ٹیک اٹ ایزی!“ وہ قریب آ کر اس سے سرگوشی میں گویا ہوا تھا، شاہ رخ صاحب جو کچھ فاصلے پر کھڑے تھے ان کے قریب چلے آئے اور رائے بے ساختہ احدا کے پیچھے ہو کر اس کا بازو تھام چکی تھی۔ اس کے ہاتھ کی لرزش وہ اپنے شانے پر محسوس کر رہا تھا۔

”چاند ہری یور گئی ہوئی ہیں کچھ عرصے کے لیے میں نے سوچا تھا اس لڑکی کو چاند کے پاس چھوڑ دیتا لیکن اب گھر مٹی لے کر جاتا ہوگا۔ وہاں سب کو یہی بتاؤں گا یہ میرے مرحوم دوست کی بیٹی ہے اور کچھ عرصے کے لیے ہماری مہمان رہے گی۔“

”جی..... جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔“ اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے شانے پر سے ہٹایا تھا پھر پہلے پنا کے لیے فرنٹ ڈور کھولا، رائے کو بیگ سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

جنیوں نے گھر بدر کیا تھا وہ ہی اب گھر لے کر جا رہے تھے مگر وہ ذہنی طور پر اتنا الجھا ہوا تھا کہ کئی ماہ بعد گھر واپسی کی خوشی بھی نہ محسوس کر رہا تھا۔



راین مسکراتی ہوئی رائے کے پاس آئی تھیں جو مونا کے ساتھ بیٹھیں لسٹ بنا رہی تھیں وہ ان کے قریب بیٹھ کر شکوے بھرے لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

”بھابی آپ کل احدا سے ملنے گئی تھیں اور ہمیں بتایا بھی نہیں؟ کتنا عرصہ ہو گیا ہے احدا سے ملے ہوئے میں اور کا جل بھی مل کر آ جاتے آپ کے ساتھ ہی۔“

”تم کل گھر پر نہیں تھیں پھر تم نے پہلے کبھی احدا سے



بھی ہر کسی پر ترس کھانے لگتی ہیں۔“

”کہاں جائیں گے وہ؟ ساری عمر انہوں نے یہاں گزاری ہے ویسے بھی وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والے نہیں ہیں منع کرنے کے باوجود کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔“ ملازمہ کی زبانی ان کو جتا چلا تھا ان کی احد سے ملاقات کا۔ وہ غصہ سے تھلا کر رہ گئی تھیں۔ وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ وہ کس طرح ایک دوسرے سے ملتے ہیں ان کی ترتیب سے وہ لطف لیتا جا رہی تھیں مگر ان کو پتا نہ چل سکا تھا اور یہ کارستانی مجید بابا کی تھی اس لیے وہ ان کی مزید دشمن بن گئی تھیں اور یہی تہیہ کر کے بیٹھی تھیں کسی نہ کسی طرح ان کو یہاں سے نکال پھینکا جائے۔

”مونا! جا کر مجید بابا کو بلا کر لاؤ راجین! تم بھی چلی چلو میرے ساتھ گھر دوسری کے لیے۔“ مونا کے بعد ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”بھابی! عید کی شاپنگ کے لیے ساتھ چلیں گے یہ شاپنگ تو فوراً کر دیتی ہے۔“ وہ ناک چڑھا کر گویا ہوئی تھیں معافیاً ہر کار کرنے کی آواز آئی تھی اور پھر مونا وہاں بھاگتی ہوئی آئی تھی خوشی سے گلزار ہوتے چہرے کے ساتھ۔

”ممی..... ممی..... بھائی آگئے۔“ وہ مارے خوشی کے ان سے لپٹ گئی۔

”یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔“ مونا دوبارہ باہر بھاگ گئی تھی جبکہ راجین ایک دم شاکدہ گئی تھیں ان کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ وہ واپس آ جائے گا اس گھر میں۔

چند لمحوں بعد وہ ماں و بہن کی چاہتوں کی بارش میں بھیگ رہا تھا مونا اور ممی کتنی دیر تک اس سے لپٹی آنسو بہاتی رہی تھیں۔ وہ انہیں بازوؤں کے حصار میں کتنی دیر تک لیے کھڑا ان کے آنسو صاف کرتا رہا کبھی واپس نہ جانے کا یقین دلاتا رہا۔ راجین اور کا جل بھی آ گئی تھیں ظاہری محبت کا اظہار انہوں نے بھی کیا تھا۔

”ساری رات یہیں گزارنے کا ارادہ ہے تم لوگوں کا؟“ میرے ساتھ مہمان ہے اس کو بھی اندازے کا موقع دو۔“ شاہ رخ صاحب نے سر دلچے میں اپنی موجودگی کا احساس

دلایا تو وہ چونک کر گویا ہوئیں۔

”کہاں ہے مہمان اور کون ہے؟“ رابعہ نے

چونک کر کہا۔

”میرے دوست کی حال ہی میں ڈیڑھ تھہ ہوئی ہے اس کے دشمن اس بچی کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اس کی زندگی خطرے میں ہے اسے تحفظ ملے اس وجہ سے میں اسے لے کر یہاں آ گیا ہوں۔“ انہوں نے خوب صورتی سے بات بنائی تھی۔

”مونا! وہ کار میں ہے لے کر آئیں اسے..... وہ کیا نام ہے؟“ انہوں نے احد کی طرف دیکھا۔

”رائہ!“ اس نے نام بتایا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔

”دوست کی بیٹی آپ کی ہے اور نام احد بتا رہے ہیں۔“ راجین نے مسکرا کر کہا تو وہ ان کے لطیف سے طنز کو سنی ان سنی کر کے سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

”رائہ کو ملنے جلنے والوں سے دور رکھے گا میں نہیں چاہتا کسی کے بھی علم میں ان کی یہاں موجودگی آئے۔ مونا کے روم میں ان کو ٹھہرانے کا بندوبست کرو۔“

”مونا کے روم میں کیوں؟ گیٹ روم کے علاوہ اور بھی کئی رومز ہیں۔“

”جو میں نے کہا ہے وہ ہی کرو بس۔“ وہ اپنی بات پر زور دے کر گویا ہوئے تھے۔ مونا ہر نی جیسی ڈری سہی گھبرائی گھبرائی رائہ کا ہاتھ تھامے وہاں آئی تھی۔

”السلام علیکم! لرزش زدہ آواز میں لفظ بھی ادھر ادھر بکھر رہے تھے وہ تینوں متحیر سی اسے دیکھ رہی تھیں۔ انہیں معلوم نہ تھا آنے والی مہمان لڑکی اتنی خوب صورت اور کم عمر ہوگی۔ بحر حیرت سے پہلے رابعہ نے نکل کر اسے گلے لگاتے ہوئے خوش آمدید کہا تھا راجین اور کا جل نے بھی سرسری طور پر ہاتھ ملائے تھے وہ اس عالی شان و ذی حیثیت بلند وبال لائل نما عمارت کو دیکھ کر شدید احساس کمتری و کم مائیگی کا شکار ہو گئی تھی۔ احد کی سادہ و بے نیاز طبیعت میں دولت و امارت کا غرور بالکل نہ تھا باہر سے نظر آنے والی خوب صورتی اندر سے زیادہ نمایاں تھی۔ فرنیچر، کارپٹ



پیارا نے لگتا ہے۔“ وہ سادگی سے گویا ہوئیں۔  
 ”آئی! کہیں آپ احد کے دل کی بات تو نہیں  
 کر رہی؟“

”احد کے دل کی بات..... کیا کہنا چاہ رہی ہو کا جل؟“  
 وہ اس کے طنز کو سمجھ رہی تھیں، راین نے بیٹی کو آنکھیں دکھا  
 کر چا پلوسی سے کہا۔

”ارے کچھ نہیں بھابی! آپ کو تو معلوم ہے اسے یوں  
 ہی بھونڈے مذاق کی عادت ہے۔“ شاہ رخ صاحب نے  
 اس پیچیدہ مسئلے کو سلجھانے کے لیے اپنے قانونی طریقے  
 سے اپنے ان دوستوں سے صلاح و مشورے لینے شروع  
 کر دیئے تھے جو قانون کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے وہ احد  
 سے لاکھ شاکی تھے، بہت ناراض تھے مگر خطرے کی اسی  
 گھڑی میں وہ اسے تنہا چھوڑے کو تیار نہ تھے۔

احد کو وہ سختی سے گھر سے قدم باہر نہ نکالنے کا پابند  
 کر چکے تھے اس کے تینوں سیل فونز ان کے پاس تھے۔  
 اس کے فرینڈز کو بھی وہ وارن کر چکے تھے کہ معاملہ بننے تک  
 وہ لوگ آفس نہ جائیں کیونکہ کل رات جرگے میں شرکت  
 نہ کرنے کے باعث عاشق علی پر پاگل پن سوار ہو چکا تھا۔  
 وہ دیوانہ بنا ان لوگوں کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ احد کے موبائل  
 پر بلا آخراں کی کال آ گئی۔

”بزدل..... کیا چو ہے کی طرح بل میں چھپ کر  
 بیٹھ گیا ہے اگر مرد ہے تو باہر نکل کر آ ورنہ اس بل کو تیری  
 قبر بنا دوں گا۔“

”سنو! شیر کی کھال پہن کر گیڈر شیر نہیں بن جاتا گیڈر  
 ہی رہتا ہے۔ میرا بیٹا شیر ہے وہ تم سے شیر کی طرح ہی  
 مقابلہ کرنے کی تیاری کر چکا ہے۔“

”اچھا تو تم ہو اس کے باپ دیکھنا سامنے ہی کیسی  
 ہڈیاں چباتا ہوں اس کی؟“

”ہونہہ..... ہڈیاں کیا چباؤ گے تم..... غریبوں کا لہو  
 پینے والے کھٹل! تم جیسے چور ڈاکو اسمگلر کے ہاتھوں میں  
 اتنی طاقت کہاں جو میرے شیر بیٹے سے مقابلہ کر سکو۔“ ان  
 کے دہنگ لہجے سے وہ کمزور پڑ گیا تھا۔

پردے ہر شے اعلیٰ ترین تھی۔ اس کی نگاہ میں اپنے دو  
 چھوٹے کمروں اور سرخ اینٹوں والا چھوٹا سا کھونٹے لگا  
 تھا۔ وہ یہاں آ کر اس قدر مرعوب ہوئی تھی کہ زبان بالکل  
 تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔

گھر میں عید کا سماں تھا احد کی گھر آمد نے خوشیوں  
 کے پھول کھلا دیئے تھے مونا اس کا ہاتھ تھا اسے اس سے  
 چپک کر بیٹھی تھی۔ وہ پہلی نظر میں اسے فرینڈ بنا چکی تھی  
 رابعہ ملازماؤں کو کھانا لگانے کا کہہ چکی تھیں۔

احد اور شاہ رخ دوسرے کمرے میں اہم میٹنگ میں  
 مصروف تھے راین اور کا جل خاموش بیٹھی تھیں جیسے احد  
 کی اچانک آمد اور اس لڑکی کا اس طرح آنا کسی راز سے  
 پردہ ہلکا ہلکا سرک رہا تھا، لیکن مبہم تھا۔ مونا اس سے کئی  
 عام سے چھوٹے چھوٹے سوالات کر رہی تھی مگر وہ  
 خاموش تھی کہ ایک جواب بھی اس کے اسرار کھولنے کے  
 لیے کافی تھا اور اسے سختی سے منہ بند کر کے رکھنے کی تاکید  
 بار بار کی جاتی رہی تھی۔

”مونا! کیوں پریشان کر رہی ہو؟ لگتا ہے یہ ابھی بھی  
 ڈری ہوئی ہیں آپ انہیں اپنے روم میں لے جائیں میں  
 کھانا دوں گی۔“ رابعہ نے کہا۔

”یہاں کیسا ڈر بھابی جان! ہم کوئی ان کے دشمن  
 تھوڑی ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے ان کو ہم سے بات کرنے سے  
 منع کیا گیا ہے یا یہ خود ہم سے بات نہیں کرنا چاہتی ہیں۔“  
 راین اپنے کاٹ دار لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

”ارے ہم کیوں دشمن ہونے لگے ان کے جاؤ بیٹی  
 ریٹ کرو بے فکر ہو کر۔“ رابعہ نے محبت سے کہا اور مونا  
 اس کا ہاتھ پکڑ کر لے آئی۔

”چلتے بھابی! آپ کی دعا قبول ہوئی نہ صرف احد گھر  
 میں آئے بلکہ ایک لڑکی بھی ساتھ لائے ہیں آپ کو ایک  
 ساتھ دہری خوشیاں مل گئی ہیں۔“

”مجھے تو بچی کی صورت دیکھ کر ترس آ رہا ہے کس قدر  
 ڈری سہمی ہوئی ہے نہ معلوم کون ایسے ظالم لوگ ہیں جو ایسی  
 پیاری بچی کو مارنا چاہتے ہیں ورنہ اس کی صورت دیکھتے ہی



اس نے برطیش لہجے میں کہتے ہوئے پستول لوڈ کی تھی معا  
ایک آواز گونجی تھی۔



”واہ ماما! آپ تو کہتی تھیں احد کا پتہ اس گھر سے کٹ  
گیا وہ کبھی یہاں آنے والا نہیں۔ انکل تو احد کے ساتھ  
ساتھ اس سفید ناگن کو بھی لے آئے ہیں۔“ موقع ملتے ہی  
کا جل نے ماں سے طنز یہ انداز میں پوچھا۔

”ارے میں تو خود حیران ہوں بھائی جان کی کایا پلٹ  
کیسے گئی؟ کل تک وہ احد پر تھوکتا بھی پسند نہیں کرتے تھے  
اب بنا کچھ کہے ساتھ لے کر آ گئے اور ساتھ وہ لڑکی بھی ہے  
کل سے آج تک میں نے دونوں پر گہری نگاہ رکھی ہے  
لیکن وہ دونوں اس طرح بے پروا و اجنبی بنے ہوئے ہیں  
گویا ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں۔“

”آپ نے دیکھا تھا ماما! انکل کو اس کا نام تک یاد نہ تھا  
وہ بھی احد نے ہی بتایا تھا۔ ضرور کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے دال  
میں کچھ کالا ہے۔“ وہ گہری سوچ میں ڈوبی کہہ رہی تھی۔  
”شبہ تو مجھے بھی ہو رہا ہے بھائی صاحب اب کے مجھ  
سے بھی کوئی بات شیر نہیں کر رہے اور دیکھو آج صبح ہی صبح  
کہیں چلے گئے ہیں آفس کا بہانہ بنا کر۔“

”تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟“ انہوں نے اس کے قریب  
بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

”آپ مجھ سے روزیہ کیوں پوچھتی ہیں؟ میں آپ کو  
بتا چکی ہوں مجھے منیر کے ساتھ نہیں رہنا اس کے اور  
میرے مزاج میں بے حد تضاد ہے وہ بے حد سطحی مرد ہے  
جو عورت کو پردے میں قید رکھنا پسند کرتا ہے اور وہ مہرین  
آئی آج بھی سو سالہ پرانی سوچ رکھتی ہیں۔ وہ چاہتی ہیں  
کلبو کی بیل کی طرح میں گھر میں کام کرتی رہوں۔“

”میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا مہرین آپا بیک  
ورڈ ہیں اور منیر مزاج میں ماں کی کاپی ہے تم وہاں  
ایڈ جسٹ نہ ہو گی مگر احد کو نچا دکھانے کے لیے تم نے  
میری ایک نہ سنی تھی۔ احد نے کوئی پروا نہ کی اور الٹا اب  
تم خود پچھتا رہی ہو۔“

”ارے بابا! میں کوئی فالٹو پکبری نہیں چاہتا مجھے  
میری لڑکی دو اور میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں کوئی پاگل تھوڑی  
ہوں جو تمہارے پیچھے بھاگتا رہوں گا تمہارا بیٹا جو میری  
بیوی کو بھگا لے گیا ہے۔ وہ واپس کر دو مجھے سائیں۔۔۔۔۔“  
”تمہاری بیوی ہے وہ۔۔۔۔۔ نکاح نامہ کہاں  
ہے تمہارا؟“

”بابا! تمہیں اس سے کیا مطلب کہ نکاح ہوا نہیں ہوا  
وہ میری بیوی نہیں ہے اگر بیٹے کی طرح تمہارے دل میں  
بھی کھوٹ آ گیا ہے تو بتا دو۔“

”بکو اس مت کرؤ وہ لڑکی اب میرے بیٹے کی بیوی اور  
میری بہو ہے۔“ ایک کراہ گونجی تھی گویا کوئی کند چھری سے  
ذبح ہو رہا ہو۔

”یہ کیا ہو رہا ہے بابا! رائے کو وہ مجھ سے جیت نہیں  
سکتا میں تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا پورے شہر میں  
رسوا کر دوں گا۔ ایک ایک کو بتاؤں گا میری لڑکی کو بھگا کر  
لے گیا ہے وہ لڑکا! اس کے ساتھ رنگ رلیاں منار ہا ہے  
اور کہتا ہے نکاح کر لیا۔ جھوٹا مکار میں اسے زندہ نہیں  
چھوڑوں گا۔“ وہ غصے و اشتعال انگیزی کی حدوں سے  
باہر نکل چکا تھا۔

”جو ہو سکتا ہے کرو تم میں رات کو آ رہا ہوں اپنے بیٹے  
کا نکاح نامہ اور تمہارے تمام غیر قانونی دھندوں کے قانونی  
ثبوت لے کر اور جھکڑی بھی۔“ انہوں نے کہہ کر رابطہ  
منقطع کر دیا۔

دوسری طرف اس کی عجیب حالت تھی موبائل اس نے  
زمین پر دے مارا تھا۔ چہرہ غم و غصے سے سرخ ہو گیا تھا  
آنکھیں باہر کواہل رہی تھیں۔

”بخشو۔۔۔۔۔ رحیم۔۔۔۔۔ پیروا“ وہ کف اڑاتا چیخ رہا تھا وہ  
تینوں ہاتھ جوڑے ڈرتے کانپتے حاضر ہو گئے تھے۔

”سارے گاؤں والوں کو جمع کرو شہر میں بھی فون کرو  
دکیلوں اور پولیس کو کہو ہم آ رہے ہیں تیار رہیں۔ ان باپ  
بیٹے کا ایسا عبرت ناک انجام کروں گا کہ لوگ مدتوں یاد  
رہیں گے اور اس رائے کو کسی حال میں نہیں چھوڑوں گا۔“



”مہیا! انسان غلطیوں سے ہی سیکھتا ہے۔“ وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

”کچھ غلطیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی معافی نہیں ملتی۔ منیر سے شادی بھی تمہاری ایسی ہی غلطی ہے۔ بھائی جان کئی بار تمہارے یہاں قدم جما کر بیٹھنے کی وجہ پوچھ چکے ہیں اور ہر بار میں کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال دیتی ہوں مگر کب تک..... کب تک میں بہانے بناؤں گی؟ اگر منیر ان کے پاس شکایت لے کر پہنچ گیا پھر کیا ہوگا؟ ان کے غصے سے واقف ہونا تم وہ کوئی لمحہ ضائع کیے بنا تمہیں سسرال روانہ کر دیں گے۔“ وہ کہہ رہی تھیں اور کاجل بے پروائی سے کروٹ بدل گئی تھی۔

.....☆☆☆.....

عاشق علی نے ایک دم سے ہراسر خاموشی اختیار کر لی تھی پھر کچھ دنوں بعد معلوم ہوا پستول لوڈ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ٹریگرب گیا تھا اور گولی اس کے سر میں گھس گئی تھی۔ گولی نے دماغ کو بڑی طرح گھائل کیا تھا وہ کوئے کی حالت میں کسی ہسپتال میں زندگی اور موت کے درمیان تھا۔ جب اللہ کی لاشی پڑتی ہے تو آواز نہیں آتی۔ اس کا وقت آ گیا تھا وہ انجام سے بے خبر دولت و طاقت کے نشے میں پھور زمین پر اکڑ کر چل رہا تھا۔ جس زمین کی کوکھ میں مٹی ہو جانا ہے وہ مٹی بڑے تکبر بھرے انداز میں اس کی ٹھوکروں میں رہتی تھی۔ عیش و عشرت کے لیے جو اس نے کالا دھن جمع کیا تھا وہ اب غیروں کے پیٹ کا ایندھن بننے والا تھا۔ اس نے شادی نہ کی تھی رنگ برنگی عورتوں کے چکروں میں اسے کبھی گھر گرہستی کا خیال نہ آیا تھا۔

”مجھے ذرا بھی اندازہ نہ تھا جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیلنے والی یہ دشمنی اتنی آسانی سے سرد پڑ جائے گی؟ ایک دم سب ختم ہو جائے گا۔“ گاؤں سے آئے چوکیداروں کی زبانی سب معلوم ہونے کے بعد وہ گہرا سانس لے کر گویا ہوا۔

”اس کو ختم ہونا تھا کہ ظلم مٹنے کے لیے ہے نامعلوم کتنے گھر اجاڑے ہوں گے؟ کتنی ہی بچیوں کی عزت کو

خاک میں ملایا ہوگا؟ مظلوموں کی آہوں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کا باب ایسی ہی زیادتیوں سے بھرا پڑا ہے اب وہ ہے اور اس کے اعمال..... آخری سانسوں میں اس کا دم اٹکا ہوا ہے اگر بیچ بھی گیا تو ہوش و حواس کھو چکا ہوگا لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے گا۔“ شاہ رخ صاحب کہہ رہے تھے وہ چہرہ جھکائے ایسے تھکن زدہ انداز میں بیٹھا تھا گویا لمبی مسافت طے کر کے آیا ہو۔ بڑی اعصاب شکن جنگ لڑی تھی اس نے اور آخر بدی کو نیکی سے شکست کھانی ہی پڑی تھی۔

.....☆☆☆.....

رمضان المبارک کے چاند کا اعلان ہو گیا تھا گھر میں ملازموں کی فوج ہونے کے باوجود بھی رابعہ بیگم کسی نہ کسی کام میں مصروف دکھائی دیتی تھیں۔ رمضان کے اعلان کے بعد گھر میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی شاہ رخ اور احد نے بھی گھر میں آ کر مبارک باد دی تھی۔ شاہ رخ نے مونا کاجل اور راین کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر دعائیں دی تھیں۔ وہ رائے کو بنا دیکھے ہی چلے گئے تھے دنیا دکھاوے کے لیے وہ اس کو برداشت کر رہے تھے ورنہ دل سے وہ اسے قبول نہ کر سکے تھے۔ اپنی حیثیت جاننے کے باوجود اس کے دل کو ایک ٹھیس لگی تھی ان سب لوگوں میں وہ تنہا تھی اور عظیم تہوار کے موقع پر اسے اپنی ماں بے تحاشہ یاد آرہی تھیں۔ مونا سے ملتے ہوئے اس کی نگاہ رائے پر پڑی تھی آج پہلی بار وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

گھر میں آنے کے بعد اس نے اس کی پلٹ کر خبر نہ لی تھی ایک تو وہ اپنی الجھنوں میں تھا اور دوسرا وہ جانتا تھا راین اور کاجل ضرور ان کی طرف سے تجسس کا شکار ہوں گی اور اپنے تجسس کو تقویت پہنچانے کے لیے وہ نگرانی کر رہی ہوں گی اور اس نے کئی مرتبہ ان کی اس چوری کو پکڑا بھی تھا پھر مزید محتاط ہو گیا تھا۔ مجید بابا کو بھی سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ وہ رائے سے ذرا بھی شناسائی ظاہر نہ کریں۔ اب

سرخ شرٹ سفید دوپٹے اور ٹراؤزر میں لمبوس وہ بے حد اپنی اپنی سی لگی تھی۔

آنجل \* اگست ۲۰۱۵ء 77



”مرے بیٹی اتم کہاں جا رہی ہو؟ اور آؤ مبارک باد نہیں لو گی۔“ رابعہ نے اسے سب سے الگ تھلگ روہانے انداز میں دیکھا تو آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے سینے سے لگا لیا تھا وہ اپنے آنسوؤں پر ضبط نہ کھ سکی تھی۔

”خوشی کے موقع پر اپنوں کی یاد ضرور آتی ہے بیٹی! ابھی جتنا چاہتا ہوں سو بہا لو پھر کبھی میں رونے نہیں دوں گی آج سے مجھے ہی اپنی ماں سمجھنا۔“ رابعہ اسے سینے سے لگائے محبت سے دلا سے دے رہی تھیں، مونا پانی لینے گئی تھی۔ کاجل جھلستی نگاہوں سے احد کو دیکھ رہی تھی جو ارد گرد سے بے خبر یک تنگ رات کے چہرے کو دیکھ رہا تھا، عجب بے خودی کا عالم تھا۔

”وہ کبھی بھی! ہر وقت کا رونا غصہ لے کر آتا ہے آٹھ دن تمہیں یہاں آئے ہو گئے اور اس دوران تم آٹھ ہزار بار تو رو ہی چکی ہو گی۔“ راجین منہ بتاتی ہوئی گویا تھیں۔ رات ایک دم چپ ہو گئیں وہ ان ماں اور بیٹی سے بے حد خوف زدہ رہتی تھی جن کی نگاہوں میں انگارے اور لہجے میں کاٹ ہوتی تھی۔ ان کی آواز پر وہ بھی حواسوں میں آیا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔



رمضان کا پاک و مقدس مہینہ تیزی سے گزر رہا تھا زبیدہ کے ساتھ وہ عبادت پہلے بھی کرتی تھی اور اب تو گویا اپنی تنہائی کی سہاگنی اس نے عبادت کو بنا لیا تھا اور اس کے اندر ایک روحانی سکون و تراوت اتر گئی تھی۔ مونا تو گویا اس پر عاشق تھی رابعہ بھی اسے بے حد اہمیت دینے لگی تھیں کہ پسند تو وہ پہلے بھی اسے کرتی تھیں اور اب اس نے بچن کی زیادہ تر ذمہ داریاں خود پر لے لی تھیں کیونکہ مونا عین ٹائم پر مشکل سے اٹھتی تھی۔ راجین اور کاجل نیبل لگنے کے بعد مہمانوں کی طرح آتی تھیں اور کھا کر چلی جاتی تھیں۔ گھر کے کاموں سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا رابعہ اسے اپنی ماں زبیدہ جیسی ہی لگی تھیں۔ صابروشا کرور گزرو برداشت سے کام لینے والی ہر خلوص عورت! سحری و افطاری کی ذمہ داری

اس نے لے لی تھی اور ایسی ذائقہ دار چٹ پٹی بہترین چیزیں بناتی تھی کہ اسے ناپسند کرنے والے شاہ رخ بھی بے ساختہ تعریف کر جاتے تھے جن کا ساتھ مونا اور رابعہ بھی دیا کرتی تھیں۔

احد دانستہ اسے نظر انداز کیے سر جھکائے کھانے میں لگن رہتا تھا سب کی موجودگی میں وہ اسی طرح بے نیازی برتا تھا۔ آج کل وہ محسوس کر رہی تھی وہ اس کی نظروں کے حصار میں رہتی ہے۔ بہت تیزی سے اس کی نگاہوں کے زاویے بدل رہے تھے وہ اتنی ہی خوف زدہ رہنے لگی تھی۔

نصف رمضان گزر گیا تھا آج مونا کی ساس دادی ساس اور نندیں اس کی عیدی لے کر آئی تھیں۔ نوکروں کی فوج الٹ تھی اہتمام روز ہی ہوتا تھا مگر آج کچھ زیادہ تھا وہ انظار کی تمام چیزیں تیار کر کے نیبل لگا کر مونا اور اپنے مشترکہ کمرے میں آ گئی تھی۔ اسے حکم نہ تھا کسی کے سامنے آنے کا اور ہوتا بھی تو وہ نہیں جانتی کہ کیا بتانی اپنے بارے میں؟ کیا کہہ کر تعارف کروانی کسی سے کہ وہ کون ہے؟ وہ وہاں سے نکل کر مجید بابا کے کوارٹر میں آ گئی تھی۔ وہ آج کل بیماری کے باعث اپنے کوارٹر تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ اسے دیکھ کر بڑی خوشی سے مسکرائے تھے۔

”مہمانوں کی وجہ سے تمہیں یہاں آنا پڑا ہوگا بیٹی!“ وہ تسبیح پڑھتے ہوئے بولے۔

”جی بابا! ویسے بھی مجھے ان لوگوں کے ساتھ کھانا کھانا اچھا نہیں لگتا اگر رابعہ آئی اور مونا نہ ہوں تو میں ان کے ساتھ بیٹھوں بھی نہیں میں بے حد کمزور لڑکی ہوں۔“ اس نے کارپٹ پر دسترخوان بچھا کر لوازمات رکھ دیے تھے۔

”بڑے صاحب اور احد میاں بھی اخلاق کے اچھے ہیں بس آج کل ذرا غصے میں ہیں تو بات نہیں کر رہے ہیں۔ اس گھر میں دو فتنے ہیں ایک راجین بیگم اور دوسری ان کی بیٹی کاجل ان سے سنبھل کر رہنا وہ کب کیا کر گزریں کچھ پتا نہیں ہوتا۔“ بابا کی بات پر اسے یاد آ یا وہ کاجل کو عموماً احد کے پیچھے پیچھے دیکھتی تھی اور وہ اس سے خواہ مخواہ اتنا خار کھاتی تھی کہ بات تک کرنا گوارا نہ کرتی۔



”اس نے احد میاں سے شادی کرنا چاہی مگر احد میاں اسے بالکل پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے گھر چھوڑنا گوارا کر لیا مگر..... اس سے شادی نہ کی۔“ ان کے ترش رویوں کے باعث ملازم بھی ان کی عزت نہیں کرتے تھے۔

”ارے بیٹی! تم کو احد میاں نے بتایا کہ عاشق علی مرگیا ہے جان چھوٹ گئی تمہاری اس سے اب تم بالکل آزاد ہو۔“ بابا کہہ رہے تھے اور وہ شاکد تھی۔

.....☆☆☆.....

”احد! کیا ہو گیا آج تم صرف کھجور کھا کر اٹھ گئے ہو؟“ روز تم دیر تک بیٹھتے ہو؟“ وہ نماز مغرب ادا کر کے آیا تو وہ اسے لان میں ہی مل گئی تھی۔

”آج طبیعت نہیں تھی کچھ بھی کھانے کو۔“ وہ سنجیدہ تھا۔

”طبیعت نہیں تھی یا رائے کی خالی کرسی دیکھ کر تمہاری بھوک اڑ گئی تھی؟“ یہ حقیقت تھی وہ بہت خوش گوار موڈ میں روزہ افطار کرنے آیا تھا مگر جب بیٹھتے ہی نظر رائے کی خالی کرسی کی طرف گئی تو دل کو ایک دھچکا لگا تھا۔ وہ ابھی تک پابندی کی زد میں تھی اور دل اس کی طرف مائل بہ کرم تھا وہ اسے دیکھنے کی چاہ میں مبتلا رہتا تھا۔ آج اس کی غیر موجودگی اسے فیصلے کی طرف لے گئی تھی۔

”ہاں! ایسا ہی ہے۔“ اس نے پُر اعتماد لہجے میں اعتراف کیا۔

”اوہ..... ایسا کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے؟“ وہ گویا انگاروں پر لوٹنے لگی تھی۔

”معلوم ہوگا تو سہہ نہیں پاؤ گی۔“ اس کے اندر اُلٹا غبار باہر نکلنے لگا تھا۔

”ایسا کیا ہے اس لڑکی میں احد! جو مجھ میں نہیں ایک غیر لڑکی کی خاطر تم دیوانگی کو چھوڑ رہے ہو۔ وہ لڑکی تم کو ایک نگاہ نہیں دیکھتی اور تم پروانوں کی طرح اس پر شمار دکھائی دیتے ہو۔ میں نے کیا کچھ نہیں کیا تھا تمہارے لیے ہر طرح سے تمہارے قریب ہونے کی کوشش کی خود اظہار محبت کیا اور تم ہر بار مجھ کو دھتکار رہے۔ ایک بار بھی تم

نے مجھے قابل تو جینہ سمجھا۔“

”اس گھر کی بیٹی ہونے کے باوجود تم نے کبھی اپنی حرمت کا خیال نہیں رکھا..... بچے پھل کی مانند میری جھولی میں گرنا چاہا تھا۔ خود کو پیش کرنے والی لڑکیاں کبھی بھی عزت نہیں پاتی تمہارے ان بے ہودہ رویوں نے تمہاری وقعت میری نگاہ میں بالکل صفر کر دی تھی۔ اس لیے میں نے پپا کی بات نہیں مانی تھی کہ میری نظروں سے تم گر گئی تھی۔ پپا کی نظروں میں تمہارا مقام بلند ہی دیکھنا چاہتا تھا اور اس لیے میں اپنے گھر سے دور رہا اور یہ جدائی کا عرصہ میری زندگی کا اذیت بھرا وقت تھا جو میں کبھی بھولنا بھی چاہوں تو نہ بھول پاؤں گا۔“ وہ بولا تو کاجل کی تمام تیزی و طراری ہوا ہو گئی تھی۔ وہ اس کو آئینہ دکھا چکا تھا آئینہ میں اپنا مکرہ چہرہ اس سے شناخت نہیں ہو رہا تھا اس کی عزت و وقار کی خاطر اس نے بن باس لیا تھا گرتا یا جان کو وہ ان اوچھے ہتھکنڈوں کے متعلق بتا دیتا جو اس نے اسے حاصل کرنے کے لیے اختیار کیے تھے پھر کیا عزت رہ جاتی؟ اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا پہلی بار اس کے ضمیر نے اسے جھنجھوڑا تھا۔

وہاں ان کے علاوہ دو نفوس اور بھی کھڑے تھے کاجل کو بلانے آئی رائین اور اس کے پیچھے آتے شاہ رخ جو نماز کی ادائیگی کے بعد آ رہے تھے۔ ان کو جارحانہ انداز میں گفتگو کرتے دیکھ کر ناریل کے درخت کی اوٹ میں چھپ گئے تھے۔ احد جا چکا تھا رائین اس سے آ کر گویا ہوئیں۔

”ہم تو آج تک اس کی راہ میں کانٹے ہی بچھاتے آ رہے تھے اور دیکھو وہ کس خاموشی سے ہماری پردہ پوشی کرتا رہا ہے شاید اسی کو تربیت کہتے ہیں۔ رابعہ بھابی کی لوگ تعریف یونہی تو نہیں کرتے نا کچھ ایسا ہی وصف ہے ان میں۔“ رائین شرمندہ لہجے میں گویا ہوئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی تھیں۔

شاہ رخ دنگ رہ گئے تھے ان کے لیے بھی یہ انکشاف کسی اذیت سے کم نہ تھا۔ شادی سے انکار پر کیا کچھ انہوں نے احد کو سنا ڈالا تھا کس قدر بے عزتی و تذلیل کی تھی۔ گھر



سے بھی رکھے دینے کے انداز میں نکلا تھا پھر بھی وہ خاموش رہا تھا۔

”دوست کہا ہے احمد تم نے خود سے مرد کے گلے کا پار بننے والی عورت مرد کے پاؤں کی دفا کی زنجیر نہیں بنا سکتی عورت کا مفہوم ہی حیا ہے۔“ احمد پر کی جانے والی زیادتیوں ان کو شدت سے یاد آ رہی تھیں۔ وہ خود کو ملامت کرتے ہوئے اندر کی جانب بڑھ گئے جہاں مہمانوں کے بننے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

\*\*\*

”سنئے مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“ موقع ملے ہی وہ اس سے مخاطب ہوئی۔

”شیور..... جی فرمائیے آج آپ کو میری یاد کیسے آ گئی؟“ وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس کے مقابل آن کھڑا ہوا اس کا لہجہ ہر قسم کے طنز و تشفیر سے پاک تھا جگمگاتی نگاہیں اس کے روشن چہرے پر مرکوز تھیں۔

”بھول تو آپ مجھے گئے ہیں کوئی فالتو کاٹھ کہاڑ سمجھ کر میں روز انتظار کرتی ہوں شاید آج آپ مجھے بتائیں گے عاشق علی کے بارے میں..... اور کوئی جواب نہ پا کر اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔ ڈر رہی تھی کہ خدا جانے کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہونے والا ہے؟ اور آپ مزے سے گھوم رہے ہیں یہ تک بتانے کی زحمت گوارا نہ کی کہ عاشق علی کا قصہ ختم ہو گیا ہے چھٹکارا مل گیا ہے اس سے؟“ مارے غصے ورنج کے اس کی آواز پھٹ گئی اُحد جھل سا ہو کر رہ گیا تھا۔

”مجید بابا اگر مجھے نہ بتاتے تو میں اسی اذیت میں مبتلا رہتی۔“ وہ رو ہاسی ہوئی گمراہ نسوؤں کو پہننے نہ دیا۔

”اوہ..... آئم ریلی سوری! دراصل وہ تمام معاملہ بے حل ہوا کہ کئی دن تک میں بھی یقین نہیں کر پایا کہ کیا بھی ہو سکتا تھا۔“ وہ اتنی نرمی و حلالت سے بات کر رہا تھا جیسے کڑواہٹ لہجے میں آئی نہ ہو تندی و ترشی سے چھو کر بھی نہ گزری ہو۔

”اب میرا یہاں رہنا بے جواز ہے ہمارے درمیان چر میرج ہوئی تھی آپ مجھے خلاصی دیں میں یہاں سے

جائنا چاہتی ہوں۔“ کوہ مضبوط لہجے میں گویا ہوئی۔

”کہاں جاؤ گی؟“ اس نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔

”واپس اپنے گاؤں وہاں میرے بابا ہیں۔ وہ اپنی غلطیوں پر نادم ہوں گے تنہائی کا روگ بڑے بڑے لوگوں کو راہ راستہ پر لے آتا ہے۔ مجھے امید ہے وہ برائی کا راست چھوڑ چکے ہوں گے۔“ وہ خوش گمانی کے سمندر میں تیر رہی تھی اس نے چاہا وہ اسے یہ بتائے کہ اس کے بابا اب اس دنیا میں نہیں رہے مگر پھر یہ سوچ کر چپ رہا کہ وہ اس خبر پر ابھی رونا پینا شروع ہو جائے گی اور گھر میں نئی صورت حال پیدا ہوگی۔ یہ خبر وہ اسے کبھی موقع دیکھ کر بتانے پر موقوف کر چکا تھا۔

وہ ٹیرس پر کھڑے تھے آسمان ابرا لود تھا۔ تیز ہوا کے جھونکوں میں خوش گوار ٹھنڈک تھی۔ رات نماز و تراویح پڑھ کر ابھی فارغ ہوئی تھی سیاہ و گلابی پرنٹڈ دوپٹہ اس نے نماز کے اسٹائل میں باندھا ہوا تھا اس کا چہرہ نور سے چمک رہا تھا۔ اس نے نگاہیں چرائی تھیں اور وہ آسمان کی طرف دیکھتا ہوا سپاٹ لہجے میں بولا۔

”میں سپریشن نہیں چاہتا تمہیں ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اچانک دھماکہ کیا۔

”تم نہیں جانتیں میرے ساتھ رہنا؟“ وہ اس کے چہرے پر پھلتے رنگوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”میری اور آپ کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ کا اور میرا کوئی جوڑ نہیں میری حیثیت اس گھر کی ملازمہ بننے کی بھی نہیں۔“ وہ رکھائی سے گویا ہوئی۔

”پپانے جو پہلی ملاقات میں بات کی تھی وہ تم بھولی نہیں ابھی تک؟“

”وہ باتیں بالکل درست تھیں انہوں نے کچھ بھی غلط نہیں کہا تھا۔ سب والدین اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے کوشاں رہتے ہیں پھر آپ تو ان کی اکلوتی اولاد ہیں۔ آپ کے لیے انہوں نے نامعلوم کیسی شاندار پلاننگ کی ہوگی۔ مجھے آپ طلاق دیں میں آپ کے مقدر



کاستارہ نہیں ہوں۔ اس نے اصرار کیا۔

”میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا نہ تم اب یہاں سے جاسکتی ہو۔ تمہیں یہیں رہنا ہے اور رہی حیثیت کی بات تو میں اسٹیٹس کو ٹھوکر مارتا ہوں۔ مجھے نہ معاشرے کی پروا ہے اور نہ اس معاشرے میں رہنے والے خود غرض لوگوں کی۔ اگر اب بھی تمہیں کسی کا خوف ہے تو میرا نام تمہارے ساتھ جڑ گیا ہے تم بھی اب مسز رائے احمد بن چکی ہو۔ میری پر اپنی کی مالکہ ہو تم، کم حیثیت نہیں ہو۔“ وہ اعتماد و محبت بھرے لہجے میں سمجھا رہا تھا وہ حیران بھی کل تک وہ اسے برا بھلا کہتا رہا تھا۔ نکاح بھی صرف اپنی رسوائی کے خیال سے کرنے پر راضی ہوا تھا البتہ کچھ دنوں سے اس کے تیور بدلے بدلے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اکثر اس کی نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگی تھی۔ اسے سامنے پا کر وہ خاصا مطمئن ہو جاتا تھا۔

”میں رات کو پیاسے بات کرتا ہوں ان کو تمہیں تسلیم کرنا ہوگا۔“ رائے کی اس نے ایک نہیں سنی تھی وہ اس کی محبت میں دل و جان وار چکا تھا اسے معلوم نہ ہوا تھا کب اور کس لمحے وہ اس کو اپنا چکا تھا اب اس کے بغیر زندگی ادھوری تھی۔

رمضان کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا، مونہ کا جل اور رابین شاپنگ پر گئی تھیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے پر بضد تھیں اس نے بمشکل جان چھڑائی تھی رابعہ بیگم کے سر میں درد تھا۔ وہ نماز پڑھ کر سو گئی تھیں شاہ رخ اپنے کمرے میں تھے وہ موقع غنیمت جان کر اس کے پیچھے ٹیرس پر آ گئی تھی تاکہ اس سے طلاق لے کر گاؤں واپس جائے مگر اس نے اسے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ کل تک اس سے چڑنے و بے زار رہنے والا کس طرح آج اس کا طلب گار بن گیا تھا؟ وہ اس کی محبت پر یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔

آفس ورک کرتے شاہ رخ نے اسے اندر آنے کی اجازت دی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے گلاسز آنکھوں سے ہٹا کر گویا ہوئے۔

”میں ابھی آپ کو بلوانے والا تھا اب ہر معاملہ کلیئر

ہو گیا ہے۔ عید کے بعد آپ اس لڑکی کو طلاق دے کر جان چھڑائیں اور اسے ایک ٹیلیفونم آپ دے دیں تاکہ وہ کوئی ہلکا پھلکا بزنس کر کے آرام سے زندگی بسر کر سکے۔“

”میں آپ سے رائے کے متعلق ہی بات کرنے آیا تھا پیسا! وہ بیٹھا نہیں تھا۔“ میں اس کو طلاق نہیں دوں گا یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“ اس کا لہجہ ٹھوس و بے لچک تھا انہوں نے غور سے اس کے وجہ بہ چہرے کو دیکھا پھر کچھ توقف کے بعد مسکرا کر گویا ہوئے۔

”مجھے آئیڈیا تھا تم اس کو ایسے کیسے چھوڑ سکتے ہو وہ جوان حسین و بھرپور لڑکی ہے۔ چلیں آپ اس کے ساتھ کچھ وقت گزار لیں ہنی مون پیریڈ..... ایک ڈیڑھ ماہ کے لیے چلے جائیں سوئٹزرلینڈ، ملائیشیا، سنگاپور یا جہاں جانا چاہیں میں ٹکٹ کنفرم کروا دیتا ہوں لیکن واپسی میں تمہیں اسے چھوڑنا ہوگا۔ وہ میرے خاندان کے قاتل نہیں ہے کسی کمتر لڑکی کی کوکھ سے میرا خاندان آگے نہیں بڑھ سکتا۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں کہہ رہے تھے اور احد کے پیچھے رائے کی تھی جو پردے کے پیچھے ہی چھپ گئی تھی۔ وہ احد کی دیوانگی اور شاہ رخ صاحب کی نفرت کی انتہا دیکھنا چاہتی تھی اور ان کا پلان سن کر اس کے پیروں سے زمین نکل گئی تھی وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی خاموشی سے واپس چلی گئی۔

کمرے میں آ کر اس نے خاموشی سے اپنا پرس اور شال نکالی اور پرس چیک کیا جس میں دو ڈھائی ہزار کی رقم موجود تھی۔ وہ گاؤں آرام سے جاسکتی تھی احد کی اچانک بیدار ہونے والی محبت پر اسے اعتبار ابھی آیا بھی کہاں تھا اور اندر ہونے والی گفتگو نے دل بالکل ہی اس کے خلاف کر دیا تھا۔ وہ اس سے علیحدگی چاہتی تھی مگر عزت و آبرو کے ساتھ جس کی ان امیر زادوں کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہ تھی اور اس کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بن گئی تھی۔

رابعہ سو رہی تھی ملازم کو اثرز میں تھے۔ قسمت ساتھ دے رہی تھی چوکیدار بھی گیٹ پر موجود نہ تھا وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ وہاں ان باپ بیٹے میں جنگ چھڑ گئی تھی احد ان کی باتوں سے راضی نہ تھا اور وہ اس کی محبت کو وقتی جذبہ



اچھا اور بُرا ہونا اپنے اپنے ظرف کی بات ہوتی ہے۔ رائمہ  
نکاح کے بعد بھی آپ سے پردہ کرتی رہی اگر وہ لالچی و  
معمولی ذہنیت کی لڑکی ہوتی تو دولت حاصل کرنے کے  
لیے بہت کچھ کر سکتی تھی جس طرح کا جل اس گھر کی بیٹی  
ہو کر اپنے وقار سے گرتی رہی تھی۔“

”یہ ساری غلطی راین آئی کی ہے جو ہوا سو ہوا پاپا! پلیز  
آپ کبھی بھی ان پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیجیے گا کہ آپ  
سب جان چکے ہیں۔ میں کسی کو کٹٹی فیل کرتے نہیں دیکھ  
سکتا ویسے بھی اس دن سے کا جل خاصی بدلی بدلی لگ رہی  
ہے شاید اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔“ اس کا انداز  
عاجزانہ تھا۔

”بچوں کی بہترین تربیت کرنا ماؤں کا حق ہے خیر  
کا جل میری بیٹی ہے میں اسے شرمندہ کس طرح دیکھ سکتا  
ہوں۔ منیر اور اس کی ماں مہرین سے بات کی ہے میں نے  
سمجھایا ہے اپنے رویوں میں نرمی لے کر آئیں وہ لوگ  
رفتہ رفتہ ہی وہ ان لوگوں کے مزاج کو سمجھیں گی۔“



وہ تیز تیز چلتے ہوئے اس علاقے سے نکل آئی تھی  
سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھا کیونکہ خری عشرہ شروع ہوا  
تھا۔ عید کی تیاریوں کی گہما گہما شروع ہو چکی تھی لوگوں کی  
خاصی بھینٹ تھی۔ بارہ بجے کا عمل تھا مگر دن کا سماں لگ رہا تھا  
کراچی کی راتیں بھی دن کی طرح روشن اور زندگی سے پُر  
ہوتی ہیں۔ بھاگتی دوڑتی گاڑیاں ہنستے مسکراتے چہرے  
چمکتے بازار اور پُر رونق راستے ایک ہانچل سی تھی ہر سو۔ وہ  
اتنے ہجوم میں غم آنکھوں و سلگتے دل کے ساتھ اسٹاپ پر  
کھڑی تھی معاً گرے کا آگے سے گزری اور کچھ دیر بعد ہی  
ریورس میں سامنے کررکی تھی۔

”رائمہ.....“ مسز منہ جبین حیران و پریشان کار سے نکلی  
وہ اتنی عجلت میں تھیں کہ ڈرائیور کے دروازہ کھولنے کا انتظار  
کیے بغیر ہی خود باہر نکل کر اس کی طرف بڑھی۔ وہ بھی غیر  
متوقع طور پر ان کو سامنے دیکھ کر ہکا بکارہ گئی تھی منہ جبین نے  
اسے سینے سے لگا لیا اور ارد گرد کی پروا کیے بنا اس کے ساتھ

قرار دے رہے تھے سمجھا رہے تھے۔  
”سوری پاپا! میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا آپ کی  
سوچیں اتنی پست و گھٹیا ہوں گی اگر مجھے یہی سب کرنا ہوتا  
تو میرے آگے ایک دنیا پڑی ہے پھر مجھے نکاح کی کیا  
ضرورت تھی۔ رائمہ ایک عرصے میرے ساتھ بنا کسی تعلق  
کے تنہا رہی ہے اور آپ اس کی خوب صورتی کی بات  
کرتے ہیں میں پوری دنیا گھوم چکا ہوں اس سے زیادہ  
حسین چہرے دیکھے ہیں میں نے تب کوئی حسن مجھے متاثر  
نہ کر سکا۔“

”پھر اس عام و معمولی سی لڑکی کے ساتھ رہنے پر کیوں  
اصرار کر رہے ہو؟“ ان کے لہجے میں گھن گرج نہ تھی وہ بے  
حد نرم لہجے میں گفتگو کر رہے تھے۔

”وہ عام و معمولی لڑکی نہیں ہے پاپا! وہ شرم و حیاء  
شرافت و اعلیٰ انداز کی حامل لڑکی ہے۔ مرد جتنا پاک باز ہو  
دوسری طرف سے بہکایا جائے تو سب گریز و پاک بازی  
دھری رہ جاتی ہے۔ رائمہ کی اسی ادا نے مجھے اسیر کر لیا ہے  
نکاح سے قبل وہ کبھی بغیر حجاب میرے سامنے نہیں آئی  
تھی اب بھی وہ فاصلہ رکھے ہوئے ہے۔“

”اپنے اس فیصلے پر کبھی پچھتاؤ گے تو نہیں برخوردار!“  
وہ بھرپور انداز میں مسکرائے۔

”پاپا..... پاپا! آپ مسکر رہے ہیں..... اس کا مقصد  
کیا ہوا؟ میرا مطلب..... آپ راضی ہیں..... آپ مذاق  
کر رہے تھے؟“ وہ اس کی طرف بڑھے تھے اور احدا ان  
سے لپٹ گیا۔

”ہاں..... میں دیکھنا چاہتا تھا رائمہ سے آپ وقتی طور  
پر متاثر تو نہیں ہیں؟“

”پھر آپ نے کیا دیکھا پاپا! میرے جذبات سچے ہیں  
نا؟“ وہ علیحدہ ہو کر گویا ہوا۔

”سچے اور مضبوط یہ بات حقیقت ہے احدا! میں نے  
دل میں اس لڑکی کو جگہ نہ دی تھی میں دولت سے زیادہ  
خاندانی نام و عزت کو اہمیت دیتا آیا ہوں مگر جب میں نے  
چائیک آپ کی اور کا جل کی باتیں سنیں تو مجھے احساس ہوا



”رائمہ نے تمہاری اور شاہ رخ کی باتیں سن لی تھیں  
پھر اس کا وہاں رکنے کا کیا جواز تھا؟“

”جو مذموم عزائم عاشق علی کے تھے وہ تمہیں نکاح کی  
آڑ میں کرنے کی ترغیب دی جا رہی تھی پھر اس کے بعد وہ  
ہی ٹھوکر اسے لگا دی جانی جو کسی پیشہ ور عورت کو لگا دی جاتی  
ہے۔“ مہ جبین مکمل طور پر رائمہ کی سائیڈ لے رہی تھیں ان  
کی بات پر اس کا چہرہ تیزی سے سرخ ہوا تھا وہ اس کی  
طرف درشتگی سے دیکھتا گویا ہوا۔

”جب لوگوں کو چھپ کر بات سننے کا شوق ہے تو پھر  
پوری بات بھی سننا چاہیے۔“  
”کیا شاہ رخ نے تم سے کہا نہیں کہ کچھ ٹائم گزار کے  
رائمہ کو طلاق دو؟“

”آف کورس کہا لیکن.....“ وہ اس کی بات کاٹ کر  
غصے سے بولیں۔

”لیکن ویکن چھوڑ دو..... رائمہ تنہا نہیں ہے میری  
بیٹی ہے یہ میں اس حرکت پر شاہ رخ اور تم کو لوے کے  
چنے چبانے پر مجبور کر دوں گی۔ اسد بھی عید پر انگلینڈ  
سے آرہے ہیں ہمیشہ کے لیے پھر تم دیکھنا ذرا۔“ وہ  
آگ بگولہ ہو رہی تھیں۔

”چاند آئی پلیز آپ میری پوری بات تو سن لیں آپ  
نے ان محترمہ کی باتیں سنی ہیں اور فیصلہ کر لیا..... اب میری  
بھی سن لیں۔“ ان کی باتوں سے لگ رہا تھا ان کا رشتہ  
بہت پائیدار ہے بے تکلفی سے ان میں گفتگو ہو رہی تھی وہ  
نگاہیں جھکائے کھڑی تھی۔

”پپا نے اتنی لغو باتیں صرف اس لیے کی تھیں کہ وہ میرا  
امتحان لے رہے تھے یقین کرنا چاہتے تھے کہ میں ساری  
زندگی اس بندھن کو نبھا بھی پاؤں گا یا نہیں؟ کیونکہ ان سے  
نکاح میں نے مجبوری میں کیا تھا وہ مجھے پرکھ رہے تھے اور  
محترمہ بدک کر بھاگ گئیں۔ چند لمحوں میں ہی پورے گھر  
میں کھلبلی مچ گئی پورا بنگلہ لان، سرونٹ کوارٹرز دیکھے جا چکے  
تھے مگر ان کا سراغ نہ ملا تو میں اور پپا الگ الگ ان کو

خود بھی رو پڑی تھیں۔  
”کہاں چلی گئی تھیں رائمہ! میں آپ کی سلامتی  
کی دعائیں مانگتی رہتی تھی۔“ وہ اسے ساتھ ہی لے  
آئیں ڈرائیور نے کار اشارت کر دی تھی خاصی دیر  
تک وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں تھی آنسوؤں کی  
بارش ٹوٹ کر برسی تھی۔

کار ایک لگژری بیچ اپارٹمنٹ کے بیسمنٹ میں رکی تھی  
وہ اس کا ہاتھ تھامے شاندار اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی پھر  
ایک گلاس بھر کر پانی لے آئیں۔

”جلدی جلدی بتاؤ مجھے آپ کہاں چلی گئی تھیں کیونکہ  
آپ کار میں نہیں تھیں وہ رات میں نے پریشانی میں  
گزاری تھی پھر مجھے وہاں سے اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا  
تھا پھر میں دو تین بار چھپ کر وہاں گئی تاکہ آپ کے  
بارے میں کچھ پتا چل سکے مگر ہر بار یہی خبر ملتی تھی۔ وڈیرا!  
آپ کو ڈھونڈ رہا ہے ابھی ہری پور سے واپسی پر بھی گاؤں  
سے ہوتی ہوئی آئی ہوں وہاں معلوم ہوا وڈیرا دنیا چھوڑ چکا  
ہے اور آپ کا کچھ پتا نہیں۔“ وہ بے حد متحس تھیں۔ رائمہ  
نے بھی جائے کے دوران ان کو ساری پتا سنا ڈالی تھی۔ وہ  
سن کر متحیر نہ گئی تھیں۔

”اتنے کم عرصے میں کتنے دکھ دیکھ لیے آپ نے  
رائمہ! اور یہ پیپر میرج کی بھی فکر مت کریں میں خود سارا  
مسئلہ حل کروں گی شاہ رخ اس طرح کیسے کر سکتے ہیں۔“  
”آپ جانتی ہیں ان کو؟“ اس نے چونک کر پوچھا تھا  
اسی ٹائم ڈورنیل ہوئی تھی۔

وہ گیٹ کھولنے لگی تھیں اور گیٹ کے باہر ایستادہ شخص کو  
دیکھ کر رائمہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی تھی اس کی نگاہیں بھی اس  
کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”ونیکم السلام! اب اندر آؤ گے یا اسی جگہ کھڑے رہو  
گے۔“ وہ خاصی بے رخی سے سلام کا جواب دیتی ہوئی  
لیں۔ وہ گہرا سانس لے کر اندر آ گیا اور سیدھا اس کے  
ریب آ کر سخت لہجے میں گویا ہوا۔

”تم نے جرات کیسے کی بنا اطلاع دیئے گھر سے



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



”اب یہ تمہاری بیوی ہے تمہیں اس سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے۔“

”یہ آپ کہہ رہی ہیں نا اس سے پوچھیں اس کو یہ رشتہ قبول ہے؟“

”میں چائے بنانے جا رہی ہوں تم خود ہی پوچھتے رہو اور سحری میں کیا کھاؤ گے؟ بس اب سحری کا ٹائم بھی ہونے کو ہے۔“ وہ بہانے سے وہاں سے اٹھی تھیں۔

”آپ بیٹھیں میں چائے لاتی ہوں۔“ وہ گھبرا کر اٹھی تھی۔

”نہیں نہیں..... تم دونوں اپنے جھگڑے نبھاؤ“

احد! میری ہاتھ کی چائے پسند کرتا ہے۔ اس وقت اسے چائے کی شدید طلب ہو رہی ہوگی۔ آپ کے پیچھے اتنا خوار ہو کر آیا ہے میرا بچہ!“ وہ کہتی ہوئی چلی گئیں اس نے ان کے پیچھے جانا چاہا تھا معا اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”اتنے ایٹی ٹیوڈ کیوں دکھاتی ہو؟“ اس نے کھینچ کر اسے قریب بٹھالیا۔

”آپ اتنا غصہ کیوں دکھاتے ہیں؟ ایک لمحے میں سامنے والے کی عزت دو کوڑی کی کر کے رکھ دیتے ہیں۔“ وہ دور ہوتی سنجیدگی سے گویا ہوئی۔ مہ جبین کی محبت نے اسے ایک دم سے بہت معتبر کر دیا تھا اس کا اعتماد لوٹ آیا تھا۔

”غلط بات میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔“ وہ سادگی سے بولا۔

”میں بھی آپ کی بے حد عزت کرتی ہوں۔“ وہ جزبز ہوئی۔

”اور محبت.....؟“ وہ اس کا ہاتھ اپنے میں ہاتھ دیا کر آہستگی سے گویا ہوا۔ اس کی گرفت میں عجیب سی حدت تھی اس کی پلکیں رخساروں پر لرز نے لگی تھیں۔

”بتاؤ نہ صرف عزت سے کام نہیں چلے گا محبت بھی چاہیے۔“

”اب کیا جواب دوں اس بات کا؟“ وہ حواس

ڈھونڈنے نکل گئے۔ ان کا اس طرح گھر سے جانا ہمیں احساس دلا گیا کہ یہ ہماری ادھوری باتیں سن کر جا چکی ہیں۔ پتا اس عمل پر بے حد شرمندہ ہیں۔“ اس کی باتیں سچائی اور حقیقت سے لبریز تھیں مہ جبین مسکرا کر خجالت آمیز لہجے میں گویا ہوئیں۔

”یہ بتائیے آپ کو رانمہ کی یہاں موجودگی کا کس نے بتایا؟“

”مونا“ آنٹی اور کا جل شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھیں وہاں سے گزرتے ہوئے انہوں نے آپ کو دیکھا تھا میں جو گاؤں ان کو ڈھونڈنے کے لیے نکلنے ہی والا تھا مونا کے بتانے پر یہاں چلا آیا۔“ ایزی ہو کر بیٹھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

اس کی غیر موجودگی نے اس کے اندر جو طوفان برپا کر دیا تھا وہ اسے دیکھ کر آسودگی میں بدل گیا تھا لیکن وہ اس کی بے اعتباری پر سخت خفا تھا اس سے جدائی کے تصور سے ہی اس کی جان پر بن آتی تھی۔

”آنٹی! آپ کا نام چاند بھی ہے آپ نے کبھی بتایا نہیں۔“

”نام تو میرا مہ جبین ہے مگر تک نیم چاند ہے جو میرے قریبی لوگ مجھے پیار سے چاند اور چاند آنٹی کہہ کر پکارتے ہیں۔“ وہ خاصی پر خوش تھیں۔

”پیار کی باتیں ایسے لوگ کہاں جانیں گے جو عقل سے پیدل ہوتے ہیں۔“ وہ آنکھیں بند کیے طنزیہ بولا پھر آنکھیں کھول کر مخاطب ہوا۔

”آپ کیسے جانتی ہیں ان کو؟ خاصی گہری دوستی لگ رہی ہے آپ کی۔“

”یہ میڈم مہ جبین ہیں ان کے اسکول میں ٹیچنگ کرتی تھی میری امی نے ان کو بہن بنایا ہوا تھا۔“ وہ اس بار خاصے اعتماد سے گویا ہوئی۔

”آپ سے میں بات نہیں کر رہا پھر آپ کیوں بول رہی ہیں؟“ وہ اپنے مخصوص سرد واکھڑ لہجے میں بولا رانمہ اپنا سامنے لے کر رہ گئی۔



”مجھ سے محبت کرتی ہو یا نہیں یہ بتاؤ؟“ وہ بضد ہوا۔  
 ”مجھے نہیں پتا؟“ وہ اس کے اصرار پر سر اسیمہ تھی الگ  
 بات تھی کہ دل کے تمام ساز ایک ساتھ بج اٹھے تھے جن کی  
 جھنکار نے دل کی گہرائی میں سرت و انبساط کی لہریں دوڑا  
 دی تھیں۔ دھڑکنیں کچھ اس طرح بے ترتیب ہوئی تھیں کہ  
 سنبھالنے نہیں سنبھل رہی تھیں۔

”تمہیں میں پسند نہیں ہوں تم مجھ سے محبت نہیں کرتی  
 ہو ٹھیک ہے پھر.....“

”آہ.....! آپ تو ناراض ہو گئے میرا یہ مقصد نہیں  
 تھا۔“ وہ بے ساختہ بولی۔

”پھر کیا مقصد ہے تمہارا؟ تم جبراً میرے سنگ زندگی  
 گزارو گی؟“ وہ خشک و بیگانہ انداز میں کہہ رہا تھا پل  
 رویہ بدلنے والا بندہ تھا وہ۔

”میں اس خیال سے گھر سے نکلی تھی کہ آپ کا نام مجھ  
 سے چھین نہ لیا جائے۔ میں ساری زندگی آپ کے نام کے  
 ساتھ گزارنے کا ارادہ کر چکی تھی۔“

”پھر کہو نہ..... مجھ سے محبت کرتی ہو؟“

”میں یہ کیسے کہہ سکتی ہوں؟ عورت اقرار محبت کرتی  
 اچھی نہیں لگتی۔“ وہ ناچاہتے ہوئے بھی اقرار کر چکی تھی احد  
 قہقہہ لگا بیٹھا۔

”صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں واہ کیا  
 اقرار محبت ہے۔“ اس کی شرارت پر وہ جھینپ کر مسکرا دی وہ  
 مہبوت سا رہ گیا تھا کیسی چاند کی کرنوں جیسی مسکراہٹ بھی  
 روشن و ہر کشش۔

”بس..... اب کبھی ان پلکوں کو بھینکنے مت دینا  
 تمہاری مسکراہٹ لے حد اجلی ہے۔ آنسوؤں کے ساگر  
 میں چھپانے کی سعی بالکل بھی نہ کرنا۔“ وہ اس کے چہرے  
 کو چھو کر کہہ رہا تھا بھی مہ جین چائے لے آئی تھیں۔  
 ”بتایا نہیں تم نے سحری میں کیا کھانا پسند کرو گے؟“

انہوں نے کپ تھماتے ہوئے کہا۔

”سحری ہم گھر جا کر کریں گے۔ میں رائے کو لے کر

”ارے اب رائے کو بھول جاؤ رائے میرے پاس رہے  
 گی۔ میں شاہ رخ اور رابعہ سے بات کر رہی تھی ابھی رابعہ  
 بہت نرم دل ہے وہ تم سے خفا ہونے کے بجائے خوشی  
 رائے کے لیے رنگ اور کپڑے خرید رہی ہیں۔ مونا کی خوشی  
 کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے شاپنگ سینٹر سے سب یہیں آ رہے  
 ہیں۔ تم رائے کو رنگ پہناؤ گے اور عید کے چوتھے دن وہ  
 تمہاری دلہن بن کر جائے گی۔ رائے آج کے بعد تم اس  
 سے نہیں ملو گی۔“ انہوں نے ہنستے ہوئے تفصیل بتائی۔

”یہ فاول ہے آئی! اس سے محبت نہیں تھی تو یہ میرے  
 ساتھ تھی اب محبت ہو گئی ہے تو ظالم سماج درمیان میں آ رہا  
 ہے۔“ اس نے منہ بنایا۔

”جدائی محبت کو مزید مستحکم کرتی ہے پھر تم تو ایک  
 ساتھ دو عیدیں مناؤ گے۔“ وہ چائے پیتے ہوئے اسے  
 چھیڑ رہی تھیں۔

”اب میری عید میری ان کی دید سے مشروط ہو گئی  
 ہے ان کی دید کے بغیر عید کہاں عید لگے گی۔“ وہ رائے کو  
 محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ دو آنسوؤں کے  
 سے اس کے آنچل میں جذب ہوئے تھے آج اس کی  
 ماں کی دعا قبول ہوئی تھی۔ وہ محل جیسے گھر کی ہی نہیں  
 ایک شہزادے کے دل کی رانی بن گئی تھی۔ پہلی بار عید  
 اس کے لیے خوشیاں لے کر آ رہی تھی اور اس کے دل  
 سے صدا بھی تھی عید مبارک۔







مرکب راجستونا



برنس کیونٹی ڈنر میں سبنا اپنا برتھ ڈے ایک لے کر عارض کے پاس آتی ہے عارض اس پر برہم ہوتا ہے جس پر سبنا اس کو مذہب کا طعنہ دے کر ایک پھینک دیتی ہے اس حرکت پر عارض اس کو ٹھپڑ مار دیتا ہے سبنا کے جانے کے بعد عارض کو دکھ ہوتا ہے معید صاحب (نیجر) عارض کو سمجھاتے ہیں اور سبنا سے دور رہنے کو کہتے ہیں معید صاحب کے خیال میں سبنا انہیں اپنے کسی مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ عارض گھبراہٹا ہے تو اسے دروازے پر دو چٹس ملتی ہیں جو صبح احمد اس کا انتظار کرنے کے بعد لگا کر گئے تھے صبح احمد کی فلائٹ تھی وہ اب کہاں گئے اس سے عارض بے خبر ہے مگر ان سے ناں ملنے کا دکھ اسے چین نہیں لینے دیتا۔ منھی زیبا کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آتی ہے اور اپنی باتوں سے جہاں آرا کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے لیکن زیبا منع کر دیتی ہے اور جانے سے بھی انکار کر دیتی ہے۔ صندریا کو بھیجنے پر بضد ہے اور خود ہی زبردستی اسے میکے چھوڑا تا ہے جس پر منھی اسے احساس دلا کر گھر کے اندر لے آتی ہے۔ حاجرہ (زیبا کی ماں) داماد کٹانے پر خوش ہوتی ہے۔ بوبی کی ضد کٹا گئے شرمین تھک ہار کر شکست تسلیم کر لیتی ہے اور اپنی سادگی کو ایک طرف رکھتے ہوئے بوبی کے ساتھ منگنی کی شاپنگ کے لیے جاتی ہے بوبی اپنے ساتھ بھولی کو بھی ساتھ لے لیتا ہے۔ شاپنگ مال میں شرمین کی ملاقات آغا صاحب سے ہو جاتی ہے اور وہ شرمین کو ڈنر پر بلاتے ہیں جس پر بوبی چراغ پا ہو کر سختی سے منع کر دیتا ہے شرمین کو یہ بات بری لگتی ہے اور وہ آغا صاحب سے معذرت کرتی ان کے ساتھ چلی جاتی ہے بوبی غصہ سے بیچ و تاب کھا کر رہ جاتا ہے۔ سبنا کی حقیقت بھی اب عارض کے سامنے آ گئی ہے وہ پہلے سے شادی شدہ ہے اس کا شوہر شراب کے نشے میں اس پر تشدد کرتا ہے جس پر وہاں کی پولیس اسے پکڑ کر لے جاتی ہے اور سبنا کو اسپتال میں داخل کرادیتی ہے لیکن سبنا وہاں سے نکل کر عارض سے ملنے آتی ہے اور اسے اپنی محبت کے جال میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہوئے پاکستان لے جانے کی بات کرتی ہے جس پر عارض اسے غصہ میں گھر سے باہر نکال دیتا ہے اب عارض کو بھی لگ رہا ہے کہ وہ شرمین کا دل دکھا کر کسی مشکل میں پھنستا جا رہا ہے۔ بوبی شرمین سے بے انتہا محبت کرنے کے باوجود اب اس پر شک کرنے لگتا ہے۔

«اب آگے پڑھیے»



حجر کی نماز کے بعد وہ اپنے رات بھر کے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ اپنا بیگ دیکھا، ہینڈ بیگ کندھے پر ڈالا، اپنی گاڑی کی چابی دروازے سے نکالی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ نی وی لاؤنچ سے گزرتے ہوئے آپا



کے کمرے پر نظر آئی لیکن پھر ضبط کر کے باہر نکل آئی اس کی اپنی گاڑی پر سیاہ کورچڑھا تھا جو کیدار سے وہ اتروایا ہلکی سی ونڈ اسکرین کی صفائی کروائی اور ڈبے میں بیگ رکھا کر خود گاڑی اشارت کی ایک دو منٹ کے سلف مارنے پر بھی گاڑی اشارت نہیں ہوئی تو چوکیدار سے ٹیکسی لانے کو کہا اور اس میں بیٹھتے ہوئے چوکیدار سے فقط اتنا بولی۔

”بیگم صاحبہ کو بتا دینا آفس کی چابی سیدھے ہاتھ والی ٹیبل پر رکھی ہے۔“ پھر اطمینان سے باہر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔ ابھی ٹریفک کم تھا اجالا بکھرتا جا رہا تھا اتنا بڑا فیصلہ کر کے وہ یوں چپ چاپ نکل آئی تھی بوبی سے دور رہنا ہی بہتر ہے یہ سوچ کر اس نے اتنا بڑا فیصلہ رات بھر میں کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ صبح اس فیصلے پر ذمہ داری کا سب سے زیادہ دکھ ہوگا بوبی بھی دیوانہ وار بھاگ کر آئے گا ہزار معافیاں مانگے گا مگر نہیں کرے گا مگر نہیں اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا اس کی محبت معصوم بچے کے ہاتھ میں پکڑے تازک کھلونے سے زیادہ کچھ نہیں، ایک بار کا صدمہ بار بار اس نادان سے مکر میں مارنے سے بہتر ہے۔“ وہ اس خیال پر نکلی تھی۔

جونہی اسے اپنی کلی نظر آئی ٹیکسی کی رفتار کم کر آئی گھر کے گیٹ تک کا سفر اس نے ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ طے کیا۔ اسے سب کچھ یاد آنے لگے گیٹ پر ٹیکسی رکی اس نے بیگ اتروایا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے دیے اور پھر ڈورنٹل کا بٹن دبایا۔ چند منٹ بعد گیٹ کھلا اس کے کرائے دار شفاعت صاحب باہر آئے اس نے سلام کیا اور بتایا۔

”آج سے میں اپنے روم میں یعنی اپنے بندھے میں رہوں گی۔“

”اوہ اچھا آپ نے پہلے سے کہا ہوتا تو میں صفائی کروا دیتا۔“

”کوئی بات نہیں، اب ذرا اپنی ملازمہ کو بھیج دیجیے پلیز۔“ اس نے کہا۔

”ضرور..... آپ کی کل ڈاک بھی آئی ہے آج میں نے پہنچانی تھی خیر میں آپ کی بھالی کو بھیجتا ہوں۔“ شفاعت

صاحب یہ کہہ کر اندر اپنے حصے کی طرف چلے گئے اور وہ یہ سوچتے ہوئے کہ ڈاک کس کی آگئی؟ اپنے بند کیے ہوئے پورشن کی طرف آ گئی۔

ایک کمرہ، امیج ہاتھ اور باہر تھوڑا سا بڑا مدہ اس کے پاس تھا ایک کمرے میں سامان بند تھا اس نے لاک کھولا، ڈھیر ساری یادوں نے اس کا گرم جوشی سے استقبال کیا ابھی وہ ساکت سی کھڑی کمرے کو تک رہی تھی کہ بیگم شفاعت آ گئیں تپاک سے ملیں۔

”آپ یہاں رہو گی؟“

”جی۔“

”خیریت۔“ انہیں کچھ حیرت سی ہوئی۔

”بس دل چاہا۔“ وہ ٹال گئی۔

”اچھی بات ہے لیکن ابھی آپ ہماری طرف چلو ماسی آتی ہو گی صفائی کروا دیتی ہوں پھر آ جائیے گا۔“ وہ بہت

اخلاق سے بولیں تو بات اس کے دل کو لگی۔

”شکریہ، میں آپ کی ماسی کے ساتھ خود مدد کروں گی۔“

”اس کی ضرورت نہیں اس کا کام ہے وہ بہترین صاف ستھرا کر کے سب سامان سیٹ کر دے گی آ جائیں چلیں۔“

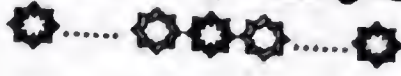
وہ اسے لیے باہر آ گئیں۔

”آپ کا نام۔“ اس نے پوچھا۔

”بہار۔“ وہ بولیں۔



”مجھے شرمین کہتے ہیں۔“  
 ”جانتی ہوں کرایہ نامہ پر آپ کا نام ہے۔“  
 ”آپ کو میری وجہ سے زحمت ہوئی۔“  
 ”کیسی زحمت؟“ بہار نے الگ کمرے میں اسے بٹھایا اور ناشتہ تیار کرنے کا کہہ کر چلی گئیں۔



زینت بیگم کا غصہ عروج پر تھا۔  
 بوبی مجرموں کی طرح ان کے سامنے کھڑا تھا۔ شرمین کا صبح سویرے چپ چاپ مع بیک کے جانا انہیں واضح کر رہا تھا کہ وہ ناراض ہو کر گئی ہے۔ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ہوئی ہے کہ وہ چلی گئی۔  
 ”بوبی منہ لٹکا کر کھڑے نہ رہو مجھے بتاؤ کیا کیا ہوا؟“ انہوں نے پوچھا۔  
 ”ماما، روٹین کی بات تھی وہ میری وجہ سے گئی ہے یہ ضروری تو نہیں۔“  
 ”آپ کی وجہ سے ہی گئی ہوا؟ جیسے روٹین کی بات کہہ رہے ہو وہ کوئی فضول بات ہوگی۔“ وہ بولیں۔  
 ”کیا فضول ہوگا؟“ وہ بولا۔

”یہ تو آپ سوچو، کیا کہا ہے؟“  
 ”مما، عارض اور اس کے باپ سے تعلق نہ رکھو یہی کہا تھا۔“ اس نے بتایا۔  
 ”یعنی اتنی بڑی اور فضول بات کہہ دی یہ سوچے بنا کہ اب وہ آپ سے رشتہ جوڑ رہی ہے۔ اس پر رڈر چلایا میں سمجھ گئی کہ آپ نے غیر اخلاقی گفتگو کی ہوگی یا میرے خدا، میں کیا کروں؟“ وہ سر تھام کر رہ گئیں تو وہ منمنایا۔  
 ”سوری ماما اب اسے بلائیں پلیز میرا دل بیٹھ رہا ہے۔“  
 ”کہاں سے بلاؤں نہیں آئے گی وہ۔“

”پلیز ماما میں معافی مانگ لوں گا۔“  
 ”بوبی کتنا سمجھایا تھا میں نے وہ بہت سلیجھی ہوئی سنجیدہ مزاج ہے، سمجھدار ہے۔ فضول الزامات لگائے ہوں گے اسی لیے وہ آپ سے نئے رشتے کے لیے راضی نہیں تھی۔“  
 ”ماما مجھے عارض اور اس کے بابا سے شرمین کا ملنا پسند نہیں۔“  
 ”آپ کیسے یہ بات کر سکتے ہو، وہ آپ کے احکامات کی پابند نہیں، عارض سے اس کی منگنی رہی ہے اور پھر عارض ہو یا کوئی اور اب تو آپ سے تعلق بن رہا تھا نا۔“ وہ برہمی سے بولیں۔  
 ”اوکے..... اب پلیز ماما اسے لائیں۔“ وہ گڑ گڑایا۔  
 ”کہاں سے، کیسے؟“

”پلیز آپ کو پتا ہے وہ کہاں گئی ہے؟“  
 ”نہیں مجھے نہیں پتا، اب تم جانو اور تمہارا کام۔“  
 ”ماما سوری..... ماما۔“ وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔  
 ”بوبی آپ کو اب تو سمجھداری سے کام لینا چاہیے سچ کہتی تھی شرمین کہ بوبی نادان ہے..... بچہ ہے۔“  
 ”ماما میں بچہ نہیں ہوں۔“ وہ چلا اٹھا۔  
 ”مت چلاؤ۔“ وہ غصے سے بولیں۔



”آپ بات کریں شرمین سے۔“  
 ”فون آف ہے کیسے بات کروں۔“  
 ”وہ انہی انکل کے پاس گئی ہوگی۔“  
 ”نہیں..... شاید اپنے گھر گئی ہوگی۔“  
 ”پرانے گھر۔“

”ہنہ، جا کر دیکھو مناسکو تو منالاؤ۔“  
 ”اما آپ بھی چلیں۔“

”نہیں میں تو پہلے ہی اس سے بہت شرمسار ہوں۔“  
 ”وہ میری بات نہیں مانے گی۔“

”تو پھر دیکھوں گی فی الحال جاؤ جا کر اسے یقین دلاؤ گھر واپس لاؤ۔“ زینت نے کچھ نرمی اختیار کی۔ بیٹے کی خوشی کا معاملہ تھا وہ حد درجہ پریشان ہو گئی تھیں۔ شرمین کا مزاج جانتی تھیں انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ چھوٹی سی بات پر وہ گھر چھوڑ کر نہیں گئی۔ یقیناً کوئی بڑی وجہ ہوگی۔



”جب انسان اپنی غلطیوں کا وکیل اور دوسروں کی غلطیوں کا جج بن جائے تو فیصلے فاصلوں کو جنم دیتے ہیں۔“ اس کی انتہائی کڑوی کیسلی باتیں سن کر زریا کو جواب دینا پڑا۔ جس پر وہ مزید بھنا گیا۔  
 ”مطلب میں غلط ہوں تمہارا گناہ تمہاری غلطی میں نے کی اور یہ کس نے کہا کہ میں فاصلوں سے تمہیں منع کر رہا ہوں۔“

”میں اپنا گناہ اپنا جرم تسلیم کر چکی ہوں۔“ وہ چلانا چاہتی تھی لیکن پھر ضبط کر گئی۔  
 ”فاصلوں کو ختم کرنے کی ایک اور کوشش آج پھر اتنی جلد تمہیں میرے گھر لے آئی سامان دیکھ رہی ہو ہم گھر ہی بدل رہے ہیں۔“ وہ سفاکی سے مسکرایا۔  
 ”میں صرف عبدالصمد کا ڈاکٹری نسخہ لینے آئی ہوں اسے رات سے بہت کف اور بخار ہے۔“ اس نے جل کر کہا تو ایک دم ہی وہ جیسے چونکا اور پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے بولا۔  
 ”تمہاری جیسی ماں بچے کا خاک خیال رکھے گی۔“

”کیا.....!“ وہ تڑپی۔  
 ”جی وہ تو تمہیں غلطی سے مل گیا اور بس۔“ اس کے اس کاٹ دار جملے میں بھی کچھ عجیب سا احساس موجود تھا۔  
 ”چلیں مل تو گیا میں مکمل تو ہوں اور آپ۔“ اس نے کمان ایسے ابرو اس طرح چڑھائے کہ وہ کچھ بے چین سا ہو گیا۔

”ہے نا ایسا ہی کآپ کے پاس آپ کی اولاد بھی نہیں۔“ اس نے پھر تاک کر تیر چھوڑا اور دراز سے نسخہ نکال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ جیسے اس کے جملے کی زد میں ہچکولے کھانے لگا۔ وہ تو واقعی نا مکمل تھا۔ تنہا، ویران، تلخ اور سرد جملوں کے سوا کچھ نہیں تھا اس کے پاس۔ خالی کمرے میں ان کے جانے کے بعد وہ انہیں اکثر مس کرتا تھا جانے کیوں خالی بیڈ پر نظریں عبدالصمد کو تلاش کرتی تھیں۔ اس کا معصومانہ مسکرانا یاد آ رہا تھا اس کی آواز جیسے اسے کمرے میں نظریں دوڑانے پر مجبور



کرتی تھی اور وہ کئی بار سر جھٹک کر شیف میں رکھی اپنی اور زیبا کی شادی کی تصویر دیکھ کر غم و غصے کی آگ میں جلنے لگتا۔ مگر ہار ماننے کو راضی نہ ہوتا می تو جیسے اداسی کی تصویر بن گئی تھیں ان کی بوڑھی آنکھیں مسلسل بھیگی رہتی تھیں۔ اس کے سامنے وہ رقت بھری آواز میں بہو اور پوتے کا ذکر کرتیں مگر وہ پہلو بدل کر کوئی اور بات شروع کر دیتا۔ آج اس کی اچانک آمد پر دل بے قرار کو کچھ اچھا بھی لگا اور تھوڑا سا خوشی کا احساس بھی ہوا مگر جانے کیوں تند و تلخ جملوں سے اسے کچھ کے لگانے پر مجبور ہو گیا وہ اکیلی آئی تھی اور وہ شاید بیٹے کو دیکھنا چاہتا تھا دل بھلا تیزی سے کمرے سے باہر نکلا مگر وہ جا چکی تھی بس اطراف میں اس کے احساس کی خوشبو باقی تھی جہاں آرا کی پلکیں نم تھیں اسے دیکھ کر پھٹ پڑیں۔

”کیسے سنگ دل باپ ہو، بیٹے کی طبیعت خرابی کا سن کر بھی دیکھنے نہیں آگے بیوی کو چھوڑ کر بے فکر ہو گئے۔“

”مجھے اس نے بتایا ہی نہیں۔“ وہ جھوٹ بول گیا۔

”ارے کیوں میری آنکھوں میں دھول جھونکتے ہو وہ نسخہ لینے آئی اور تمہیں بنا بتائے چلی گئی، کیوں اتنے بے حس ہو گئے صندری؟“ جہاں آرا نے خوب لتاڑا وہ چپ رہا دل میں تو بیٹے کے لیے احساس تڑپ رہا تھا۔

”مجھے چھوڑ کر آؤ۔“

”کہاں؟“

”زیبا کی طرف میں عبدالصمد کو دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”امی میں جلدی میں ہوں کچھ نہیں ہوا آپ بے فکر رہیں۔“ وہ یہ کہہ کر پلٹنے لگا تو ان کے دل میں چھپی بات زبان پر آ گئی۔

”جس کالے منہ والی کی خاطر اپنے بچے کو نظر انداز کر رہے ہو وہ تمہیں برباد کرنا چاہتی ہے۔“

”کون..... کون امی ایسا کچھ نہیں ہے۔“ وہ ان کو یقین دلانے کے لیے بہت نرمی سے بولا۔



دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔ وہ داش روم سے نہا کر باہر نکلی دوپٹہ شانوں پر پھیلا یا اور دروازہ کھولا جو نبی بولی اندر داخل ہوا تو اس نے کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ بڑے بے تابانہ انداز میں وہ آگے بڑھا بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اس نے روکا۔

”نبولی کرسی پر بیٹھ جاؤ۔“

”شرمین مجھے معاف کر دو۔“

”کر دیا۔“ اس نے بال تولیے سے صاف کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

”تو خفا خفا سی کیوں ہو؟“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“

”تو پھر گھر چلو۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”میں اپنے گھر میں ہوں۔“

”شرمین ہمارا وہ گھر ہے۔“

”نبولی میں آپ کے گھر اب اور نہیں رہ سکتی یہ میرا گھر ہے دیکھو یہاں میری ضرورت کے لیے سب کچھ ہے۔“ وہ انتہائی متانت سے بولی۔

”ہماری مسکینی۔“

www.Paksociety.com



”اب نہیں ہوگی۔“

”وہاٹ؟“ وہ چلا اٹھا۔

”جی..... سب چیزیں اپنے مقام کی طرف لوٹ چکی ہیں۔“

”پلیز معاف کر دو۔“

”کر دیا ہے اگر نہ کیا ہوتا تو تم یہاں نہ ہوتے۔“ وہ بال سلجھانے لگی۔

”شرمین ہماری مشکلی کے کارڈ تقسیم ہو گئے ہیں میں مرجاؤں گا۔“ وہ بہت بے چین ہو کر بولا۔

”تو.....“

”تو پلیز گھر چلو ایسی سزا نہ دو۔“ وہ رونے کے قریب تھا۔

”بولی میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی ہزار بار یہاں آؤ، لیکن یہ بھول جاؤ کہ اب ہمارا کوئی رشتہ بنے

گا۔“ اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

”شرمین، میں مرجاؤں گا۔“

”کوئی نہیں مرنے۔“

”یا زبانش ہے؟“

”چلو یونہی سہی میں بھی تو دیکھوں کہ محبت کے نام پر میرے لیے بھی کوئی مر سکتا ہے ورنہ مجھے ہی مارتے آئے ہیں

سب۔“ وہ طنزیہ ہنسی۔

”شرمین مجھ سے بھول ہو گئی پلیز۔“

”نہیں بھول مجھ سے ہوئی تھی بات ہی غلط تھی اپنے انجام کو پہنچی۔“

”میں جیلس ہو گیا تھا۔“

”مجھے کچھ وضاحت نہیں چاہیے میں تمہیں چھوڑ آئی ہوں بس۔“ وہ بڑی تیزی سے بولی۔

”شرمین۔“ وہ چلایا تو اس نے خوشگلیں نگاہوں سے دیکھا۔

”پلیز اب جاؤ۔“

”نہیں، تمہارے بغیر ہر گز نہیں۔“

”بولی یہ طے ہے کہ اب ہم وہ رشتہ قائم نہیں کر سکتے۔“

”کیوں..... آخر کیوں؟“

”اپنے آپ سے پوچھو میرے اور تمہارے درمیان فاصلے تھے اور ہیں۔“

”شرمین آئندہ خیال رکھوں گا۔“

”بولی جاؤ میں نے فیصلہ کر کے واپسی کا ارادہ کیا تھا۔“

”میں جان دے دوں گا۔“ اس نے دھمکی دی مگر اس پر ذرا سا اثر نہیں ہوا۔

”مجھے کچھ کام کرنا ہے پلیز۔“ اس نے اس طرح کہا کہ جس کا مطلب تھا اب جاؤ مگر وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”شرمین پلیز چلو میرے ساتھ۔“

”بولی پلیز جاؤ میں زینتہ پا کو بتا دوں گی۔“

”کیا؟“



”اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گی کہ میں بوبی کے لیے کیا گیا فیصلہ واپس لے چکی ہوں۔“ اس نے بہت نرمی سے کہا اور اپنے بیگ سے کپڑے نکال کر الماری میں رکھنے لگی بوبی کچھ دیر کارہا پھر شکستہ قدموں سے چلا گیا۔



اٹرپورٹ پر گاڑی پارک ہوئی۔

عارض نے معید صاحب کی طرف دیکھا کچھ فکر مندی سے اور کچھ تاسف سے معید صاحب سمجھ گئے۔  
”سر آپ بالکل ٹینشن نہ لیں وہ ان دونوں میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ آپ تو شکر کریں کہ اس لڑکی نے آپ کا نام نہیں لیا اور اسے آپ نے گرفتار نہیں کرایا اس کے انیکس ہنز بینڈ نے کرایا ہے کہ وہ اس کا روپیہ پیسہ لے کر بھاگی ہے۔“  
”تو کیا نکلا اس کے پاس سے؟“

”تفتیش ہو رہی ہے آپ چھوڑیں۔“

”لیکن اس کا یہاں کوئی نہیں ہے کون ہیپ کرے گا کون وکیل کا بندوبست کرے گا۔“  
”سر ہماری فلاسٹ کا ٹائم ہے آپ جلدی سے اندر چلیں۔“ معید صاحب ٹال گئے ڈیوٹی سے اس کا سوٹ کیس نکالا۔  
”مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔“

”کیا؟“

”وہ کیا سوچے گی ہم پاکستانی ایسے ہوتے ہیں؟“

”سر پلیز آپ پر اہم کری ایٹ نہ کریں۔“

”منیجر صاحب آپ تو خیال رکھ سکتے ہیں میرا مطلب وکیل وغیرہ کا بندوبست.....!“ گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے

اس نے کہا۔

”نہیں سر میں دو چار روز میں نیوجرسی چلا جاؤں گا اور ویسے بھی میں یہ بلا اپنے گلے قطعاً نہیں ڈال سکتا۔“

”آپ صرف ایک بار جیل جا کر مل تو لیں۔“

”لیکن کیوں؟“

”انسانی ہمدردی کے تحت۔“

”سر! یہاں کے قوانین بہت سخت ہیں میں کیوں حصہ دار بنوں۔“

”تو ٹھیک ہے میری سیٹ کینسل کرادیں۔“

”جی.....؟“ وہ چلا اٹھے۔

”منیجر صاحب انسانی ہمدردی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔“

”سر آپ مجھے مشکل میں ڈال رہے ہیں میں آغا صاحب سے پوچھتا ہوں۔“

”ہرگز نہیں بہت خاموشی سے ملنا ہے مالی مدد کر دیجیے گا۔“

”اچھا چلیں اب آپ جائیں۔“

”اوکے آفس کے لیے جس طرح آغا صاحب کہیں ویسا کرنا ہے۔“

”جی انہوں نے اپارٹمنٹ سیل کرنے کو کہا ہے صرف بزنس پوائنٹ رکھنے کو کہا ہے۔“

”جی ٹھیک دیکھو سجنٹ کی مدد ضرور کرنا اشوک بھیڑیا ہے تو اس کو چھڑا کر اس کے چنگل سے نکال کر

شک انڈیا بھجوانا۔“

www.Paksociety.com



”اوہو۔۔۔ آپ بالکل عقل سے کام نہیں لے رہے ہیں۔“

”وہ ہمارے گلے کا ہار بن جائے گی۔“

”نہیں! پاکستان کا تو رخ بھی نہ کرے ویسے بھی اتنی آسانی سے اس کو اشوک سے نجات نہیں ملے گی۔“

”او کے اللہ حافظ۔“ معید صاحب اس کی بات ٹال گئے وہ گلے ملا اور پھر اندر لاؤنج کی طرف بڑھ گیا معید صاحب

نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ حسب وعدہ اسے بخیر و عافیت پاکستان بھیجنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

”مہنہ سبنا سے ہمارا کیا واسطہ میں خود مصیبت کو دعوت کیوں دوں؟“ انہوں نے سر جھٹک کر خود سے کہا اور گاڑی پارکنگ سے نکال کر باہر لے گئے۔ وہ تو دو روز سے شدید پریشانی کا شکار تھے سبنا والے معاملے کے باعث عارض کا سارے بن گئے تھے آج صبح اس کی شوہر کے الزامات کے باعث گرفتاری کی خبر مع تصویر دیکھ کر انہوں نے عارض کو فون پر مطلع کر دیا تھا اور حیران وہ اس بات پر تھے کہ پولیس نے سبنا کو جب گرفتار کیا اس وقت وہ عارض کی جیکٹ ہی پہنے ہوئے تھی معید صاحب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ عارض کی جیکٹ ہے اب ابھن یہ بھی کہ اس مردانہ جیکٹ کے متعلق پولیس سوال نہ کر لے اور عارض کی مصیبت میں نہ آ جائے مگر اب کچھ تسلی انہیں ملی تھی۔



”صفدر بھائی میں نے آپ کے کہنے کے مطابق بوبی والا تجربہ کر کے دیکھا نتیجہ میں یہاں اپنے گھر میں ہوں۔“

صفدر نے ملنے کے لیے فون کیا تو اس نے اپنے پاس بلا لیا اور پھر اس کے استفسار پر کہا۔

”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ بوبی کے اور میرے مزاج میں ہمیشہ سے ایک واضح فاصلہ رہا ہے فاصلے مٹانے کی کوشش کی تھی مگر زلزلہ خراب نکلا۔“ وہ چائے کا کپ صفدر بھائی کو پیش کرتے ہوئے بولی۔

”شرمین بہن فرق اور فاصلے اتنی جلدی تو ختم نہیں ہوتے بوبی کو کچھ وقت تو دینا چاہیے۔“ صفدر نے کہا۔

”کتنا وقت صبح احمد والا یا عارض والا؟“ وہ طنزیہ مسکرائی۔

”نہیں اتنا جس میں بوبی آپ کے مزاج کو سمجھ سکے۔“

”صفدر بھائی میں نے بہت سوچ سمجھ کر واپسی کا فیصلہ کیا ہے بعد کی خرابی سے بہتر ہے کہ پہلے ہی ہوشیار ہو جاؤں۔“

”عارض بھی تو آ رہا ہے۔“ صفدر نے کہا۔

”جانتی ہوں۔“

”کیسے رابطہ کیا اس نے۔“

”نہیں! غامبی مارکیٹ میں ملے تھے پھر انہوں نے گھر بلا یا تب بتایا تھا۔“

”پھر۔۔۔۔۔“

”پھر کچھ نہیں بوبی کما غامبی اور عارض کے حوالے سے پر اہم ہوئی تو میں جان گئی کہ نادان کی دوستی سے دانا کی دشمنی بہتر ہے۔“

”مگر زندگی آ پاور ساری مشکلی کی تیاری؟“

”سب میچ ہو جاتا ہے میں بہت امتحانات دے چکی ہوں مزید نہیں۔“ اس نے بہت افسردگی سے کہا تو صفدر چپ ہو گیا۔



”پھر بھی شرمین بہن ایک بار پھر سوچ لیں۔“  
 ”چھوڑیں یہ بتائیں کہ بھابی عبدالصمد اور خالہ جان کیسے ہیں؟“  
 ”ٹھیک ہی ہوں گے۔“  
 ”ہوں گے.....؟“

”اپنی ماں کی طرف گئی ہیں اور ہاں اس دیک اینڈ پر ہم نئے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے بڑا گھر ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چل کر رہو۔“

”ارے نہیں بھائی شکر یہ میں یہاں ٹھیک ہوں آفس تو میں جاتی رہوں گی۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“

”بھابی کو لائیں میرے پاس۔“  
 ”شرمین بہن، وہ اپنے گھر ہمیشہ کے لیے چلی گئی ہیں۔“  
 ”وہاٹ.....؟“

”ہاں پہلے دن سے ہمارے درمیان اختلافات تھے اب علیحدہ ہونا بہتر تھا۔“  
 ”مگر صدف بھائی کیوں آپ اپنا گھر توڑ رہے ہیں۔“ وہ حیرت اور تعجب سے بولی۔  
 ”گھر تھا ہی نہیں۔“ وہ ہنسا۔

”اور بچہ۔“  
 ”بچہ بھی اسی کو دے دیا۔“  
 ”اور خالہ جان وہ تو یہ برداشت نہیں کر سکتیں تو پھر۔“  
 ”کر لیں گی۔“

”مطلب طلاق؟“  
 ”فی الحال علیحدگی پھر دیکھیں۔“  
 ”صدف بھائی پلیز غور کریں۔“  
 ”غور کیا ہے وہ ایسا ہی چاہتی ہے۔“  
 ”میں بات کروں بھابی سے۔“  
 ”چھوڑیں۔“

”صدف بھائی میرا دل دکھ سے بھر گیا ہے بچہ یہ جدائی کیسے برداشت کرے گا اس پر غور کریں۔“  
 ”بچہ اپنی ماں کی سزا بھگتے گا۔“ وہ کچھ اضطراب کے ساتھ بولا۔  
 ”بہر کیف آپ اچھی طرح سمجھائیں۔“

”خیر میں چلتا ہوں پھر آؤں گا اور بولی والے معاملے میں ٹھنڈے دل سے کام لیں۔“ صدف اٹھ کھڑا ہوا۔  
 ”اللہ حافظ۔“ اس نے یہ کہہ کر صدف کو رخصت کیا۔



زیستہ پا بستر سے جاگلی تھیں۔

بولی ان کے سر ہانے بیٹھانت سماجت کر رہا تھا۔ جمعہ سر پر آچکا تھا۔ مگنی کے دعوت نامے تقسیم ہو چکے تھے



زینت کی عزت داؤ پر لگی تھی مگر کر کیا تھیں شرمین حق بجانب تھی اس سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں تھی۔ صدے کے باعث محسوس ہو رہا تھا کہ شوگر بڑھ چکی ہے بوبی پر غصہ بھی آ رہا تھا اور ترس بھی بابا ان کے لیے فروٹ کاٹ کر لائے تو حوصلہ کر کے بولے۔

”بیگم صاحب آپ خود شرمین بیٹی کے پاس جائیں وہ آپ کی بات مان لیں گی۔“  
 ”بابا کس منہ سے بوبی نے جو کیا ہے اسے کیسے سمجھاؤں؟“  
 ”ماما پلیز۔“

”چہرہ ہٹا آپ۔“  
 ”باجی بڑی ہیں آن کی بات ماننی چاہیے۔“ بھولی اچانک اند آئی اور اپنی دانست میں بڑے پتے کی بات کی۔  
 ”تو چپ رہ۔“ بابا نے بھولی کو کہا۔  
 ”بابا میں جانتی ہوں وہ اب نہیں مانے گی۔“  
 ”آپ ہمت نہ ہاریں جائیں سمجھائیں۔“ بابا نے کہا۔  
 ”بابا بوبی کو کتنا سمجھایا تھا میں نے وہ سبھی ہوئی سنجیدہ مزاج لڑکی ہے یہ اس سے اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے۔“  
 ”ماما صرف ان انکل کی بات کی تھی۔“  
 ”کیوں کی تھی؟“

”بیگم صاحب آپ چھوٹے صاحب کو بھی ساتھ لے جائیں۔“  
 ”بابا میں فون پر بات کروں گی مجھے معلوم ہے کسی معمولی سی وجہ سے اس نے گھر نہیں چھوڑا آپ کام دیکھیں۔“  
 ”بیگم صاحب میں نے چھوٹے صاحب کو کہا ہے مجھے لے چلیں۔“ بھولی بولی۔  
 ”نہیں، جا کر کچن میں کام کرو۔“ وہ فوراً چلی گئی بابا بھی چلے گئے بوبی نے جلدی سے فون اٹھا کر انہیں دیا اور کہا۔  
 ”ماما پلیز فون ابھی کر لیں۔“  
 ”بوبی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔“  
 ”ماما وہ کوئی اور فیصلہ کر لے گی۔“  
 ”وہ آپ کی طرح احمق نہیں ہے۔“  
 ”ماما وہ عارض کتا نے کا کہہ رہے تھے۔“  
 ”تو آنے دو عارض کو۔“

”ماما..... وہ.....!“ وہ رونے قریب ہو گیا تھا۔  
 ”بوبی فار گاڈ سیک مجھے خود کوئی حل نکالنے دو۔“ زینت زچ آ گئی۔  
 ”اوکے لیکن یاد رکھیے گا کہ میں شرمین سے بہت محبت کرتا ہوں۔“  
 ”اسی لیے اس کو پریشان کرتے ہو۔“  
 ”ماماجی۔“ وہ ٹھنکا۔

”چلو اب جاؤ۔“  
 ”پلیز فون کر لیجیے گا۔“  
 ”اوکے۔“ وہ چلا گیا مگر زینت سوچ بچار میں گرفتار ہو گئی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ شرمین حق بجانب



freedom to live happily!

**freedom<sup>®</sup>**



www.Paksociety.com



تھی انہیں اندازہ تھا کہ وہ غلط نہیں ہو سکتی یقیناً بولی کی احمقانہ حرکت ہوگی کوئی بہت ہی سسطھی بات کی ہوگی جس پر اتنا شدید رد عمل شرمین نے ظاہر کیا ہے۔

”کیا فون کرنا چاہیے، کیا شرمین بات مان لے گی؟“ یہ دونوں سوالات بڑی دیر ان کے ذہن میں اودھم مچاتے رہے لیکن جواب کوئی نہیں تھا کارڈ تقسیم ہو گئے ہال بک ہو گیا خریداری مکمل ہو گئی اور ایک دم حالات نے یہ رخ اختیار کر لیا۔

”یا اللہ میری عزت رکھ لے لوگ کیا کہیں گے؟“ ان کے دل سے دعا نکلی اور پلکوں سے اشک ٹوٹ کر نیچے میں جذب ہو گئے۔



سو کراٹھی تو کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔  
شام گہری ہو چکی تھی وہ ہڑبڑا کر اٹھی مغرب کی نماز قضا ہو گئی تھی جلدی سے اٹھ کر کمرے کی لائٹ آن کی واش روم کا رخ کیا۔ وضو کیا جائے نماز بچھائی تھی کہ شفاعت صاحب کی تیرہ سالہ بیٹی جو یہ چائے کا کپ اور ایک سفید بند لفافہ لیے کمرے میں آ گئی وہ نیت باندھ چکی تھی جو نہی سلام پھیرا تو جو یہ بولی۔  
”آئی چائے پی لیں اور ابو کہہ رہے ہیں یا آپ کی ڈاک آئی تھی وہ دینا بھول گئے۔“ اس نے گردن کے اشارے سے اسے اچھا کہا تو وہ چلی گئی۔

اس نے تسلی سے دعا مانگی معمول کے مطابق سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم کی تسبیح پڑھی اور چائے دیکھی تو وہ ٹھنڈی ہو چکی تھی لفافہ اٹھا کر دیکھا اس پر اسلام آباد لکھا تھا بھیجنے والے کا نام صبیح احمد درج تھا۔ وہ حیران رہ گئی صبیح احمد اور اسلام آباد یہ کیسا لفافہ ہے، وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بیڈ کی پٹی پر ٹک گئی۔ لفافہ کھولنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی حیرت کا نا ختم ہونے والا لمحہ تھا اس کے لیے اتنے طویل عرصے کے بعد صبیح احمد کا خط دیکھنا ہی تعجب کی بات تھی۔ کیوں صبیح احمد کو خط لکھنے کی ضرورت پڑی اور وہ بھی اسلام آباد بیٹھ کر ان کا خط لکھتا کیا وہ اسلام آباد آئے تھے یا وہیں قیام پزیر ہیں جو بھی ہے آخر رابطہ کیوں کیا؟

”مجھے صبیح احمد آپ سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا پھر کیوں آپ کو میرا خیال آ گیا کیوں یہ خط بھیج کر پھر میری زندگی میں یادوں کا طوفان برپا کرنا چاہا؟ کیوں یہ احساس دلانا چاہا کہ میں نے بھی تم سے شدید محبت بھی کی تھی محبت کے بدلے میں تم نے بے وفائی بھی کی تھی اور بہت بڑی سزا دی تھی اپنی دنیا آباد کر کے میری دنیا کو مٹا دیا تھا پھر یہ تماشا کیا ہے۔“ اس نے شدت جذبات سے بڑبڑایا اور بڑی تنہی سے لفافہ چاک کر کے اندر سے تہہ شدہ سفید صفحہ نکال کر کھولا وہی مانوس سی لکھائی۔ وہی مانوس سالب لہجہ جس سے کبھی بھی شہد تو نہیں ٹپکا تھا البتہ اپنائیت کا احساس ضرور ملتا تھا سیدھے سپاٹ لہجے میں مخاطب کرنا ان کی عادت تھی آج بھی وہی انداز تھا۔

”شرمین!

یہ خط تمہیں ٹھیک ایک دن بعد مل جائے گا۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ تمہیں یہ خط چند دنوں، چند ہفتوں یا پھر بہت سے دنوں کے بعد ملے اس وقت تک میں تا صرف اسلام آباد سے بلکہ اس دنیا سے بھی رخصت ہو چکا ہوں گا اور پھر تمہارے کسی بھی رسپانس پر کسی بھی قسم کا رد عمل ظاہر نہیں کر سکوں گا۔ میں یہی ڈیزر رو کرتا ہوں دل پر اب میرا کوئی اختیار نہیں باقی ہے پاس کے بعد بھی دل میرا نہ ہو سکا بند ہونے کے قریب ہے خیر بند ہونے سے پہلے تم سے ہی ایک ایسا روبرو بانی کی درخواست کر رہا ہوں جانے کیوں قدرت نے بھری دنیا میں تمہارا ہی محتاج کر دیا لیکن یہ



بھی میں جانتا ہوں کہ تم میرا کہا نہیں ٹالو گی۔ میرا کچھ نہیں بچا نہ میں اور نہ میرا گھرانہ صرف میرا قیمتی سرمایہ بیٹھو یعنی اذان احمد میرا بیٹا ہی بچا ہے اسے حالات کے پیش نظر اسلام آباد کے شالیمار ہاسٹل میں داخل کر دیا ہے اس کے داخلہ فارم میں اپنے بعد تمہارا نام سرپرست اعلیٰ کے طور پر لکھا ہے اذان کا اکاؤنٹ نو سال بعد میچور ہوگا میں نے صرف دولت جمع کی تھی وہ اس کے اکاؤنٹ میں جمع کرادی ہے جو اس کے بتا کماے بھی کافی رہے گی اس کی دیکھ بھال جیسے تم مناسب سمجھو کرنا، اس کا کوئی معاوضہ میرے پاس ہے ہی نہیں، اذان کو ماں اور باپ کی محبت درکار ہے میری بے وفائی کا احساس اسے نہ دینا سزا تو میں کاٹ کر جاؤں گا۔ مجھے نہیں یقین کہ ہم کبھی مل سکیں گے اذان کے پاس میرا فون نمبر ہے کچھ پوچھنا یا کہنا ہو تو نمبر ملا کر دیکھ لینا اگر جواب نہ ملے تو سمجھ لینا کہ اذان تمہارا ہی بیٹا ہے ہو سکے تو اسے ہاسٹل کے سردماحول سے نکال کر اپنے پاس رکھ لینا ورنہ ہاسٹل تو ہے ہی میں نے پہلے بھی تمہیں آزمایا اور اب بھی آزمائش ہے جس کے لیے معافی چاہتا ہوں، اللہ حافظ۔

والسلام

دعا گو تمہارا

صبح احمد

27 دسمبر 2014ء

اخواہ!

”تم مجھے کس رشتے سے یہ خط لکھ بیٹھے، تمہارا آخری خط تو کئی برس پہلے مل گیا تھا۔ ترے خط، تمہاری خوشبو سب خواب و خیال تھے متاع جاں سمجھا تھا، جنہیں تمہارے قول و قرار کی طرح گزشتہ سال میں نے وہ سب خط پھاڑ دیے تھے۔“

تمہیں تو احساس تک نہیں ہوا۔

وہ جو ہاتھ بھر کا تھا فاصلہ کئی موسموں میں بدل گیا

اسے تاپتے آگے کاٹتے میرا سارا وقت گزر گیا

میری یاد آتی تو اس لیے کہ اب تمہارا بیٹا تنہا ہو کر پاکستان آ گیا ہے دیار غیر میں رہنے والوں کے لیے پاکستان کی اہمیت برقرار تھی مجھے آ زمانے کے لیے تمہارے پاس اذان تھا تو تم نے قلم کا سہارا لے لیا جب میں خط لکھتی تھی تو تم شاید کہیں رکھ کے بھول جاتے تھے وہ ایک خط جس میں میرے لیے زندگی کی کوئی کرن ہوئی وہ تو تم نے کبھی لکھا ہی نہیں یہ تو خط کسی اور کے لیے کسی اور کے نام لکھا ہے یہ اذان کے لیے اذان کے سرپرست کے نام لکھا ہے اور اذان کے خود غرض باپ کا نام صبح احمد ہے دولت مند صبح احمد جس نے دولت کے پلڑے میں خود کو رکھ کر میری عمر بھر کی خوشیوں کا سودا کیا اور خود کو بے قصور ظاہر کیا جس نے جھوٹ بولے قدم قدم پر کہ وہ مجبوری کی شادی کو ختم کر چکا ہے پھر اذان کہاں سے آ گیا؟“ درد کی شدت نے اتنا بے کل کیا کہ وہ دل مٹھی میں دبا کر اٹھ بیٹھی۔

شام سے رات ہو گئی تھی بھوک کی شدت سے برا حال تھا نفاہت محسوس ہو رہی تھی خط اس کے تہہ لگانے کا محفوظ کرنے کا منتظر تھا مگر اس نے وہیں بیڈ پر چھوڑ کر خود کو یکجا کیا۔

یادیں کتنی طاقت ور ہوتی ہیں، دیو قامت پہاڑوں کی مانند جن سے خوف بھی آتا ہے اور جن کی اہمیت کم بھی نہیں ہوتی سالوں پہلے اس نے صبح احمد کو دل سے نکال کر پھینکا تھا آج وہ پھر سے اس کے اندر طوفان لے آیا۔ وہ تو ان کے بعد عارض کی محبت پر ایمان لے آئی تھی پھر عارض کی توہین محبت نے بوبی کے لیے دل نرم کر دیا تھا اور اب بوبی سے کنارہ



کر کے وہ خود کو توانائی کا انجکشن لگا چکی تھی تو صبح احمد کے خط نے انجکشن کی ساری قوت جیسے سلب کر لی تھی۔ اسے صبح احمد کی بے وفائی اور اذان کی بے بسی چاروں اطراف دکھائی دے رہی تھی۔ مگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے؟

”صبح احمد تم نے تو مجھ سے معافی بھی اگر مانگی تو خود غرض بن کر اپنے بیٹے کے لیے میری وفا کا زما تے ہی رہے اگر میں تمہارا خط پرزے پرزے کر کے ہوا کی نذر کر دوں تو میرے دل پر لگے زخم کچھ مندمل ہوں تم نے خود غرضی کی انتہا کر دی محبت کے نام پر بار بار مجھے ہی دار پر چڑھایا تمہیں کبھی بھی محبت تھی ہی نہیں، محبت ہوتی کیا ہے یہ تم کیا جانتے اب جبکہ دل نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا تو تمہیں میرا نام یاد آ گیا کاش کہ تم دل کی اہمیت کو سمجھ سکتے دیکھو اللہ نے تمہارے لیے دل کی بیماری کو حقیقت بنا دیا۔ جانتے تو ایسا نہ کرتے صبح احمد دل محبتوں کی حرارت سے توانا رہتے ہیں۔ محبت کو لفظوں کا جامہ پہنا کر دلوں میں پناہ نہیں ملتی۔“

وہ مسلسل سوچے ہی جا رہی تھی شاید سالوں کا غبار تھا جو صبح احمد کو کہتا نہیں جاہتی تھی وہ خود کلامی کی صورت میں کہے چلی گئی جبکہ سوچتا تو یہ تھا کہ اذان کے لیے کیا کرنا ہے؟ کیا صبح احمد کو معاف کرنا ہے کیونکہ اذان کی سرپرستی کا دوسرا مطلب یہی تھا کہ صبح احمد کی بے وفائی اور خود غرضی کو معاف کر دیا۔



”زینتا آپ کیوں آنسو بہا رہی ہیں؟“ اس نے ان کی بھگی پلکیں اپنی انگلیوں کی پور سے صاف کیں، مگر ان کی آنکھوں سے تو سیلاب جاری تھا۔ وہ ان سے ملنے صبح ہوتے ہی آگئی تھی۔ آئی تو وہ گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں بولی کو تیز بخار تھا۔ اس کی اپنی آنکھیں بھی شب بیداری کی غمازی کر رہی تھیں۔ رات بھر سو نہیں سکی تھی، کس قدر مشکل اور دشوار تھا صبح احمد کے خط کے مطابق فیصلہ کرنا۔۔۔ شاید فجر کی نماز پڑھ کر اس کا دل اطمینان کی لذت سے مسرور سا ہو گیا تھا۔

”آنسو تو بولی کی وجہ سے عمر بھر بہانے ہیں۔“

”ایسا کچھ نہیں ہے آپ بس قبول نہیں کر پا رہی ہیں۔“

”کیا، برسوں جمع ہے منگنی کا دن اور.....؟“ زینتا سخت بے بس ہو کر بولیں۔

”تو اب نہیں ہوگی آپ نے کل سے منع نہیں کیا۔“

”شرمین بولی بہت شرمندہ سے معافی چاہتا ہے کل رات سے بخار میں پھنک رہا ہے ایسا مت کہو۔“

”آپا میں بولی کو شرمندہ کرنا ہی نہیں چاہتی بس اب ایسا ممکن نہیں رہا۔“ وہ کافی سنجیدگی سے بولی۔

”اس نے اچھا نہیں کیا بس کم عقل ہے۔“ زینتا بیٹے کی صفائی ہی دے سکتی تھیں۔

”بہلے تو عقل والا مسئلہ تھا مگر اب نہیں رہا میں گئی تو بولی کی وجہ سے تھی مگر اس فیصلے میں کچھ قدرت کا فیصلہ بھی شامل تھا۔“

”مطلب؟“

”زینتا پامیری اب اپنی بھی مجبوری ہے بولی کے ساتھ نبھا نہیں ہو سکتا۔“

”مگر بولی تو مر جائے گا، کیا عارض آ گیا ہے؟“

”پتا نہیں، اور شرمندہ نہ کریں بولی کو اچھی طرح سمجھا دیں میں کسی سے بھی منگنی اور شادی نہیں کر سکتی۔“

”شرمین پلیز میری خاطر معاف کر دو۔“

”آپا آپ کا کیا قصور؟“

www.Paksociety.com



”بوبی کی تربیت میں نے ہی تو کی ہے۔“ وہ رودیں۔

”ٹھیک ہو جائے گا۔“

”اے معاف کر دو، گھر لوٹ آؤ۔“

”آپا سمجھیں کہ کچھ میری مجبوری بھی آڑے آگئی ہے۔“ وہ غیر معمولی سنجیدہ سی ہو کر بولی۔

”مجھے بتاؤ، بھروسہ کر دو مجھ پر ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔“

”اللہ نہ کرے بتا دوں گی مگر فوراً نہیں۔“

”آغا جی نے.....؟“ زینت کے لبوں پر مختصر سا جملہ اٹکا۔

”نہیں، بس غیر متوقع آزمائش اور مجبوری ہے۔“

”بتاؤ پلیز! بوبی ہر مجبوری میں تمہارا ساتھ دے گا۔“

”نہیں آ یا! بوبی تو ابھی مجھے سمجھا ہی نہیں جبکہ میری مجبوری تو اس کے تصور سے بھی بڑی ہے بہر کیف آپ آرام

کریں میں چلتی ہوں۔“

”نہیں..... نہیں پلیز مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ آفس میں بھی تمہاری ضرورت ہے اور میرا ایک ہی بیٹا ہے۔“ زینت تقریباً

اس کا ہاتھ تھام کر منت پر آئیں۔

”اچھا میں ضروری کام سے اسلام آباد جا رہی ہوں پھر جیسا ہوگا دیکھ لیں گے۔ ضرورت پڑی تو آپ کی بات مانی

جاسکتی ہے۔“

”اسلام آباد۔“

”ہنست۔“

”اور منگنی، ہال کی بکنگ، انتظامات۔“

”نی الحال تو سب کچھ ختم سمجھیں اگر کوئی گفتگو سے منجائش نکلی تو ضرور اس پر بات ہوگی۔“ اس نے جواب دیا۔

”شرمین پلیز یہاں سے نہ جاؤ میری منت ہے۔“

”اچھا، اچھا واپسی پر دیکھتی ہوں آپ اپنا خیال رکھیں۔“

”اور بوبی۔“

”بوبی سے میں کوئی بات کرنا نہیں چاہ رہی۔“

”پلیز، اے معاف کر دو۔“

”کر دیا ہے آپ پریشان نہ ہوں۔“

”منگنی کے بعد کوئی شکایت ہوئی تو میں خود بوبی کو سزا دوں گی۔“

”آپا پلیز! اس موضوع پر بات نہ کریں مجھے آپ کا احساس ہے مگر یہ بھی تو سوچیں کہ بوبی نے آخری حد تک مجھے

پہنچا کر دم لیا ہے۔“

”مجھے معلوم ہے۔“

”تو پھر..... میرے فیصلے کا خیر مقدم کریں جگ ہنسائی سے تو بہتر ہے اس کے اور میرے مزاج میں بہت نمایاں

فرق ہے۔“ اس نے دھیرے دھیرے کہا۔

”اچھا رک جاؤ۔“

www.Paksociety.com



”میں بھولی سے، بابا سآپ کے بارے میں کچھ بات کر لوں آپ نے اپنا خیال رکھنا ہے۔“

”اچھا، بوبی سے مل لو۔“

”نہیں۔“

”پلیز۔“

”آپ اکل اسے سمجھا دیا تھا۔“ وہ بولی مگر بھولی فروٹ لے کر کمرے میں آ گئی اور بولی۔

”یابی آپ تو بڑی ہیں چھوٹے صاحب کو معاف کر دیں۔“ شرمین بھولی کی بات سن کر سلگ اٹھی۔

”کبھی بڑے معاف نہیں بھی کرتے۔“

”بھولی تم جا کر حمیدہ سے کہو کہ بخنی بتائے بوبی کے لیے۔“ زینت نے کافی ڈپٹ کر کہا بھولی تو برا سا منہ بنا کر چلی

گئی جبکہ شرمین نے زینت کو احساس دلایا۔

”دیکھنا یہ فرق ہوتا ہے عمروں کا۔“

”بھولی کی بے وقوفی کو سنجیدگی سے نہ لو۔“

”بھولی اتنی بھولی نہیں ہے آپ۔“

”اچھا چھوڑ دو درگزر سے کام لو بوبی سے مل لو۔“

”نہیں آپ پلیز! اسے احساس ہونے دیجئے میں کل مل چکی ہوں۔“ اس نے بہت نرمی سے کہا اور ان کی پیشانی چوم

کر باہر نکل آئی زینت کی آنکھیں چمک اٹھیں مگر روک نہیں سکیں۔



عارض کی آمد نے آغا صاحب کی زندگی لوٹا دی تھی۔ وہ پھولے نہ سارے تھے اسے گلے لگا کر چوما بلاتیں لیں کہ وہ خود بھی متحیر رہ گیا محبت تو وہ ہمیشہ ہی اتنی کرتے تھے لیکن اب وہ صحت یابی کے بعد ایک طویل عرصے کی جدائی کے بعد لوٹا تھا صدقے کے بکرے یتیم خانوں کو بھجوائے گئے کھانا تقسیم کیا گیا آغا جی مسلسل حرکت میں تھے تھک کر ٹی وی لاؤنج میں پہنچے تو عارض کو کچھ مضطرب اور کھویا کھوپایا۔

”بابا مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔“ وہ انہیں دیکھتے ہی جلدی سے بولا۔

”مجھے معلوم ہے جو بات ہے فوراً جاؤ اور جا کر شرمین کو مناؤ ورنہ جمعہ کے دن اس کی منگنی ہو جائے گی۔“ انہوں نے

صاف سپاٹ لہجے میں کہہ دیا وہ کہتا تو کچھ اور چاہتا تھا مگر شرمین کی منگنی کی خبر نے اس کے دل پر زوردار گھونسا مارا وہ بے

قرار ہو کر پوچھ بیٹھا۔

”کس سے.....!“

”وہ نوجوان ہے نابوبی..... بوبی سے۔“ وہ بولے۔

”بو..... بوبی..... مگر.....“ اس کے لیے اب حیرت کا مقام تھا۔

”ہاں دیر ہو گئی ہے مزید دیر نہ کرو اسے منا لو وہ بہت اچھی ہے اور تم نے اس کو چاہا بھی ہے۔“ آغا جی نے اپنی طرف

سے سمجھایا۔

”وہ خوش ہے میں بھی اسی میں خوش ہوں۔“ وہ بڑبڑایا۔

”عارض۔“

”جی۔“

www.Paksociety.com

آنچل اگست ۲۰۱۵ء 105

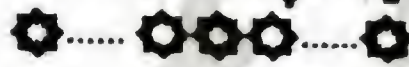


”بیٹا اسے منالو، پلیز۔“  
 ”بابا یہ باب بند ہو چکا ہے مگر مجھے حیرت ہے کہ صبح احمد کے بجائے بولی۔“ وہ تذبذب میں گرفتار بولا۔  
 ”کیا کہہ رہے ہو۔“  
 ”کچھ نہیں۔“

”تو پھر شرمین کے پاس جاؤ۔“  
 ”بابا یہ مشکل ہے میں نے اسے خود چھوڑا ہے۔“  
 ”پر کیوں؟“  
 ”چھوڑیں فی الحال ایک ضروری بات کرنی ہے۔“  
 ”بولو۔“

”معید صاحب کو کہیں کہ اس لڑکی سبھا کی ضمانت کرا دیں۔“  
 ”کیا.....؟“ وہ چلا اٹھے۔

”جی بابا معید صاحب نے بتایا ہے کہ اس کی کسی نے ضمانت نہیں کروائی۔“  
 ”کیوں، کیوں عارض اس سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں۔“  
 ”بابا وہ ہم پاکستانیوں کو، مسلمانوں کو اچھا سمجھتی ہے ہمیں اس کے کام آنا چاہیے۔“  
 ”اس کے اچھا یا برا سمجھنے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا میں اب اس کا ذکر بھی نہ سنوں۔“  
 ”بابا ذرا دلی کوئی بات نہیں ہے میرا کوئی تعلق نہیں ہے وہ مظلوم ہے معید صاحب آپ کی اجازت کے بغیر ضمانت نہیں کرا میں گے۔“ اس نے سمجھانا چاہا مگر وہ بہت برہم ہو گئے۔  
 ”عارض اپنی من مانیوں بہت کر لیں، اس لڑکی کی میں بات نہ سنوں۔“  
 ”آپ صرف ضمانت کا کہہ دیں باقی ذکر تک نہیں سنیں گے۔“ اس نے پھر کہا۔  
 ”اوکے، لیکن آپ شرمین سے ملو۔“ وہ یہ کہہ کر چلے گئے تو اس نے دیکھتے سر کو تمام کر شرمین کے بارے میں سوچا۔



گاڑی سے باہر نکل کر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔  
 ”کون؟“ اندر سے بلاشبہ دازربیا کی ہی تھی وہ ایک دم کچھ سوچ کر بولا۔  
 ”صنذر۔“ دروازہ وا ہو گیا۔ گلابی لباس میں وہ رو پر تھی وہ دیکھ کر نظریں چڑا گیا حالانکہ شام کے کتبے سے اجالے میں وہ مدہوش کر دینے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔  
 ”راستہ چھوڑ دو گی یا جاؤں۔“ وہ خود پر لا تعلق کا ماسک چڑھاتے ہوئے بولا۔  
 ”جی..... جی۔“ وہ گھبرا کر ایک طرف ہو گئی۔

”بلکہ امی کو بھیج دو مجھے اندر نہیں آتا۔“ صنذر خود پر کنٹرول کر کے بولا حالانکہ دل عبدالصمد کو دیکھنے کو محل رہا تھا دل تو نے کیوں زبیا کو دیکھنے کے لیے اسے ستارہا تھا مگر کوئی کمزوری ظاہر کرنا گویا اس کی شان کے خلاف تھا۔  
 ”دنیا داری ہی نبھالیں میرا بھر رہ جائے گا۔“ اس نے نرمی سے کہا۔  
 ”کیسی دنیا داری ہمارا رشتہ ہی کیا ہے؟“ وہ رخ موڑے موڑے بولا۔  
 ”شاید کچھ نہیں یا پھر بہت کچھ۔“ وہ اس کے جواب پر چونکا۔



”میری امی تمہاری باتوں میں آ سکتی ہیں میں نہیں آج بھی وہ خند کر کے آئی ہیں۔“  
”اوتآپ..... آپ کیوں آئے ہیں؟“ اس نے بھی بھاری ضرب لگائی تو وہ شپٹا گیا۔

”ہمارے درمیان نہ کچھ تھا نہ ہے اور نہ ہوگا۔“ پلٹ کر بولا۔

”ہمارے درمیان عبدالصمد ہے جسے دیکھے بنا آپ کی امی نہیں رہ سکتیں اوتآپ بھی اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔“ وہ یہ کہہ کر تیز قدموں سے اندر چلی گئی اور وہ اپنی ہستی کا سب غرور اپنے ہی کندھوں پر لیے اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا محن میں اس طرف آ گیا جہاں سب موجود تھے۔

”السلام علیکم!“ اس کو دیکھ کر حاجرہ بیگم نہال ہو گئیں۔

”وعلیکم السلام! جیتے رہو آؤ بیٹھو۔“

”جی بس ڈرا جلدی میں ہوں دوست کی طرف جانا ہے۔“

”دو گھڑی بیٹھ جاؤ یہ کون سا طریقہ ہے؟“ جہاں آ رانے سمجھ کی تو وہ تخت پر ٹک گیا۔

”دیکھو عبدالصمد کیسے ہمک کر رہا ہے۔“ حاجرہ بیگم نے ٹکڑا لگایا تو بے اختیار ہی وہ بیٹے کو دیکھنے لگا وہ

گول مٹول سا بچہ اس کا بیٹا تھا دل چاہا کہ اسے اٹھا کر چوم لے مگر ایسا کر نہیں سکتا تھا۔

”صفر بھائی عبدالصمد کو اٹھا لیں۔“ منھی چائے لیتا گئی اور اسے بیٹے کو دیکھتا پا کر بولی۔

”ہاں کوڈ میں لو بیٹے کو ہم چل رہے ہیں۔“ وہ امی کی بات پر چونکا۔

”ہم۔“

”ہاں میں نے زیبا کو کہا ہے کہ بہت رہ لیں اب گھر چلو۔“

”مگر میں نہیں جاؤں گی۔“ زیبا عبدالصمد کا فیڈر بنا کر لائی تو ان کی بات کا جواب دیا۔

”ہیں؟“

”نہیں بیٹا بد تمیزی نہیں۔“ حاجرہ نے بیٹی کو سرزنش کی۔

”اماں صفر کے ساتھ جب.....“

”ارے تو میں لینے ہی آیا ہوں۔“ صفر نے جلدی سے بات سنبھالی۔ زیبا حیران رہ گئی منھی کے لبوں پر ذومعنی

مسکراہٹ آ گئی جبکہ وہ حاجرہ بیگم اور جہاں آ راخوش ہو گئیں۔

”مگر میں نہیں جا رہی۔“

”زیبا.....“ حاجرہ بیگم نے کچھ سختی سے پکارا۔

”پھر آ جانا۔“ صفر نے جھنجھلا کر کہا۔

”آپ بتاتے کیوں نہیں؟“ زیبا نے براہ راست صفر کی آنکھوں میں جھانکا۔

”تم بتاتی رہو مجھے جلدی ہے عارض کو ملتا ہے۔“ وہ چائے کا کپ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”ارے یہ کیا ہو رہا ہے۔“ جہاں آ را بگڑیں۔

”اپنی لاڈلی سے پوچھیں جو یہ چاہیں ویسا کر لیجے گا۔ میں واپسی پر لے لوں گا یا ٹیکسی پر چلی جائے گا۔“ وہ اپنی بات

مکمل کر کے نکل آ گیا پلٹ کر نہیں دیکھا۔

☆☆☆

”یا الہی یہ کیسی خلش ہے، کیسی بے تابی ہے میں جس کو دیکھنا نہیں چاہتا وہی میرے قدم متزلزل کرنے پر علا ہے میں

آنجل اگست ۲۰۱۵ء 107



کیسے گرداب میں پھنس گیا ہوں کہ زیبا کی بانہوں کا خمنا آنے لگا ہے۔ وہ آنا نہیں چاہتی اور میں کھلے لفظوں میں اسے منع کرنے لگا ہوں اس کو بے عزت کر کے آسکتا تھا آخر کیوں میں نے دانستہ ٹال مٹول سے کام لیا مجھے گلابی لباس میں

لبوس زیبا پر غصہ کیوں نہیں آیا؟  
 ”کیونکہ تم صفر زائے آپ کو بہلا رہے تھے حقیقت تو یہ ہے کہ تم ان دونوں کو مرس کر رہے تھے عبدالصمد کی مہک تمہیں بستر پر بے چین رکھتی ہے اور تجھے پر سے زیبا کا دھانی آچھل اب تک اٹھایا نہ تھا کیونکہ اس سے گیلے بالوں کی مہک آتی ہے زیبا کی مہک تمہیں رات کی تنہائی میں خود سے لپٹنے پر مجبور کرتی ہے کئی بار تو وہ آچھل تم نے لبوس سے لگایا اس میں چہرہ چھپایا۔“

”نہیں، میں زیبا کے لیے ایسے کیسے سوچ سکتا ہوں؟“ اسٹیرنگ پر زور سے مکا مار کر وہ بولا تو چونکا وہ تو عارض سے ملنے جا رہا تھا پھر سارا راستہ زیبا کی یاد میں کیوں کٹ گیا؟“ گاڑی پورج میں چھوڑ کر اس نے لمبے لمبے سانس بھرے پھر اندھا گیا۔

عارض اسے دیکھ کر دیوانہ وار دوڑا اور لپٹ گیا تقریباً دونوں ہی آبدیدہ ہو گئے طویل مدت کے بعد مل رہے تھے۔  
 ”کیسے ہو میرے یار اور بھابی میرا بھتیجا۔“ عارض نے پوچھا تو اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ حالانکہ وہ خود سارے راستے ان کے بارے میں سوچتا آیا تھا مگر اس وقت پھر دورہ سا پڑ گیا۔

”مجھے نہیں معلوم ٹھیک ہوں گے تم اپنی سناؤ۔“  
 ”میں تمہارے سامنے ہوں مجھے زندہ سمجھو۔“ کچھ عجیب سا کرب تھا اس کی آواز میں صفر نے واضح محسوس کیا۔  
 ”دیکھ رہا ہوں تمہاری وجہ سے دوسرے مرتے ہیں۔“  
 ”یہ ایک دوست کہہ رہا ہے۔“

”ہاں خیر یہ بتاؤ اسے بھی ساتھ لائے ہو۔“ صفر نے طنز کیا۔  
 ”کسے؟“

”اے جس کی وجہ سے شرمین بہن کو چھوڑا۔“  
 ”وہ کوئی نہیں ہے شرمین کو تو خود اس کے لیے چھوڑا۔“  
 ”کوئی نہ ہوتی تو.....؟“ وہ بولتے بولتے رکا۔  
 ”تمہیں کسے یقین دلاؤں؟“

”ضرورت نہیں میں جانتا ہوں مگر تم نے اچھا نہیں کیا۔“  
 ”ہاں شاید مگر بوبی والی کہانی کیا ہے؟“  
 ”کچھ نہیں بوبی سے کل جمعہ کو منگنی تھی مگر شرمین بہن نے میچ کر کے منع کر دیا ہے۔“  
 ”کیا مطلب؟“

”ہاں نہیں فی الحال ملتی کامیج تھا کہیں تم نے تو.....“  
 ”یہ تو تم شرمین سے توقع ہی نہیں رکھ سکتے وہ اب جس کے ساتھ رہے بس خوش رہے۔“  
 ”مطلب تم کو فرق نہیں پڑتا۔“

”فرق پڑتا جی ہو تو کیا فائدہ اب شرمین مجھ پر لعنت ملامت بھیج کر فیصلہ کر چکی ہے مگر مجھے تعجب یہ ہے کہ بوبی کہاں سے آ گیا اور شرمین کی اولین محبت کو کیا ہوا؟“ وہ سخت الجھن کا شکار تھا۔



Butterfly  
BIGSAVER

جنگل کے پتوں پر Gel

LEAK PROOF





”اولین محبت کہیں ہوتی تو تم کیوں آتے اور پھر بوبی کے لیے فیصلہ کیوں ہوتا؟“

”سب غلط ہو گیا شاید۔“

”جس کے خمار میں ہو اس کو دوش دو۔“ صفدر نے پھر اٹیک کیا۔

”صفدر کوئی نہیں ہے۔“

”میں کیسے مان لوں، خیر چلتا ہوں امی اکیلی ہوں گی۔“

”بھابی کہاں ہیں؟“

”جہنم میں۔“

”لاحول ولا..... کیسی فضول باتیں کرتے ہو۔“

”بسا ایسا ہی ہے وہ برائے نام سا تعلق نہ ہونے والا تعلق ہے۔“ صفدر دھیرے سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”اچھا، لیکن کیوں مجھے بھابی سے ملو اور تو ان کا گفٹ بھی ڈیو ہے۔“ وہ بولا۔

”ہنہ..... وہ خود بڑا گفٹ ہیں، چھوڑ دو۔“

”نہیں میں ملنا چاہتا ہوں۔“ وہ بضد ہو گیا۔

”اوا چھا بابا اب اجازت دو۔“

”نہیں گھانا میرے ساتھ کھا کر جاؤ۔“

”طلب نہیں ہے بلکہ آغا جی سے ملاقات بھی ادھار رہی۔“

”یار.....“

”سمجھا کرو اور ہاں اگر دل رضا مند ہو تو شرمین بہن کو فون کر کے تو دیکھو۔“ وہ بالکل چپ ہو گیا صفدر نے بھی آغا جی والی بات کہہ دی تھی جبکہ وہ شرمین کے مزاج اور شخصیت سے واقف تھا اور پھر صبح احمد سے بھی تو وہ مل چکا تھا۔



دو قدم پر خوشیاں ہوں اور پھر لمحے میں فاصلے بڑھ جائیں۔ خوشیاں دور چلی جائیں یہ زینت نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اب ایسا ہو چکا تھا تو آنکھوں سے اشکوں کا سلسلہ جاری تھا بستر سے لگے بوبی کو دیکھ دیکھ کر ان کا دل ہول رہا تھا منگنی کے کپڑے، دیگر سامان سب ان کو منہ چڑا رہے تھے اپنی طبیعت کی خرابی کا مسئلہ بھی بڑھ گیا تھا مگر کس قدر بے بس اور بے اختیار تھیں کہ کچھ کر نہیں سکتی تھیں۔

”بوبی بیٹا یہ تھوڑا سا دودھ پی لو۔“ انہوں نے اس کو سہارا دے کر دودھ کا گلاس اس کے خشک ہونٹوں سے لگایا مگر اس نے منہ موڑ لیا۔

”ماما۔“

”جی ماما کی جان۔“

”ماما، شرمین۔“

”بیٹا شرمین بہت خفا ہے اور فی الحال اسے منانا مشکل ہے آپ کسب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے تھا۔“ انہوں نے کہا تو وہ رو دیا۔

”ماما پلیز۔“

”اب جوان کایوں رونا مناسب نہیں صبر اور حوصلے سے کام لو۔“



”اور سب کیا کہیں گے؟“

”یہ پہلے سوچنا تھا۔ پچھنا چھوڑ دینا تھا زندگی مذاق نہیں ہوتی۔“ وہ بولیں۔

”آپ نے روکا نہیں وہ مجھے مل کر کیوں نہیں گئی؟“

”مرضی اس کی، لیکن آپ کو کس نے بتایا؟“

”بھولی نے بتایا وہ چلی گئی۔“

”بھولی کی باتوں پر دھیان کیوں دیتے ہو اے جلدی تھی اور وہ ناراض بھی بہت ہے وقت لگے گا نارمل ہونے

میں۔“ انہوں نے کہا۔

”ماما میں شرمین کے بغیر مر جاؤں گا۔“

”اللہ نہ کرے۔“ انہوں نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”ماما شرمین ایسا نہیں کر سکتی بتائیں اس نے کیا کہا؟“ وہ مصر ہو گیا۔

”وہ اسلام آباد گئی ہے آئے گی تو بات ہوگی۔“

”کیا، کیا بات ہوگی اور وہ اسلام آباد کیوں گئی؟“ اسے انجانا سا خوف محسوس ہوا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سوچ رہے ہو اس نے کہا ہے کہ واپسی پر یہاں آ کر بات کرے گی۔“

”اچھا اب اٹھو دودھ پیو، شاباش۔“ انہوں نے کہا مگر انہیں معلوم تھا کہ بات بگڑ چکی ہے مشکل سے سنبھلے گی۔

شرمین نے اس قدر شدید رد عمل ظاہر کیا تھا جس کا انہیں تصور بھی نہیں تھا اب شرمین سے ملنے کے بعد وہ ذہنی طور پر تیار

تھیں کہ شرمین شاید بوبی کو اب قبول نہ کرے اگر ایسا ہوگا تو بوبی سچ سچ مرجائے گا۔

”یا اللہ میرے گھر کی خوشیاں لوٹا دے میرے بچے کے دل کو دکھ سے بچالے شرمین کا دل نرم کر دے وہ بوبی کو

معاف کر دے ورنہ سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔“ وہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگیں بوبی نے بمشکل تمام

دودھ ختم کیا اور پھر زینت کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند لیں زینت بڑی دیر تک اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی

رہیں اور اللہ سے اس کی خوشیوں کے لیے دعائیں کرتی رہیں۔

اولاد کی خوشی اور خواہش ماں کے لیے کتنی اہم ہوتی ہے یہ ایک ماں سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے جبکہ بوبی تو ان کی

اکھوتی اولاد بھی بڑی مشکلوں سے تنہا اے پالا تھا اس کی خوشی انہیں ہر چیز سے مقدم تھی۔

.....☆☆☆.....

وہ دل ہی کیا ترے ملنے کی جو دعا نہ کرے

میں تجھ کو بھول کر زندہ رہوں خدا نہ کرے

رہے گا ساتھ ترا پیار زندگی بن کر

یہ اور بات میری زندگی وفا نہ کرے

بجھا دیا ہے نصیبوں نے مرے پیار کا چاند

کوئی دیا مری پلکوں پر اب جلا نہ کرے

بالکنی سے ٹکست خوردہ قدموں سے کمرے میں آ کر بھی کسی طور پر قرار نہا تو بیڈ کی پشت سے ٹپک لگا کر آنکھیں

موند لیں مگر شرمین کا احساس تو پوری طرح تعاقب میں تھا وہ چہم سے سامنے آ گئی تو پٹ سے اس نے آنکھیں کھول

دیں صفدر کے جانے کے بعد سے وہ مسلسل اسی کر بناک کیفیت سے دوچار تھا۔ جس کی خاطر گماں بدگمانی میں بدل



گیا۔ شرمین اس کو چھوڑ کر بولی کے لیے زندگی کا اہم فیصلہ کر رہی ہے۔ صبح احمد سے زیادہ محبوب بولی کیسے ہو گیا یہی دو باتیں اس کے لیے تکلیف دہ تھیں دل پشیمیاں تھا ذہن شرمسار تھا صفدر ادا غامی شرمین کا وار دینے کی بات کرتے ہیں لیکن وہ کس منہ سے ایسا کر سکتا تھا۔ وہ یہ اختیار کھو چکا تھا اب کچھ باقی نہیں رہا تھا صبح احمد تو بعد میں آئے وہ تو معمولی سی بات پر شرمین کا زائش میں ڈال کر چھوڑنے کا رستہ دکھا چکا تھا کاش یہ معمولی سی بھول سرزد نہ ہوئی ہوتی اب جبکہ وہ زندگی بسر کرنے کا ارادہ کر چکی ہے تو سب باتیں بے سود ہیں وہ بہتر سمجھتی ہے کہ زندگی کا شریک سفر کسے بنانا ہے وہ فیصلوں میں خود مختار اور مضبوط قوت ارادی کی مالک ہے اس نے ایک بار بھی نہ آنسو بہا کر وضاحت مانگی نہ رو کر بد دعائیں دیں نہ بے وفائی کا طعنہ دیا اور نہ کوئی شکوہ کیا کس قدر ہمت اور حوصلے سے وہ سب کچھ سہہ گئی تھی اب اس میں تو بات کرنے کا حوصلہ ہی نہیں تھا۔

”نہیں عارض تم یہ اختیار کھو چکے ہو اسے بنا جرم بتائے سزا سنا کر تم اپنی مرضی کر چکے ہو وہ اب کسی کی ہونے جارہی ہے تمہیں ملال نہیں ہونا چاہیے۔“

لیکن..... لیکن کیوں.....؟

کیوں نہ پوچھوں کہ..... صبح احمد کہاں گئے اور ان کی جگہ بولی کیوں؟ میں نے بولی کے لیے تو شرمین کا زائش نہیں کیا تھا میں نے تو اپنی زندگی صرف شرمین کی خوشی کے لیے قربان کی تھی۔“

وہ بے قرار ہو کر سر کے بال مٹھیوں میں جکڑ کر بیٹھ گیا ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا دل نے قوت فراہم کی تو شرمین کا نمبر سرچ کرنے لگا ایک طویل مدت کے بعد نمبر ملاتے ہوئے حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ پھر بڑی جرأت کے ساتھ نمبر ملایا تو فون آف تھا۔

”او گاڈ اس نے سر پٹھا اور پھر صفدر کا نمبر ملایا تیسری نیل پر صفدر نے فون اٹینڈ کیا۔“

”ہاں بولو۔“

”کہاں ہو۔“

”بس گھر پہنچنے ہی والا ہوں۔“

”شرمین کا فون آف ہے۔“ اس نے بتایا۔

”تو پھر ملا لینا اتنی بے تابی کیا ہے؟“

”بس، میں فوری بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”مت گھبراؤ ممکن تو فی الحال ملتوی ہو گئی ہے۔“

”پھر بھی۔“

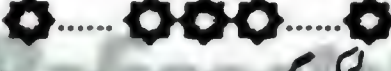
”سکون سے نمبر لٹائی کرتے رہو میں بھی گھر جا کر ملاتا ہوں۔“

”میری سفارش پلیز۔“

”کوشش مگر وعدہ نہیں۔“

”او کے۔“

”او کے۔“ صفدر نے اس کی بے تابی پر مزہ لیتے ہوئے فون بند کر دیا۔



گھر پہنچے ہوئے اسے کافی دیر ہو گئی تھی۔ لیکن گیٹ پر ہی اسے اندر سے عبدالصمد کے رونے کی آواز آئی تو وہ سمجھ گیا



کہ زیبا آگئی ہے مگر اسے یہ سوچنا برا نہ لگا۔ گاڑی اندر لایا تو آواز اور بڑھ گئی عبدالصمد کی آواز میں امی کی تسلی محبت بھری آواز بھی شامل تھی اس کے کمرے کی لائٹس آن تھیں امی کے کمرے سے ہی روشنی آرہی تھی وہ بھی اسی طرف آگیا کمرے میں صرف امی اور عبدالصمد ہی موجود تھے عبدالصمد پوری شدت سے رو رہا تھا اور امی اسے سنبھالنے میں مصروف تھیں ہانپ رہی تھیں اسے دیکھ کر وہ جلدی سے بولیں۔

”صنذر شکر ہے تم آگئے ذرا اسے کندھے سے لگا کر سلاؤ تو۔“

”میں.....!“ اس نے تعجب سے پوچھا۔

”تو اور کیا ماں تو ضد میں گھر بیٹھ گئیں۔“ انہوں نے اچھے خاصے تند لہجے میں جواب دیا۔

”مطلب آپ عبدالصمد کو تنہا لے آئیں۔“ وہ جھلایا۔

”اور کیا کرنی بہت سمجھایا ماں نے بھی بہت ڈانٹا ڈپٹا مگر بھیجی جانے کون کون سی کدورت دل میں رکھے ہوئے تھی صاف انکار کر دیا، بس ایک لفافہ دیا ہے تمہارے لیے وہ اندر میز پر رکھ دیا ہے میں نے۔“ وہ پہلی بار زبیا کی طرف سے خفا تھیں۔

”آپ گئی کیوں تھیں اور اب یقیناً گیا کہ وہ یہاں رہنا ہی نہیں چاہتی۔“ صنذر کو موقع ہاتھ آگیا۔

”بہت ضدی ہے جانے کیا کیا بولتی رہی۔ خیر تم بس میرے بچے کو سلا دو۔“ انہوں نے عبدالصمد کی خاطر کہا۔

”آپ لے کر کیوں آئیں اس کی اولاد ہے وہ سنبھالے میں اسے فارغ کر دوں گا۔“ اسے عبدالصمد کو کندھے سے لگا کر چپ کرانے کی کوشش ناکام لگ رہی تھی اس لیے بہت غصے سے بولا۔

”ایسی بات نہ کرو وقتی غصہ ہے ٹھنڈا ہو جائے گا۔“ جہاں آرانے نرمی اختیار کی۔

”نہیں یہ تو اس کی ڈیمانڈ ہے مگر عبدالصمد سمیت۔“

”باؤ لے ہو گئے ہو، ہم اپنا لخت جگر چھوڑ دیں۔“ وہ تڑپ اٹھیں۔

”فی الحال یہ سوچیں یہ ماں کے بغیر سوئے گا کیسے؟“ وہ عبدالصمد کے مسلسل رونے پر فکر مند ہو کر بولا۔

”فون کرو اسے بیٹے کی آواز سنواؤ۔“

”امی کچھ حاصل نہیں یہ طے ہے کہ اسے جانا تھا اس گھر سے۔“ وہ عبدالصمد کو تھکیاں دیتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا کیونکہ اب کچھ اس کے رونے میں کمی آئی تھی مگر گاہے بگاہے وہ سسکیاں بھر رہا تھا صنذر کا دل بیٹے کے رونے پر کٹ رہا تھا پہلی بار اسے کندھے سے لگائے اپنے اندر کی پوری شفقت محسوس کر رہا تھا زبیا پر غصا رہا تھا اور بیٹے کے لیے محبت کا سمندر تھا انھیں مار رہا تھا اسے تھکیاں دیتے دیتے بلا خرسلانے میں کامیاب ہو گیا تھا اپنے کمرے میں لا کر بیڈ پر لیٹا کر مطمئن ہوا۔



عبدالصمد کو پرسکون سویا دیکھ کر اسے بھی دلی سکون حاصل ہوا واداش روم سے فریش ہو کر کچھ دیر کو محبت پاش لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے بیڈ کے برابر پڑی کرسی پر ٹک گیا ایک دم اچھتی سی نگاہ سینئر ٹیبل پر پڑی تو ٹھٹھکا، بند لفافہ دیکھ کر یاد آیا کہ یہ وہی لفافہ ہے جس کا امی نے کچھ دیر پہلے ذکر کیا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر لفافہ اٹھایا تو وہ کچھ وزنی سا تھا باہر سے ہی محسوس ہو رہا تھا کہ اندر تصویریں ہیں لفافہ چاک کیا تو جیج جیج چار فوٹو اس کے ہاتھ میں آگئیں اس کی اور عارض کی دریائے نیلیم کے کنارے پر لی گئی تصویریں تھیں اسے حیرت سی ہوئی کہ زیبا نے یہ تصویریں کیوں بھیجیں؟ یہ تو کہیں الماری میں پڑی تھیں۔ اس نے الٹ پلٹ کر لفافہ دیکھا تو چونکا ایک جملہ درج تھا۔



”دیکھ لو میرے گناہ گار کو اسے تم نے چھپا کر رکھا تھا۔“  
 اس نے کچھ نہ سمجھا بار بار کوئی تین سے چار مرتبہ یہ جملہ پڑھا پھر تصویریں بھی بار بار دیکھیں۔ کچھ پلے نہ پڑا تو سخت پریشانی کے عالم میں کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ جتنا سوچ رہا تھا اتنا دماغ الجھ رہا تھا۔  
 ”کیا مقصد ہے اس جملے کا ان تصویروں کے ساتھ۔“ وہ بڑبڑایا۔  
 پھر جیسے کسی نے دماغ کو کرنٹ لگا دیا یا پھر اسے الیکٹرک چیر پر بٹھا دیا۔  
 ”یہ..... عارض..... عارض کو کہا ہے۔ کیا، کیا عارض زیبا کا.....؟ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔“ وہ چلا اٹھا عبدالصمد اس کی چیخ پر کسمسایا اور پھر وہ رونے لگا وہ اس کی طرف بڑھا گود میں اٹھایا اور پھر سلانے کی کوشش کرنے لگا۔  
 ”صنذر..... صنذر۔“ جہاں آرا اسے پکارتی ہوئی وہیں آ گئیں۔  
 ”جی امی۔“

”میں سمجھی کہ تم سو گئے عبدالصمد کے رونے کی آواز آئی تو۔“

”نہیں میں جاگ رہا تھا۔“

”لاؤ مجھے دو۔“ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”امی آپ سو جائیں۔“

”واہ، میرا بچہ روئے اور میں سوؤں اور تم بھی کچھ کھا لو پھر سو جاؤ۔“ انہوں نے کہا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“

”تو پھر سو جاؤ صبح دفتر جانا ہے۔“

”جی ابھی سوتا ہوں۔“

”زیبا سے کب بات کرو گے؟“

”کیسی بات؟“

”کل صبح بہت ضروری ہے۔“

”ہاں، کیونکہ بچہ ماں سے جدا نہیں کر سکتے۔“

”امی سب الٹ پلٹ ہو گیا ہے اب۔“ وہ بولا اور تصویریں لفافے میں واپس رکھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

”بیٹا اس کے لیے فیڈر بننا کے لاتی ہوں۔“

”آپ بیٹھیں میں لاتا ہوں۔“ وہ اٹھا۔

”تم ٹھیک تو ہوتا۔“ انہیں اس کا کھویا کھویا انداز بہت عجیب سا لگا۔

”جی بس ویسے ہی۔“

”پھر بھی۔“

”آپ نے بات ماننی ہی نہیں، گھر بدلنے کے حوالے سے سوچ رہا تھا۔“ وہ چلا گیا تو جہاں آرا دکھی سی ہو گئی انہیں پوری شدت سے احساس ہوا کہ صنذر کو سکھ اور خوشی ملنی چاہیے گھر بدلنے میں اس کی مجبوری اور خوشی ہے تو ٹھیک ہے ویسے بھی زیبا نے ان کی نظر میں صنذر کے لیے احساس محبت بڑھا دیا تھا۔



ساری رات جس طرح تڑپ تڑپ کر اس نے عبدالصمد کو یاد کیا تھا اس کی جدائی میں آفسو بہائے تھے یہ وہی جانتی



تھی اماں نے تو خوب چلی کٹی سنائی تھیں منہمی نے کسی حد تک اس کی بات سے اتفاق کیا تھا وہ پہلے یہی کہتی رہی کہ اسے ساتھ جانا چاہیے تھا مگر جب تصویریں بیک کی اندرونی جیب سے نکلیں تو پھر منہمی کے نزدیک اس کی جیت بیٹنی تھی۔ اسے امید تھی کہ اب جبکہ زیبا کا مجرم سامنے آ گیا تھا تو کوئی غنجائش نہیں رہی تھی کہ اب صفدر اسے معاف نہ کرے مگر اسے زیبا کی حیرت پر خود بھی حد درجہ حیرت تھی کہ صفدر کے ساتھ اس کی تصویر کیوں، مگر اس بات پر سوچتے سوچتے صبح ہو گئی تھی۔

وہ دونوں فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی منہمی نے چونک کر زیبا کو دیکھا اور آنکھوں، آنکھوں میں اشارہ کر کے خود کچن کا رخ کیا اور زیبا کو دروازے تک آنا پڑا اس کا اور منہمی کا اندازہ بالکل درست تھا۔ عبدالصمد کے بنا تھا وہ خونخوار نگاہوں کے ساتھ گھورتا ہوا اسے پرے دھکیل کر اندر آ یا دروازہ بند کیا تو اس نے پہلی بار خوب چسکا لیتے ہوئے کہا۔

”مجھے اندازہ تھا کہ آپ رات مشکل سے گزاریں گے۔“

”یہ کیا نیا تماشا لگایا ہے؟“ اس نے اپنے ہاتھ سے اس کو ایسے گھمایا کہ اس کا تن نازک پورا چکرا گیا۔

”تماشہ نہیں آپ کو آئینہ دکھایا ہے منصف کی چھتری تلے میرا مجرم پناہ لیے ہوئے تھا اور میں رات دن کند چھری سے ذبح ہوتی رہی۔“ وہ بڑے تن تنے کے ساتھ بولی وہ کچھ سمجھ نہ پایا۔

”تصویریں میری ہیں اور میرے سب سے پیارے دوست کے ساتھ تمہارا مقصد کیا ہے؟ بولو جواب دو۔“ اس نے ایک بار پھر اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

”اندر چل کر بات کریں باہر لوگ سنیں گے۔“ اس کی آنکھوں سے غم و غصے کی چٹکاریاں اڑتی دیکھ کر وہ سہم گئی۔

”پردہ نہیں تمہاری اتنی جرأت کہ تم میرے جگر کو اپنا گناہ گار کہو ہماری فوٹو اٹھا کر اتنا گھناؤنا الزام وہ بھی میرے دوست پر لگاؤ۔“ وہ دیوار سے لگ گئی اور وہ اس پر جھک کر کف اڑانے لگا۔

”صفدر یہ تصویریں آپ کے بیک کی جیب میں تھیں اور آپ اپنے جگری دوست کے گناہ کو کیا جانیں؟“

”میں اس کے گناہ اور جواب کو بخوبی جانتا ہوں تمہیں تو یہ بتانا ہے کہ اتنا گھٹیا الزام لگانے کی کوشش کیوں کی کیا بکاڑا ہے عارض نے تمہارا؟“ وہ چبا چبا کر بولا۔

”میں نہیں جانتی مگر آپ کا یہ دوست میرے اصل گناہ گار کا شریک ہے یہ سچ ہے صفدر اسی لیے میں نے عبدالصمد کو تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ تمہاری اپنا دوست سے نفرت میں وہ کمی کرنے کا سبب بنے۔“

”گویا یہ تمہاری بکواس سچ ہے میں اسے تمہارے سامنے لا کھڑا کروں گا۔ لیکن یاد رکھنا میں تمہارا قتل کروں گا۔“ وہ بولا۔

”صفدر اور اگر تمہارا دوست ہی مجرم نکلا تو اس کے ساتھ کیا کرو گے؟“ اس نے روبرو کر پوچھا۔

”شٹ اپ وہ تمہارے عاشق کی طرح گھٹیا نہیں۔“ وہ جذباتی ہو کر اس زور سے چیخا کہ اس نے کانوں پر ہتھیلیاں رکھ لیں۔

”اور یہ بہت گھٹیا طریقہ ہے میرے گھر میں رہنے کا۔“

”مجھے کوئی شوق نہیں آپ کی نظروں میں اصل مجرم آ جائیں اور بس عبدالصمد کو تو میں نے چند دن کے لیے بھیجا ہے۔“ وہ یہ کہہ کر اندر بڑھ گئی اور وہ سر تاپا گویا اس کا مقروض ہو گیا من من بھاری قدم اٹھانے مشکل ہو گئے۔





کبھی کبھی آگ لگانے کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ ماچس کی تیلی رکڑی جائے انسان کے اندر آگ کا لاؤ خود بخود جلتا ہے اور سرتاپا اسے بھسم کر دیتا ہے اچانک اور غیر متوقع دہکنے والی بھٹی کی صورت جب نہ جلنے کا سبب معلوم ہوتا ہے اور نہ بھڑک اٹھنے پر کوئی کنٹرول باقی رہتا ہے۔ اس وقت وہ بھی بنا ماچس، بنا تیل کے جل رہا تھا بدن سے اٹھنے والے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ یہ اچانک کیا سے کیا ہو گیا تھا شہر سے دس کلومیٹر دور ویران جگہ پر گاڑی میں بیٹھا جل رہا تھا زیبانے عزیز دوست کے بارے میں اگر کہانی گھڑی تو سزا سنگین ہوگی اور اگر عارض کچ کچ اس میں ملوث نکلاتو..... تو کیا کرو گے صفدر.....“

”نہیں، عارض ایسا نہیں کر سکتا یہ زیبا کی چال ہے میرے گھر میں رہنے کا ایک گناؤنا منصوبہ تاکہ میرا سر جھکا سکے میں اسے معاف کر دوں دوست کی خاطر ضبط کر جاؤں، لیکن یہ ممکن نہیں۔ زیبا تمہارا گناہ گارا اگر عارض بھی نکلاتب بھی تم یہ کیسے سوچ سکتی ہو اور عارض کو تو کبھی معاف نہیں کر سکتا عبدالصمد کے لیے ایسی خطا درگزر کرنے کا مجھ میں حوصلہ نہیں۔“

”اے خدا یہ کیسا کڑا امتحان پڑا ہے ایک طرف بیوی کا الزام اور دوسری طرف عزیز از جان دوست وہ کیسے اور کیونکر گناہ میں شریک بن گیا، میں کیسے پوچھوں اس سے کیا کہہ کر مجرم قرار دوں۔“ سوچ سوچ کر سر درد سے پھٹنے کے قریب تھا مگر کوئی سراہا تھا نہیں آ رہا تھا ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا مگر اسے دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں گھر میں امی پریشان ہو رہی ہوں گی یا پھر عبدالصمد رو کر ہلکان ہو رہا ہوگا اسے ان دونوں باتوں کا ہوش نہیں تھا وہ تو درد دل کا علاج چاہتا تھا زیبانے غم دغصے کی جو بھٹی جلائی تھی وہ تو اسے بجھانا چاہتا تھا مگر کیسے؟

کس قدر حیران کن انکشاف تھا کتنا غیر متوقع حملہ تھا کچ تھا یا جھوٹ یہ فیصلہ ہونا دشوار تھا اب جبکہ عارض طویل عرصے کے بعد لوٹا تھا اس نے تو بھائی، بھابی کی رٹ لگا رکھی تھی اس سے یہ پوچھنا آسان نہیں تھا بچپن کا دوست گنوانے کا احتمال پیش نظر تھا۔ دوستی دشمنی میں بدلنے کا خوف تھا زیبانے کیا ہے اسے کیا فرق پڑتا؟“ وہ پھر یہ سوچ کر اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن چبانے لگا۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کے اندر کڑواہٹ بڑھتی جا رہی تھی زیبانے ایک ایک جملہ برچھی بن کر سینے میں پیوست ہو رہا تھا کس قدر طنز اور غصہ تھا اس کی آنکھوں میں کئی سالوں سے جو بیک اس نے نہ استعمال کیا اور نہ کبھی ان تصویروں پر اس کی توجہ گئی تھی وہ زیبانے کی سچائی کا ذریعہ بن گئیں۔

”ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا“ زیبانے تمہاری بات پر اعتبار کر کے اپنے دوست پر شک نہیں کر سکتا تم جھوٹی ہو دھوکہ باز ہو۔“ وہ زیبانے کو مخاطب کر کے چلایا مگر وہاں تو دور دور کوئی نہیں تھا۔

”میں کیا کروں کیسے اس جہنم سے نکلوں؟“ وہ پھر چلایا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

”صفدر میاں پوچھنا تو بڑے گا عارض سے کسی ترکیب کے ساتھ کسی بہانے سے عارض اب تک زیبانے سے نہیں ملا اسے زیبانے سے ملا دینا چاہیے اگر وہ اس کا مجرم ہے تو فوراً بولے گا کچ جھوٹ سا منٹا جائے گا یہی بہتر ہے کہ کسی بھی طرح عارض زیبانے کو دیکھ لے، کیوں نہ کوئی تصویر دکھا دی جائے؟“ اس نے کافی جدوجہد کے بعد کچھ نہ کچھ نتیجہ نکال لیا کوئی حل ڈھونڈ لیا، وہ مزید کچھ اور سوچتا کہ آفس کے نمبر سے کال آنے لگی وہ ہوش و حواس کی دنیا میں آیا تاں کم بہت ہو گیا تھا شاید اسی لیے آفس سے فون آ رہا تھا اس نے گاڑی اشارت کی اور واپسی کے لیے موڑ دی۔



آغا جی فیکٹری جا چکے تھے۔

عارض شب بھر مضطرب اور بے قرار اختر شماری کرنے کے بعد صبح کے قریب سویا تھا آغا جی نے دانستہ سونے دیا



## غزل

تارے اترے آسمان سے جب پھیلا یا دامن کو  
عید کے چاند میں ہم نے دیکھا ساجن کو  
مہندی چوڑی اور تمہارا ساتھ ساجن کو  
اس سے بڑھ کر کیا اک دیوانی کو  
پیلے جوڑے اور گلابی آنچل نے  
حکمت پیارے رنگ دیے ہیں ساون کو  
چاند کو دیکھا پھر حکمت سامنے آئے تھے  
عید کی خوشیاں بھر گئیں میرے دامن کو  
چاند رات کی مہندی مجھ سے کہتی ہے  
تم بھی اک پیغام لکھو ناں ساجن کو  
نغمہ بانو

اکیلے ہی ناشتہ کر کے چلے گئے تھے ان کے ملازم خاص اسلم نے صفدر کو بتایا کہ چھوٹے صاحب سوئے ہوئے ہیں میں  
جگا دوں تب اس نے منع کر کے خود اس کے کمرے کا رخ کیا کمرے میں گہرا اندھیرا تھا اس نے پردے سرکائے تو صبح  
کی روشنی نے کمرہ روشن کر دیا۔

”عارض۔“ صفدر نے اس کو پکارا۔

”اوں ہنہہ تم خیر..... خیریت۔“ نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ کر وہ متعجب سا ہو کر بولا۔

”خیر ہے اب تک سو رہے ہو۔“

”بس رات بھر جاگتا رہا۔“

”کیوں؟“

”شرمین کی یادوں نے سونے نہیں دیا یہاں آ کر تو وہ خود کو بھولنے نہیں دے رہی۔“ وہ اٹھ بیٹھا۔

”دو چیزیں بھولتی نہیں ہیں ایک گناہ اور ایک سزا۔“ صفدر نے کچھ ذمہ داری سے سنا کر اختیار کیا مگر وہ سمجھا نہیں۔

”ٹھیک کہتے ہو شرمین فون کا کتنی رہی پھر اس نے فون بند کر دیا یہ سزا ہی تو ہے میرا خیال ہے مجھے اس سے رابطہ نہیں

کرنا چاہیے۔“ عارض رنجیدہ خاطر سا بولا۔

”نہیں امید تو رکھنی چاہیے ایک شرمین سے ہی تو تم نے محبت کی یا پھر نیو یارک میں وہ لڑکی جس کی خاطر شرمین کو

مسترد کر دیا۔“

”ایسا کچھ نہیں ہے یا شرمین کا معاملہ بالکل خالص کھرا ہے۔“

”اور جو بے شمار ایمانیاں کیں وہ.....“

”اللہ معاف کرے مگر لڑکیوں کی مرضی کے بغیر میں نے فکر نہیں کیے۔“ وہ سادگی سے کہہ گیا۔

”خیر..... یہ دیکھو۔“ صفدر نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

”آں ہاں بھابی اور تم واہ ماشاء اللہ۔“ تصویر دیکھ کر اس نے انتہائی مسرت اور خوشی کے ساتھ کہا صفدر اس کے

چہرے پر حیرت خوف کے آثار ڈھونڈتا رہا مگر ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا۔

117 اگست ۲۰۱۵ آنچل



”یو آر گلی بھابی، شاہ اللہ بہت خوب صورت ہیں کسی روز لاؤ ان کی منہ دکھائی بھی ادھار ہے۔“ تصویر اسے دیکھ کر تے ہوئے عارضہ روانی میں بولا چلا گیا صندور در طہ حیرت میں ذبکیاں کھاتا رہا۔ خود سے کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

”زیانے تمہیں دیکھا ہوا ہے شادی سے پہلے بتا دی تھی۔“ اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔

”ہو سکتا ہے مگر کہاں مجھے تو یاد نہیں پڑتا۔“

”خیر نہ جاتے تو بتا دیتا۔“

”ہاں، شہ کر رہی۔“

”نہیں، میں چلتا ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”تیار نہیں خیریت سے اس وقت آئے۔“

”بس کچھ کیتھوڑن ہے۔“

”تیار کیا؟“

”جب پتا چل جائے گا تو بتاؤں گا۔“

”لو کے ٹک کیئر۔“ عارضہ نے کہا تو وہ الجھا الجھا سا باہر نکل آیا چاہتے ہوئے بھی وہ عارضہ سے کچھ نہیں پوچھ سکا کیونکہ اسے یہ یقین ہی نہیں آیا تھا۔



زیانے ایسی ذہنی الجھن دی تھی کہ نہ وہ آفس میں ٹھیک سے کام کر سکا اور نہ گھر آ کر کسی طور دل بہل سکا۔ عبدالصمد تو بڑے سکون سے دادی کے کمرے میں سو یا ہوا تھا مگر وہ بے کل سا باہر برآمدے میں تخت پر کروٹیں لے رہا تھا جہاں آرائے اتنا متفکر اور بے چین اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اب دیکھ کر دکھی ہو رہی تھیں انہیں زیبا پر سخت غصا رہا تھا کہ چھوٹے سے معصوم بچے کو چھوڑ کر وہ کیسے سکون سے رہ رہی ہے اور صندور ٹھیک کہتا ہے کہ اس کی موہنی صورت پر نہ جاؤ اندر سے وہ اس گھر میں رہنے پر راضی ہی نہیں۔

”اگر وہ رہنا نہیں چاہتی تو دو ٹوک بات کرو اور فارغ کرو۔“ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے کہا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

”فارغ ہی سمجھیں۔“

”اسے بالشت بھرا پنے بچے کا احساس نہیں ہوا اکیلی عیش کرنا چاہتی ہے۔“ وہ کافی برہم تھیں وہ بھی پہلی بار۔

”تو کرنے دیں عبدالصمد کو وہاں بھیج دیں۔“

”ہیں پاگل ہوئے ہو میں عبدالصمد کو کیسے بھیج دوں؟“

”جب اسے چھوڑنا ہے تو پھر اس کی اولاد ہم کیوں رکھیں۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہو؟ اسے بچہ تو ہمارا ہے۔“ وہ بھڑک اٹھیں۔

”آپ کو کچھ نہیں معلوم میں کس عذاب سے دوچار ہوں؟“ وہ بڑبڑایا۔

”تو بتاؤ میں تمہاری ماں ہوں۔“ انہوں نے سن لیا۔

”کچھ سننے اور بتانے سے حاصل نہیں ایک جھلسا دینے والی آگ ہے جس میں جل رہا ہوں۔“

”صندور میرے لعل اپنی ماں کو بتاؤ۔“ وہ تڑپ اٹھیں۔

www.Paksociety.com



کبھی تھک کے سو گئے ہم کبھی غزل  
 کبھی ہنس کے غم چھپایا کبھی غم چھپا کے روئے  
 تیری داستاں حسرت سنا سنا کے روئے  
 شب غم کی آبِ جتی جو سنائی انجمن میں  
 کوئی سن کے مسکرائے کوئی مسکرا کے روئے  
 میرے پاس سے گزرے میرا حال تک نہ پوچھا  
 میں کیسے مان جاؤں کہ مجھے یاد کر کے روئے  
 میرے سامنے کر دیئے میری تصویر کے کھڑے  
 میں کیسے مان جاؤں کہ میرے پیچھے جوڑ کے روئے  
 میں ہوں بے نام مسافر میرا نام ہے بے وفا  
 میرا کوئی نہیں اپنا جو مجھے گلے لگا کے روئے  
 جو طے راستے میں تو کہتا ضرور اس کو  
 میں ہوں اکیلا میرے پاس آ کے روئے

ایس ایم بھٹی..... جڑانوالہ

”کیا..... کیا بتاؤں، کوئی ایک بات نہیں۔“

”زیبا سے میں جا کر بات کرتی ہوں۔“

”اس نے جو کہنا تھا کہہ لیا آپ چھوڑیں اسے۔“

”ایسے کیسے چھوڑ دیں؟“

”مجھے سلجھانے دیں یہ مسئلہ میں سلجھا کر ہی دم لوں گا۔“

”میں کس قدر معصوم اور بھولی سمجھتی تھی مگر اس نے تو ماتھے پر آنکھیں رکھ کر عبدالعزیز میری گود میں ڈالا اور کہہ دیا کہ

میں اب اس گھر میں نہیں جاؤں گی۔“

”ٹھیک کہا اس نے مجھے بھی وہ اس گھر میں نہیں چاہیے۔“

”یا خدا! سمجھداری سے کام لو۔“

”سمجھداری سے ہی تو کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”اس سے ملو۔“

”ہاں، ملوں گا۔“

”اور خود کو ہلکان نہ کرو۔“

”آپ کو کیا پتا کہ میں کس درد میں مبتلا ہوں؟“

”ماں صدقے میرے بچے اللہ سب ٹھیک کرے گا۔“

”جو غلط لکھا وہ میری جان جلا رہا ہے۔“

”کیا..... کیا غلط؟“



اس نے گفتگو کا موضوع بدلا۔

”جیسا تم چاہو۔“

”میرا تو دل چاہتا ہے یہاں سے دور بھاگ جاؤں۔“

”ہم نے گھر میں شفٹ ہوں گے ڈھیروں خوشیوں کے ساتھ۔“ وہ اسے خوش کرنے کے لیے مسکرا کر بولیں تو وہ

دکھی سی ہنسی ہنس دیا۔

”تو پھر کل سے شفٹنگ کا کام شروع ہو جائے گا۔“

”پہلے زیبا سے تو بات کر لو، عبدالصمد ماں کے بنائے کل ہے۔“

”اسے بھیج دیں بلکہ میں ابھی چھوڑ آتا ہوں۔“ وہ بولا تو جہاں آرا آب دیدہ ہو گئیں۔



اسلام آباد میں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔

”ٹھنڈی ہوا کے باعث جس کا موسم نہیں تھا وہ اپنی زندگی میں تیسری بار اسلام آباد آئی تھی۔ شالیمار ہاسٹل کے مین

گیٹ کے باہر ٹیکسی سے اتر کر بلڈنگ کا جائزہ لیا کانی بڑا اور خوب صورت ہاسٹل تھا سبز دھلے اور نکھرے درختوں میں

گھری عمارت کی راہ داری سے گزر کر ایڈمن بلاک میں پہنچ کر اس نے وہاں موجود ایک صاحب سے ہاسٹل کی اتھارٹی

کے بارے میں پوچھا وقت براے نماز کے باعث آفس خالی تھا وہ ایڈمن بلاک کے ایک دفتر میں بیٹھ گئی۔ بیک کی جیب

سے صبح احمد کا خط نکالا اور پھر ایک بار اسے لفظ لفظ حرف حرف پڑھا پورا خط گویا ننھے اذان کا چہرہ بن گیا اس نے دیکھا

نہیں تھا پھر بھی وہ جانے کیسے اپنے دل کی آنکھوں سے اس کے نقش و نگار بنا کر دیکھنے لگی۔

”آخا! صبح احمد میں نے تو تمہیں معاف کر کے بھلا دیا تھا مگر تم نے اپنی سزا جاری رکھنے کے لیے یہ ذمہ داری مجھے

سونپ کر اپنے حق میں برا کیا کیسے چکا پاؤ گے اپنا حسن سلوک اور میرے احسان کا بدلہ اللہ کے دربار میں تمہارا دھوکا خود

غرضی پیش ہوں گے کیا صفائی دو گے کہ کیسے میری زندگی برباد کی اور پھر یہ اتنی بڑی ذمہ داری جو مجھے دی ہے اس کے

صلے میں کیسے قرض چکاؤ گے؟ میری زندگی کا نئے سرے سے امتحان لینے کیوں پھر سے چلے آئے کیسے نبھاپاؤں گی میں

میری محبت کا دہرا بوجھ کیسے اٹھاپاؤ گے تم نے محبت کا مذاق کیا تھا محبت کو ریت پر لکھا تھا یا پانی پر مگر میرے دامن میں

صرف حسرتیں ڈال کر تم بے گانے بن گئے تھے کبھی سوچا بھی نہیں کہ میں نے تم سے کجی محبت کی تھی اس کا صلہ کیا ہونا

چاہیے، میں نے تو اپنی محبت کا حق ادا کیا ہے صبح احمد تا کہ روز محشر سرخرو ہو سکوں افسوس تو یہ ہے کہ تم میرے سامنے سر نہیں

اٹھاپاؤ گے میں اذان کی انگلی تھام کر تمہارے رو برقاؤں گی۔“ وہ سوچ رہی تھی کہ کسی نے کہا۔

”آپ کو کس سے ملنا ہے؟“ اور وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)







حضرت حمیم ضیاء  
عسکری احسان  
ستاروں کی



وہ روز ہوتا گیا پاس میرے  
لیکن پھر بھی دوری ذرا سی تھی  
محبت بانٹ دی اس نے زمانے میں لیکن  
جو میرے حصے میں آئی وہ محبت ذرا سی تھی

ممکن نہ تھا۔

بچپن سے لے کر آج تک افرحہ نے نازش کی زبانی اپنے دوھیال کی صرف اور صرف برائیاں ہی سنی تھیں۔ دقیا نویسی بیک ورڈ جاہل لوگ اور اس کے ساتھ سسرال والوں کا ظالمانہ سلوک جیسے کہ افرحہ راموں اور مودیز میں دیکھا کرتی تھی۔ اس لیے افرحہ کو اپنے دوھیال سے شدید نفرت تھی ذرہ برابر بھی وہ لگاؤ نہ تھا جو عموماً خونی رشتوں میں ہوتا ہے اس نے تو کبھی دادو پھوپھو تائی کی فوٹو تک نہ دیکھی تھی اور نہ ہی دیکھنے کی خواہش تھی تو اب بھلا اچانک سے وہ وہاں کیسے چلی جاتی وہ بھی اکیلی رہنے کے لیے عید کے موقع پر اور سب سے بڑی بات کہ گاؤں دیہات کا ماحول اور پھر عید پر اپنے فرینڈز کے بغیر کیسے مزا آتا اسے تو عادت تھی عید پر فرینڈز کے ساتھ مل کر خوب اڈھم بازی کرنے شاپنگ اور چاند رات کو بازاروں میں گھومنے کی بھلا یہ سب وہاں کہاں ہوتا۔ اس لیے اسے جب سے معلوم ہوا تھا اس پر شدید قسم کی جھنجھلاہٹ سوار تھی ماما کے اصرار پر اسے بادل نخواستہ جانے کی تیاری کرنی پڑی کیونکہ ماما کی بات پاپا نے کبھی بھی نہ ٹالی تھی وہ تو پھر اولادھی۔



صغیر احمد بصیر احمد اور نویدہ تینوں بہن بھائی حلیمہ بیگم کے ساتھ بڑے سے حویلی نما مکان میں رہتے تھے۔ مختار احمد کا انتقال ہو چکا تھا یہ لوگ پنجاب کے دیہی علاقے میں رہتے تھے جو مختار احمد کے آباؤ اجداد کی زمینیں تھیں

”وہاٹ۔۔۔؟ نو مہا یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ پاپا سے کہہ دیں مجھے کہیں نہیں جانا آپ لوگوں کو جانا ہے تو چلے جائیں مگر میں۔۔۔ میں وہاں جا کر اپنی عید خراب نہیں کر سکتی۔“ افرحہ نازش کی بات پر بڑی طرح جھنجھلا کر حتیٰ انداز میں بولی۔

”کیا۔۔۔ پاگل ہو گئی ہو تم میں وہاں جاؤں گی مائی فٹ۔ جہاں سے میں بے عزت کر کے نکالی گئی اور تمہارے پاپا کی ہمت بھی نہیں کہ مجھے جانے کے لیے کہیں۔“ نازش کے لہجے میں حقارت تھی۔

”کچھ بھی ہو ماما! مجھے نہیں جانا اچانک سے اتنی محبت جاگ گئی ہماری دادی محترمہ کے دل میں۔“ اس بار افرحہ کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

”اگرے بیٹا! تمہاری دادی کی طبیعت خراب ہے اور شاید بس نکلنے والی ہیں۔“ نازش نے مسخکھ انداز اپنایا۔

”بس دو چار دنوں کی بات ہے اور تمہیں تو کم از کم ان کی دولت میں سے کچھ نہ کچھ ملنا چاہیے۔“

”افوہ ماما۔۔۔؟“ افرحہ جھنجھلا گئی۔ ”کچھ نہیں چاہیے مجھے ہمارے پاس کمی ہے کیا؟“ وہ بدستور انکار کیے جا رہی تھی۔

”اگرے بے بی! چلو تم ایک دو دن میں ہی بیماری کا بہانہ کر کے لوٹ آنا تمہارے پاپا نے بیس سال میں پہلی بار ایسی بات کی ہے اور بقول ان کے دادی تم سے ملنا تم کو دیکھنا چاہتی ہیں اس لیے تم چلی جاؤ۔“ نازش کے اصرار پر افرحہ بس منہ نہ کر رہی ماما کی بات ٹالنا بھی اس کے لیے



یہاں پر ان کے کھیت تھے زمینیں تھیں آم، سنگترے اور چیکو کے باغات تھے اس کے علاوہ بنریاں بھی اُگائی جاتی تھیں، اچھا خاصا متمول گھرانہ تھا۔ اس کے باوجود مختار احمد اور حلیمہ بیگم انتہائی سادہ مزاج، پر خلوص اور رحم دل تھے۔ ہاری کسانوں کے ساتھ گاؤں کے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ ہمدردانہ رویہ رکھتے ان کا خاص خیال رکھتے۔ گاؤں کے لوگ بھی ان لوگوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ حلیمہ بیگم گو کہ ان پڑھ خاتون تھیں مگر سمجھ دار اور دینی معاملات میں کافی معلومات رکھتی تھیں۔ ان کے ہاں شادیاں خاندان میں ہی کی جاتی تھیں اس لیے حلیمہ بیگم نے صغیر احمد کے لیے اپنے سسرال میں رقیہ بیگم کو دلہن بنا کر لانے کا سوچا تھا جب کہ نویدہ اور بصیر احمد کا رشتہ اپنے بھائی کے گھروں سے ملے کر رکھا تھا یہ رشتے بچپن سے ملے تھے۔ صغیر احمد نے تو میٹرک تک پڑھائی کی پھر اپنی زمینیں اور کھیتوں کا کام سنبھال لیا تھا مگر بصیر احمد کو پڑھنے کا شوق تھا اس لیے وہ میٹرک کرنے کے بعد شہر کے کالج میں ایڈمیشن لے کر ہوٹل میں رہنے لگے جب کہ نویدہ نے گاؤں کے اسکول سے بس آٹھویں تک تعلیم حاصل کی پھر امور خانہ داری میں مصروف ہو گئی۔ کھانا پکانا، سلائی کڑھائی، ان تمام کاموں میں پرفیکٹ تھی اس کو اپنا ماموں زادوفاضل بچپن سے ہی پسند تھا۔ فاضل کی بہن پشمہ تھی جو بصیر احمد کی سنگیتر تھی۔

”ارے نہیں اماں جی! ابھی تو میں نے اور پڑھنا ہے یہاں آ کر اپنے گاؤں کے لیے کام کرنا ہے یہاں کے رہنے والوں کے لیے سہولتیں نکالنی ہیں مجھے۔“ بصیر احمد جلدی سے بولے۔

”پھر میری اور گڑیا کی شادی بھی ہو جائے گی خوب دھوم دھام سے۔“ بصیر احمد نے قریب بیٹھی نویدہ کا سر پیار سے ہلاتے ہوئے کہا تو نویدہ شرما گئی۔ حلیمہ بیگم نہ رلب مسکرا دیں۔

”مگر بیٹا! تیرے ماموں شادی کا کہہ رہے تھے۔“ حلیمہ بیگم نے کہا۔

”اماں! ابھی ہماری نویدہ سولہ سال کی ہوئی ہے بس دو تین سال کی بات ہے اور پشمہ بھی تو صرف پندرہ سال کی ہے۔“ رقیہ بیگم نے بات میں حصہ لیتے ہوئے دیور کی حمایت میں کہا۔

”چلو جیسے تم لوگوں کی مرضی۔“ حلیمہ بیگم نے سر ہلا کر کہا۔ ”بس میری دونوں بہوئیں ایک ساتھ رہیں میری دھی اپنی گھر کی ہو جائے تو مجھے سکون نصیب ہو اور تمہارے بابا کا ارمان بھی پورا ہو جائے۔“ شوہر کا ذکر کرتے ہوئے حلیمہ بیگم آبدیدہ ہو گئیں۔

”ارے اماں سب ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔“ بصیر احمد نے اماں کو کاندھوں سے تھام کر سلی دی۔

یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو رہے تھے خاصی گہما گہمی اور افراتفری کا عالم تھا آج فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ تھی۔ بصیر احمد اپنے دوست ابتسام کے ساتھ بیٹھے تھے کہ سامنے سے آتی ہوئی حواس باختہ لڑکی کو دیکھا وہ خاصی پریشان تھی۔

”میکسیکوزی! آپ لوگوں کو یہاں کوئی فارم تو نہیں ملا؟“ لڑکی نے قریب آ کر پوچھا اس کی خوب صورت موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

”ہاں نہیں“ قائل کے اندر سے میرا فارم کہاں گر گیا۔“

”اوہ.....“ بصیر احمد نے پریشانی کا اظہار کیا انہیں

صغیر احمد کی شادی ہو گئی رقیہ بیگم بھی اچھی خاتون تھیں دل سے ساس، نند کا احترام کرتی تھیں۔ بصیر احمد امتحانات سے فارغ ہو کر گھر آئے تو حلیمہ بیگم نے گلے لگاتے ہوئے انہیں غور سے دیکھا۔

”ہائے میرا لہتر! کتنا کمزور ہو گیا ہے یہ پڑھائی نے تو تیرا خون نچوڑ کے رکھ دیا سارا اور اوپر سے شہر میں کوئی خاص کھانا بھی تو نہیں ملتا ناں سارا لٹا سیدھا اور بد مزہ کھانا کھا کر کیسا پیلا ہو گیا ہے۔“ بس 14 پڑھ لی ناں..... اب نہیں جانے دوں گی تجھے۔“ حلیمہ بیگم نے فیصلہ سنایا۔







نازش کی موجودگی انہیں حال میں واپس لے آئی۔ اکثر شامیں بھی دونوں کی ساتھ ساتھ گزرنے لگیں۔ ان دونوں کا آپس میں اس طرح فریٹک ہونا ابتسام کو اچھا نہیں لگتا تھا کیونکہ اس کو بصیر احمد اور اس کی فیملی کے بارے میں سب کچھ علم تھا۔ ایک دو بار اس نے بصیر احمد کو سمجھانے کی بھی کوشش کی کہ نازش ایک بے باک لڑکی ہے ایسا نہ ہو کہ آگے کوئی پرابلم کھڑی ہو جائے اور تمہارے اور تمہاری فیملی کے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں۔

”ارے یار اٹو تو پاگل ہے اگر ہم ساتھ کھو میں پھر میں اس کے گھر چلا جاؤں یا ہم لنچ ڈنر یا شاپنگ ساتھ کر لیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم شادی بھی کر لیں۔“

ابتسام کی بات پر بصیر احمد کو غصہ آ گیا تھا۔

”نہیں یار میرا یہ مطلب نہیں ہے بس میں تو تجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔“ ابتسام نے دھیمے لہجے میں وضاحت دی۔

دن گزرتے رہے اس دوران صغیر احمد کے یہاں راقب پیدا ہوا۔ بصیر احمد کو پتا چلا تو جھٹ سے چھٹی لے کر بھاگا بھاگا گھر آ گیا۔ ننھے راقب کو دیکھ کر بہت خوش تھا۔ اماں نے خوب خوشیاں منائیں پوتے کی آمد پر بہت خوش تھیں۔ نویدہ بھی بہت خوشی خوشی مٹھائیاں بانٹ رہی تھی۔ اماں نے اسے کہہ دیا تھا کہ جلدی سے پیپر دے کر آ جائے تو پھر وہ اس کی اور نویدہ کی شادی کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں۔ شادی کے نام پر ہمیشہ کی طرح بصیر احمد کی نگاہوں میں پشمہ کا شرمایا چہرہ نہ آیا بلکہ اچانک سے نازش کا خیال آ گیا کیوں کہ نازش ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھی اور اس کے ساتھ ہم قدم ہو کر چل بھی سکتی تھی۔ پہننے اوڑھنے کھانے پینے اور زندگی گزارنے کے جدید طریقوں سے آشنا تھی۔ بصیر احمد واپس شہر چلا آیا بس پڑھائی کے آخری مراحل چل رہے تھے۔

نازش دو دن سے یونیورسٹی نہیں آ رہی تھی دو دن بعد آئی تو خاصی چپ چاپ تھی۔

”کیا ہوا..... گھر میں سب خیریت ہے ناں؟“ بصیر

احمد نے اس کے بچے بچھے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں؟“ وہ بولی

”کیوں کیا ہو گیا؟“ بصیر احمد نے پریشان ہو کر سوال کیا۔

”پاپا کے دوست کی فیملی امریکہ سے آئی ہے اور پاپا دوست کے بیٹے سے میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔“ اس کا لہجہ بھجا بھجا سا تھا۔

”اچھا.....“ بصیر احمد نے نارل لہجے میں کہا۔

”جسمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ نازش نے ایک گہری نظر ڈال کر سوال کیا۔

”کیا مطلب؟“ بصیر احمد گڑبڑا گئے شاید دل میں کہیں نہ کہیں انہیں بھی درد ہوا تھا۔

”بصیر احمد..... میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں اور..... اور میں نے ماما سے بات بھی کر لی ہے۔“

”کیا.....؟“ بصیر احمد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا

بصیر احمد کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔ ایک خواہش انجانے جذبے سے جنم لینے لگے تھے۔

”افوہ.....“ بصیر احمد نے سر جھٹکا پشمہ کہیں دور کھڑی نظر آئی۔ ”ہاں بصیر میں..... میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں اور..... اور..... میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتی۔“ بصیر

احمد مکمل طور پر گڑبڑا گیا تھا دل میں کہیں نہ کہیں نازش کو پالینے کی تمنا ضرور تھی۔ خوب صورت امیر اور ماڈرن نازش کسی بھی لڑکے کی خواہش ہو سکتی تھی۔ تب ایک لمحے میں

ہی بصیر احمد نے سابقہ تمام رشتوں پر یہ کچھ عرصے پہلے قائم ہونے والے رشتے کو ترجیح دے ڈالی کیونکہ ان کو اپنی

زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا پورا پورا حق تھا انہوں نے حلیمہ بیگم سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

”پاکل ہو گیا ہے بصیر احمد..... دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا..... یہ کیا بکواس کر رہا ہے..... پتا ہے تجھے پشمہ تیری

بچپن کی منگ ہے وہ اس گھر میں آئے گی تب ہی تیری بہن کی ڈولی اٹھے گی۔ تین تین زندگیاں خراب کرنے کا

سوچا بھی کیسے؟“ حلیمہ بیگم کا غصہ عروج پر تھا۔



”اماں یہ کوئی قانونی اور شرعی حیثیت نہیں ہے کہ رشتے بچپن میں طے ہو جائیں یا ہم وٹہ سٹہ کریں۔ یہ سب ہماری اپنی بنائی ہوئی پابندیاں اور رشتے ہیں اور ضروری نہیں کہ جو برسوں سے ہوتا چلا آ رہا ہے اب بھی ویسا ہی ہو پشمہ اور نویدہ دونوں ہی کم عمر ہیں حسین ہیں ان کا کہیں بھی رشتہ ہو سکتا ہے۔“

”بکواس نہ کر چپ کر جا.....“ حلیمہ بیگم غصے سے کانپنے لگیں۔ ”دو دو لڑکیاں برسوں سے آس لگائے پنے سجائے بیٹھی ہیں اور تو کتنی آسانی سے بک بک کیے جا رہا ہے۔ شرم نہیں آتی تجھے؟“ حلیمہ بیگم کی چیخ دیکار سن کر سب لوگ دوڑے چلے آئے یہاں کی صورت حال سب کے لیے غیر یقینی اور غیر متوقع تھی۔ نویدہ اگر دیوار کا سہارا نہ لیتی تو یقیناً تیور کر گر جاتی۔ رقیہ بیگم ننھے راقب کو سینے سے لگائے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ صغیر احمد نے آگے بڑھ کر بھرپور طمانچہ بصیر احمد کے گال پر جڑ دیا۔

”بھہ..... بھائی.....“ بصیر احمد گال پر ہاتھ رکھے بھائی کی شکل دیکھتے رہ گئے۔

”بے غیرت بے حیا یہ سب کچھ سیکھا ہے تو نے پڑھ لکھ کر آج ماں کے سامنے زبان چل رہی ہے اور وہ..... وہ بھی ایسی بات..... تجھے تیری پڑھائی نے یہ سکھایا ہے۔ اپنے رسم و رواج اور روایات کو پیروں تلے روند ڈالو اسی لیے تجھے خود سے دور بھیجا تھا کہ تو عشق لڑاتا پھرے۔ نکل جا گھر سے ہمارے تجھے پتا نہیں تیری بہن گھر بیٹھی ہے۔ کوئی معصوم لڑکی تیری آس لگائے برسوں سے تیرا انتظار کر رہی ہے۔“

”بھائی..... بھائی.....“ صغیر کو اس قدر بے قابو دیکھ کر نویدہ تڑپ کر آگے بڑھی۔ ”بھائی میرے دو پر کونہ مارو اگر یہ پسند سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کر لے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میرے بھائی کو گھر سے نہ نکالو میں مرجاؤں گی.....“ وہ ہڈیانی انداز میں بولی۔

یہ کیسا رشتہ تھا ایک بہن کا پیار تھا اور وہ..... وہ ایک بھائی کی خواہش..... حلیمہ بیگم صغیر احمد اور رقیہ نویدہ کی

حالت دیکھ کر تڑپ کر اس کی جانب دوڑے اور پھر جیسے سب نے ہتھیار ڈال دیئے مگر ایسا کرتے ہوئے حلیمہ بیگم اور نویدہ جس کرب و تکلیف سے گزری تھیں یہ صرف وہی جانتی تھیں۔ حلیمہ بیگم کے بھائی کو پتا چلا تو انہوں نے سارے رشتے ختم کر ڈالے سارے خاندان میں تھو تھو ہو گئی اور سب سے ناٹے ختم ہو گئے۔

وہ دن حلیمہ بیگم کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھا کہ جب سارے رشتہ داروں سے ناٹے توڑ کر وہ مختصر سا سامان لے کر بصیر احمد کی شادی کی غرض سے شہر آ گئیں۔ نازش کے ماما پاپا کو بصیر احمد کی فیملی بالکل پسند نہ آئی تھی مگر وہ بیٹی کی پسند تھا اور پھر بیٹی کو کون سا فیملی سے روابط رکھنے تھے اسے تو بصیر احمد سے مطلب تھا اور کچھ عرصے بعد تو اسے شہر ہی لوٹ آنا تھا۔ نازش کے ماما پاپا کی ڈھیر ساری جائیداد سب کچھ نازش کا ہی تو تھا۔

نویدہ جانے کسی مٹی کی بنی ہوئی تھی وہ جس طرح خوش خوشی بھائی کی شادی کی تیاریاں کر رہی تھی کہیں سے بھی ظاہر نہ ہوتا کہ اسے بچپن سے جڑے رشتے کے ٹوٹنے کا کوئی غم ہے اور پھر غضب تو اس بات کا تھا کہ اور کوئی رشتہ نویدہ کے لیے تھا ہی نہیں۔ نازش کے ماما پاپا نے خوب دل کھول کر پیسہ خرچ کیا وہ لوگ کچھ دن ہوٹل میں رہے پھر نازش کو لے کر بصیر احمد اپنی حویلی نما بڑے سے گھر میں آ گئے۔ نویدہ اور رقیہ نے خوب اچھی طرح سے گھر میں دہن کا استقبال کیا حلیمہ بیگم کو کہ بالکل خوش نہ تھیں مگر بیٹے کی خوشی کے آگے خاموش تھیں اور اپنے رویے سے کسی قسم کی بیزاری کا اظہار نہیں کر رہی تھیں۔

نازش بیگم کی پسند کا خیال رکھنے کی کوشش میں گھر کو اور ان کے کمرے کو سیٹ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ نازش بیگم کی ایک ایک حرکت سے تفاخر نمایاں تھا۔ یہاں پر سب لوگ صبح جلدی فجر کی نماز سے اٹھے ہوتے لیکن نازش بیگم کی صبح گیارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔ حلیمہ بیگم کچھ دن تو چپ رہیں پھر انہیں یہ بات اچھی نہیں لگی کیونکہ برآمدے میں نویدہ کی سہیلیاں جمع ہو جاتی تھیں



پھر یہ لوگ مل کر سلائی اور کڑھائی کرتے۔

اس روز بھی صبح ناشتے سے فارغ ہو کر رقیہ بیگم دوپہر کے کھانے کی تیاری میں لگ گئیں۔ راقب حلیہ بیگم کے پاس تھا، نویدہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھ کر کڑھائی کر رہی تھی، ساتھ ساتھ وہ لوگ آپس میں ہنسی مذاق بھی کر رہے تھے۔

”افوہ! کتنا شور کر رہے ہو تم لوگ، مچھلی بازار بنا رکھا ہے۔“ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا، نازش دروازے میں کھڑی بدتمیزی سے کہہ رہی تھی۔ لڑکیوں کی ہنسی یک دم رک گئی بے ساختہ سب کی نظریں انھیں اور فوراً ہی جھک گئیں کیونکہ نازش مہین سلیولیس ٹائٹی میں نیند سے بو جھل آنکھیں لیے کھڑی تھی۔

”سکون سے سونا بھی نصیب نہیں ہے یہاں تو۔“ کہہ کر بدتمیزی سے دھاڑ سے دروازہ بند کر کے وہ واپس اندر چلی گئی۔ نویدہ منہ پھاڑے بند دروازے کو دیکھتی رہی اور اپنی سہیلیوں کے سامنے شرمندگی محسوس کر رہی تھی ایسا کیا کر دیا ہم نے وہ معصومیت سے سوچنے لگی۔

حلیہ بیگم کا غصہ بھی نازش کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا ویسے بھی حلیہ بیگم زیادہ غصہ کرتی بھی نہیں تھیں کیونکہ وہ دیکھ رہی تھیں کہ بصیر احمد نے اپنے دل دیاغ اپنی سوچ اور اپنی زبان تک نازش بیگم کے پاس رکھ دی تھی۔ لگتا تھا کہ نازش کا بچ کی گڑیا ہو لفظ کی چوٹ بھی سہہ نہ پائے گی۔ اسے تو سنبھال سنبھال کر رکھتے تھے محبت ہی اتنی تھی اپنی حسین و جمیل بیوی سے۔ وہ اچھی لڑکیاں جو اپنا گھر سب کے ساتھ مل کر بسانا چاہتی ہیں اپنے نئے رشتوں کے بھرم رکھنا جانتی ہیں۔ سسرال میں اپنے شوہر سے وابستہ تمام رشتوں کا تقدس رکھتی ہیں ان کے سکھ دکھ شیر کرتی ہیں۔

وہ بجائے یہ کہ اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق دوسروں کو ڈھالنے کوشش کریں وہ خود کو نئے ماحول نئے گھر اور نئے رسم و رواج میں ڈھل جاتی ہیں، پیار لیتی ہیں، پیار دیتی ہیں۔ اپنے آرام کو دوسروں کے آرام پر قربان

کرتی ہیں لیکن سب کچھ وہ لڑکیاں کرتی ہیں جو رشتوں کا پاس رکھنا جانتی ہیں۔ وہ اپنا رشتہ صرف شوہر سے نہیں رکھتیں بلکہ شوہر سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کا، لیکن نازش..... نازش ان لڑکیوں سے قطعی مختلف تھی اسے صرف اور صرف شوہر سے غرض تھی اس کے لیے گھر اور گھر والوں سے کوئی لگاؤ تھا نہ لچکسی..... نہ یہاں کا ماحول پسند تھا نہ یہاں کے لوگ اس کو تو بصیر احمد کے حسن نے متاثر کیا تھا۔ محبت ہوئی اور شادی کر لی اور ممانے بھی اس شرط پر اس کی شادی کی تھی چند دنوں میں بصیر احمد کو یہاں لے آنا تاکہ تمہارے بابا کا کاروبار سنبھال لیں گو کہ بصیر احمد کے پاس بھی دولت کی کمی نہ تھی مگر نازش کو یقین تھا کہ وہ اپنا سارا کچھ سمیٹ کر یقیناً شہر چلا جائے گا کیوں کہ بصیر احمد نے بچپن کے دو دور رشتے ختم کر کے اپنے گھرانے کو خاندان بھر سے کٹوا کر جب نازش کو اپنا لیا تھا تو اب وہ نازش کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

پشمہ کا رشتہ تو کہیں اور طے ہو چکا تھا، مگر نویدہ بے چاری کا نہ جوڑ تھا اور نہ رشتے داروں میں کوئی باقی بچا تھا۔ بصیر احمد کبھی کبھی نویدہ کو دیکھ کر شرمندہ سے ہو جاتے مگر نویدہ نے کبھی بھی کسی بھی بات پر کسی بھی حرکت سے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا، ہمیشہ ہنستی مسکراتی اور بھائی بھاج کی آؤ بھگت میں ہی لگی رہتی۔ رقیہ بھی دیورانی کا خاص خیال رکھتیں کہ وہ شہر سے آئی لاڈلی اور بہت بڑے گھر کی ہے اسے کوئی بات بُری نہ لگ جائے۔ رقیہ اس کے لیے نئے کھانے پکانے پکاتیں، بصیر احمد نے وقتی طور پر صغیر احمد کے ساتھ مل کر یہاں کی زمینوں اور کھیتوں کا کام سنبھال لیا تھا۔ نازش کو گھر کے کام کاج کی عادت بھی نہیں اس لیے وہ تو اہل کرپانی بھی نہیں پیتی تھی۔

نویدہ کو نازش بہت پیاری لگتی اس کا دل کرتا کہ وہ اپنی بھابی سے ڈھیر ساری باتیں کرے، مگر نازش سوائے بصیر احمد کے کسی کو گھاس ہی نہیں ڈالتی تھی۔ بصیر احمد گھر آتے تو ان کے ساتھ کچھ دیر کے لیے کمرے سے باہر آتی، لان میں گھومتی اور پھر اپنے کمرے میں بند ہو جاتی۔ اپنی ما



سے فون پر باتیں کرتی رہتی یا رسالے پڑھتی رہتی، کچن کی شکل تک دیکھنا گوارا نہ تھا۔  
نویدہ کی سہیلی کی شادی تھی وہ تیار ہوئی جانشی کلر کا ستاروں والا سوٹ پہن کر لمبے بالوں میں پراندہ ڈالاتب اسے یاد آیا کہ دو دن پہلے اسی کلر کی لپ اسٹک نازش نے لگائی تھی۔ نازش اور بصیر احمد باہر چہل قدمی کرنے گئے ہوئے تھے نویدہ لپ اسٹک لگانے نازش کے کمرے میں آگئی سامنے ہی ڈریسنگ ٹیبل پر لپ اسٹک رکھی تھی نویدہ نے اٹھا کر ہونٹوں پر لگائی۔ اس کے خوب صورت گلابی ہونٹ مزید اچھے لگنے لگے وہ لپ اسٹک رکھ کر جیسے ہی پلٹی سر پر نازش کھڑی تھی۔

”آپ.....“ وہ چونک کر گڑبڑا گئی۔

”یہ کیا کر رہی ہو؟“ اس کے بھرے بھرے ہونٹوں پر چمکتی پرل لپ اسٹک دیکھ کر نازش آپے سے باہر ہو گئی۔

”مجھے شادی پر جانا تھا تو آپ کی.....“

”سٹاپ.....“ نازش نے اس کی بات کاٹی۔ ”تم کو پتا نہیں ایک دوسرے کی چیزیں استعمال نہیں کرتے۔ تم تو جاہل ہو تم کیا جانو کہ جراثیم لگ جاتے ہیں۔“ نازش کے لہجے میں حقارت تھی۔

”وہ..... بھابی.....“ نویدہ کو رونا آ گیا وہ سر جھکا کر پلٹی۔

”سنو.....“ نازش نے بدتمیزی سے کہا اور لپ اسٹک اٹھا کر اس کی ہتھیلی پر پٹتی۔ ”یہ لو اب تم ہی رکھ لو مجھے عادت نہیں کسی کی استعمال کی ہوئی چیز استعمال کرنے کی سمجھیں تم؟“ نویدہ نے بے بسی سے اسے دیکھا اور آبدیدہ ہو کر کمرے سے باہر نکل آئی تو جن کے احساس سے نویدہ کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ باہر آ کر اس نے لپ اسٹک کو دور پھینک دیا اور تولیہ سے اپنے ہونٹ رگڑ ڈالے ہونٹوں کی جلن کے ساتھ ساتھ آنکھیں مزید جلنے لگیں۔ کس قدر بدتمیزی کی تھی نازش نے کیا ہوا اگر لپ اسٹک لگائی تو وہ کمرے میں آ کر سسک پڑی تب ہی حلیمہ بیگم آ گئیں۔ نویدہ نے جلدی سے آنکھیں رگڑ کر صاف کر ڈالیں لیکن

اس کی لال لال آنکھیں اور ہونٹوں کی بے ترتیب لپ اسٹک دیکھ کر حلیمہ بیگم گھبرا گئیں۔

”کیا ہو گیا.....؟“

”وہ..... وہ اماں.....“ اماں کو دیکھ کر ان کی گود میں منہ چھپا کر سسک پڑی۔ حلیمہ بیگم نازش کے کمرے میں پہنچ گئیں۔

”دہن! اگر نویدہ نے تمہاری سرخی لگائی تو ایسا کون سا طوفان آ گیا، میں تمہیں شہر سے اور منگوا دیتی۔“ حلیمہ بیگم نے غصے سے کہا۔

”اوہو! مطلب کہ چغلی لگادی گئی میری اور اگر آپ منگوا سکتی ہیں تو اپنی بیٹی کو منگوا کر دے دیں ناں اور آپ کو پتا ہے کہ ایک دوسرے کی چیز استعمال کرنے سے بیماریاں پھیلتی ہیں۔ مگر..... مگر یہ باتیں آپ لوگوں کو کیا معلوم ہوں گی گاؤں دیہات کے لوگوں کو ایسی باتوں کا کہاں پتا ہوگا؟“ اس کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

”دہن..... مت بھولو کہ تم بھی اسی گاؤں اور دیہات کا حصہ ہو۔“ حلیمہ بیگم اس کی بدتمیزی پر تمللا کر بولیں۔ حلیمہ بیگم سے وہاں مزید نہ رکا گیا اور وہ غصے سے واپس پلٹ گئیں اپنے کمرے میں آئیں تو غصے سے کانپ رہی تھیں۔

”بہت بدتمیزی لڑکی ہے نہ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا لحاظ جو منہ میں آئے بولتی چلی جاتی ہے۔“

”چھوڑیں اماں! شہر سے آئی ہے پڑھی لکھی ہے ناں اس لیے چھوٹی چھوٹی باتوں کی احتیاط کرتی ہے آپ غصہ نہ کرو یہ پانی پی لو۔“ رقیہ نے پانی سے بھرا ٹھنڈا گلاس ساس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اللہ تجھے خوش رکھے رقیہ! ایک ٹو بھی ہے اور ایک وہ۔ کاش اس کی جگہ پشمہ ہوتی۔“ حلیمہ بیگم کے لہجے میں یاسیت تھی وہ پشمہ کے خیال سے آبدیدہ ہو گئیں جو اپنے ننھیال میں بیاہی جا چکی تھی مگر نویدہ حلیمہ بیگم نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کیں۔

کچھ دن اور گزرے نازش کا رویہ ہنوز برقرار تھا روکا



”تم حد سے بڑھ رہی ہو۔“ حلیمہ بیگم کی برداشت بھی آخری حدوں پر تھی۔

”اماں..... اماں..... چلیں۔“ نویدہ نے نازش پر ایک نظر ڈالی اور حلیمہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے آئی کیونکہ نازش سے کچھ کہنا تو فضول تھا وہ بدتمیز اور منہ پھٹ تھی۔ حلیمہ بیگم غصے سے کانپ رہی تھیں قدم قدم پر نازش تذلیل کرتی بات بات پر جہالت کا طعنہ دیتی۔ حلیمہ بیگم اس کی زیادتیوں کو ہمیشہ نظر انداز کرتیں کہ گھر کا ماحول خراب نہ ہو۔ خاندانی روایات توڑ کر بیٹے کی خواہش کے آگے سر جھکا دیا۔ بیٹی کی زندگی داؤ پر لگا دی نویدہ کو وہ کھتیں تو سرد آہ بھر کر رہ جاتیں نویدہ نے کتنی بڑی قربانی دی تھی بھائی کے لیے اور بھانج اس سے بات تک کرنا بھی پسند کرتی تھی اسے یہاں کے لوگوں سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ مطلب تھا تو صرف بصیر احمد سے جس سے وہ محبت کرتی تھی۔

اس روز نازش نے بصیر احمد کے سامنے خوب ہنگامہ کیا کہ آج اگر میرا ہاتھ پیر ٹوٹ جاتا تو اس کا ذمہ دار کون ہوتا؟ آج بلی گھر میں آئی ہے کل کتنا آجائے گا مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہوتا میں یہاں ان کمزور ٹھیکر ہوں۔ عجیب چڑیا گھر کا ماحول ہے یہاں کا مجھے عادت نہیں ہے ایسے ماحول میں رہنے کی۔ ایڈجسٹ نہیں کر پاؤں گی مجھے یہاں نہیں رہنا۔ مجھے شہر لے کر چلو۔“

”نازش! تم پاگل ہو گئی ہو میں نے پہلے ہی اپنی روایات کے خلاف سارے خاندان سے ٹکر لے کر تم سے شادی کی ہے۔ میری وجہ سے میرے گھر والے میری اماں اپنے میکے سے ناطہ توڑ چکی ہیں۔ میری بہن کنواری رہ گئی ان لوگوں کے دل پر کیا گزرتی ہوگی لیکن کبھی بھی ان لوگوں نے اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا۔ ہمیشہ تمہارا خیال رکھا.....“

”بس کرو بصیر احمد! کچھ بھی سہی مگر میرا یہاں پر رہنا مشکل ہے۔“ نازش نے اس کی بات کاٹی۔

”اور میرا یہ گھر چھوڑنا ناممکن ہے۔“ بصیر احمد نے بھی

پھینکا اجنبی اور بدتمیز صغیر احمد تو اس کی طرف دیکھتے بھی نہیں تھے۔ بصیر احمد کبھی کبھی نویدہ کو دیکھتے تو انہیں اس بات کا احساس ہوتا کہ شاید انہوں نے غلطی کر دی۔ ننھا راقب تقریباً چار سال کا ہو گیا تھا اسکول جانے لگا تھا۔ اسے اپنی گوری گوری خوب صورت سی چاچی بہت اچھی لگتی تھی مگر چاچی تو اسے گھاس تک نہ ڈالتی تھی بلکہ اس سے دس گز دور رہتی اسے ڈر لگتا کہ کہیں کوئی گندگی نہ کر دے پانی نہ گرا دے۔

اس روز راقب اسکول سے واپس آیا تو گھر میں پیارا سافید روئی جیسا بلی کا بچہ نظر آیا راقب کو مانو بہت اچھی لگی وہ اس کو پکڑنے اس کے پیچھے دوڑنے لگا بچہ بھی ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔ بھاگتے بھاگتے بلی کا بچہ نازش کے کمرے کی طرف آ گیا اسی وقت نازش بھی روم سے نکلی۔ بلی کے بچے کو دیکھ کر ڈر کے مارے بُری طرح اچھلی تو اس کا پیر سلپ ہو گیا۔

”ہاہاہاہا.....“ ننھا راقب اس منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا بے ساختہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

”پاگل..... بے وقوف..... جاہل.....“ نازش کا پارہ اسے ہنسا دیکھ کر ایک دم ہائی ہو گیا اس نے آگے بڑھ کر راقب کے نرم ملائم سفید گال پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ راقب اس اچانک تھپڑ سے گھبرا کر زور زور سے رونے لگا۔ سب لوگ بھاگے چلے آئے راقب دوڑ کر دادی کی گود میں چڑھ گیا۔

”ارے بہو! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ بچہ ہے حد کر دی تم نے ننھے سے بچے کے پھول سے گال کو لال انگارہ بنا دیا۔ بلی کا بچہ ہی تھا کوئی شیر تو نہیں تھا ناں۔“ حلیمہ بیگم سے ننھے راقب کا بلکنا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

”حد تو یہاں پر نہیں ہے کسی بات کی جب چاہے کوئی بھی دوسروں کی چیز بنا پوچھے استعمال کر لیتا ہے۔ انسان تو انسان جانور کے بچے بھی گھر میں دندنا تے پھرتے ہیں نہ کوئی پرائیویسی ہے نہ کوئی رول اور طریقہ ہے زندگی میں۔“ نازش کہاں چپ رہنے والی تھی۔



بڑی ہمت سے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ نازش نے آنکھیں پھاڑ کر بصیر احمد کی جانب دیکھا۔

”نازش! میرا گھر میری ماں بھائی بہن ان سب کا تعلق بھی میری ذات سے ہے جس طرح تم میری زندگی ہو۔ اسی طرح یہ سب بھی میری زندگی کا اہم حصہ ہیں تم میرے بغیر نہیں رہ سکتی اور میں تم سب کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم کو میری محسوس بہن پر ترس نہیں آتا کیا اس کے دل میں کچھ ارمان نہیں ہوں گے اماں کے چہرے کو دیکھا تم نے کتنے دکھ کتنی کہانیاں لکھی ہیں ان کے بوڑھے چہرے پر۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولیں مگر ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی جب ان کو اپنے سگے بھائی بہن یاد آتے ہوں گے ان سب سے جدا کرنے والے ہم ہیں لیکن اماں نے کبھی بھی کسی بات پر کوئی طعنہ دیا کوئی جملہ کہا۔ نہیں ہاں صرف ہماری محبت میں وہ اپنے سگے رشتوں کو چھوڑ بیٹھی ہیں اب تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ ان کے لیے کچھ نہ کچھ کرو۔ تم نے اب تک صرف اپنی مرضی کی زندگی گزاری ہے۔ کبھی اماں کے ساتھ بیٹھ کر پیار سے بات کی نہ کبھی نویدہ کے ساتھ کوئی بات کی سب تم سے پیار کرتے ہیں۔ تم بھی ان سے ملنے کی بات کرنے کی کوشش کرو گی تو سب اچھا لگے لگا۔“ بصیر احمد نے ملائمت سے سمجھایا نازش نے خلاف توقع خاموشی سے بصیر احمد کی ساری باتیں سنی مگر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کبھی سیدھی انگلی سے نکل تو جائے گا مگر ٹائم لگے گا تب اس نے فیصلہ کر لیا کہ کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب ہو جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاش بھی نہ ٹوٹے۔

دو تین دن گزرے ہوں گے کہ ایک شام جب حلیمہ بیگم راقب کے ساتھ کھیل رہی تھیں رقیہ اور نویدہ کچن میں رات کے لیے کھانا تیار کر رہی تھیں کہ نازش تنہائی ہوئی اپنے کمرے سے باہر نکلی۔

”نویدہ..... نویدہ..... آواز میں تیزی تھی۔

”کیا ہوا؟“ اس کے چہرے کی کڑھکی اور لہجے کی

تیزی پر سب لوگ چونک گئے۔

”کیا ہوا بھائی.....“ نویدہ کچن سے باہر آئی۔

”تم میرے کمرے میں آئی تھیں؟“ تند لہجے میں

سوال کیا۔

”جی آئی تھی جب بھائی کے کپڑے پریس کر کے لائی

تھی تو.....“ نویدہ نے سادگی سے جواب دیا۔

”ہنہ..... اور اس وقت میں نہانے گئی ہوئی تھی۔“

”جی.....“ نویدہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کہنا

چاہتی ہے۔

”میرے کمرے میں سے ڈامنڈ کی رنگ غائب

ہے۔“ اس کی بات پر نویدہ رقیہ کے ساتھ ساتھ حلیمہ بیگم

بھی اچھل پڑیں۔

”دیکھو وہیں کہیں ہوگی گرگنی ہوگی کہاں جائے گی۔“

رقیہ نے جلدی سی کہا۔

”کہیں نہیں ہے پچھلے دو گھنٹے سے میں پاگلوں کی

طرح ڈھونڈ رہی ہوں ایک ایک چیز چیک کر لی ہے میں

نے۔“ نازش تیز لہجے میں بولی۔

”مطلب کیا ہے تمہارا؟“ اس بار حلیمہ بیگم چپ

نہ رہ سکیں۔

”مطلب صاف ہے میری انگلی نویدہ نے چرائی

ہے۔“ نازش کی بات پر نویدہ سفید پڑ گئی۔

”بھائی..... بھائی یہ..... آپ یہ کیا بول رہی ہو۔

میں..... میں بھلا ایسا کیوں کروں گی؟ مجھے کیا ضرورت

ہے کہ میں چوری کروں۔“ نویدہ کی آواز لڑکھرائی۔

”نازش.....“ اماں کی آواز پر نازش بھی قدرے

چونکی۔ ”تم میری برداشت کا امتحان مت لو میری بیٹی مر کر

بھی ایسا نہیں کر سکتی نہ ہی اسے ایسا کچھ کرنے کی ضرورت

ہے۔ تم نے ایسی بے ہودہ بات کی بھی کیسے تمہیں شرم

نہیں آئی اتنی گھٹیا بات کرتے ہوئے۔“ حلیمہ کی برداشت

جواب دے چکی تھی انہیں نازش سے قطعی امید نہیں تھی کہ وہ

اس طرح کا گھناؤنا الزام بھی لگا سکتی ہے وہ اس حد تک بھی

گر سکتی ہے۔

دکھ شرمندگی اور ندامت کے احساس سے نویدہ زمین



میں گڑھی جا رہی تھی اس کی خوب صورت آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اور اس کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہونہ ہو۔ رقیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس معاملے کو کس طرح سنبھالے۔

”اماں! آپ کچھ بھی کہہ لیں میں نے رات کو رکھی تھی اور اب نہیں ہے اور میرے کمرے میں صرف یہی آئی تھی۔ میں کچھ نہیں جانتی مجھے ایک انگٹھی سے کوئی فرق نہیں پڑتا ایسی ہزاروں انگٹھیاں خود پر سے صدقہ کر کے بھینک سکتی ہوں مگر..... مگر اب میں خود کو یہاں پر غیر محفوظ سمجھتی ہوں آج انگٹھی گم ہوئی کل کوئی بڑی چیز گم ہو جائے گی۔ آپ لوگ اپنی پارسائی کے ثبوت بھی دیتے رہیں گے۔“

”افوہ..... بس ایک لفظ بھی بولا تو.....“ حلیمہ بیگم دکھ اور بے عزتی کے احساس سے سر سے پاؤں تک جلنے لگی تھیں۔ ان کو لگ رہا تھا کہ جیسے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی تب ہی بصیر احمد گھر میں داخل ہوئے اندر کی پتکوشن ان کے لیے غیر متوقع اور پریشان کن تھی۔ نوید زارو قطار رو رہی تھی رقیہ حواس باختہ کھڑی تھی۔ حلیمہ بیگم غصے سے کانپ رہی تھیں اور نازش غضب ناک انداز میں کمر پر ہاتھ رکھے الزام تراشیاں کر رہی تھی۔

”بصیر احمد.....“ حلیمہ بیگم اتنی زور سے چلائیں کہ بصیر احمد کے ساتھ ساتھ سب لوگ دم بخود رہ گئے۔ ”ابھی اور اسی وقت تم اپنی بیوی کو لے کر ہمارے گھر سے نکل جاؤ۔“

”اماں! کیا ہوا..... بتائیے ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟“ بصیر احمد حواس باختہ ہو کر اماں کے قریب آ گئے۔

”مجھے ایک لفظ بھی نہ کہنا ہے نہ سنتا“ بس ابھی اسی وقت نکل جاؤ۔ میں ایک لمحہ بھی اس عورت کو گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔ اس سے زیادہ صبر برداشت اور حوصلہ نہیں مجھ میں۔“ نویدہ رقیہ تھر تھر کانپ رہے تھے ننھا راقب ہونق بنا سب کو دیکھ رہا تھا۔

”ہنہ مجھے بھی شوق نہیں ہے ایسے لوگوں اور ایسے

ماحول میں رہنے کا۔“ نازش نے حقارت سے کہا۔ ”نازش.....“ بصیر احمد نے غصے سے کہا۔ ”بصیر احمد آپ فوراً فیصلہ کرو تمہاری ماں مجھے گھر سے نکال رہی ہے اور میں..... میں..... بھی ماں بننے والی ہوں۔“

”کیا.....“ یہ کیسا وقت تھا سب لوگ عجیب صورت حال کا شکار تھے اور بصیر احمد..... اتنی بڑی خوشی ملی تھی لیکن کس وقت؟ کس موقع پر؟ دلوں میں کدورتیں تھیں نفرتیں اور شکایتیں..... بصیر احمد سر جھکا کر نازش کے پیچھے پیچھے کمرے میں چل دیے۔ نازش بیگم اپنی کامیابی پر مسرور تھیں بات بھی بن گئی تھی اور بصیر احمد بھی راضی ہو چکے تھے کیونکہ نازش کی حالت کی وجہ سے اس کا ساتھ دینا ضروری تھا۔

یوں بصیر احمد لاہور اپنی بیوی کے ذاتی بنگلے میں شفٹ ہو چکے تھے جانے سے پہلے اماں کے پیر پکڑ کر معافیاں مانگی تھیں۔ نویدہ کے اور اس چہرے کو دیکھ کر رڑے تھے۔ بھادج اور ننھے راقب پر بے بسی سے نگاہ ڈالی عجیب سی صورت حال سے دوچار تھے۔ یہاں آ کر تو نازش بیگم مزید شیر بن گئی تھیں اور پھر پریکٹس کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی لاڈ اور نخرے ہونے لگے تھے۔ صغیر احمد نے بصیر احمد کا جائیداد کا حصہ بھجوا دیا تھا جو بصیر احمد نے نازش کے پاپا کے کاروبار میں لگا دیا تھا۔ نازش نے جیسا چاہا تھا جو سوچا تھا جو اس کا مقصد تھا وہ سب اس نے کچھ ماہ میں ہی پالیا تھا۔ پھر کچھ ماہ بعد ان کی زندگی میں افرح آ گئی خوب

صورت سرخ و سفید سی افرح جو صورت کے ساتھ ساتھ عادات میں بھی نازش کی طرح تھی۔ ضدی، گھمنڈی، مغرور اور زبان دراز..... بصیر احمد عید تہوار پر اماں بہن بھائی سے ملنے ضرور جاتے۔ افرح تھوڑی بڑی ہوئی تو اسے شہر کے بڑے اسکول میں داخلہ دلوا دیا تھا۔ افرح چھوٹی تھی تب تک رشتوں کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں تھا جب چار سال کی ہو چکی تب اپنی کلاس فیلوز کے دادا دادی وغیرہ کھاتے جاتے دیکھا تب اسے احساس ہوا ایک



روز اس نے نازش سے پوچھ لیا۔  
 ”مما! میرے دادا دادو پھوپو چاچو وغیرہ نہیں ہیں  
 کیا؟“ نازش نے نیل پالش لگاتے چونک کر اسے دیکھا۔  
 یہ بات اچانک اسے کیسے اور کیوں یاد آگئی پھر قدرے  
 تشنجھل کر بولی۔

”تمہاری دادو ہیں بیٹا!“

”دادو!“ افرحہ نے معصومیت سے آنکھیں پھیلا  
 کر خوشی کا اظہار کیا۔  
 ”مما! آپ نے کبھی بتایا نہیں مجھے۔ مما ہم ویکیشن پر  
 چلیں گے ان کے پاس۔ وہ کہاں ہیں مما؟ میری ساری  
 فرینڈز کے دادا دادو چاچو سب لوگ ہیں اور وہ لوگ ان  
 کے پاس جاتے بھی ہیں ہم چلیں گے ناں مما؟“ افرحہ  
 معصومیت سے سوال کر رہی تھی۔

”افوہ افرحہ.....“ نازش نے جھنجھلا کر کہا۔ ”ابھی بند کرو  
 یہ باتیں میں ابھی پاپا کے ساتھ شاپنگ کرنے جا رہی  
 ہوں آ کر بات کروں گی۔ آپ جلدی سے فریش ہو جاؤ  
 دیکھو آیا اماں نے بڑے مزے کا کھانا پکایا ہے۔“ نازش  
 نے اس کی توجہ بٹانے کی کوشش کی۔ افرحہ بجھ سی گئی۔  
 نازش افرحہ کے سوالوں سے خاصی پریشان ہو گئی تھی جس  
 بات سے افرحہ کو دور کھنا چاہتی تھی۔ آج افریحہ نے وہ ذکر  
 چھیڑ دیا تھا اگر وہ بصیر احمد سے کچھ پوچھ لے تو..... قبل اس  
 کے کہ افرحہ بصیر احمد سے کچھ پوچھے میں خود ہی بتا دوں گی  
 اس کو نازش یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی اس وقت اور اس عمر میں  
 افرحہ کے ذہن میں جو باتیں ڈالی جائیں وہ ہمیشہ یاد رکھ  
 سکتی تھی۔ دوسرے دن افرحہ نے پھر اس سے پوچھ لیا۔

”مما! پلیز آپ بتائیں ناں میری دادو پھوپو چاچو  
 لوگ کہاں ہیں؟ کیا ہم ان کے پاس جائیں گے؟“  
 نازش بنا جواب دیے سر جھکائے خاموشی سے ناخن  
 قائل کر رہی تھی۔

”مما..... ممما..... بولیں ناں۔“ افرحہ نے آگے بڑھ  
 کر نازش کو کاندھے سے پکڑ کر بلایا تو نازش نے سر اٹھایا۔  
 ٹپ ٹپ آنسو متواتر سے نازش کی آنکھوں سے بہہ

رہے تھے۔

”ارے ممما..... ممما..... آپ کو کیا ہو گیا؟ پلیز ممما  
 بتائیں ناں؟“ افرحہ نے پہلی بار ممما کی خوب صورت  
 آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے اس کا ننھا سادل ٹڑپ گیا۔  
 وہ خود بھی آبدیدہ ہو گئی۔

”سوری ممما! کیا میں نے غلط بات کی؟ آئی ایم سوری  
 ممما کہ میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔“ افرحہ کی سمجھ میں نہیں  
 آ رہا تھا کہ کس طرح اپنی ممما کو چپ کرائے کس طرح ممما  
 کی آنکھوں سے متواتر بہتے آنسوؤں کو روک لے۔  
 ”نہیں میری جان! تم نے کوئی غلط بات نہیں کی۔“  
 نازش نے آگے بڑھ کر افرحہ کو سینے سے لگاتے ہوئے  
 کہا۔ ”سوری بیٹا! کہ آپ ممما کے رونے سے پریشان  
 ہو گئیں مگر..... مگر.....“ نازش کچھ کہتے کہتے رک گئی۔  
 ”مگر کیا ممما؟“

”آپ نے دادو پھوپو وغیرہ کی بات کی تو.....“ نازش  
 نے رک کر اپنے آنسو پونچھے۔

”تو ممما.....“ افرحہ ممما کی بات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔  
 ”تو یہ کہ آپ کی دادو پھوپو وغیرہ بہت بُرے بہت  
 گندے لوگ ہیں جاہل اور ان پڑھ بھی..... اور انہوں  
 نے آپ کی ممما اور پاپا کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کیا۔ ان  
 لوگوں نے آپ کی ممما اور پاپا کو اپنے گھر سے نکال دیا یہ گھر  
 آپ کی نانوں نے ہمیں لے کر دیا ورنہ ہم لوگ تو اتنے  
 غریب ہو جاتے جتنے ہمارے گھر جھاڑو لگانے والے  
 لوگ ہیں۔“

”کیا.....؟“ افرحہ آنکھیں پھاڑے حیرت سے اپنی  
 ممما کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے جھرجھری لی اس کی نگاہوں  
 میں جھاڑو لگانے والی ماسی اور اس کے کالے کالے  
 گندے میلے پیلے بچے آگے جو ہر وقت بیمار رہتے تھے جو  
 لوگوں کے گندے کپڑے اور باسی گندا کھانا کھاتے ہیں۔  
 ”اوہہ نومما! مگر ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟“ افرحہ کو  
 بھی رونا آ گیا۔

”آپ ابھی بہت چھوٹی ہو آہستہ آہستہ سب سمجھ میں



آجائے گا اور پلیز آپ اپنے پاپا سے کچھ مت پوچھنا پاپا کو بھی بہت رونا آجائے گا۔ ابھی آپ اپنے کمرے میں جاؤ میں اکیلی رہنا چاہتی ہوں۔“

”اوہ ماما! پلیز آپ پریشان مت ہوں آیا اماں ماما کے لیے جلدی سے جوس بنا کر لائیں۔“ افرحہ سے نازش کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ ماما کو افسردہ نہیں دیکھ سکتی تھی اسے اپنی ماما سے بہت محبت تھی اس وقت وہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔

وقت کے ساتھ نازش نے افرحہ کے ذہن میں دھیمال والوں کے لیے اتنی نفرت ڈال دی تھی کہ افرحہ ان لوگوں کا نام تک سننا پسند نہیں کرتی تھی۔ نازش نے بتایا تھا کہ وہ اور بصیر احمد ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور بصیر احمد کے گھر والے یہ شادی نہیں کرنا چاہتے تھے بہت مشکلوں سے وہ شادی پر راضی ہوئے پھر نازش کو ان لوگوں کے ساتھ گاؤں کے عجیب سے گھر میں رہنا پڑا۔ نازش گھر کے سارے کام کرتی پھر بھی افرحہ کی دادی اور پھوپھو اس پر رعب چلاتی رہیں۔ نویدہ کا جب دل چاہتا نازش کے کپڑے، جیولری، چپلیں اور کاسمیٹکس استعمال کر لیتی ہر چیز استعمال کر کے وہ ادھر ادھر پھینک دیتی یا پھر خود رکھ لیتی اور جب افرحہ پیدا ہونے والی تھی تب بھی گھر کے سارے کام وہی کرتی اور جب کام کر کے تھک جاتی تو دادو گالیاں سناتی تھیں۔ نویدہ نے شادی نہیں کی کیونکہ اس کو سارے گھر پر اور بھائیوں کی کمائی پر راج کرنے کی عادت تھی اور پھر نویدہ نے اس کی انگوٹھی چرائی اس نے صرف پوچھا اس پر دادو اور پھوپھو نے خوب ہنگامہ کیا اور ہمیں گھر سے نکال دیا۔ میرے کپڑے اور بہت سارا زیور تک رکھ لیا۔

”اب میں تمہیں کیسے بتاتی بیٹا کہ تمہارے پاپا کے رشتے داروں نے ہمارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ہے میں تم کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جتنے دکھ، تکلیفیں اور پریشانیاں ہم نے گزاری ہیں میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہیں وہ سب کچھ بتا کر تم کو دکھی کروں۔ تم کو تکلیف دوں۔“ نازش نے رورو کر اپنی رام کہانی بار بار افرحہ کو سنائی اور بڑے ہونے

تک افرحہ اپنے دوھیال سے بالکل متنفر ہو گئی اور وقت کے ساتھ ساتھ نفرت میں شدت آتی گئی۔ نازش نے سختی سے تاکید کی پاپا سے کبھی کچھ مت کہنا وہ تو جانتے ہیں ملتے ہیں کیونکہ وہ ان کی فیملی کے لوگ ہیں۔ میں نے بھی تمہارے پاپا کو نہیں روکا اس لیے کبھی تم بھی انہیں کچھ مت بولنا۔ نازش نے کمال ہوشیاری سے سارا معاملہ اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور افرحہ کا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنی اتنی پیاری اور مظلوم ماما کے پیر دھودھو کر پیئے جنہوں نے کتنی مظلوم اور مصالحت والی زندگی گزاری تھی اور آج تک اُن نہیں کی تھی۔ افرحہ کو اپنی ماں سے عشق کی حد تک پیار تھا۔



وقت گزرتا رہا، بصیر احمد خود گاؤں جاتے اماں بہن بھائی سے ملتے لیکن نازش سے وہاں کی کوئی بات شیئر نہیں کرتے۔ افرحہ کو بھی نازش کی طرح دھیمال میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسے بھی جاہل ال میٹرو اور گاؤں کے لوگ سخت ناپسند تھے۔ اونچی سوسائٹی کے ماڈرن دوست ہلا گلا پارٹیز، آؤٹنگ یہ سب اس کی زندگی کا حصہ تھا۔ دین سے کوئی اُنسیت کوئی لگاؤ نہ تھا۔ وہ بی ایس سی کر رہی تھی اور ابھی ایگزامز سے فارغ ہوئی تھی نازش کے ماما اور پاپا کی ڈیوٹی ہو چکی تھی سب کچھ نازش کے حصے میں آ چکا تھا۔ بصیر احمد کی کوشش سے افرحہ نے بچپن میں کلام پاک ختم کر لیا تھا مگر ماں بیٹی دونوں نماز روزہ سے دور تھیں جب کہ بصیر احمد کو بچپن سے نماز اور روزہ کی عادت تھی جو آج بھی برقرار تھی۔



رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہو چکا تھا، بصیر احمد رمضان المبارک کی برکتوں سے مکمل طور پر فیض یاب ہو رہے تھے۔ پچھلے دنوں گاؤں گئے تو اماں نے افرحہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کر دی۔ حلیمہ بیگم کافی ضعیف ہو چکی تھیں اور دل کا عارضہ بھی لاحق ہو چکا تھا اس لیے اپنی زندگی سے ناامیدی ہو گئی تھیں۔



نازش کیسی بھی سہی افرحہ تو ان کا خون تھی ناں طبیعت خراب ہوئی تو افرحہ سے ملنے کو دل کیا۔ خلاف توقع نازش نے اس بات پر کوئی ری ایکٹ نہیں کیا بلکہ افرحہ کو راضی کیا کہ جا کر دادو سے مل لے۔ بصیر احمد نازش کے رویے پر حیران تھے کیونکہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ نازش کے فتنہ ذہن میں اب بھی کوئی پوائنٹ گردش کر رہا ہے۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی نازش کو دولت اور زیور کی ہوس برقرار تھی۔

اپنے دل میں ذہیر ساری نفرتیں وابہ لے کر افرحہ پایا کے ساتھ گاؤں چلی آئی شام ڈھل رہی تھی دونوں جانب ہرے بھرے کھیت تھے۔ ٹھنڈا ٹھنڈا خوش گوار ماحول تھا۔

”یہ سارے کھیت ہمارے ہیں تمہارے دادا جی کی زمینیں ہیں یہ۔“ بصیر احمد نے بتایا تو اس نے اچھتی نگاہ آم اور چیکو کے پیڑوں پر ڈالی۔ کھیتوں کے بعد آبادی انٹارٹ ہو گئی تھی اچھے خاصے بکے گھر بنے ہوئے تھے گھروں کے آگے چھوٹی چھوٹی کیاریاں اور کیاریوں میں مختلف پھولوں کے پودے لگے تھے۔ بڑے بڑے نیم کے درختوں پر جھولے پڑے ہوئے تھے اور صاف سترے بچے جھولا جھول رہے تھے۔ کچھ بچے چھوٹے سے میدان میں کرکٹ کھیل رہے تھے بچیوں نے اچھی بھلی فراگیس اور جدید فیشن کے کپڑے پہنے تھے جب کہ لڑکے بھی پنٹ شرٹس اور ٹی شرٹس میں تھے۔ ممانے جو گاؤں کا نقشہ کھینچا یہاں کا ماحول اس سے بہت مختلف لگ رہا تھا اور جب گاڑی بڑے سے گھر کے آگے رکی تو افرحہ نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر دیکھا بڑا سا گرے آہنی گیٹ سوزائیک کی بیرونی دیواریں جن کے ساتھ کیاریاں بنی ہوئی تھیں جن کے آگے لوہے کی گرل لگادی گئی تھی۔ بڑی بڑی کھڑکیاں اور اوپر کمروں میں لگے لہ سپلیٹ افرحہ نے یہ سب کچھ حیرت سے دیکھا۔

”آ جاؤ افرحہ!“ بصیر احمد کی آواز پر وہ چونکی اور بیگ ٹھا کر گاڑی سے اتر آئی۔ گیٹ سے داخل ہوئے ایک

جانب خوب صورت سیالان بنا ہوا تھا۔ دوسری جانب گاڑی کی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں بہت سی قیمتی گاڑیاں کھڑی ہوئیں تھیں۔ راہداری عبور کر کے گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے تو بڑا سا صحن تھا ساتھ ہی برآمدہ اور برآمدے کے اندر کی طرف بڑے بڑے کمرے دکھائی دیئے ایک طرف بڑا سا جدید طرز کا اوپن کچن بنا ہوا تھا۔ برآمدے میں بڑا سا تخت تھا جس پر وائٹ چادر پھی ہوئی تھی وائٹ اور ریڈ جھالر نیچے تک لٹک کر چادر کو خوب صورت بنارہی تھی۔ تخت پر سفید براق شلوار قمیص میں سفید ملل کا دوپٹہ سر پر لپیٹے یقیناً دادو بیٹھی تھیں جن کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔

”ہائے میری دھی رانی!“ دادو نے اسے دیکھ کر کہا اور اٹھ کر گلے سے لگالیا دادو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ افرحہ کا دل چاہ رہا تھا بظاہر ڈیسنٹ نظر آنے والی اس بوڑھی خاتون کو دھکا دے کر خود سے الگ کر دے جس نے اس کی ماں کے ساتھ اتنا گندا سلوک کیا تب ہی سامنے کے کمرے سے نویدہ نکلی۔ پنک کمر کے وائٹ ڈٹس والی لونگ شرٹ کے ساتھ وائٹ ٹراؤزر اور وائٹ دوپٹہ سر سے لیے وہ کافی گرل لگ رہی تھی ”میری بچی“ کہہ کر نویدہ بھی دوڑی چلی آئی۔

”نویدہ کیسی ہو؟“ بصیر احمد نے کہا۔

”اوہ تو یہ ہیں نویدہ پھوپھو..... فساد کی جڑ میری ماما کی دشمن.....“ دل ہی دل میں سوچا۔ نویدہ نے بھی اسے سینے سے لگایا۔ اس کا دل چاہا آگے بڑھ کر پھوپھو کو پھٹر لگا دے جس نے ماما کی ہر چیز پر قبضہ جمالیا تھا۔

”کیسی ہو گڑیا!“ شہد جیسا لہجہ زہر سے زیادہ کڑوا لگ رہا تھا۔ یہاں تو جہالت نظر نہیں آرہی تھی۔ رقیہ بیگم بھی آگئی تھیں رقیہ بیگم کو دیکھا۔

”ہائے افرحہ! میں نزل ہوں تمہاری کزن۔“ خوب صورت سی لڑکی نے آ کر اپنا تعارف کروایا تو افرحہ کی ہم عمر ہی تھی۔ سب لوگ پیار سے اپنائیت سے پیش آ رہے تھے مگر افرحہ کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔ اسے



سب دکھاوا لگ رہا تھا اس کا دم گھٹنے لگا۔

”ارے واہ۔“ اس نے حیرت سے دیکھا۔ ”یعنی

ساری سہولتیں موجود تھیں۔“

”یہاں پرائیویٹ موبائل سب کچھ ہے اسکول اور کالجز بھی بن گئے ہیں میں نے یہیں کے کالج سے بی ایس سی کیا ہے اور پھوپھو نے بھی بی اے کیا تھا۔“

”اچھا اچھا.....“ افرحہ نے قدرے حیرت سے پوچھا۔ ممانے بتایا تھا کہ پھوپھو تو جاہل ہیں اس نے دل میں سوچا۔

”اور میرے بھائی ایم بی اے کر چکے ہیں اور ہماری یہاں کی جو شوگر مل ہے وہ سنبھالتے ہیں۔“ افرحہ حیرت سے سن رہی تھی اس کے لیے یہ باتیں بالکل نئی تھیں اس کے ذہن میں تو یہاں کے لوگ جاہل اور ان پڑھ تھے جن کو نہ بات کرنے کا سلیقہ ہوگا نہ پہننے اوڑھے کا طریقہ مگر یہاں پر ہر چیز شہر کی طرح تھی۔ ساری سہولتیں بھی اور یہاں کے رہن سہن اور بات چیت سے بھی ایسا نہیں لگتا تھا کہ یہ لوگ بہت بیک ورڈ ہیں۔

مغرب سے تھوڑی سی دیر پہلے بڑے سے برآمدے میں تخت پر دسترخوان لگا دیا گیا تھا اس پر طرح طرح کے لوازمات سجائے گئے چھوٹے دیہی بڑے چکن رول میکرونی، ٹرائفل، پکوڑے..... افرحہ حیرت سے دیکھ رہی تھی تب ہی صغیر احمد اور راقب بھی آ گئے۔

”اوہ ہمارے بیٹی آئی ہے۔“ صغیر احمد نے اسے دیکھ کر ہانپیں پھیلائیں وہ اٹھ کر قریب آ گئی ساتھ ہی سامنے کھڑے راقب کو غور سے دیکھا لائٹ براؤن شلوار قمیص میں سر پر ٹوپی رکھے ہلکے ہلکے شیو کے ساتھ دراز قد اسماٹ لگ رہا تھا۔

”راقب یہ تمہارے چاچو کی بیٹی ہے افرحہ اور افرحہ یہ ہمارا بیٹا راقب۔“ راقب نے ایک چبھتی نظر اس پر ڈالی بلو جینز اور ریڈ چھوٹی سی گرتی میں چھوٹا سا اسکارف ڈالے وہ اپنی خوب صورتی کے باوجود ذرا بھی اچھی نہیں لگی اور افرحہ کو دیکھ کر راقب کے ذہن میں نازش بھی چلی آئی تھی۔ نازش چاچی اور ان کی ایک ایک حرکت راقب کے ذہن

”پاپا میں فریش ہونا چاہتی ہوں۔“ اس کے ساتھ چہرے پر بے زاری آ گئی تھی مگر وہ اس گھر سے اور گھر والوں سے امیر لیس ضرور ہوئی تھی کیونکہ اس کے ذہن میں گھر والوں اور گھر کا جو نقشہ تھا یہاں قطعی مختلف تھا۔ رہن سہن سے لباس سے کہیں سے یہ لوگ بیک ورڈ جاہل اور ان پڑھ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

وہ فریش ہو کر باہر آئی تو کچن سے اشتہاء انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ رقیہ اور نویدہ دونوں کچن میں افطاری تیار کر رہے تھے جبکہ نزل باہر تخت پر بیٹھی فروٹس کاٹ رہی تھی۔

”آ جاؤ افرحہ!“ نزل نے اس کو آنا دیکھ کر آواز دی تو وہ نزل کے پاس چلی آئی اسے سب لوگوں میں نزل ٹھیک لگی کیونکہ وہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی ہوگی جب ماما پاپا یہاں سے گئے تھے۔ یہاں رمضان المبارک کی گہما گہمی تھی افطار کی تیاری زور و شور سے جاری تھی۔ یہ سب افرحہ کے لیے نیا تھا کیونکہ اس کے گھر میں تو ایسا کچھا اہتمام نہیں ہوتا تھا وہ اور ماما تو روزے رکھتے نہیں تھے اور پاپا کے لیے اتنا اہتمام نہیں ہوتا۔ وہی روٹین کا کھانا جو نوکرانی پکا دیتی وہ افطار میں ہوتا اور سحری بھی نوکرانی کب بنا کے دے دیتی اس کی خبر نازش کو ہونی نہ افرحہ کو۔

”تم روزہ تو رکھتی ہوگی ناں؟“ نزل نے اس سے پوچھا۔

”نہیں میں روزے نہیں رکھتی مجھ سے نہیں رہا جانا بنا کھائے پیئے۔“ اس کے جواب پر نزل نے چونک کر اسے دیکھا کتنے اطمینان سے وہ جواب دے رہی تھی جیسے کوئی عام سی بات کہہ رہی ہو۔ یہاں پر تو بچپن سے آج تک سخت بیماری میں بھی کسی نے روزہ نہیں چھوڑا تھا۔ نزل کو اس کی بات عجیب سی لگی۔

”تمہارے یہاں لیپ ٹاپ ہے۔“ افرحہ نے پوچھ لیا۔

”ہاں بھائی استعمال کرتے ہیں۔“



میں محفوظ تھی۔  
 سب نکال کر ماما سے چھٹ کرنے لگی اور حلیمہ بیگم اسے دیکھتی رہ گئیں۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے کمرے میں آ گئی اس کے بیڈ پر بہت خوب صورت پنک کھڑکی چادر پھیلا رکھی تھی جس پر ملٹی کلر کے دھاگوں سے ہاتھ کی کڑھائی کی گئی تھی بہت نفیس اور عمدہ کام تھا۔

”دیکھو یہ کمرہ تمہارے لیے پھوپھو نے سیٹ کیا ہے۔“  
 نزل نے بیڈ سائیڈ ٹیبل، ٹیبل چیئر اور ایک چھوٹے سے صوفے سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اور یہ بیڈ شیٹ پھوپھو نے کڑھائی کی ہے اپنے ہاتھ سے۔“  
 ”واؤ گڈ! ظاہر ہے شادی وادی تو کی نہیں انہوں نے ان کاموں میں ہی دل لگاتی ہوں گی ناں۔“ افرحہ نے طنزیہ لہجے میں کہا تو نزل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ”کیوں کیا غلط کہا میں نے؟“ انا سوال کر ڈالا۔  
 ”نہیں۔“ نزل گڑبڑا گئی۔

سحری کے وقت گھر میں خاصی چہل پہل تھی سارے گھر کی لائیں جل گئی تھیں۔ رقیہ اور نویدہ کچن میں سحری بنا رہی تھیں۔ حلیمہ بیگم تہجد کی نماز ادا کر رہی تھیں نزل بھی سالن وغیرہ گرم کر رہی تھی۔ افرحہ جو دیر رات تک چھٹ کرتی رہی تھی ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کی آنکھ لگی تھی چہل پہل اور شور ہوا تو اس نے کسمسا کر آنکھ کھولی چند ہی چند ہی آنکھوں سے گھڑی دیکھی۔

”افوہ اتنا شور.....“ پھر یاد آیا سحری ہوگی۔ کھڑکی کھلی رہ گئی تھی جس سے آوازیں اندر آ رہی تھیں۔ ”افوہ خود تو جاگ رہے ہیں سونے والوں کی نیندیں بھی خراب کر رہے ہیں۔“ جھنجھلا کر انھی اور دھاڑ سے کھڑکی بند کی اس وقت راقب بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ کھڑکی بند کر کے باہر نہیں نکلی تھی۔

”دادو یہ روزہ نہیں رکھے گی کیا؟“ راقب نے سوال کیا۔

”نہیں اسے عادت نہیں ہے۔“ دادو کے جواب پر راقب اچھل پڑا۔

”ہائے.....“ افرحہ نے کہا۔  
 ”السلام علیکم! ہم الحمد للہ مسلمان ہیں اور سلام کرتا ہماری عادت ہے سلامتی بھیجے اور سلامتی لینے کی۔“  
 ہائے کے جواب میں سلام کر کے اس نے بھرپور چوٹ لگی کر ڈالی افرحہ نے منہ بتایا پہلی ملاقات میں راقب اس کو کھڑوس لگا۔

”چلو آ جاؤ بھو! اذان ہونے والی ہے۔“ رقیہ کی آواز پر سب دسترخوان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خواتین سروں پر دوپٹے لپیٹے اور مرد سر پر ٹوپیاں رکھے سب با وضو آنکھیں موندے نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ ہاتھ باندھے آنکھیں موندے افطار سے چند سیکنڈ پہلے دعا مانگ رہے تھے یہ سب کچھ افرحہ کے لیے نیا تھا۔ اذان کی آواز کے ساتھ ہی سب نے کھجور سے روزہ افطار کیا۔ تھوڑا بہت کھا کر مرد نماز پڑھنے مسجد چلے گئے اور خواتین گھر میں نماز مغرب ادا کرنے کھڑی ہو گئیں۔ افرحہ اٹھ کر لان میں چلی آئی حلیمہ بیگم نے اسے اس طرح جانا دیکھا تو افسوس سا ہوا اس کا نماز پڑھنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ دوسری جانب نزل نماز میں مگن تھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو نزل چائے بنا لائی۔

”افرحہ بچی! تم نے نماز نہیں پڑھی؟“ چائے پیتے پیتے حلیمہ بیگم نے قریب بیٹھی افرحہ سے ملائمت سے پوچھا۔

”نہیں۔“ اطمینان سے جواب دیا۔  
 ”کیوں؟“ حلیمہ بیگم کو حیرت ہوئی مگر ملائم لہجے میں دوبارہ سوال کیا۔

”بس دل نہیں کرتا۔“ اسی طرح مطمئن انداز میں برجستہ جواب دیا۔ حلیمہ بیگم اس کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔ کس سچ پر تھی یہ لڑکی؟ جوان بچی ہے اور دین سے اتنی دوری؟ حلیمہ بیگم نے چاہتے ہوئے بھی مزید کچھ نہ کہا اور تاسف سے اپنی پوتی کو دیکھتی رہ گئیں جس کے چہرے پر ذرا بھی ندامت یا شرمندگی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ وہ اپنا



”عادت نہیں مطلب..... یہ دین کی بات ہے فرض ہے یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ ہم اپنی مرضی اور پسند کے مطابق طے کریں وہ یہاں آئی ہے تو اسے اس گھر کے اصول طور طریقے سب کچھ بتائیے کہ اسے یہ اپنانا ہوں گے۔“ راقب کو شدید غصا آ گیا کہ دین کے معاملے میں بھی عادت دیکھی جاتی ہے کیا؟

”ہاں بیٹا! ابھی تو وہ آئی ہے ایک آدھ دن میں سمجھاؤں گی۔ مجھے دلی افسوس ہوا ہے اسے اس طرح نماز روزے سے بے بہرہ دیکھ کر۔“ حلیمہ بیگم آبدیدہ ہو گئیں۔ سحر کا ٹائم ہو گیا سب لوگ سحری کرنے میں مصروف ہو گئے۔

صبح گیارہ بجے کے قریب افرحہ جاگی تو نویدہ نے اس کے لیے ناشتا تیار کر دیا۔ ظہر کی نماز کے بعد خواتین قرآن پاک کی تلاوت کرتیں پھر کچھ دیر بعد افطار کی تیاریوں میں لگ جاتی تھیں۔ افرحہ راقب کا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گئی عجیب بے تکی سی لڑکی تھی اتنی دور سے آئی تھی جن لوگوں کے پاس جن کے درمیان آئی تھی ان لوگوں کے ساتھ نہ ڈھنگ سے بات کرنی نہ کھلتی ملتے تھی اور نہ ہی کسی کام میں ہاتھ بٹائی۔ اپنے سیل فون یا لیپ ٹاپ میں لگی رہتی راقب کو تو اس سے چڑھتی تھی۔ ایک تو افرحہ کی ڈرینگ راقب کو زہر لگتی تنگ جینز چھوٹی شرٹ اور دوپٹے کی جگہ چھوٹے چھوٹے سا کارف۔

دوسرے دن دوپہر میں حلیمہ بیگم اپنے کمرے میں قرآن پڑھ رہی تھیں کہ وہ ٹہکتی ہوئی آ گئی۔

”آؤ بیٹی! انہوں نے اپنے پاس جگہ بنائی۔“ کیسا لگا یہاں آ کر؟“ حلیمہ بیگم کے لہجے میں حلاوت تھی۔

”کیسا لگنا چاہیے؟“ الٹا سوال کیا۔ حلیمہ بیگم نا سمجھی سے آنکھیں جھپک کر رہ گئیں۔ ”آخر کو یہ میری ماما کا سرال ہے جہاں میری ماما رہ کر جا چکی ہیں اور بہت خوش بھی رہیں۔“ افرحہ کے لہجے میں کڑواہٹ تھی۔

”ہاں تمہاری ماما یہاں زیادہ نہیں رہی۔“ حلیمہ بیگم نے دھیرے سے کہا۔

”ہاں ظاہر ہے جو حالات اس وقت تھے وہ ان حالات میں کس طرح رہ سکتی تھیں۔“ لہجے میں کڑواہٹ بدستور نمایاں تھی۔ حلیمہ بیگم نے غور سے اپنی چھوٹی سی پوتی کو دیکھا وہ کہنا کیا چاہ رہی تھی کتنا زہر کھلا ہوا تھا اس کی باتوں میں یقیناً اس کے دل میں دو حیل کے حوالے سے کوئی نرم جذبہ نہیں تھے۔

”یہ کیسی بات کر رہی ہو تم..... تمہیں یہ کس نے بولا؟“

”ظاہر ہے میری ماما نے۔ میری ماما مجھ سے نہیں تو

کس سے بولیں گی کون ہے ان کا میرے علاوہ۔ مجھے

سب پتا ہے آپ کے نویدہ پھوپھو اور سب کے بارے

میں۔“ بدتمیزی سے کہہ کر وہ انھی اور تیزی سے کمرے سے

نکلنے چلی گئی۔ اس کے لہجے سے اس کی باتوں سے

بغاوت کی لہر آ رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں بہت سا انار جم

کر کے لائی تھی اور یہ ساری آگ نازش کی لگائی ہوئی تھی

اس نے معصوم بچی کے ذہن میں نہ جانے کیسا خناس بھر

دیا تھا۔ افرحہ دادو کے کمرے سے سیدھا نویدہ کے کمرے

میں آئی نویدہ الماری سے کپڑے نکال رہی تھی۔

”آ جاؤ گریبا!“ آہٹ پر پلٹ کر دیکھا تو دروازے

میں افرحہ کو دیکھ کر پیار سے اندر بلایا۔ وہ آہستہ آہستہ چل

کر اندر آ گئی۔

”روم تو اچھا سیٹ کیا ہے آپ نے۔“ افرحہ نے

کمرے کے چاروں طرف نگاہ ڈال کر کہا۔

”ہنہ..... نویدہ مسکرا دی۔

”بیٹھو تم۔“ کرسی کی طرف اشارہ کیا تو افرحہ کرسی پر

ٹک گئی۔

”کیا کرتی رہتی ہیں آپ سارا دن؟“ سوال کیا۔

”اسکول کے بعد گھر کے کام اور اماں کی خدمت۔“

نویدہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی کپڑے نکال کر

بیڈ پر رکھے۔

”ہاں ظاہر ہے مصروفیت تو چاہیے ناں آپ کو ویسے

اچھی بھلی تو ہیں آپ شادی کیوں نہیں کی آپ نے؟“

اچانک سوال پر نویدہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔



”بس شاید نصیب میں نہیں تھی شادی۔“ نویدہ نے چہرے پر آئی اداسی کو مسکراہٹ میں بدلنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ویسے اپنی قسمت اور نصیب بنانے میں کچھ انسان کا اپنا ہاتھ بھی ہوتا ہے اور انسان اگر کسی کے لیے بُرا سوچے تو کہیں نہ کہیں بدلہ تو ملتا ہے ناں۔“ نویدہ اس کی بات پر چونکی مگر قدرے سنبھل کر بولی۔

”نہیں گڑیا! ایسا نہیں کہتے ہمارے بس میں کچھ بھی نہیں ہوتا یہ سب اللہ پاک کا کرم اور اس کی مرضی ہے۔ ہم سب تو اس کے محتاج ہیں وہ جسے چاہے جب چاہے اور جیسا چاہے عطا کرتا ہے۔“

”ہاں مگر پچھو بعض دفعہ جب انسان دوسروں پر بے جا سختیاں کرے ان کی خوش حالی چھینے تو سزا تو ملے گی ناں۔“ افرحہ نے اس کی بات کاٹ کر چبھتا ہوا جملہ ادا کیا۔ نویدہ نے اس کے تلخ چہرے کی طرف دیکھا نہ جانے کیا مقصد تھا وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔

”او کے چلیں آپ اپنا کام کریں۔“ نویدہ کے ابجھے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی اور نویدہ اس کی بات کی گہرائی جاننے کی کوشش کرنے لگیں۔

عصر کی نماز سے کچھ دیر پہلے رقیہ اور نویدہ کچن میں تھیں نزل قرآن پاک پڑھ رہی تھی۔ حلیمہ بیگم اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ افرحہ راقب کا لیپ ٹاپ اٹھا کر لے آئی اور چیٹ کرنے لگی۔ ابھی اسے چیٹ کرتے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ راقب دندنا تا ہوا اس کے سر پر پہنچ گیا۔

”یہ تم کس کی اجازت سے لائی ہو؟“

”اجازت مطلب..... نزل نے کہا تھا استعمال کر سکتی ہو تو میں لے آئی۔“ اسی لہجے میں جواب دیا۔

”کسی کی چیز لینے سے پہلے اجازت لینی پڑتی ہے۔ بڑی ماڈرن اور ایجوکیٹڈ بنتی ہوئی تمہیں کچھ ایسی کیٹس بھی آتے ہیں کہ نہیں۔“ راقب نے اس کی جھگ چینٹ اور شرٹ پر طنزیہ نظر ڈال کر تیز لہجے میں کہا۔

”اے مسٹر! مجھے تم سے زیادہ آتے ہیں ایسی کیٹس اب تم مجھے سکھاؤ گے۔“ افرحہ کا غصہ عروج پر تھا۔

”ہاں کیوں کہ تم میں کوئی ایسی کیٹس نہیں اچھے لوگوں میں رہنے کے میسر آتے ہیں تمہیں۔ کہاں کیسے اور کس طرح رہا جاتا ہے کس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا ہے؟ کس وقت کیا کرنا ہے؟ تمہیں کسی بات کا کچھ بھی پتا نہیں ہے۔“ راقب بھلا کب چپ رہنے والا تھا۔

”نی ہیو یور سلیف..... تمیز سے بات کرو مجھ سے۔“ وہ تیخ پا ہو گئی۔

”تم..... تم جہاں سے آئی ہو ناں وہاں تمیز لفظ کا مطلب بھی نہیں پتا ہوگا۔“ راقب سارے بدلے آج ہی نکال لینا چاہ رہا تھا۔

”آپ..... آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔“ اس وقت نزل بھاگی چلی آئی۔

”بھائی کیا ہو گیا ہے؟“ آتے ہی راقب سے مخاب ہوئی۔

”نزل بتاؤ اپنے بھائی کو کہ تم نے کہا تھا میں یہ استعمال کر سکتی ہوں۔ لعنت بھیجتی ہوں اس پر۔“ لیپ ٹاپ بیڈ پر پٹھا۔

”اوہو..... تمیز سے ذرا محنت کے پیسوں سے خریدا ہے میں نے یہ لفاظیاں اور حاتم طائی والی حرکتیں وہاں جا کر کرنا جہاں یہ برداشت کرنے والے ہیں۔ یہ سیدھے سادھے لوگوں کا گھر ہے۔“ تیز لہجے میں کہہ کر وہ لیپ ٹاپ اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

”افوہ! اپنی تذلیل.....“ افرحہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ راقب کا منہ نوج لے۔ شور کی آواز سے سب لوگ آ گئے۔

”کیا ہوا..... کیا ہوا.....؟“ یہی سوال تھا۔

”وہ بھائی کو غصا گیا تھا اسے لیپ ٹاپ پر کام کرنا تھا اور افرحہ استعمال کر رہی تھی۔“ نزل نے بتایا۔ افرحہ شدت جذبات سے دو پڑی تھی۔

”افرحہ پلیز بھائی کا غصہ تھوڑا سا تیز ہے تم ریلیکس



ہو جاؤ۔“ نزل نے افرحہ کو روتے دیکھ کر سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”غصے کے تیز ہیں تو ان پر کریں غصہ جن پر ان کا حق ہے یا جو ان کا فضول کا غصہ اور طعنے برداشت کر سکیں مجھے کیوں دکھا رہے ہیں؟ کیا جتنا چاہ رہے ہیں وہ؟ میں کیوں کروں برداشت..... میں ممانہیں ہوں سمجھا آپ لوگ۔“ وہ کہتی ہوئی ہاتھ روم میں گھس گئی۔ مطلب کیا تھا اس بات کا یہ تو کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخرا فرحہ اپنی باتوں سے کیا جتلاتا چاہ رہی تھی۔ حلیمہ بیگم سر پکڑ کر رہ گئیں۔

حلیمہ بیگم کا اردہ تھا افرحہ کو عید کرنے کے بہانے یہاں بلوائیں گی اس کی یہاں انڈر سٹنگ ہوگئی تو پھر راقب اور افرحہ کا رشتہ طے کر دیں گی مگر یہاں تو سب کچھ الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ افرحہ تو نازش کی کانی لگ رہی تھی دیے بھی رمضان المبارک کا آخری عشرہ چل رہا تھا عید کی آمد آمد تھی۔ افرحہ نے اسی وقت کال کر کے بصیر احمد کو بلوایا کہ پاپا آپ آ کر مجھے لے جائیں اور بصیر احمد نے دوسرے دن آنے کا کہہ دیا تھا۔

اسی رات حلیمہ بیگم نے افرحہ کو اپنے کمرے میں بلوایا وہ طریقے سے افرحہ سے بات کر کے اسے سمجھانا چاہتی تھیں کہ شاید اس کی سمجھ میں ان کی بات آ جائے۔ تھوڑی دیر بعد افرحہ ان کے کمرے میں گئی۔

”بیٹی افرحہ! تم تو جانتی ہو میری طبیعت کا کوئی بھروسہ نہیں میں چاہتی تھی کہ اس بار عید ہم سب مل کر ساتھ منائیں نہ جانے اگلے سال مجھے عید دیکھنی نصیب ہو کہ نہیں۔ میں اپنے سب بچوں کو اپنی زندگی میں ایک ساتھ دیکھنا چاہتی تھی اس لیے میں نے بصیر احمد سے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور شکر ہے کہ تم آ گئیں۔ دیکھو بیٹی اپنے پھر اپنے ہوتے ہیں میں جانتی ہوں کہ راقب غصے کا تھوڑا تیز ہے زبان بھی چلاتا ہے مگر وہ دل کا بہت نرم ہے محبت کرنے والا ہمدرد ہے میری دلی تمنا تھی کہ تمہاری اور راقب کی شادی ہو جائے لیکن.....“

”ہیں.....؟“ افرحہ نے چونک کر بے زاری اور طنز سے ان کی جانب دیکھا۔

”لیکن مجھے امید بلکہ اب یقین ہو گیا ہے کہ ایسا ناممکن ہے۔ میں نے تم دونوں کی آنکھوں میں لہجے میں ایک دوسرے کے لیے شدید نفرت دیکھی ہے اور آج..... آج اس کا واضح ثبوت بھی مل گیا ہے۔“ انہوں نے ایک لمحہ رک کر ٹھنڈی سانس بھری۔

”پھر بھی میں اپنی سلی کے لیے تم سے تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتی ہوں۔“ حلیمہ بیگم نے بات ختم کر کے سوالیہ نظروں سے افرحہ کی جانب دیکھا۔

”دادو مجھے افسوس ہے کہ آپ بیمار ہو لیکن آپ نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں اس گھر میں آؤں گی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہاں سے میری ماں کو بے عزت کر کے نکالا گیا، ان کو جس گھر میں ان کا مقام ان کی حیثیت نہ دی گئی تو کیا مجھے وہ سب کچھ ملے گا؟ گو کہ میری ماما اور پاپا نے پسند کی شادی کی لیکن آپ کی مرضی کے ساتھ لیکن آپ لوگوں نے انہیں اتنی بڑی سزا دی بس اس لیے کہ وہ آپ کے خاندان کی نہیں تھیں اور رقیہ بتائی کی طرح آپ کے سسرال یا میکے سے نہیں آئی تھیں۔ ان سے گن گن کے بدلے لیے اور اس وقت جب کہ میں پیدا ہونے والی تھی ان کو آپ کی ضرورت تھی آپ نے انہیں گھر سے نکال دیا۔ حیرت تو اس بات کی ہے کہ نویدہ پھوپھو نے اچھے اچھے رشتے ٹھکرادیے صرف اس لیے کہ انہیں بھادو جوں پر حکم چلانے کی عادت تھی۔ میری ماما کی ایک ایک چیز اعلیٰ اور قیمتی کپڑے جیولری اور زیورات تک نویدہ پھوپھو کے استعمال میں ہوتے۔ میری ماما آف تک نہ کریں پھر بھی آپ لوگ قدم قدم پر ان کی تذلیل کرتے رہے۔“ حلیمہ بیگم آنکھیں پھاڑے منہ کھولے اس چھوٹی سی بچی کے منہ سے نکلتے الفاظ کے شعلوں میں جل رہی تھیں۔

”یہ..... یہ..... کیا کہہ رہی ہو تم؟“ انہوں نے سخت لہجے میں سوال کیا۔ یہ سب نازش کا بھرا ہوا زہر تھا اس کی لگائی ہوئی آگ تھی جو آج افرحہ کے دل و دماغ سے الفاظ



کی چیزیں استعمال کرتیں تھیں، ایک ایک بات غلط جھوٹ اور بے بنیاد اتنی نفرت بھردی ہے اس بچی کے دل میں کہ وہ رشتوں کا احترام بھول گئی۔ "حلیہ بیگم غصے سے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

"اماں بس کریں سب کچھ بھول جائیں، بس اس بات کو یہیں ختم کر دیں۔ اسے واپس جانے دیں اور یہ خیال دل سے نکال دیں کہ وہ راقب کی دہن بن کر اس گھر میں آ سکتی ہے۔" نویدہ نے ٹھنڈی سانس بھر کے بڑی ہمتیں جمع کر کے حلیہ بیگم کو تسلی دی۔ اس وقت راقب جو کسی کام سے آیا تھا اندر وادو اور پھپھو کی ساری گفتگو سن چکا تھا اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں وہ دندنا تا ہوا افرحہ کے کمرے میں پہنچ گیا، پوری قوت سے لات مار کر دروازہ کھولا۔

"یہ..... یہ کیا بد تمیزی ہے؟" افرحہ جو ابھی واش روم سے نکلی تھی اسے یوں آتا دیکھ کر غصے سے بولی۔

"بد تمیزی..... بد تمیزی تو ابھی کر کے بتاتا ہوں تمہیں۔" راقب نے دروازہ لاک کر دیا۔

"یہ..... یہ کیا حرکت ہے..... کھولو دروازہ....." وہ گھبرا کر چلائی۔

"چپ....." راقب نے آگے بڑھ کر اس کا منہ زور سے دبایا۔

"یہ کیا جہالت ہے؟" وہ ٹپ کے چلائی۔

"جہالت..... ہاں دکھاتا ہوں جہالت..... تمہاری ماں کو بھی ہم لوگ جاہل لگتے تھے ناں آج دیتا ہوں ثبوت جہالت کا۔" وہ بے حد بھرا ہوا تھا۔

"میں چلاؤں گی..... چلے جاؤں یہاں سے۔" وہ منمنائی۔

"چپ..... خاموش..... ایک لفظ بھی نکالا تو گلا گھونٹ دوں گا۔" اس کے تیور اتنے خطرناک تھے کہ افرحہ کو لگا جیسے وہ پتا نہیں کیا کیا کر دے گا شاید جان سے بھی مار دے۔ اب وہ ڈر گئی تھی۔

"کیا بکواس کر کے آئی ہو تم ابھی ابھی دادو سے.....

کی صورت باہر نکل رہی تھی۔

"مجھے نفرت ہے یہاں کے لوگوں سے اور آج جو میں یہاں آئی ہوں آپ کے لیے تو وہ بھی میری ممانے زبردستی مجھے بھیجا ہے لیکن بس بہت ہو گیا میں کل واپس جا رہی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

"آف....." حلیہ بیگم نے اپنا سر تھام لیا، کتنا زہر تھا اس کے اندر ساری کی ساری جھوٹی اور من گھڑت باتیں تمہیں اس کے دھیال کی طرف سے اس کے دل میں کتنی نفرتیں پل رہی تھیں۔ نازش نے اپنے مکارانہ اور عیارانہ ذہن سے ساری کدورتیں اور نفرتیں افرحہ کے ذہن میں بھردی تھیں۔ نویدہ اماں کے پاس آئی، حلیہ بیگم کے چہرے پر دکھ کرب نمایاں تھا ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو جھللا رہے تھے، دھڑکتی لڑکی نے کیا کچھ کہہ دیا تھا اور وہ صفائی بھی نہ دے سکیں۔

"اماں! یہ سمجھنے والی نہیں ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ جانے دیں واپس آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں کہ وہ نازش کی بیٹی ہے اور نازش نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب آپ کے سامنے ہے ناں اماں....."

"ہاں مگر اس کے ذہن میں جو کچھ بیٹھایا گیا ہے وہ سب بہت غلط ہے..... میں برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ تمہارے بارے میں ایسی سوچ رکھے یہ تمہاری برداشت ہے میری بچی کہ تم آف نہیں کرتیں مگر میں....." حلیہ بیگم رونے لگیں۔

"اماں خدا کے لیے....." نویدہ آبدیدہ ہو گئیں۔

"تم آج تک کنواری بیٹھی ہو صرف نازش کی وجہ سے تمہارا رشتہ ختم ہوا اور وہ کہہ رہی ہے کہ تم نے رشتوں سے انکار کیا، کیوں کہ تمہیں بھابھو جوں پر حکم چلانے کی عادت تھی۔ ہم نے اس سے بھی ایک گلاس پانی بھی نہ مانگا اور وہ کہہ رہی ہے کہ وہ سارے گھر کا کام کرتی تھی۔ اس نے تم پر انگوٹھی چوری کا الزام لگایا اور کہتی ہے کہ تم نے زیورات پر قبضہ کر لیا۔ ایک لپ اسٹک لگانے پر اس نے اپنا کاسٹیکس صحن میں پھینک دیا تھا اور کہا کہ تم اس



کیا کیا بولا ہے میری دادو اور پھوپھو کے بارے میں؟ میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ تمہاری ماں نے پہلے کم فساد ڈالا تھا کہ اب تم آگنی ہو یہاں پر فساد پھیلانے.....“

”راقب! میری ماما کے بارے میں کچھ بولا تو مجھ سے بُرا کوئی.....“

”ہا ہا ہا.....“ راقب زور سے ہنس دیا اور اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”تم سے اور تمہاری اماں سے بُرا کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ تمہاری ماں چند ماہ ہمارے گھر میں رہیں اور جتنی آگ لگا سکتی تھی لگا کر چلی گئیں اور تم کو بھیجا ہے..... کوئی نئی چال ہوگی ان کے شاطر ذہن میں.....“

”راقب میری ماما.....“ اس نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

”چپ کرو اور صرف میری بات سنو۔“ راقب گرجا۔

”پتا بھی ہے تمہیں کہ تمہاری ماں نے کیا کیا؟ تمہاری ماں کی وجہ سے آج تک میری پھوپھو کنواری بیٹھی ہیں کیونکہ تمہارے پاپا اور پھوپھو کی شادی وٹہ سٹہ میں دادو کے بھائی کے ہاں طے ہو چکی تھی۔ تمہاری ماں نے چاچو سے شادی کی تو پھوپھو کا رشتہ بھی ختم ہو گیا اور..... پھر ان کے جوڑ کا کوئی رشتہ خاندان میں نہیں ملا اور پھوپھو جو بچپن سے ہی فاصل ماموں کو اپنا مان چکی تھیں انہوں نے بھی کسی اور سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ رشتہ ختم ہوا تو دادو سے ان کے میکے والوں نے نا طے توڑ لیے۔ میری دادو اپنے ماں باپ بھائی بہن سے جیتے جی جدا ہو گئیں اور آج تک ان کے لیے تڑپتی ہیں ان کے ماں باپ مر گئے بھائی مر گئے مگر میری دادو کو ان کا آخری دیدار تک نصیب نہ ہوا۔

تمہاری ماں کو یہاں کے لوگ یہ گھر سب کچھ دقیا نو سی نظر آتا ہے ان کو شہر کے آسائشوں کی عادت تھی وہ یہاں کیسے ایڈجسٹ کر پائیں حالانکہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی کبھی نویدہ پھوپھو نے یا دادو نے یا میری ماں نے ان کے ساتھ کوئی غلط برتاؤ نہ کیا۔ وہ گیارہ بجے تک سوتی رہتیں کوئی کام نہ کرتیں مگر کسی نے انہیں کبھی کچھ نہ بولا۔ یہ سب میں نے دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے میں گواہ ہوں۔

ایک بار صرف میری پھوپھو نے ان کی لب اسٹک لگا لی تو انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اپنی ساری کاسٹیکس محکم میں پھینک دی۔ ایک بار میری ماما کی بچان کے سامنے گیا وہ سلب ہوئیں تو انہوں نے میرے منہ پر بھر پور طمانچہ مارا تھا جس کی جلن آج تک مجھے محسوس ہوتی ہے۔ میں سب کا لاڈلا تھا کسی نے آج تک مجھے گھور کر بھی نہ دیکھا تھا میرے منہ پر پہلا اور آخری طمانچہ تمہاری ماں نے مارا تھا۔ اس پر بھی انہیں برداشت کیا لیکن.....“ شدت جذبات سے راقب کی منٹیاں بھنج گئیں اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ افرحہ منہ خود اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”ایک بار تو انہوں نے ذالالت کی حد کر دی جب میری معصوم پھوپھو پر ڈائمنڈ رنگ کی چوری کا الزام لگایا جو کہ چاچو نے انہیں منہ دکھائی میں گفٹ کی تھی اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے انہیں وہ رنگ پرس میں رکھتے دیکھا تھا۔“

”ڈائمنڈ رنگ منہ دکھائی والی..... وہ تو اب بھی نازش کے پاس تھی۔“ اچانک افرحہ کے ذہن میں نازش کی وہ انگلی آگنی جو افرحہ کو بہت پسند تھی۔

”اور انہوں نے اس وقت تک یہ بات بھی چھپائی ہوئی تھی کہ تم پیدا ہونے والی ہو بس جب انگلی والی بات ہوئی تب دادو کی ہمت ختم ہو گئی اور انہوں نے چاچو سے کہہ دیا کہ وہ اپنا ٹھکانا لگ کر لیں لیکن اس سے پہلے دادو نے چاچو کا حصہ اور اپنے زیورات کا بھی ہنوار کر کے چاچو اور تمہاری ماں کے حوالے کر دیا تھا۔ ہمارے یہاں کہیں بھی کسی معاملے میں کوئی جھول یا زیادتی نہ ہوتی مگر تمہاری ماں کے فطین ذہن میں ابھی تک خناس بھرا ہے کہ تم کو تیار کر کے بھیج دیا۔ مجھے تو شرم آتی ہے تمہیں اپنا کہتے ہوئے اور اب..... اب دادو میری اور تمہاری شادی کا خواب دیکھ رہی ہیں اتنا سب کچھ ہونے کے بعد وہ تمہیں اس گھر میں لانا چاہتی ہیں ہنہ۔ لعنت بھیجتا ہوں میں تم پر جسے نہ کپڑے پہننے کا سلیقہ ہے نہ بات کرنے کا ذہنک۔“ وہ بات ختم کر کے اسے بیڈ پر زور



سے گراتے ہوئے دندنا تا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ افرحہ منہ کھولتے نکھیں پھاڑے اس کی باتیں سنتی رہی تھی۔  
”یہ کیا بکواس کر کے گیا ہے؟“ جب ذرا سا سنبھلی تو تیزی سے انہی کہ جا کے دادو کو بتائے کہ وہ کیا بول کر چلا گیا مگر نویدہ پھپھو کے کمرے سے آتی آوازوں نے اس کے قدم روک دیئے۔

”پھپھو آپ لوگوں میں حوصلہ صبر اور برداشت ہے مجھ میں نہیں۔ میں نہیں کر سکتا اس کی بکواس برداشت پہلے اماں تھیں اب بیٹی ہے کہ جو منہ میں آئے بکواس کرتی چلی جاتی ہے اور آپ لوگ اس کو اصل حقائق بھی نہیں بتاتے۔ میں نے اسے تمام سچائی بتادی ہے میں جانتا ہوں پھپھو کو آپ نے ساری زندگی کس طرح گزاری ہے بظاہر ہنسنے والی نویدہ اندر سے کتنی کمزور ہے کتنی دکھی ہے۔ اب وہ بھاڑ میں جائے یا جہنم میں مجھے کوئی پروا نہیں۔“ افرحہ اپنے پاؤں اپنے روم میں واپس آ گئی۔

”آف خدایا..... مطلب یہ سب کچھ سچ تھا میری ماماں وہ انگلی تھی تو ان کے پاس ہے اور پھپھو کے ساتھ ایسا کچھ ہوا تھا انہوں نے پایا اور ماما کے لیے اتنی بڑی قربانی دی تھی اور ماما نے کتنی غلط بات بتائی سب کچھ جھوٹ تھا سب غلط تھا۔“ اس کا سر گھوم رہا تھا۔

”ماما کو اتنی نفرت اتنی شدید نفرت رہی ہے سسرال سے کہ انہوں نے مجھے بھی متنفر کر دیا۔“ اس کا دماغ بڑی طرح گھوم رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کرے۔ ”دادو نے ساری زندگی اپنے سگے رشتوں سے کٹ کے گزار دی اپنے ماں باپ اور بھائی کا آخری دیدار بھی نہ کر سکیں۔“ اس کی خوب صورت آنکھوں سے لاتعداد آنسو نکل کر اس کے گالوں پر پھیلنے لگے۔ ”یہ لوگ کتنے اچھے ہیں اور ماما آپ نے ایسا کیوں کیا؟“

”راقب اگر سچائی نہ بتاتا تو میں تو ساری عمر ان لوگوں سے نفرت کرتی رہتی۔“ راقب کا خیال آیا تو دل عجیب انداز میں دھڑکا۔ راقب جس نے سب کچھ دیکھا برداشت کیا ہے اگر وہ اتنا کہہ گیا تو غلط نہیں ہے وہ۔

راقب کے لیے دل میں پوزیو پوائنٹ سم لینے لگے اچھا تو وہ پہلی نظر میں لگا تھا مگر اپنی نیچر کی وجہ سے کھڑوس بھی لگا تھا مگر اس کا رویہ اگر غلط تھا تو ٹھیک ہی تھا اور اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی دادو تائی اماں اور پھپھو سے راقب کی ذہن بنانے پر راضی تھیں یہاں پر تو سب لوگ اچھے تھے نرم خواہر مخلص.....

”یا اللہ میں کیا کروں؟ میری ماما نے گزشتہ پندرہ برس سے میرے ذہن میں جو ڈالا میں نے تو وہ سچ سمجھا اور ان لوگوں کے ساتھ اتنی بدتمیزیاں کیں۔“ پھپھو کے احساس سے وہ رونے لگی شاید سحری کا ٹائم ہو گیا تھا وہ رات بھر اسی طرح سوچتی رہی تھی۔ نہ جانے دل میں کیا آیا اٹھ کر ٹی وی آن کر لیا۔ سحری کی نشریات اشارٹ ہو چکی تھی نماز اور روزہ کے بارے میں مقرر بیان دے رہے تھے۔ وہ کچھ دیر سنتی رہی پھر ٹی وی بند کر کے انہی اور باتھ روم میں گھس گئی۔

برآمدے میں دسترخوان لگا ہوا تھا اور سب لوگ سحری کرنے میں مصروف تھے۔

”ارے آ جاؤ بیٹی!“ رقیہ بیگم کی نظر اس پر پڑی تو آواز دی سب نے نگاہ اٹھائی۔ پہلی بار چھوٹے سے اسکا روف کو پھیلایا کر سر پر اوڑھے وہ کھڑی تھی۔ راقب نے بے نیازی سے دیکھا اور دوبارہ سر جھکا کر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ دادو کچھ خفا خفا سی تھیں بنا کچھ بولے کھا رہی تھیں جب کہ پھوپھو ہمیشہ کی طرح میٹھی مسکان ہونٹوں پر سجائے اسے ایک ایک چیز پیش کر رہی تھیں۔

”پھپھو آپ کتنی اچھی ہو۔“ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ سحری کا ٹائم ختم ہوا تو نزل نے افرحہ کی طرف پانی کا گلاس بڑھایا۔

”نزل! پہلے پانی اسے دو جسے روزہ رکھنا ہے۔“ راقب نے نزل کو مخاطب کر کے پس پردہ افرحہ پر چوٹ کی۔

سحری سے فارغ ہو کر سب نماز پڑھنے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے نزل دادو کے ساتھ نماز پڑھتی تھی وہ وضو کر کے ان کے کمرے میں آ گئی۔ حلیمہ بیگم کے ساتھ



نزل نیت باندھے والی بھی کہ افرح آگئی۔

”نزل پلیز مجھے کوئی بڑا دوپٹہ دے دو میں نے نماز پڑھنی ہے۔“ افرح کے ساتھ حلیمہ بیگم نے بھی چونک کر حیرت سے اسے دیکھا۔

”پہلے ڈھنگ کے کپڑے پہن کر آؤ۔“ حلیمہ بیگم نے اس کی چیز اور چھوٹی سی شرٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”وہ تو نہیں ہیں میرے پاس۔“ خلاف توقع سر جھکا کر شرمندگی سے بولی۔

”اوکے آؤ میں تمہیں اپنے کپڑے دیتی ہوں۔“ نزل نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے میں لے آئی۔ لانگ شرٹ، ٹراؤزر اور بڑے سے دوپٹے میں وہ اچھی لگ رہی تھی۔

”دادو میں ابھی گھر نہیں جاؤں گی۔“ نماز پڑھنے کے بعد وہ حلیمہ بیگم کے پاس آ کر دھیمے لہجے میں بولی۔ ”اچھا۔“ حلیمہ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”دادو آپ ناراض ہیں ناں مجھ سے؟ ہونا بھی چاہیے کیوں کہ میں نے آپ لوگوں کے ساتھ بہت بد کمیزی کی۔ پلیز دادو مجھے معاف کر دیں۔“ وہ حلیمہ بیگم کا گھٹنا پکڑ کر رو پڑی۔ ”میں حقائق سے لاعلم تھی دادو!“ حلیمہ بیگم نے غور سے اس معصوم سی لڑکی کو دیکھا کہ گزشتہ رات جس کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے آج..... آج کتنی نرم اور معصوم لگ رہی تھی۔

”دادو مجھے تو کچھ پتا ہی نہیں تھا اور یہ سب کچھ ری ایکٹ کرنے میں میرا کوئی قصور بھی نہ تھا، گزشتہ پندرہ سالوں سے جو بات مسلسل میرے دل و دماغ میں بٹھائی جا رہی تھی میں اس کو سچ سمجھوں گی ناں۔“ وہ روتے ہوئے اعتراف کر رہی تھی۔ حلیمہ بیگم نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا، ان کی آنکھیں نم ہو گئیں، نزل کو بھی رونا آ گیا۔ ”مجھے اب صحیح غلط کا پتا چل گیا ہے میں بہت شرمندہ ہوں۔“ وہ برابر روئے جا رہی تھی۔

”بس کرو میری بچی تم ہمارا خون ہو میرے بیٹے کی اولاد۔ تم مجھے بہت عزیز ہو ہمیشہ میرا دل تڑپتا تھا تم سے

ملنے کو مگر تمہاری ماں کی وجہ سے چپ ہو جاتی مگر اس بار میں نے بصیر احمد سے کہا کہ میری زندگی میں مجھے میری پوتی دکھا دو تب اس نے حامی بھری۔“ تھوڑی دیر میں رقیہ اور نویدہ بھی آ گئیں۔

”پھپھو! آئی ایم سوری۔۔۔۔۔“ نویدہ سے گلے لگ کر وہ بُری طرح سسک پڑی۔ ”آپ بہت گریٹ ہو پھپھو! مجھے معاف کر دیں پلیز میں نادان تھی یا گل تھی۔“ وہ زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ رقیہ سے مل کر بھی خوب روئی۔ راقب کو ہاتھ چلا تو وہ طنز سے ہنس دیا۔

”سارے ڈرامے ہیں اس کے بڑی چلتر اور چال باز لڑکی ہے۔ آخر کس پروڈیوسر نے تیار کر کے بھیجا ہے اسے۔“

”جب کرو بھائی! وہ بدل گئی ہے۔“ نزل کو راقب کی بات پر ہنسی بھی آ گئی۔ افرح نے نازش کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ عید کر کے آئے گی۔

”اد کے گڑیا! آتے وقت مال ضرور لانا اپنی دادو کی تجویزوں کا۔“ نازش نے کہا تو افرح ماں کی سوچ پر کف افسوس مل کر رہ گئی۔

آج افرح نے روزہ بھی رکھا تھا، عصر کی نماز کے بعد جب خواتین کچن میں تھیں افرح دادو کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ دادو جیسے وہ ظالم سمجھتی تھی قریب سے محسوس کیا تو کتنی حلیم اور متین لگی تھیں۔ اس نے دادو کا نرم و نازک ہاتھ تھام لیا۔

”دادو آپ کتنی پیاری ہیں۔“ غور سے ان کے صبح چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو حلیمہ بیگم مسکرا دیں۔ اسی لمحے راقب اندر آیا، فیروزی لانگ شرٹ پر وائٹ چوڑی دار پاجامہ اور وائٹ بڑے سے دوپٹے میں وہ بالکل مختلف لگ رہی تھی۔

”دادو یہ گئی کیوں نہیں؟“ راقب نے حقارت سے اس کی جانب دیکھ کر سوال کیا۔

”راقب! بیٹا ایسے نہیں کہتے۔“ حلیمہ بیگم نے ملاحت سے کہا۔



”پلیز دادو اس سے کہیں کہ فوراً یہاں سے چلی جائے“  
مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتی۔ ہمارے گھر میں بدتمیز  
لوگوں کی کوئی جگہ نہیں۔ یہاں پر رشتوں کی قدر کی جاتی  
ہے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں کا لحاظ کیا جاتا ہے۔  
ہمارے یہاں بات کرنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھا  
جاتا ہے کہ بات کس سے کی جا رہی ہے۔“  
”بیٹا وہ شرمندہ ہے۔“ حلیمہ بیگم بولیں۔

”آپ لوگ آجائیں اس کی ڈرامہ بازیوں میں مگر  
میں نہیں آسکتا۔ پکی ٹریننگ لے کر آئی ہے اور ٹرینز بھی  
کون ہے آف۔۔۔۔۔“ راقب نے طنز سے ہنس کر کہا۔  
”راقب۔۔۔۔۔!“ دادو نے سرزنش کے انداز میں کہا۔  
”اگر کوئی غلطی مان لیتا ہے تو سچے دل سے معاف کر دیتے  
ہیں سچے۔“

”لو کہ آپ لوگ کر دیں معاف۔“ اس نے زہر ملی  
نظر افرحہ پر ڈالی اور کمرے سے نکل گیا۔ افرحہ نم نم  
آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

دادو نے عید پر افرحہ اور نمل کے لیے ایک جیسے  
کپڑے بنوائے تھے افرحہ کے دل میں راقب کے لیے  
میٹھے جذبے جنم لینے لگے تھے اسے اکھڑ مزاج راقب اچھا  
لگنے لگا تھا۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ راقب کے دل میں  
جگہ بنائے راقب اس کی غلطیوں کو معاف کر دے مگر۔۔۔۔۔  
راقب اس پر نظر ڈالنا بھی تو زہریلی بات کرتا بھی تو کوئی نہ  
کوئی طنز چھپا ہوتا۔ دو دن بعد عید بھی عید کی خوب تیاریاں  
ہو رہی تھیں افرحہ کا دل بچھا بچھا سا تھا اس کی سمجھ میں نہیں  
آ رہا تھا راقب کا دل کیسے صاف کرے باقی سب لوگ تو  
اسے معاف کر چکے تھے۔



رات اپنے کمرے میں آیا تو ٹیبل پر پیپر ویٹ کے  
نیچے پھڑ پھڑاتا کاغذ دیکھ کر اٹھا لیا کھولا تو لکھا تھا۔  
”راقب!“

میں جانتی ہوں آپ کے دل میں میرے لیے صرف  
اور صرف نفرت ہے اور کسی حد تک بچا ہے۔ میں جانتی

ہوں میری ممانے اس گھر میں رہ کر یہاں کے لوگوں کے  
ساتھ بہت برابر رہ رکھا۔ ممانے کی وجہ سے آپ تمام لوگ  
اسٹیشنری نویدہ پھونکشی ڈسٹرب رہیں لیکن مجھے تو ان تمام  
حالات کا پہلے سے علم نہیں تھا۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ میں  
کہاں غلط ہوں میں تو ایک بچی تھی اور ایک بچی کو جب  
چار سال کی عمر سے ایک ہی بات بتائی جائے ایک ہی رخ  
دکھایا جائے تو وہ کیا سیکھے گی؟ اور میں نے جب سے ہوش  
سنجلا صرف ممانے اور پاپا کو دیکھا۔ مجھے ممانے ہی پیار رہا  
مجھے کیا پتا رشتوں کی اہمیت کیا ہوتی ہے؟ خون کے رشتے  
کیسے ہوتے ہیں؟ بے شک میں بھی بہت بُری ہوں بدتمیز  
ہوں غلط ہوں لیکن اس میں میرا قصور کہاں ہے؟ مجھے جو  
بتایا گیا میں نے وہ سچ سمجھا میں نے رورو کر سب سے اپنی  
غلطیوں کی معافی مانگ لی سب نے مجھے معاف کر دیا  
لیکن ایک کسک ایک چھین اور افسوس ہے کہ آپ کے دل  
میں جگہ نہ بنا سکی جس کا مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا۔  
میں آپ پر زبردستی اپنا آپ مسلط نہیں کر سکتی ہاں مگر خود کو تو  
سزا دے سکتی ہوں اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں  
ساری زندگی شادی نہیں کروں گی اور جب میری ممانے  
تہا اور دادو اس دیکھیں گی تو تب ان کو احساس ہوگا کہ اس درد  
کا جو دادو نے محسوس کیا اس کرب کا جعاجع تک پھونکھوس  
کرتی ہوں گی۔ میں یہ کہنے میں فخر محسوس کرتی ہوں کہ  
میں اس گھر سے وابستہ ہوں اور۔۔۔۔۔ اور یہ بھی بلا جھجک  
کہوں گی کہ مجھے آپ اچھے لگتے ہو میں آپ سے محبت  
کرنے لگی ہوں۔ میری خوش نصیبی ہوتی کہ اگر میں آپ  
سے شادی کر کے ہمیشہ ہمیشہ اس گھر میں رہ کر پھونکھو دادو اور  
ممانے کی خدمت کرتی لیکن یہ خوشی میرے نصیب میں  
نہیں یا شاید میں اس قابل نہیں کہ اس گھر کا حصہ بن کر  
زندگی گزاروں بہر حال یہ کسک اور تکلیف مجھے ساری  
زندگی رہے گی۔ بس ایک گزارش ہے جاتے جاتے آخری  
اتجا ہے کہ پلیز پلیز مجھے معاف کر دیں کل میں ہمیشہ  
ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلی جاؤں گی۔“

افرحہ



”افوہ.....!“ رات میں دو تین بار خط پڑھا۔ ”یہ لڑکی مجھے چاہنے لگی ہے مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتی ہے۔“ راقب بستر پر لیٹا اس کی ایک ایک بات پر غور کرتا رہا تب اسے احساس ہوا کہ واقعی وہ سچ کہہ رہی تھی ان سب باتوں میں اس کا قصور نہیں تھا۔ وہ تو ریموٹ سے چلنے والی گڑیا تھی جس کا ریموٹ نازش کے ہاتھ میں تھا۔ وہ صبح تک جاگتا رہا، صبح اٹھ کر آفس چلا گیا۔

آج چاند رات بھی خوب گہما گہما اور عید کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ فرحہ بہت اداس تھی۔ افطار سے کچھ دیر پہلے راقب گھر آیا ایک اچھتی نظر فرحہ پر ڈالی۔ فرحہ نے نگاہیں چرا لیں یقیناً اس نے خط پڑھ لیا ہوگا۔ فرحہ کے دل میں ایک کسک سی اٹھ رہی تھی شاید اسی کو محبت کہتے ہیں ایسا جذبہ جو اچانک سے جہنم لے کر انسان کی نس نس میں سرایت کر جاتا ہے اور جب سامنے سے پوزینو جواب نہ ملے تو دل ٹوٹ جاتا ہے انسان بکھر جاتا ہے۔ فرحہ کی حالت بھی ایسی ہی تھی بظاہر ہنستی مسکراتی فرحہ اندر سے بکھر چکی تھی۔ کل عید بھی اسے واپس لوٹ جانا تھا۔

چاند نظر آ گیا تھا سب ایک دوسرے کو چاند رات کی مبارک باد دے رہے تھے۔ وہ بھی سب سے ملی اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ آنسو مچھلنے لگے تھے ایک طرف ماں کی اصلیت سامنے آنے کا دکھ تھا تو دوسری جانب راقب کی سرد مہری اور بے اعتنائی مارے دے رہی تھی۔ کل واپس بھی لوٹ جانا تھا اتنے اچھے لوگوں سے بچھڑنے کا دکھا لگ تھا۔

”کاش..... کاش! راقب ایک بار ایک بار تم میرے دل میں جھانک کر دیکھ لو۔ میرے روم روم میں تم بس گئے ہو۔“ روتے روتے سر اٹھایا تو عین سامنے راقب کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں وہ پرچہ تھا۔

”یہ..... یہ کیا ہے؟“ پرچہ نگاہوں کے سامنے لہرایا۔ فرحہ گڑبڑا گئی۔

”آپ نے پڑھا نہیں؟“ سوال کیا۔

”پڑھ لیا۔“ لہجے میں وہی اکٹھڑ پن تھا وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ ”اور یہ کیا ہے؟“ سامنے رکھے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”یہ میرا سامان ہے کل میں واپس جا رہی ہوں۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی افرحہ کا لہجہ بھیک گیا۔

”پاگل ہو گئی ہو یا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا اتنا سب کچھ کر کے اب یہاں سے بھاگ بھی رہی ہو؟“ لہجہ بدستور اکٹھڑ تھا۔

”میں نے جو کچھ کیا ہے اس کی معافی مانگ لی ہے ناں۔“ نگاہیں اٹھا کر معصومیت سے جواب دیا۔ راقب دو قدم بڑھا کر اس کے مزید قریب ہوا معصومیت سے نگاہ اٹھائی تو راقب کی نگاہیں اس کی نگاہوں سے ٹکرائیں راقب گڑبڑا گیا۔

”ہاں مانگ لی ہے مگر میں تم کو معاف نہیں کروں گا۔“ وہ مزید قریب ہوا۔

”کیا.....؟“ معصومیت ہنوز برقرار تھی۔ ”پلیز راقب!“ اس نے ہاتھ جوڑ لیے بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

”ارے ارے.....“ راقب گڑبڑا گیا۔ بلیک بورڈ پر عہد سوٹ میں بڑا سا دوپٹہ شانوں پر ڈالنے بالوں کو کچھر میں جکڑے روٹی ہوئی معصوم سی افرحہ راقب کے دل میں اترتی چلی گئی۔

”ہاں میں تم کو اتنی آسانی سے جانے بھی نہیں دوں گا وہ بھی چوری کر کے۔“

”چوری کر کے.....؟“ بڑی بڑی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

”ہاں پاگل لڑکی بچھلے ایک ہفتے سے میرا دل چرا کر بیٹھی ہو اور اب واپس بھی جا رہی ہو۔“ راقب سے مزید برداشت نہ ہوا تو شہما لکھیں لہجے میں بولا۔

”جی..... جی.....!“ حیرت اور بے یقینی کے احتجاج نے اس کو مزید حسین بنا دیا تھا۔

”جی جناب! اپنی تمام تر بدتمیزیوں کے ساتھ تم مکمل



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



طور پر میرے دل پر قابض ہو چکی ہو اگر تم میرے بنا نہیں رہ سکتیں تو میں بھی اس تک چڑھی اور بد مزاج لڑکی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ خوب صورت اعتراف پر افرحہ کے حسین چہرے پر قوس و قزح چھا گئی۔ اچانک ہی اتنی بڑی خوشی مل گئی تھی جس کا سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔ راقب بڑی پیار بھری نظروں سے اس کے معصوم سے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا ابھی کچھ دیر پہلے کی ادا سی نہ جانے کہاں گم ہو چکی تھی اس وقت اس کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

”آئی لو یو۔“ وہ بولی۔

”آئی لو یو ٹو پگی!“ اس نے قریب آ کر شرارت سے

افرحہ کا سر ہلایا۔



گھر میں چاند رات کے حسین ہنگاموں میں یہ بھی طے پایا کہ عید کے دن راقب اور افرحہ کا نکاح بھی کر دیا جائے گا یہ سن کر نازش کو پتے لگ گئے مگر اس بار بصیر احمد نے مرد ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے فیصلہ سنا دیا۔

پچھلے بیس سالوں میں یہ پہلی عید تھی جو افرحہ کے لیے انوکھی اور خوب صورت تھی۔ نزل نے رات کو ہی سب کے کپڑے پرپس کر کے رکھ دیئے تھے۔ فجر کی نماز کے بعد رقیہ اور نویدہ شیر خورہ اور عید کے پکوان کی تیاریوں میں لگ گئے نہاد جو کہ مرد نماز پڑھنے چلے گئے تو ان کے آنے تک خواتین ناشتا تیار کر کے نہاد جو کہ تیار ہو گئیں۔ نزل اور افرحہ نے ایک جیسے کپڑے پہنے تھے میرون اور گرین کوہی نیشن والے بھاری جدید طرز کی لاٹک فراک اور چوڑی دار پا جامے پر میچنگ نازک سی جیولری اور بڑے سے دوپٹے کو سیٹ کر کے بلکے میک اپ میں افرحہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ راقب اور صغیر احمد عید کی نماز پڑھ کر آئے تو پہلے حلیمہ بیگم نے اور پھر صغیر احمد نے سب میں عیدی تقسیم کی۔ گرے سلک کے ہلکی ایمرائیڈری والے گرتے، دائٹ چوڑی دار پا جامہ اور گرے کھنسنے میں راقب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ راقب اور افرحہ نے ایک

دوسرے کو عید کا سلام کیا۔

”گلے نہیں ملو گی؟“ راقب کی سرگوشی پر افرحہ بلش ہو گئی۔

ناشتے کے بعد افرحہ کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں آ گئی پاپا تو آنے والے تھے مگر ممانے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ یہاں نہیں آئیں گی کیوں کہ انہیں افرحہ اور راقب کے نکاح پر شدید اعتراض تھا۔ افرحہ نے ممانے سے بات بھی نہیں کی تھی لیکن اسے کچھ کچھ افسوس بھی ہو رہا تھا آخر کو وہ ماں تھیں۔ بصیر احمد کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ ان سے ملنے ڈرائنگ روم میں آ گئی اندر کی صورت حال اس کے لیے غیر یقینی اور حیران کن تھی۔ نازش حلیمہ بیگم کے پیر پکڑے زار و قطار رو کر معافیاں مانگ رہی تھیں اور حلیمہ بیگم نے اٹھ کر ان کو گلے لگالیا۔

”نویدہ میری بہن تم بھی مجھے معاف کر دو۔“ نویدہ کے گلے لگ کر بھی نازش رو دیں وہ اپنی غلطیوں پر سخت پشیمان تھیں۔ انہیں احساس ہو گیا تھا جب ان کو یہ پتا لگا کہ افرحہ اب لوٹ کر نہیں آئے گی تب انہیں اولاد کی دوری کا احساس ہوا اور وہ اپنی غلطیوں کی تلافی کرنے خود ہی بصیر احمد کے ساتھ چلی آئی تھیں۔

”یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری زندگی میں میرا گھر مکمل ہو گیا ہے۔“ حلیمہ بیگم روتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں کمرے میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ آج صحیح معنوں میں عید کا دن ”عید کا دن“ لگ رہا تھا۔ راقب نظر بچا کر افرحہ کا ہاتھ تھام کر اسے باہر لے آیا۔

”میری عیدی۔“ افرحہ نے ہاتھ آگے کر کے اس سے عیدی طلب کی۔ راقب نے جذب سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کی پشت پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ پیار کی پہلی نشانی ”پہلی عیدی“ افرحہ کو جان سے پیاری تھی۔ افرحہ نے ایک خوب صورت نگاہ اپنے ہاتھ پر ڈالی اور عین اسی جگہ اپنے ہونٹ رکھ کر جواباً ”عیدی دے دی!“





روایت کن  
سند سن جیں

عبد سعيد عبد سعيد عبد سعيد عبد سعيد عبد سعيد عبد سعيد عبد سعيد

وعدوں کے ساتھ ساتھ بہت دور تک چلیں  
تھامے تمہارا ہاتھ بہت دور تک چلیں  
بادل ہوا سراب ستارے ہزار ہا  
ہم لے کے کائنات بہت دور تک چلیں

”محترم افضل علی درگاہ شریف ضعیف علی نورانی کے  
نئے سجادہ نشین مقرر“ میں نے فرنٹ پیج کے کونے میں  
لگی اس دوکانی خبر کو بڑے دھیان سے پڑھا پھر ایک  
طویل سانس لے کر اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ اخبار میں  
میری دلچسپی یکسر ختم ہو چکی تھی میں نے بمشکل ناشتہ ختم  
کیا اور اٹھ کر بابا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا وہ بستر پر  
دراز تھے۔

”اچھا بابا! میں جا رہا ہوں، کوشش کروں گا کہ لنچ پر Thing to do کی لسٹ چیک کی تھی اور طویل سانس

آنجل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 147



بیک ٹیون کے طور پر جو تیز میوزک والا انگلش گانا سیٹ کیا ہوا تھا اس نے میری کوفت میں مزید اضافہ کیا تھا مگر اس سے پہلے کہ میں جھلا کر فون کاٹ دیتا اس نے کال پک کر لی۔

”کون.....؟“ اس کی نیند میں ڈوبی آواز سے مجھے اندازہ ہوا یقیناً محترمہ گہری نیند میں غرق تھیں۔

”ہاں اب میں تمہیں کون اور آکس کریم ہی نظر آؤں گا۔ شہزادہ گلغام تو بس وہ تیمور طارق رہ گیا ہے نا؟“ میں نے الٹی چڑھائی والی پالیسی اپنانا بہتر سمجھا آخراخبار والا جو ہوا۔ دوسری طرف سے مدہم ہلسی کی آواز آئی۔

”ویسے اس میں کوئی شک بھی نہیں۔“ اس نے اترا کر کہا۔

”اس خوش فہمی سے نکلنے کا ایک طریقہ ہے میرے پاس، پلیز تم دونوں اکٹھے ہو کر آئینہ ضرور دیکھنا۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں پہلوئے حور میں لنگور کی مثل کا مجسم نظر آئے گا۔“ میں نے اطمینان سے اس کی خوش فہمی کا بیڑا غرق کرتے ہوئے تیمور کی ٹانگ کھینچی تھی۔ مگر وہ ذرا بھی بد مزانہ ہوئی، ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

”بات تو تمہاری ٹھیک ہے مگر شہزاد تمہیں نہیں لگتا، تم نکتہ چین ہوتے جا رہے ہو۔ دیکھو میرے بھائی! لوگوں کے بچے ادھیڑ گھر تک نہ آؤ، میرا اکلوتا شوہر ہے وہ اور ذرا شرم تم بھی کرو تمہارا اکلوتا بہنوئی ہے۔“ اس نے مجھے لتاڑا، مجھے اس کے اکلوتے کی اصطلاح پر ہنسی آگئی تھی۔

”اکلوتا شوہر ہونے والی بات ذرا غلط ہے سب کا ایک ہی ہوتا ہے البتہ میرا بہنوئی اکلوتا ہونے کا اعزاز اس کے پاس ضرور ہے ویسے وہ گھامڑ ہے کہاں؟“ میں نے پھر اسے چھیڑا۔

”اچھا جی شہزاد ارسل صاحب، جرنلسٹ پلس کالمسٹ پلس ایڈیٹر صاحب! ہمیں معاف کر دیجیے آپ کا بہنوئی کا اعزاز رکھنے کے بعد اس کے حواس کہاں قابو آ سکتے تھے وہ عالم مدہوشی میں پڑا ہے۔“ اس بار وہ اچھا خاصا جل کر بولی۔

لے کر گاڑی روڈ پر ڈال دی۔ بھلا ایک اخبار کے سب ایڈیٹر کی مصروف زندگی میں کتنی فراغت ہو سکتی تھی، گیارہ بجے میری صبح ہوتی اور بارہ بجے کے قریب آفس کے لیے نکلتا تھا اور اس کے بعد یہ خیال رکھنا کہ آپ کا وقت کہاں صرف ہو رہا ہے ناممکن ہی تھا۔ خبروں کو جمع کرنا، کٹر بیونت، ان کی ترتیب، فرنٹ لائن نیوز کے لیے کور اسٹوریز اور سب سے بڑھ کر پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا کی دوڑ میں آگے بڑھنے کی جدوجہد کب گھڑی کی سوئیاں دن کے بارہ سے رات کے بارہ بجانی پتا ہی نہ چلتا۔ بھاگتے دوڑتے لپچ، اگر کبھی خوش قسمتی سے وقت نکل آتا تو میری پہلی ترجیح یہی ہوتی کہ گھر جا کر بابا کے ساتھ کروں۔ وجہ یہ بھی تھی کہ میرے کھانے کے اوقات یکسر مختلف تھے صبح گیارہ بجے ناشتا، آفس میں ہلکا سا لچ اور رات لیٹ نائٹ ڈنر جو کہ مجبوری بھی تھی کہ آخراڈیٹر کی حیثیت سے مجھے آخری کاپی پریس میں بھیج کر اٹھنا ہوتا تھا اور جب میں سارے دن کی شدید محنت و سرکھپائی کے بعد گھر آتا تو بابا سو چکے ہوتے تھے ویسے بھی وہ بیمار اور ضعیف تھے۔ مجھے کبھی انہیں تکلیف دینا اچھا نہیں لگا تھا، ان ہی سوچوں میں گھر میں آفس پہنچا تو حسب توقع میرا میز کاغذات سے بھری ہوئی تھی۔ میں نے اپنی فائل ایک طرف رکھی اور ان کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ رُحمہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر آئی۔

”آپ نے مدیحہ کو فون کرنا تھا۔“ اس نے کسی ریما سنڈر کی طرح مجھے یاد دلایا اور پھر جس تیزی سے آئی تھی پلٹ کر باہر بھی نکل گئی۔ میں نے ہر طرف سے ہاتھ کھینچا اور سیل فون اٹھا لیا۔ مجھے اس سے بات کیے دو ہفتہ گزر گئے تھے ہمارے درمیان جیسے ایک خاموش معاہدہ تھا ایک ہفتہ میں اسے فون کرنا تو دوسرا ہفتہ وہ۔ اگر کسی وجہ سے میں معمول پر عمل نہ کر پاتا تو وہ ایسی ضدی تھی کہ کبھی خود سے رابطہ کرنا گوارہ نہیں کرتی تھی اس بار بھی یہی ہوا تھا میں نے اس کا نمبر ملایا تو کافی دیر بیل جاتی رہی مجھے جھنجھلاہٹ ہونے لگی مستزاد اس نے رنگ



”خواب غفلت میں؟“ میرا قبہ بے ساختہ تھا۔

”اگر اب تم نے کوئی فضول بات کی تو میں فون بند کر دوں گی۔“ اس نے دھمکی دی اور میں جانتا تھا کہ یہ دھمکی نہیں تھی وہ واقعتاً ایسا ہی کرتی۔ میری ہنسی فوراً بند ہوئی۔

”ویسے پیاری بہنا! تم لاہور میں رہ رہی ہو اور اب تک سو رہی ہو..... حد ہے سستی کی۔“ میں نے کہا۔

مدیحہ شادی کے بعد لاہور شفٹ ہو گئی تھی۔

”میری نیند کو نشانہ بنانے کی کوشش نہ کرنا! اپنی سناؤ یہ تم جیسے سڑیل خشک اور سرد مہر اسلام آبادی نے فون کرنے کا وقت کہاں سے نکال لیا آج؟“ وہ اپنی ٹون میں آچکی تھی اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

”اگر میرے پاس وقت نہیں تھا تو کون سا تم نے کالز کر کر کے انگلیاں گھسالی ہیں۔“ میں نے بھی بدلہ اتارا۔

”ہاں تو کیوں کرتی؟ تم بھائی ہو میرے اور وہ بھی اکلوتے تمہارا فرض بنتا ہے میری خبر گیری کرنا۔“ وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

”ہاں بالکل! فرائض سارے میرے اور حقوق تمہارے؟“ میں بلبلا کر بولا وہ اپنے ایک سال بڑا ہونے کا فائدہ یونہی اٹھاتی تھی۔

”ہاں بالکل۔“ اس کا اطمینان مجھے غصہ دلا گیا۔

”یعنی میرے حق غصب..... میں تم سے بات نہیں کر رہا فون بند کرنے لگا ہوں۔“ میں نے آخری حربہ آزمایا۔

”تو کرو تم نے کی ہے کال کون سا میں نے کی ہے۔“ وہ طرح دے گئی اس سے پہلے میں کچھ کہتا پیچھے سے تیمور کے چلانے کی آواز آئی تھی۔

”ہمیشہ والی لڑائی لڑ رہے ہو تم دونوں! دھرد فون میں بات کرو۔“ اس نے بلند آواز میں کہتے ہوئے فون غالباً مدیحہ کے ہاتھ سے جھپٹا تھا میری ہنسی چھوٹ گئی۔

”کیسے ہو شہزاد؟“ تیمور کی آواز پر میں الرٹ ہو گیا۔

”میں ٹھیک ہوں تیمور! آپ کیسے ہیں؟“ میرا لہجہ

اب بدل چکا تھا مجھے اسے آپ کہنا اچھا لگتا تھا حالانکہ وہ عمر میں مجھ سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔

”میں بھی ٹھیک ہوں یا رانا! مانا کہ تم دونوں بہن بھائی حسن اور خوب صورتی کے سارے استعاروں اور تشبیہوں پر پورا اترتے ہو مگر یاد رکھو خوب صورتی ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی کسی کا دل بھی دیکھ لیتے ہیں۔“ وہ دہائی دینے والا انداز میں بولا۔

”آپ نے ٹھیک کہا تیمور! مگر چہرے سے دل کا سفر کون کرے۔ ہم ظاہری صورت پر مرنے والی قوم ہیں۔“ میرے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ دروازے سے اندر آتی رحمہ کارنگ پھیکا پڑ گیا اس نے خاموشی سے ہاتھ میں پکڑا تراشہ میری ڈیسک پر دھرا اور باہر نکل گئی۔

”بات تو بڑی گہری کی ہے تم نے اس پر ایک سیر حاصل بحث کی جاسکتی ہے۔ ایسا کرو لاہور آ جاؤ تمہیں کباب کھلائیں گے چکن ٹکا، نہاری، بریانی، حلیم، سری پائے چار مغز..... وغیرہ کھلائیں گے پھر ڈسکس کریں گے ٹھیک؟“ ان کی ڈشز کی اتنی لمبی تفصیل (جو یقیناً باوجود مختصر کی گئی تھی) سن کر میں ہنس پڑا۔

”ایک بات تو بتائیں! آخر آپ لوگوں کو مرغیں کھانوں کا اتنا شوق کیوں ہوتا ہے؟“

”یہاں بات کھانے کی نہیں کھلانے کی ہو رہی ہے! حق! تمہیں عزت راس نہیں آتی؟“ اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا میں پھر سے ہنس دیا۔

”ٹھیک ہے جناب! میں کوشش کرتا ہوں آنے کی مگر ڈنر چائینز میں۔“ میں نے فرمائش کی وہ بے چارہ صدمے کی شدت سے کچھ بول ہی نہ سکا کہاں تو وہ اپنی مرغوب ڈشز کی تفصیل سنا کر مجھے آمادہ کر رہا تھا اور میں نے چائینز کی فرمائش کر کے اسے خاموش کروا دیا۔

”تیرا قصور نہیں بیٹے! تو جس جگہ چلا گیا ہے نا وہاں جا کے سب کا یہی حال ہوتا ہے۔“ اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

”کیا مطلب؟“ میں حیران ہوا۔



محفوظ ہیں، کسی پزل کے ٹکڑوں کی طرح۔ سارے ٹکڑے اکٹھے کر لوں تو ایک بوسیدہ سی تصویر بنتی ہے، کئی پھٹی سی اس تصویر کے رنگ اڑے ہوئے ہیں، جب زمانے گزر جائیں تو تصویریں اور یادیں دونوں ہی دھندلی پڑ جاتی ہیں۔



چوہدری شجاعت علی ایک روایتی جاگیردار کی عملی تصویر تھے جو انسانوں کو خود سے دس فٹ کے فاصلے پر رکھ کر بات کرتے تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے چوہدری عارف علی اور چوہدری افضل علی اور ان کی انتھک محنت کے سبب دونوں ہی عادات و مزاج میں باپ پر گئے تھے۔ جنگ، دو ٹوک، جری، دلیر، ظالم..... ویسے بھی اگر کسی جاگیردار کے ساتھ یہ لوازمات نہ ہوں تو اسے جاگیردار کہنا ذرا اجنبی سا لگتا ہے لہذا وہ دونوں بھی عملی طور پر باپ کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ پیر شجاعت علی درگاہ شریف کے سجادہ نشین تھے۔ بڑے بیٹے عارف علی اور بہو نازش سے ان کے دو پوتا پوتی..... مدیحہ اور شہزاد تھے جبکہ چھوٹے بیٹے افضل علی سے اور بہو سے ان کی ایک ہی پوتی نورین تھی۔

نازش دونوں بچوں کی پڑھائی کے سلسلے میں شہر میں ہی رہائش پذیر تھیں جبکہ عارف علی گاؤں میں ہوتے تھے مگر ویک اینڈز پر ان کے پاس ضرور آ جاتے ان کے دونوں بچوں کی عادات میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔

عارف علی کی خواہش تھی کہ ان کا اکلوتا بیٹا ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہو وہ اس میں وہ ساری عادات دیکھنا چاہتے تھے جو کہ ایک جاگیردار کے بیٹے میں ہونا چاہیے تھیں مگر کتنی حیرت کی بات تھی کہ وہ باپ کے الٹ تھا۔ کمزور صحت، سیدھا سادا اور کتابوں سے محبت کرنے والا شہزاد بالکل وہ نہیں تھا جسے وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو دیکھنا چاہتے تھے۔

وہ اسے گھڑ سوار بنانا چاہتے تھے مگر وہ گھوڑوں کو دیکھ کر ہی بدک جاتا، نہ معلوم سی نفرت تھی اسے گھوڑوں سے۔ یوں گھڑ سواری وہ اسے چاہنے کے باوجود بھی نہ

”ظاہر ہے جب روزِ صبح دو سوکھے تو س کھا کر کام پر جائے گا تو تمہارا ٹیسٹ کیسے برقرار رہ سکے گا۔ دوسرا اس شہر کی سرد آب و ہوا اچھے بھلے بندے کو آئس برگ بنا دیتی ہے تو تو پھر اپنا بچو گڑا سا ہے۔“ وہ خاصا تپ کر بولا۔ میں پھر سے ہنس دیا اس بار وہ بھی میری ہنسی میں شامل تھا۔

ہمارا رشتہ ایسا ہی تھا، روایتی احترام و تکلفات سے آزاد..... وہ مدیحہ کو بے حد عزیز تھا اور مجھے مدیحہ..... اور کہتے ہیں جن سے محبت کی جانی ہے پھر ان سے منسلک لوگوں سے خود بخود محبت ہو جاتی ہے اور اب تو مجھے وہ دونوں یکساں عزیز ہو گئے تھے۔ اس شخص کے پاس میرا وہ رشتہ تھا جس کے ساتھ میں نے اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت کی تھی۔ میری اکلوتی اور لاڈلی بہن مدیحہ..... میری گڑیا! اب وہ مجھ سے بابا کا حال احوال دریافت کر رہا تھا، کچھ دیر مزید بات کرنے کے بعد اس نے فون مدیحہ کو دے دیا۔

فون کے آخر میں مدیحہ پھر مجھ سے جھگڑنے لگی تھی وہی روایتی بہنوں والی فرمائش کہ میں اس کے لیے ”چاندی بھابی“ ڈھونڈ لوں اور میں نے آخر میں پھر اسے طنز کیا۔

”تم نے میرے لیے چاند سا بہنوئی ڈھونڈا ہے جو میں ڈھونڈوں؟“ وہ چند لمحے بالکل خاموش ہو گئی حالانکہ تیمور خاصا ہنڈ سم تھا مگر مدیحہ کے آنکھوں کو چندھیادینے والے حسن و جمال کے آگے وہ ذرا دب جاتا تھا۔

”بدلہ لینے میں بالکل اپنے باپ پر گئے ہو۔“ وہ تلخی سے کہتے ہوئے فون بند کر گئی اور میرا دماغ جیسے سن ہو گیا، یہ کیا کہہ گئی وہ؟

”میں شہزاد ارسل..... اپنے باپ جیسا ہوں؟“ اور اتنے سالوں کی محنت لا حاصل؟ میرا ذہن پیچھے کی طرف بھاگنے لگا۔ میں خود کو روک نہیں پار رہا تھا، بہت چاہا اپنے سامنے پڑے پیرز کی طرف توجہ دوں مگر بے سود.....

میرے ذہن میں وہ یادیں ٹکڑوں کی شکل میں



سکھا سکے اور زبردستی کا نتیجہ بہت بھیا تک نکلا تھا۔ وہ اس وقت 18th اسٹینڈرڈ میں تھا جب گھوڑے سے پھسل گیا کمر میں بہت شدید چوٹ آئی تھی تقریباً ایک ماہ تک زیر علاج رہا اور اس کے بعد عارف علی نے توبہ کر لی تھی کچھ بھی تھا وہ اپنے بیٹے سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتے تھے وہ بھی صرف اپنی ضد اور شوق کے ہاتھوں۔

دوسرا بڑا تضاد یہ تھا کہ بہت سے روایتی باپوں کی طرح ان کی بھی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا ڈاکٹر یا کم از کم انجینئر تو ضرور بنے مگر یہ ان کی ایک اور نامکمل خواہش تھی۔ انہوں نے بڑے تپاک سے اسے ایف ایس سی میں داخلہ دلویا، اعلیٰ سے اعلیٰ ٹیوٹر رکھ دیئے مگر نتیجہ بہت مضحکہ خیز نکلا۔ وہ شاندار طریقے سے فیل ہو گیا، وہ بہت مایوس ہوئے تھے آدھا گھنٹہ اس کی طبیعت صاف کرنے کے بعد جب انہوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے تو اس کا جواب تھا۔

”میں آرٹس پڑھنا چاہتا ہوں۔“ اس کے جواب نے ان کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے انہیں اتنا غصہ آیا کہ حد نہیں۔

”حد ہے تم سے..... چلو اور کچھ نہیں تو بی کام وغیرہ کر لو بزنس مارکیٹنگ کی طرف ہی آ جاؤ۔ یہ زمانہ قسم کے مضمون چننا ضروری ہے؟“ وہ بھنا کر بولے تھے۔ جواباً اس کی مظلومیت بھری خاموشی سے بڑی طرح چڑ گئے تھے پھر خوب بھڑاس نکالنے کے بعد وہ فیصلہ کرنے کا اختیار اسے دے کر خود مکمل طور پر بری الذمہ ہو گئے تھے۔

تیسرے تضاد سے انہوں نے خود بخود سمجھوتہ کر لیا تھا وہ چاہتے تھے کہ وہ بھی ان کی طرح جری دلیر اور بارعب ہوتا۔ ان کی طرح دبنگ اور دو ٹوک لہجے میں بات کرتا مگر حسرت ہی رہی اس کا دھیما اور پرسکون لہجہ انہیں اپنا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ کبھی بھی ان کی پسندیدگی کی صف میں نہ آ سکا تھا وہ کبھی ان کا بیٹا نہیں بن سکا تھا خاص طور پر ویسا جیسا وہ چاہتے تھے۔

”دوسری طرف مدیحہ تھی اس کی بہن بالکل اس کے متضاد تھی۔ کتنی حیرت کی بات تھی کہ وہ ایک لڑکی ہو کر ان تمام اوصاف سے مزین تھی جو وہ اپنے بیٹے میں دیکھنا چاہتے تھے۔ بہت کم عمری میں ہی وہ جان گئے تھے کہ جو اوصاف اور خوبیاں وہ شہزاد میں دیکھنا چاہتے تھے وہ مدیحہ میں تھیں۔ وہ بڈا اور بے خوف ہی نہیں دلیر اور جرأت مند بھی تھی۔ گھڑ سواری تو اس کے لیے دنوں کا کھیل ثابت ہوا تھا، عارف علی اسے بے جگری سے گھوڑے کی باگیں تھامے گھوڑا دوڑاتے دیکھتے تو خوشی سے پھولے نہ ماتے۔

اس کے بعد اس نے شادنگ سیکھی اور پھر باپ کی خواہش کے عین مطابق میڈیکل کی فیلڈ چوز کی تھی۔ اس کے بعد تو اس نے بس جھنڈے گاڑے تھے ہر میدان میں، تیمور سے اس کی ملاقات ایم بی بی ایس کے تیسرے سال میں ہوئی تھی اور اس کے بعد بس یوں ہوا کہ چراغوں میں روشنی نہ رہی۔



مدیحہ گرم کوٹ کے بٹن تیزی سے بند کر رہی تھی جب اسے اپنے سیل کی تھر تھراہٹ محسوس ہوئی اس نے نظر انداز کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا۔ تمام بٹن بند کرنے کے بعد اس نے مفلر گردن اور کانوں کے گرد لپیٹا اور پھر تسلی سے سیل فون جینز کی پاکٹ سے نکالا اور لیس پر لیس کر کے کان سے لگالیا۔

”ہاں بولو شہزاد!“

”کہاں ہو تم، کب سے کال کر رہا ہوں۔“ اس کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”میں بس نکل رہی ہوں تم کس طرف ہو؟ پارکنگ کی طرف؟“ مدیحہ نے شولڈر بیگ اٹھایا اور باہر کی سمت لپکی۔

”ہاں اسی طرف ہوں۔“

”اوکے۔“ اس نے فون بند کر کے دوبارہ سے پاکٹ میں رکھا اور چل پڑی یہ جانے بغیر کہ دو



”اُف یوں نہ بلایا کرو مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے دادا کی درگاہ کا کوئی خدمت گار مجھے مخاطب کر رہا ہو۔“ اس نے طنز کی حد کر دی تھی۔ تیمور بے چارہ چپ ہی رہ گیا۔

”خدمت گار ہی رکھ لو نا.....“ اس کے انداز میں دیوانہ پن تھا۔

”تم تو بے وقوف ہو یا..... خدمت گار کیوں؟ بادشاہ بناؤں گی نا تمہیں اپنے دل کی سلطنت کا آ جاؤ ناں۔“ وہ بہت آہستہ سے بول رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں خوابوں کے دیے جل رہے تھے۔

”ضرور آؤں گا۔“ اس نے یقین دہانی کروائی۔ جواباً وہ ایک بار پھر سے ہنس دی تھی۔ مدیحہ عارف واقعی بے وقوف تھی اسے لگتا تھا۔ اس سے اتنی بے تحاشا محبت کرنے والے بابا اس کی ہر خواہش مانتے چلے جائیں گے۔ اسے علم نہیں تھا کہ اب کی بار اس نے چوہدری عارف علی سے کیا فرمائش کر ڈالی تھی۔

شہزاد نے ان دنوں اپنا ماسٹرز مکمل کرنے کے بعد اخبار جوائن کیا تھا وہ بھی ایک روایتی نوجوان تھا۔ جوشیلا پر جوش اور سچ کا علم بردار..... جو ایک ہی وار میں معاشرے کا نظام بدل دینا چاہتا تھا اسے لگتا تھا اس نام نہاد اسلامی معاشرے سے ذات پات اور حسب نسب سب کا فرق مٹا دینا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے مگر افسوس ناک بات تھی کہ اس کی آئیڈلائزیشن ٹوٹی بھی تو کب اور کس کے ہاتھوں؟

اس کے اپنے باپ کے ہاتھوں..... اس کی نفسیات پر ایسی چوٹ پڑی کہ کئی ماہ وہ بیمار رہا طوفان آیا اور بڑے زور کا آیا اور سب بہا لے گیا۔

مدیحہ کا ایم بی بی ایس کا چوتھا سال تھا جب اس نے بابا کے سامنے تیمور طارق کا پروپوزل رکھا تھا۔ بابا تو یہ سن کر ہی کہ ان کی یہ دلیر اور جری بیٹی کسی پر مرثی تھی جیسے سکتے میں آ گئے تھے۔

ان کی رعونت ان کا تکبر بھلا انہیں اجازت دیتا تھا

حیران آنکھیں اس پر ساکت تھیں یہ آنکھیں تیمور طارق کی تھیں۔

وہ اس ڈیپارٹمنٹ میں کسی سے ملنے آیا تھا مگر اس کو دیکھنے کے بعد اسی طرح واپس چلا گیا۔ دوسری بار اس نے مدیحہ عارف کو آرٹس کونسل میں دیکھا تھا اور اس بار وہ بلند آواز میں کسی کو اپنا نمبر لکھوا رہی تھی میکا نکی عمل کے طور پر تیمور کی انگلیوں نے وہ نمبر اپنے موبائل میں سیو کر لیا۔ کتنا عجیب اتفاق تھا کہ وہ ان گزرے دنوں میں یہ سوچتا رہا تھا کیا خروہ اس سے کیسے رابطہ کرتا؟ اب قدرتی طور پر یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ اور عجیب بات تھی کہ جب اگلی رات وہ اس کا نمبر ڈائل کر رہا تھا تو اس کے ہاتھوں میں عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی وہ ایک لڑکا تھا اور کیسے کنفیوژ ہو رہا تھا؟

”ہیلو۔“ کچھ دیر بعد اس کے کانوں میں مدیحہ کی آواز آئی بہت مصروف اور قدرے تھکی ہوئی۔

”کیسی ہیں آپ؟“ اس نے قدرے جھجک کر پوچھا اور یہ ان کا پہلا تعارف تھا۔



تیمور طارق..... ایک خالص بزنس مین اور خوف ناک حد تک حقیقت پسند..... لڑکیوں کو جوتے کی نوک پر رکھنے والا پُر غرور اور پکا میل شائکسٹ جب مدیحہ عارف سے ملا تو سب کچھ بھول گیا۔ اس کی شامت ہی آئی تھی جو وہ آرٹس کونسل چلا گیا اور اب جتنا خود کو کوستاکم تھا۔ وہ لڑکی نہیں تھی لوہے کا چنا ثابت ہوئی تھی حالانکہ وہ اسے ہزار بار یقین دلا چکا تھا کہ وہ قطعاً اس کے ساتھ فلرٹ نہیں کر رہا بلکہ سو فیصد سنجیدہ تھا جواباً وہ بڑا طنزیہ ہنستی تھی۔

”تیمور صاحب!“ طنزیہ انداز میں وہ ہمیشہ اسے یوں ہی مخاطب کرتی تھی اور تیمور اس کے اس انداز پر بیچ و تاب کھا کر رہ جاتا۔

”جی مدیحہ بی بی!“ وہ بھی فوراً بدلے پہ اتر آتا تو مدیحہ ہنستی چلی جاتی۔



مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ تیمور کو پسند کرتی تھی بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ وہ ہر صورت اپنے باپ کی جھوٹی شان اور انا پر ضرب لگانا چاہتی تھی۔ وہ ہر صورت باپ کی ضد کو توڑنا چاہتی تھی اور یوں جب دو ضدی اور سرکش آپس میں ٹکرائے تو سب کچھ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اسے یاد تھا وہ دن جب تیمور کے ماں باپ مدیحہ کا رشتہ مانگنے آئے تھے۔ چوہدری عارف علی کی دھڑ سے سارا گھر گونج اٹھا۔ انہوں نے تیمور کے ماں باپ کا قطعی کوئی لحاظ نہ کیا بلکہ انہیں انتہائی بدتر زبان میں بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا۔

اصل طوفان اگلے دن آیا جب مدیحہ نے نکاح کے پیروز لا کر ان کے سامنے پھینکے اور چیلنج کرتے ہوئے بولی تھی کہ اب وہ کیا کریں گے؟ اور انہوں نے بھی بتا دیا کہ وہ اس کے باپ تھے انہوں نے نازش کو طلاق دے کر اسی وقت دونوں کو گھر سے نکال دیا۔ ان کے نزدیک مسئلے کا یہ سب سے بہترین حل تھا۔



اس کے بعد کے واقعات میں شہزاد کے لیے اذیت و دکھ کے سوا کچھ نہ تھا۔ نازش اتنا بڑا صدمہ برداشت نہ کر پائیں۔ تیسرے دن تیمور کے گھر انہیں ہارٹ اٹیک ہوا اور ہسپتال لے جاتے ہوئے راستے میں ہی ان کی ڈھچک ہو گئی۔ شہزاد پر یہ دہرا صدمہ ٹوٹا تھا۔ لکھوں میں ہنستے بستے گھر کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ قصور وار کون تھا شاید ضد اور انا..... شاید حالات؟ شاید جلد بازی اور جذباتیت میں کیے گئے اندھا دھند فیصلے یا پھر شاید سب سے بڑھ کر جذباتی انتقام.....

انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا مگر یہی انسان بعض دفعہ اپنے مرتبے سے گر کر وہ حرکتیں کرتا ہے کہ جانوروں کو بھی مات دے دیتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے وہ یہ بالکل بھول جاتا ہے کہ اس کے پاس تو صحیح غلط کا اختیار ہے مگر جانور تو اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ماں کی وفات کے بعد مدیحہ کا شہزاد سے رابطہ بالکل منقطع ہو گیا تھا۔

کہ وہ اپنی بیٹی کی پسند کو کھلے دل سے تسلیم کرتے؟ اور سب سے بڑی بات اس نازک موڑ پر جبکہ درگاہ شریف کی سجادہ نشینی کا فیصلہ ہو رہا تھا اور قوی امکان تھا کہ یہ فیصلہ ان کے حق میں ہی ہوگا۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی غیر ذات مرد سے ملے کر دیتے تو اس کا سیدھا سادا مطلب یہی تھا کہ ان کی وفاداری پر سوالیہ نشان اٹھایا جاتا اور کوئی بھی ان کے حق میں فیصلہ نہ کرتا بلکہ انہیں خاندان سے ہی در بدر کر دیا جاتا۔ اتنے خوف ناک نتائج کی جھلک سوچ کر ہی ان کا دماغ مل گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ مدیحہ کو بہلا پھسلا کر اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کریں مگر وہ بھی انہی کی بیٹی تھی ضد میں ان سے دو ہاتھ آگے تھی۔ وہ تو اگر کسی اتھرے گھوڑے کی سواری کرنا شروع کرتی تو تب تک نہ اترتی جب تک اسے سدھار نہ لیتی تو اب کیسے ہار مان لیتی۔

اور پھر دوسرا اہم کردار اس کی تربیت کا تھا جیسی اس کی تربیت کی گئی تھی بچپن سے ہی اسے حکم چلانے اور ضد منوانے کی عادت تھی اور اب وہ اپنی یہ ضد قطعاً چھوڑنے کو تیار نہ تھی۔ اس نے باپ کی آنکھوں میں اپنے لیے پہلی دفعہ بے زاری دیکھی اور شدید دکھ نے اس کی آنکھوں کے کنارے چادر تان دی۔ ان کے انداز میں اس کے لیے محبت، شفقت، خوشی اور پیار سب کچھ مفقود ہو گیا تھا۔ وہ اس سے خوف زدہ تھے وہ اسے بتا رہے تھے کہ اگر وہ اس کی شادی تیمور سے کر دیں گے تو خود برباد ہو جائیں گے۔ ان کا گھر ان کی عزت، رتبہ، مقام، منصب اور سجادہ نشینی سب کچھ داؤ پر لگ جائے گا وہ ختم ہو جائیں گے۔

جب انہوں نے یہ سارے تحفظات مدیحہ کے سامنے رکھے تو وہ چند لمحے ششدر سی انہیں دیکھتی رہ گئی پھر جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں کسی بھی قسم کی لچک قطعاً مفقود تھی۔ وہ اپنے بابا کے ردِ بد آگئی اس نے انہیں صاف بتا دیا کہ وہ ہر صورت اپنی پسند سے شادی کرے گی خواہ اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑے



چوہدری عارف علی کی طرف سے اس پر اس قدر سخت  
بایندی تھی کہ اس کے فون ریکارڈ ہوتے تھے۔ شہزادہ کی  
طرح بے بس تھا اور سب سے بڑھ کر وہ باپ کے دست  
نگر تھا۔ اخبار میں نئی چاب میں آنے کے باوجود اس کی  
انکم نہ ہونے کے برابر تھی۔

مدیحہ کو کب روتا تھی کسی کی؟ اس کی زندگی میں کوئی غم  
نہ تھا۔ وہ اپنے فیصلے سے پوری طرح مطمئن تھی۔ ہاں  
ابتدائی کچھ ماہ وہ ماں کی ناگہانی وفات پر از حد شرب  
رہی تھی مگر اس کی اسٹڈیز اور تیمور کی محبت نے اسے  
واپس زندگی کی طرف کھینچ لیا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس  
کی زندگی میں یہ اذیت تھی کہ اس کی ماں اس کی وجہ سے  
اذیت برداشت کرتی اس دنیا سے چلی گئی وہ مظلوم تھیں  
اور ناحق وہ اپنے شوہر کے ظلم کا شکار ہوئی تھیں۔ اس کے  
دل میں باپ کے خلاف نفرت مزید بڑھ گئی تھی اس نے  
باپ کو کبھی معاف نہ کرنے کا عہد کیا تھا۔



زندگی خاک نہ تھی خاک اڑاتے گزرنے لگی۔ مدیحہ  
نے خود کو مکمل طور پر مصروف کر لیا تیمور طارق ایک  
بہترین ساتھی ثابت ہوا تھا۔ ایک دل گداز غم گسار اور  
جاں سوز محبت کرنے والا شوہر..... اسے شدت سے  
احساس ہوتا کہ اس کا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا مگر اس کی  
قیمت بہت بھاری ادا کی تھی اس نے؟ اس کا گھر تو بن گیا  
مگر اس کے گھر کے بننے بننے اس کے ماں باپ کا گھر  
اجڑ گیا تھا۔ اسے اپنا نرم دل اور دھیمے مزاج کا پیارا سا  
بھائی بہت یاد آتا تھا۔

جس سے اسے بے تحاشا محبت تھی اور جو اس سے  
بے تحاشا محبت کرتا تھا۔ بار بار اس سے رابطہ کرنے کی  
کوشش میں ناکام ہو کر وہ کئی بار تیمور کے آگے رو چکی  
تھی۔ مگر وہ ہر بار بہت تحمل سے اسے تسلی دیتا تھا کہ.....  
”چیزوں کو ان کے مقام پر آنے میں وقت تو لگتا ہے  
نامدیحہ! اسے وقت دؤ وہ میچور ہے اور تمہارے بابا کا اکلوتا  
بیٹا ہے وہ خود غرضی کیسے دکھا سکتا ہے۔ وہ کس بنیاد پر

بیٹا ہے وہ خود غرضی کیسے دکھا سکتا ہے۔ وہ کس بنیاد پر

انہیں چھوڑے؟ اور میں خود بھی ایک بیٹا ہوں میں بھی  
نہیں چاہوں گا کہ وہ اپنے باپ کو چھوڑے۔“ اس نے دو  
ٹوک انداز میں سمجھایا تھا۔

”کم از کم تمہارا باپ میرے باپ جیسا نہیں ہے۔“  
اس نے نفرت سے کہا اس کی بات سن کر تیمور کے  
چہرے کا رنگ ہلکا ہو کر بدل گیا۔

”سنویدیحہ! ماں باپ اچھے یا بُرے نہیں ہوتے ماں  
باپ صرف ماں باپ ہوتے ہیں۔ ان کا قصور صرف یہ  
ہوتا ہے کہ وہ ہمیں اس دنیا میں لانے کے ذمہ دار ہوتے  
ہیں اور ہمارے جیسی اولاد ساری زندگی انہیں اس قصور کی  
سزا دیتی ہے۔“ اب کی بار تیمور کا لہجہ تلخ تھا مدیحہ نے  
چونک کر اسے دیکھا۔

”ٹھیک ہے میں مانتی ہوں کہ ماں باپ غلط نہیں  
ہو سکتے مگر جو میرے بابا نے کیا وہ قطعی غلط تھا۔ کم از کم ان  
کی سفارش نہیں کر سکتے۔“ اس نے رد کیا۔  
”ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو مگر کوئی بھی انسان مکمل نہیں

ہوتا۔“ تیمور نے جہاں۔  
”مگر شعوری غلطی اور تکبر کی حرص میں انسان کبھی  
مکمل نہیں ہوتا۔“ وہ کہاں پیچھے ہٹنے والی تھی۔

”تم نے بھی تو خدا اور غرور میں آ کر انہیں نچا دکھایا  
تھا۔“ وہ دہر دہر بولا جو اب مدیحہ کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔  
”تمہارا کیا مطلب ہے میں نے غلط قدم اٹھایا  
صرف انہیں نچا دکھانے کے لیے؟ اور میری تم سے محبت  
اسے کی کھاتے میں نہیں لاتے تم۔“ وہ غرا کر بولی۔  
”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ تیمور گڑبڑایا۔

”تمہارا جو بھی مطلب تھا اگر آئندہ تم نے مجھ سے  
حوالے سے لعن طعن کرنے کی کوشش کی تو انجام مایوس کن  
میں رواجی لڑکی نہیں ہوں جو یہ ذہنی مارچ برداشت  
کروں گی۔ میں تمہیں تمہارے والدین کے ساتھ چھوڑ  
کر بخوشی چلی جاؤں گی۔ مجھے اپنے فیصلے لینے آتے ہیں  
اور تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو۔“ اس کا لہجہ بے لچک  
اور سرد تھا۔



”جلدی سوؤ گے تو جلدی اٹھو گے ناں، تمہیں کون

کہتا ہے رات ایک بجے تک لیپ ٹاپ سے چٹے رہو۔“

مدیحہ نے طنز کیا تو تیمور ٹپ اٹھا۔

”میں کام کر رہا تھا۔“

”تو دن میں ختم کیا کرونا اپنے کام۔“ اس نے نخوت

سے کہا۔

”کاش سحری بھی دن میں ہو سکتی۔“ اس نے آہ

بھرتے ہوئے کہا تو مدیحہ نے اس کے بازو پر ایک

سخت مکہ مارا۔

”شرم کرو۔“ اس کے شرم دلانے پر وہ ہنس پڑا۔

رمضان میں مدیحہ کی روٹین میں ہنگامی تبدیلی آتی

تھی، عبادات اور اذکار کا خصوصی اہتمام کرنا اس نے ماں

سے سیکھا تھا اور یہ پہلا رمضان بھی تو تھا جس میں وہ ماں

کے بغیر تھی اور شہزاد سے بھی تو دور تھی۔

حسب معمول کافی دن سے شہزاد کی کال نہیں آئی

تھی اور اسی حساب سے مدیحہ نے بھی غصے میں آ کر

نہیں کی تھی جب کہ تیمور نے بارہا اسے کہا تھا کہ انا کو

چھوڑ کر اسے اپنے بھائی کو منالینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ

مصروف ہو جس کا جواب مدیحہ نے عین اس کی توقع

کے مطابق دیا تھا۔

”میں ڈاکٹر ہوں اور اس سے زیادہ مصروف ہوں وہ

ایک سیکنڈ کلاس اخبار کا انچارج بن کر مجھ سے زیادہ

مصروف نہیں ہو سکتا۔“ اس نے خشک انداز میں اس کی

بات کاٹی تھی تیمور نے بغور اسے دیکھا۔

وہ تمہارا بھائی ہے مدی!“ اس نے جیسے یاد دلایا۔

”میں جانتی ہوں بہت اچھی طرح سے۔“ وہ افطار

کی تیاری کے لیے جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی۔ تیمور

نے بڑی حیرانی سے اسے دیکھا وہ اپنے بھائی کے لیے

بھی ویسی ہی ضدی تھی۔

”وہ تمہارا کلوتا بھائی ہے۔“ تیمور نے قدرے

تاسف سے کہا ”زور“ اکلوتا“ پر تھا۔

”تو کیا.....؟“ اس نے پلیٹ ٹیبل پر رکھتے ہوئے



اس کا ایم بی بی ایس کا آخری سال تھا، جب شہزاد کا

اس سے رابطہ بحال ہوا تھا۔ وہ بے پناہ خوش تھی اسے اپنا

اکلوتا رشتہ واپس مل گیا تھا، تیمور بھی خوش تھا مگر افسوس

ناک بات یہ تھی کہ شہزاد نے ابھی تک بابا کو نہیں بتایا تھا

اس نے ان سے چھپا کر مدیحہ سے رابطہ رکھا تھا۔ مدیحہ کو

جب اس بات کا پتا چلا تھا تو وہ شہزاد سے خوب جھگڑی تھی

مگر جانتی تھی وہ بھی بے بس تھا اس لیے جل کڑھ کر

خاموش بیٹھ گئی۔

زندگی کتنی عجیب چیز ہے ساری زندگی ہم رشتوں کی

قدر نہیں کرتے اور جب یہی رشتے ہم سے دور چلے

جاتے ہیں تو پھر ہمیں ان کی قدر مآتی ہے۔

مدیحہ کے لیے بھی شہزاد صرف بھائی تھا مگر جب وہ

سرا ل گئی تب اسے شہزاد کی اہمیت پتا چلی تھی۔ اب وہ

حقیقتاً اس کا سرمایہ اس کا ماں جایا بنا اور اسے احساس ہوا

کہ رشتے زندگی کے لیے کتنے ضروری تھے۔ زندگی کا

کوئی بھی اہم لمحہ رشتوں کے بغیر قطعی قابل قبول نہیں

ہوتا۔ نہ رمضان نہ عیدیں نہ کوئی مقامی تہوار کچھ بھی اس

بار بھی ایسا ہی ہوا۔

اس بار رمضان آنے پر مدیحہ کو ماں کی بے حد یاد آئی

تھی، جب بھی وہ صبح تیمور کو سحری کے لیے جگاتی وہ بمشکل

جاگتا اور اذان سے دس منٹ پہلے جاگنے کی وجہ سے

جلدی جلدی میں بس چند نوالے ہی لے پاتا اور یہ سب

ہوتا بھی اس کی اپنی وجہ سے ہی تھا۔ وہ اسے اگر جلدی

جگانے آ جاتی تو بے حد غصہ کرتا اور یہ آرڈر بھی اسی کا

جاری کردہ تھا کہ بس دس منٹ پہلے جگایا جائے سحری

کرتے ہوئے بھی دونوں کی نوک جھونک چلتی رہتی۔

تیمور کی بند ہوتی آنکھیں اور جملائیاں اسے غصہ دلاتی

تھیں اوپر سے اس کے غصہ دلاتے منٹس.....

”یہ سحری کا وقت تھوڑا زیادہ نہیں ہو سکتا؟“

”زیادہ ہی ہے جلدی اٹھا کرو۔“ وہ جتاتی۔

”کتنی جلدی اٹھوں؟“ وہ خفگی دکھاتا۔



بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

”تمہاری ضد بہت بُری ہے مدی!“ اس نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

”تو ٹھیک ہے نا مجھے ضد کیوں دلائی اس نے؟“ اس نے بے پروائی سے کہا۔

”اس کی کوئی مجبوری بھی تو ہو سکتی ہے۔“ اس نے سمجھانا چاہا۔

”مجھے مجبوریوں سے ویسے ہی نفرت ہے۔“ اس نے ٹیبل پر طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”اور اگر کبھی میرا تم سے کلیش ہو جائے تو تم میرے ساتھ بھی یہی کرو گی؟“ اس نے قدرے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”آف کورس.....“ اس نے پانی کی بوتل رکھتے ہوئے اپنی ازلی بے نیازی سے کہا۔ تیمور چند لمحے بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔

افطار میں صرف چند منٹ باقی تھے جب ہی وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکی وہ لاؤنج کراس کر کے باہر نکل رہا تھا۔

”تیمور! کیا بات ہے کہاں جا رہے ہو؟“ اس نے اسے آواز دیتے ہوئے کہا۔

”تمہیں اس سے فرق نہیں پڑنا چاہیے۔“ وہ ناراضگی سے کہتا واپس مڑ گیا مدیحہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

”کیا ہوا؟ ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟ تم ایک دم سے کہاں جا رہے ہو؟“

”تمہارے نزدیک گدھا گھوڑا برابر ہے مجھے اپنی ضد کی بھیٹ چڑھانے سے پہلے اتنا سوچ لینا کہ میں کون ہوں؟ میں تمہارا شوہر ہوں مدیحہ!“ غصے سے بھرکتے ہوئے وہ اسے یاد دلارہا تھا۔

”اوکے..... فائن۔“ اس نے تسلی آمیز انداز میں اس کا بازو چھوڑا اور ایک طرف ہو گئی۔

”میں آئندہ اسے یاد رکھوں گی اب اندر چلیں؟“ وہ

سپاٹ لہجے میں بولی تھی تیمور بھی سر ہلا کر اندر کی طرف بڑھا یا۔ افطار کرتے ہوئے وہ دونوں خاموش تھے۔

”ویسے مجھے تمہارے اتنے عجیب رد عمل کی سمجھ نہیں آئی؟“ مدیحہ نے اس خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ تیمور نے اپنی پلیٹ سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”مجھے بہت غصا آیا تھا۔“ اس نے صاف گوئی سے کہا مدیحہ کچھ کہنے کی بجائے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

”ٹھیک ہے ہماری شادی نارمل حالات میں نہیں ہوئی مگر میں تمہاری عزت کو سب سے پہلے رکھتا ہوں

مدیحہ! محبت اپنی جگہ ہے مگر اس کے باوجود آج تک میرے لب پر ایسی کوئی بات نہیں آئی جس سے تم ڈس

گریں ہو مگر تمہارے وہ الفاظ سن کر مجھے لگا میں تمہارے نزدیک ذرا بھی قابل احترام و قیمتی نہیں ہوں۔“ اس کا

لہجہ انتہائی افسردہ تھا۔

”ایم سوری! اگر تمہیں ایسا لگا تو.....“ مدیحہ نے آہستگی سے کہا اور اسی رات جب وہ نماز پڑھ کر لوٹا تو

مدیحہ لیپ ٹاپ بند کر کے اس کے پاس آ گئی۔

”تیمور.....“ اس نے بلایا۔ وہ جوابے سی کی اسپینڈفل کر رہا تھا چونک کر پلٹا۔

”ہوں.....“ اس نے بستر کی طرف جاتے ہوئے کہا اب وہ نیکی سیدھے کر کے لیٹ رہا تھا۔

”مجھے بات کرنی ہے۔“ وہ بولی۔

”مجھے سونا ہے۔“ وہ سائیڈ کروٹ لے چکا تھا۔

مدیحہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس کی پشت کو دیکھا۔

”میں کہنا چاہتی ہوں کہ میں تمہاری قدر کرتی ہوں۔“ اس نے تیمور کے ماتھے کو چوما اور اٹھ گئی تیمور کی آنکھیں کھل گئیں۔

”مدی.....“ اس نے آواز دی وہ اس کی طرف پلٹ آئی۔

”ادھر آؤ۔“ اس نے ہاتھ آگے کیا مدیحہ اس کا ہاتھ نظر انداز کرتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ تیمور نے دیکھا اس



کی آنکھوں میں نمی تھی اسے افسوس ہوا۔

”ایم سوری یار!“ اس نے مدیحہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”اس ادا کے۔“ وہ مہارت سے اپنے آنسو پٹی گئی۔

تیور نے بھی بات کو لباً کرنا مناسب نہ سمجھا تھا وہ صرف

اس وقت اس کا موڈ بدلنا چاہ رہا تھا۔

”شہزاد کے پاس چلیں گے عید پر؟“ اس نے کہا

مدیحہ نے حیران ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔

”واقعی.....؟“

”ہاں میں نے سوچا ہے یہ تمہاری پہلی عید ہے اس

لیے اسے ہم شہزاد کے ساتھ منائیں گے۔“ وہ مسکرا کر کہہ

رہا تھا۔

مدیحہ نے دل کی اداسی کو چھپا کر سر ہلادیا اسے

جانے کیوں بابا بے حد یاد آئے تھے۔



بابا کی طبیعت بہت خراب تھی وہ پچھلے کئی دنوں سے

ہسپتال میں تھے اور ان کی بیماری کی وجہ سے شہزاد کی

ساری روٹین الٹی ہوئی پڑی تھی۔ اس کے لیے گھر

اسپتال اور اخبار کو منیج کرنا ایک مسئلہ بنتا جا رہا تھا مگر وہ

تاحال اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ ایسا ہوا کیوں کر تھا۔

ملازم اگلے دن ان کے کمرے کی صفائی کر کے لوٹا تو

ہاتھ میں ایک اخبار تھا شہزاد کی نظر جب اخبار پر پڑی تو

نحوں میں ساری کہانی اسے سمجھا گئی۔ تو یہ وجہ تھی ان کی

ایک دم بیماری کی..... اس کے اندر دیرانی اتر آئی۔

یہ وہی اخبار تھا جس میں اس کے چچا کی سجادہ نشینی کی

خبر لگی تھی اور اس دن وہ اپنے بیمار باپ کو دیکھتے ہوئے

یہی سوچتا رہا کہ خواہشات کیا واقعی انسان کو اس طرح

سے غلام بناتی ہیں کہ وہ کچھ بھی یاد نہیں رکھتا۔ اس کی

اپنی پیدا کی ہوئی اولاد بھی اس کے نزدیک غیر اہم ہو جاتی

ہے کیا چاہتے تھے وہ اور کیا ملتا تھا انہیں؟ انہیں نازش

سے بہت پیار تھا اور یہ ایک حقیقت تھی کہ انہوں نے اپنی

بیوی کے علاوہ کبھی کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ دو

ہی اولادیں تھیں مدیحہ اور شہزاد! اگر شہزاد نے ان کی

امیدوں پر اچھا خاصا پانی پھیرا تھا تو مدیحہ نے سچ کچ ان

کا بیٹا بن کر دکھایا تھا۔ ان کی ہر خواہش پوری کی تھی مگر اس

کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ شہزاد سے کم پیار کرتے تھے اور

مدیحہ سے زیادہ۔ محبت تو انہیں دونوں سے بے حد تھی مگر

ہاں یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ مدیحہ کو زیادہ پسند کرتے تھے مگر

اس سے بھی زیادہ انہیں ایک اور چیز پیاری تھی اور وہ تھی

”اقتدار کی کرسی“ درگاہ کی سجادہ نشینی۔

اور ہوا کیا؟ ان کے ہاتھ سے ہر چیز نکل گئی۔ اپنی

اندھی خواہشات کی تقلید میں سب سے پہلے انہوں نے

اپنی عزیز ترین ہستی اپنی شریک حیات کو گھوپا جس کے

بغیر جینے کا تصور بھی کبھی نہ کیا تھا اسے اپنے ہاتھوں سے

گھر سے نکال دیا اور بہت بے دردی سے اس کے نام

کٹا گے سے اپنا نام الگ کر دیا..... انہیں اپنی بیٹی مدیحہ

پر بہت ناز تھا اور انہوں نے ہمیشہ اس کی ہر خواہش کو پورا

کیا تھا جب اس کی زندگی کے اتنے اہم فیصلے کا وقت آیا

تو اپنی غرض نے انہیں اندھا کر دیا۔

انہوں نے بے رحمی سے اس کی بات ماننے سے

انکار کر دیا اور پھر جب اپنی مرضی کر کے ان کے سامنے

آئی تو انہوں نے اسے بھی گھر سے نکال دیا۔ مگر ایسا

کر کے بھی انہیں کب سکون آیا تھا بلکہ انتقام تو خاک لینا

تھا! لہذا وہ ایسا بے سکون ہوئے کہ ہر چیز سے دل اُچاٹ

ہو بیٹھا۔ انہیں نازش بے حد یاد آتی تھیں انہیں مدیحہ بے

حد یاد آتی تھی۔

مگر نازش سے تو وہ رشتہ ختم کر چکے تھے اور کس

قدر افسوسناک خبر تھی ان کے لیے کہ انہوں نے

نازش سے رشتہ ختم کیا اور وہ دنیا سے ہی رشتہ توڑ گئیں

اور رہی مدیحہ..... ان کی لاڈلی اور ضدی بیٹی..... کبھی

کبھی ان کا دل چاہتا وہ اس سے اپنی ساری ناراضگی

ختم کر کے اس کے گھر چلے جائیں اس کے شوہر سے

ملیں۔ اسے دیکھیں کہ وہ کیسا شخص تھا جس نے ان

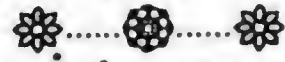
کی بیٹی کو ان کے سامنے لاکھڑا کیا تھا کہ وہ اس قدر

جرات مند ہو گئی کہ از خود نکاح کر کے ان کے سامنے



نکاح نامہ لے کر آ گئی۔  
 ہاں یہ سچ تھا، کبھی کبھی وہ انہیں بے حد بے حساب یاد  
 آتی تھی وہ اسے یاد کرتے کرتے نڈھال سے  
 ہو جاتے۔ انہیں وہ اسی طرح اپنے سامنے چلتی پھرتی  
 نظر آتی، ہنستی بولتی ان سے لاڈ کرتی، اپنی باتیں منواتی  
 اور وہ اپنی جاگتی آنکھوں سے یہ خواب دیکھتے دیکھتے  
 نڈھال ہو جاتے۔

انا کی جنگ میں ہم جیت تو گئے لیکن.....! پھر اس کے بعد بہت دیر تک نڈھال رہے



وہ بڑی دیر تک خالی الدماغ آفس میں بیٹھا رہا پھر اس نے مدیحہ کو فون کیا۔

”ایک اہم میٹنگ کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں۔“ اس کا لہجہ عام سا تھا، مگر پھر بھی مدیحہ کا چونکنا لازم تھا جبکہ دو دن بعد عید تھی۔

”یوں اچانک..... خیریت؟“ اس کا لہجہ کھوج والا تھا۔

”ہاں، بس ایک دم ہی پتا چلا اس لیے آفس سے ہی نکلنا پڑے گا۔“ اس کا انداز پہلے سے بھی بڑھ کر بے پروا تھا۔

”واپسی کب ہے؟“ اس نے بے چینی سے پوچھا۔

”کل تک آ جاؤں گا۔“

”آج کیوں نہیں؟“

”بہت مشکل ہے آج؟“

”کوشش بھی نہیں کرو گے؟“

”ہاں، کوشش پوری کروں گا۔“

”مجھے مس کرو گے؟“ مدیحہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”بہت.....“ وہ شدت سے بولا۔

”تم بھی ساتھ چلو۔“

”ممکن نہیں۔“

”کیوں؟“

”بہت مصروف روٹین ہے آج کل، نکل نہیں سکوں گی۔“

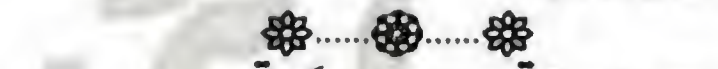
”میرے لیے بھی نہیں؟“ اس نے جیسے چیلنج کیا۔

چند لمحے خاموش رہی پھر جیسے فیصلہ ہو گیا۔

”تم میرے ہسپتال آؤ گے یا میں تمہیں آفس سے پک کر لوں؟“ وہ دہلی مسکان سے کہہ رہی تھی۔ تیمور کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”چلو اسی خوشی میں تمہیں عید کی شاپنگ بھی اسلام آباد سے کرواؤں گا۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ضرور میری پہلی عید ہے شادی کے بعد میں کون سا سٹے میں چھوڑوں گی تمہیں۔“ اس نے دھونس سے کہا اور فون بند کر دیا۔



عید آتی ہے دل دکھاتی ہے

یاد بچھڑے ہوؤں کی لانی ہے

جن سے ملنے کا آسرا ہی نہیں

عید ان کا خیال لاتی ہے

وہ پچھلے چھ دن ہاسپتال تر رہنے کے بعد آج ہی گھر آئے تھے اور گھر انہیں کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔

شہزاد بے چارہ بھی اپنی ساری روٹین کو پس پشت ڈالے اس دن سے ان کی تیمارداری پر لگا ہوا تھا اور اب وہ سوچتے تھے کہ کتنا اچھا ہوا کہ ان کا بیٹا ویسا نہیں تھا جیسا وہ چاہتے تھے۔ اگر وہ ویسا ہوتا تو کبھی ان کا اتنا خیال نہ رکھ پاتا، یہ تو اس کے اندر اللہ نے اتنی خوبیاں رکھ دی تھیں جس کی وجہ سے وہ اس بڑھاپے اور بیماری کی حالت میں بھی بڑی عزت سے اس کے ساتھ تھے۔

آج انہیں محسوس ہوا تھا کہ اس کی نرم دلی، ہمدردی اور خلوص اتنے بے قیمت نہ تھے جتنے وہ خیال کرتے تھے۔

عید میں بھی کچھ ہی دن تھے مگر وہ لامحدود داد اسی جوان کے اندر رچی بسی ہوئی تھی اس کا تو کوئی اختتام ہی نہ تھا.....

کاش ممکن ہو پاتا جو وہ سوچتے تھے۔ اس عید پر انہیں اپنی بیٹی کی پیاری صورت دکھ سکتی وہ تنہائی میں کئی بار رو پڑے

آج انہیں محسوس ہوا تھا کہ اس کی نرم دلی، ہمدردی اور خلوص اتنے بے قیمت نہ تھے جتنے وہ خیال کرتے تھے۔

عید میں بھی کچھ ہی دن تھے مگر وہ لامحدود داد اسی جوان کے اندر رچی بسی ہوئی تھی اس کا تو کوئی اختتام ہی نہ تھا.....

کاش ممکن ہو پاتا جو وہ سوچتے تھے۔ اس عید پر انہیں اپنی بیٹی کی پیاری صورت دکھ سکتی وہ تنہائی میں کئی بار رو پڑے

آج انہیں محسوس ہوا تھا کہ اس کی نرم دلی، ہمدردی اور خلوص اتنے بے قیمت نہ تھے جتنے وہ خیال کرتے تھے۔

عید میں بھی کچھ ہی دن تھے مگر وہ لامحدود داد اسی جوان کے اندر رچی بسی ہوئی تھی اس کا تو کوئی اختتام ہی نہ تھا.....

کاش ممکن ہو پاتا جو وہ سوچتے تھے۔ اس عید پر انہیں اپنی بیٹی کی پیاری صورت دکھ سکتی وہ تنہائی میں کئی بار رو پڑے

آج انہیں محسوس ہوا تھا کہ اس کی نرم دلی، ہمدردی اور خلوص اتنے بے قیمت نہ تھے جتنے وہ خیال کرتے تھے۔

عید میں بھی کچھ ہی دن تھے مگر وہ لامحدود داد اسی جوان کے اندر رچی بسی ہوئی تھی اس کا تو کوئی اختتام ہی نہ تھا.....

کاش ممکن ہو پاتا جو وہ سوچتے تھے۔ اس عید پر انہیں اپنی بیٹی کی پیاری صورت دکھ سکتی وہ تنہائی میں کئی بار رو پڑے

آج انہیں محسوس ہوا تھا کہ اس کی نرم دلی، ہمدردی اور خلوص اتنے بے قیمت نہ تھے جتنے وہ خیال کرتے تھے۔

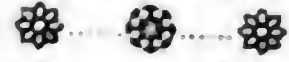
عید میں بھی کچھ ہی دن تھے مگر وہ لامحدود داد اسی جوان کے اندر رچی بسی ہوئی تھی اس کا تو کوئی اختتام ہی نہ تھا.....

کاش ممکن ہو پاتا جو وہ سوچتے تھے۔ اس عید پر انہیں اپنی بیٹی کی پیاری صورت دکھ سکتی وہ تنہائی میں کئی بار رو پڑے



تھے۔ مگر کتنا عجیب لگتا تھا کہ وہ شہزاد سے کہتے کہ وہ مدیحہ کو منالائے دوا سے دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ کیسے کہتے وہ تو اتنا پرست تھے۔

شہزاد بڑے دنوں سے یہ سب دیکھ رہا تھا وہ بے خبر نہیں تھا وہ باپ کی بے چینی کھتا خد جانتا تھا۔



ایک ریسورٹ کے اندرون ماحول کا منظر تھا ارد گرد ایک مخصوص جبل پہل تھی جو کہ عید سے تعلق رکھتی تھی۔  
”مجھے آج میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملی ہے۔“ اس کی آنکھوں میں نمی کی چمک تھی۔  
”وہ کیسے؟“ وہ ہنسا۔

”آپ سے ملنا بھی خوشی ہے مگر اصل خوشی مجھے آپ کے خیالات جان کر ہوئی ہے آج کل ایسا کون سوچتا ہے؟ جیسا آپ کا دل ہے ویسا تو کسی کا ہوتا ہی نہیں۔“ وہ تو صنی انداز میں کہتا ہوا آخر میں اس کا ہاتھ تھام گیا۔  
تیمور بے ساختہ ہنس پڑا۔

”مجھے تم سے زیادہ خوشی ہے شہزاد! تم اندازہ نہیں لگا سکتے میں کتنے خدشات لے کر آیا ہوں یہاں پر۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ میں تم سے مل پاؤں گا یا نہیں یہ بھی بات واضح نہ تھی کہ تم مجھے قبول کرو گے یا نہیں۔ اگرچہ میں تم سے بے شمار بارفون پر بات کر چکا تھا اور تمہارا رویہ ہمیشہ ہی بہت اچھا ہوتا تھا مگر اس کے باوجود یہ بات بھی حقیقت تھی کہ میں تیمور طارق ایک ناگوار حادثے کی صورت میں آپ کے خاندان کا حصہ بنا تھا۔ میں بھی اسی دنیا میں رہتا ہوں جانتا ہوں کہ ایسے رشتوں کی کوئی وقعت کوئی حیثیت نہیں ہوتی مگر پھر بھی میں اس لیے یہاں آیا ہوں تاکہ کوئی تو روایت بدلے کوئی تو ان بدناما زبیروں کو توڑے جن میں ہم سب قید ہیں۔ ہماری شادی کوئی نارمل حالات میں نہیں ہوئی اور اسے آپ کی فیملی میں اور معاشرے میں سماجی مقبولیت ملنے میں بہت وقت لے گا مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں ہم اس کا آغاز تو کریں ہم پہلا قدم تو نہیں۔ میں یہ باتیں اس لیے نہیں

کر رہا کہ میں خود کو اچھا ثابت کر سکوں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری فیملی مکمل ہو۔ میں اکلوتا ہوں اور شاید کہیں اندر یہ حرص رکھتا ہوں کہ آپ جیسا بھائی مل جائے اور شاید کہیں اندر یہ لالچ بھی ہے کہ بیوی کے ساتھ بیوی کا سسرال بھی ملے مگر ان سب باتوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے مجھے درحقیقت مدیحہ کی خوشی عزیز ہے۔ آپ کے بغیر ہماری زندگی ہماری خوشی ادھوری ہے..... آپ جانتے ہیں کہ میری شادی کوئی روایتی عشق و محبت کا نتیجہ نہیں یہ تو صرف مدیحہ کی ضد اور غصے کا نتیجہ ہے جو اسے اپنے بابا سے بھی مگر اب کافی وقت گزر چکا ہے میں چاہتا ہوں اب سب نارمل ہو جائیں۔ رشتوں کے بغیر زندگی گزر جاتی ہے مگر اس میں خوشیوں کے رنگ پھلکے ہوتے ہیں۔“ تیمور اپنی بات ختم کر کے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا جو کہ خاموش تھا۔

”بھائی صاحب! آپ کنوئیں ہو گئے یا میں اور بولوں؟“ تیمور نے اسے خاموش دیکھ کر چٹکلا چھوڑا دونوں کا قہقہہ بے اختیار تھا۔



عید میں بس دو دن تھے گھر میں عجیب سی ہلچل تھی۔ بات ہی ایسی تھی گاؤں سے چچا افضل آئے تھے اور خاصی دھوم دھام سے ملازموں اور کارڈز کے جلوس میں آئے تھے مٹھائیوں کے ٹوکڑے اور پھلوں کے کریٹ اتنے تھے کہ صحن بھر گیا۔ وہ کئی کاموں کے لیے آئے تھے سب سے پہلے عید کی مبارک دینے..... ان کی صحت یابی کی خوشی میں..... پھر اپنی سجادہ نشینی کی مبارک لینے..... اور پھر سب سے اہم کام شہزاد کے لیے اپنی بیٹی شازمین کا رشتہ لے کر۔

مبارک باد دی گئی اور لی بھی گئی مٹھائی کھائی اور کھلائی گئی مگر جہاں بات شہزاد کی شادی کی آئی وہاں چوہدری عارف ہچکچا گئے۔

”میں یہ فیصلہ ذاتی طور پر کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں افضل! میرا ایک بیٹا ہے اور وہ عام لوگوں سے بہت

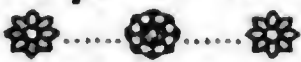


آ نکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ ان کا ہاتھ تھامے کتنی ہی دیر روتی رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے تھے اور اس کا ثبوت یہ تھا کہ انہوں نے بڑی فراغ دلی سے تیمور کو سینے سے لگایا اور یہ ان کی اس رشتے کی قبولیت کا اعلان تھا۔

مدیحہ بے حد حیران تھی وہ تو سوچتی تھی کہ بابا کسی صورت تیمور کو قبول نہ کریں گے بلکہ جب وہ اندر داخل ہوئے تو کہیں اندر سے اسے یقین تھا کہ بابا تیمور کو دیکھتے ہی بھڑک اٹھیں گے مگر جیسا اس نے سوچا ویسا کچھ نہ ہوا اور جو ہوا تھا وہ اس کے گمان سے بالاتر تھا۔۔۔۔۔ وہ بے انتہا خوش تھی اور کہیں اندر سے اس اچانک تبدیلی پر حیران بھی تھی آخر یہ سب ہوا کیسے؟ اس کے اندر کئی سوالات کلبلا رہے تھے مگر فی الوقت وہ ایسا کچھ بھی پوچھ کر ماحول اور موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔



آج پہلی بار وہ اس کے گھر اس کے کمرے میں آیا تھا اور مدیحہ کی خوشی اس کے چہرے سے چھلکی رہی تھی۔ وہ اسے ایک ایک چیز دکھا رہی تھی اسے اپنے بچپن کی باتیں اس گھر اور کمرے سے جڑی اپنی ساری یادیں سنارہی تھی اور وہ سن رہا تھا۔۔۔۔۔ آج پہلی بار اس نے مدیحہ کو اتنا بولتے سنا تھا اور اسے یوں بلا تکلف بنار کے بولتے سنا ایک دلچسپ تجربہ تھا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اسے کتنا چاہتا تھا اور اگر وہ اسے اس کے والدین سے نہ ملواتا تو شاید خوشیوں کے یہ رنگ مدیحہ کے چہرے پر کبھی نہ دیکھ پاتا۔ اس کی یہ مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک کبھی اتنی تاباں نہ ہوتی اور اس نے سوچا کہ فقط ایک انا کا سر کچل کر اس نے زندگی کی کیسی انمول خوشی پائی تھی۔



سوچ بدلنا دل بدلنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اس کا اندازہ انہیں تب ہوا جب انہیں اپنی فرسودہ کھسی پٹی سوچ بدلنا پڑی۔ مدیحہ کی دفعہ انہوں نے ضد اور انا میں آ کر سب کچھ برباد کر دیا تھا مگر اب معاملہ بالکل

مختلف ہے۔ اس کی سوچ مجھ سے بالکل الٹ ہے میں اس کی رضا جانے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ ان کا لہجہ شہزاد کی محبت سے لبریز تھا۔ چوہدری افضل کے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرا گیا مگر وہ ضبط کر گئے اسی شب یہ قافلہ واپسی کو روانہ ہوا۔ اگلی صبح بڑی روشن اور چمک دار تھی اور اس کی ایک خاص وجہ تھی۔



دو دن سے مسلسل وہ اسے شاپنگ کروا رہا تھا دوسرے لفظوں میں جی بھر کے اسے خوش کر رہا تھا۔ اسے خوب گھمانے کے بعد اور دل بھر کے چاند رات سے لطف اندوز ہونے کے بعد وہ دونوں واپس جا رہے تھے۔ گاڑی بڑے جانے پہچانے راستے پر چلنے لگی تو مدیحہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

”یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ اس نے بے چینی چھپاتے ہوئے پوچھا۔

گھر۔۔۔۔۔ اس نے اطمینان سے کہا۔

”کس کے گھر؟“

”اپنے گھر مدی۔۔۔۔۔ ہمارے گھر۔“ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ مدیحہ کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی مگر وہ اب کی بار خاموش رہی اور کچھ دیر بعد اسے واقعی ”اپنا گھر“ نظر آ گیا اس نے گاڑی روک دی۔

”تیمور۔۔۔۔۔“ اس کی آواز کپکپا گئی۔ تیمور نے ایک بار پھر اسے مسکرا کر تسلی آمیز انداز میں دیکھا اور سر ہلا کر اس کا ہاتھ تھپکا۔

”آؤ سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔“ وہ اس کا ہاتھ تھام کر باہر نکل آیا۔

گیٹ وا کر دیا گیا پورچ میں ہی شہزاد ان کے استقبال کے لیے کھڑا تھا۔ مدیحہ کی آنکھوں کے آگے آنسوؤں کی گہری دھند تھی وہ بے ساختہ دوڑ کر اس کے ساتھ لگ گئی۔ شہزاد اپنی آنکھوں کی نمی چھپا کر اسے تسلی دے رہا اور پھر وہ سب اندر چلے گئے اس نے بابا کو دیکھا جو کہ بستر پر تھے اور وہ کتنے کمزور اور نحیف تھے۔ اسے اپنی



اسے جھکانا چاہا؟ وہ جھک تو نہ سکی ٹوٹ گئی۔ اب جبکہ بڑی مشکل سے سب ٹھیک ہوا ہے، میں تمہیں ٹوٹا نہیں دیکھ سکتا۔ تم میری قیمت متاع ہو، میں تم پر کسی صورت اپنی مرضی نہیں ٹھونسنا چاہتا، فیصلہ تمہارا ہوگا۔“ وہ اپنی بات ختم کر کے خاموش ہو گئے۔



وہ ادھوری بوسیدہ اور ٹوٹی بکھری تصویر آج بڑی مکمل اور خوشنمائی میرے سامنے ہے۔ میں نے قہقہے لگائی مدیحہ کو دیکھا جس کی خوشی مکمل تھی، پھر تیمور کو جو کہ بڑا آسودہ اور پرسکون نظر آتا تھا اور جس کی والہانہ نظر جب مدیحہ پر پڑتی تھی تو آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی تھی۔ پھر میں نے ہولے ہولے انہیں سارا معاملہ بتا دیا۔ مجھے یقین تھا، مدیحہ کسی صورت نہیں مانے گی اور ایسا ہی ہوا مگر اس سے بھی بہتر آپشن میرے پاس تھا۔

”میں خود تمہارے ساتھ ہوں مدیحہ! میں جانتا ہوں کہ شازمین ایک دولت مند اور بارسوخ باپ کی بیٹی ہے، اسے کوئی بھی رشتہ مل جائے گا جو اس کے معیار کے مطابق ہو مگر میں تو روایت بدلنا چاہتا ہوں۔ میں رحمہ کو اپنانا چاہتا ہوں۔“ میری آواز میں وہ ایک نام لیتے ہوئے ایسا بدلاؤ تھا کہ مدیحہ کی آنکھیں چمکی اٹھیں۔

”کیسی ہے وہ..... پیاری ہے؟“ وہ تجسس سے پوچھ رہی تھی۔

”بے فکر رہو، تم سے زیادہ نہیں۔“ میں نے بے چارگی سے کہا جس پر ہم تینوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ مجھے یقین تھا میرے فیصلے پر بابا بھی کوئی اعتراض نہیں کریں گے کیوں کہ اب وقت بدل گیا ہے۔ سوچ بدل گئی تھی..... اب جیت انا کی نہیں محبت کی ہوئی تھی۔



مختلف تھا۔ اب مقابلہ ان کے حساس اور فرماں بردار بیٹے شہزاد سے تھا، وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اسے کہا کہ وہ اس کے چچا کو ہاں کر چکے ہیں تو وہ کسی صورت انکار نہیں کرے گا لیکن پھر انہوں نے سوچا کہ وہ ایسا کیوں کریں؟ وہ ان کا بیٹا جس نے اب تک ہر قدم پر ان کا ساتھ دیا تھا، ان کے لیے دن رات کا فرق بھول گیا تھا۔ ان کی تیمارداری ہی نہیں کی بلکہ ہر ممکن دل جوئی بھی کی تھی اور اب یوں ایک دم وہ اس پر اس کی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ ٹھوکتے تو یہ کس قدر ظلم ہوتا اور سب سے بڑا اس کا احسان، مدیحہ کو واپس لے کر آیا تھا، کیسے ان کے اندر کی بات جان گیا تھا۔ وہ کیسے یہ راز پا گیا تھا کہ وہ مدیحہ کے لیے تڑپ رہے تھے وہ واقعی ان کا پیارا بیٹا ان کو سمجھنے والا تھا جو ان کی تڑپ کو پا کر بھی انہیں جتائے بغیر مدیحہ کو ان کے لیے واپس لے آیا تھا۔

ان کے دل سے اس کے لیے دعائیں نکلتی تھیں ”اے اللہ! آپ میرے پیارے بیٹے کو دونوں جہانوں کی کامیابی عطا کیجیے گا، اسے وہ سارے سکھ دیجیے گا جو وہ دوسروں کو دیتا ہے، آمین۔“ اور یہی ان کا فیصلہ تھا کہ اب کوئی بھی فیصلہ اس کی مرضی کے بغیر نہ ہوگا اور جب سب لوگ بہت خوش خوش کھانا کھانے کے بعد سونے گئے تو انہوں نے اسے اپنے کمرے میں بلایا۔

”بیٹھو بیٹے! مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ انہوں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

”جی بابا!“ وہ بیٹھ گیا۔

”تم آگاہ ہو کہ تمہارے چچا کیا مدعا لے کر آئے تھے میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا کیونکہ میں اس کا اختیار تمہیں سونپتا ہوں۔ میں نے مدیحہ کو شیروں کی طرح پالا تھا، پھر پتا نہیں کیوں اسے غلام کرنا چاہا۔ زبردستی اس کے گلے میں رستی ڈالنی چاہی، جب ساری زندگی اسے اپنی مرضی کی اجازت دی تھی تو اب جانے کیوں اس پر آمریت جھاڑنی چاہی مگر ایسا نہ ہو سکا وہ شیر بھی اور شیر ہی رہی۔ اس نے جھکنا سیکھا ہی نہیں مگر جانے میں نے کیوں





سمیرا شریف طور  
لوٹا ہوا انٹار







سے ملوائے لیکن ابوبکر سے ملنے کے بعد ہادیہ بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے دوسری طرف رابعہ بھی صدمے سے گنگ رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



”آپ ہادیہ کو کب سے جانتے ہیں؟“ ابوبکر اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا لیکن رابعہ کی بات سن کر ایک دم چونک اٹھا۔ وہ پلٹا اور رابعہ کے سامنے رکا۔

”ہادیہ.....؟“ سر جھکائے ابوبکر نے کہا تو رابعہ ایک دم تیزی سے بولی۔

”میری دوست۔“ اس کے چہرے پر ایک دم کھنچاؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

”وہی جس سے آپ شام میں مل چکے ہیں۔“ اس نے یاد دہانی کرائی تو ابوبکر نے ایک گہرا سانس لیا۔

”جسے دیکھ کر آپ چونک گئے تھے۔“ ابوبکر نے خاموشی سے اپنے ماتھے پر دائیں ہاتھ کی انگلیاں خطرناک انداز میں رکھی اور پھر رابعہ کو دیکھا وہ بہت سنجیدگی لیے سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

”ایسا کچھ نہیں تھا۔“

”جھوٹ مت بولیں۔“ وہ ایک دم تیزی سے بات کاٹ گئی۔

”جھوٹ نہیں بول رہا آپ کچھ نہیں جانتیں، اس لیے آپ.....!“

”میں وہ سب کچھ جانتی ہوں، جو آپ نے مجھ سے چھپایا ہے ہادیہ میری بیسٹ فرینڈ ہے اس کی زندگی کے ایک

ایک گوشے ایک لمحے کی گواہ ہوں میں اس کے جذبات، اس کے احساسات کچھ بھی تو مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے؟“

”میں نے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ میں نے کئی بار آپ کو اپنے بارے میں بتانا چاہا لیکن آپ نے کہا کہ آپ کو کچھ نہیں

جاننا آپ اپنی دوست ہادیہ کے بارے میں کیا جانتی ہیں مجھے نہیں علم۔“ ابوبکر کا انداز مستحکم تھا۔ رابعہ نے بہت سنجیدگی

سے اسے دیکھا۔

”میرے باپ نے دوسری شادی کر لی تھی میری اپنی اسٹیپ مدر سے کبھی بھی نہ بن سکی تھی وہ زندگی کا بہت جذباتی

دور تھا ایک دن شدید جھگڑے کے بعد میں گھر سے نکل پڑا تھا۔ مختلف جگہوں پر دھکے کھانے کے بعد میں خان بابا کے

پاس پہنچا تھا۔ وہ میری والدہ کے رشتے دار تھے وہ اکثر ہمارے پاس آتے رہتے تھے وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے،

خان بابا ہادیہ کے گھر ملازم تھے۔ برسوں پرانے ملازم، مجھے ہادیہ بی بی کے والد نے اپنے گھر کے سرورٹ کوارٹر میں

رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ میں خان بابا کا رشتے دار تھا پہلے ٹائم کالج جاتا پھر ٹیوشنز پڑھاتا اور جو وقت بچتا میں ان

کے گھر کے چھوٹے موٹے کام کر دیتا تھا مجھے ڈرائیونگ آتی تھی ہادیہ بی بی کے والد نے مجھے ڈرائیور رکھ لیا، تب ہادیہ بی

بی اور ان کی والدہ کو باہر لانے لے جانے میں، میں نے محسوس کیا کہ ہادیہ بی بی میری ذات میں غیر معمولی کشش محسوس

کرنے لگی ہیں میں ہمیشہ اپنی ذات کے دائرے میں گھرارہنے والا انسان تھا۔ میں ان کی غیر معمولی دلچسپی سے ڈر گیا

تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں بھلا میں ان کے لیول کا کیونکر ہو سکتا تھا انہوں نے مجھ سے کبھی بھی محبت کا

اظہار نہیں کیا تھا لیکن میں ہر وقت ان کی دن بدن بڑھتی غیر معمولی توجہ دیکھ کر الجھنے لگا تھا وہ خوب صورت تھیں پڑھ رہی

تھیں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں صاحب جاسید انہیں بھلا میں کیونکر ان کے معیار تک پہنچ پاتا یہ ٹھیک ہے کہ

میرے والد معاشرے میں ایک اچھی پوزیشن رکھتے تھے لیکن اپنی سوتیلی والدہ کے سبب میں نے گھر چھوڑ دیا تو دوبارہ

کبھی اس گھر میں واپس جانے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ ہادیہ بی بی کی وجہ سے مجھے لگنے لگا کہ اگر میں وہاں مزید رہا تو میری

آنچل \* اگست ۲۰۱۵ء 165

www.Paksociety.com



پوزیشن خراب ہو سکتی ہے ان کے والد مجھ پر بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی وجہ سے میری ساکھ خراب ہو، سبھی میں نے کچھ دوستوں کی مدد سے امریکہ ویزہ کے لیے اپلائی کر دیا تھا اسکا لرشپ کی بنیاد پر میری قسمت اچھی تھی جو بہت جلد میں اسکا لرشپ کے لیے سلیکٹ ہو گیا تھا میں نے بس خان بابا سے ذکر کیا تھا اور پھر میں خاموشی سے وہاں سے امریکہ چلا گیا تھا وہاں جا کر ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ میں نے جاب شروع کر دی تھی مجھے اپنے بل بوتے پر اپنا کیریئر بنانا تھا سوتب ہی مجھے سہیل ملا ہماری دوستی ہو گئی جو آج بھی برقرار ہے۔ ”وہ سب بتا کر خاموش ہو گیا تو رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ ابو بکر کی کہانی میں کسی بھی قسم کا کوئی جھول نہیں تھا حرف حرف سچ تھا۔ یہ سب کچھ تو وہ ہادیہ سے بھی سن چکی تھی لیکن ابو بکر کون تھا کیا بیک گراؤنڈ تھا یا کہاں غائب ہو گیا تھا نہ ہادیہ کو علم تھا اور نہ ہی اسے پتا تھا۔ رابعہ، ہسٹلی سے ایک طرف رکھی کرسی پر گری گئی تھی۔

”وہ پاگل ہے، اس نے زندگی میں صرف ایک شخص سے محبت کی تھی اور وہ آپ تھے اس کے اتنے اچھے اچھے رشتے آتے ہیں اور وہ انکار کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ بھی جانتی ہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے اسے نجانے کیوں ایک امید سی تھی کہ آپ ضرور واپس آئیں گے۔“ رابعہ کے الفاظ پر ابو بکر نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

”اس کے والدین بہت پریشان ہیں لیکن وہ شادی کے لیے نہیں مانتی۔“ ابو بکر خاموشی سے سنتا رہا۔

”ایک بات بتائیں گے؟“ رابعہ نے اچانک سر اٹھا کر ابو بکر کو بغور دیکھتے پوچھا تو وہ بھی دیکھنے لگا۔

”ہادیہ کی محبت کیا ایک طرف تھی یا آپ بھی؟“ وہ بات ادھوری چھوڑ کر بغور دیکھنے لگی۔

ابو بکر نے اضطرابی انداز میں لب بھینچے انگلیاں مسلتے کمرے میں چکر لگایا۔

”ہماری شادی ہو رہی ہے اب اس سوال کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں محبت و حبت پر یقین نہیں رکھتا حقیقت یہ ہے کہ سہیل اور آپ کی فیملی کے ساتھ میری کمٹمنٹ ہو چکی ہے اور میں ہر حال میں کمٹمنٹ نبھانے والا انسان ہوں۔“

”اور دوسری طرف جو ایک لڑکی کی زندگی برباد ہو جائے گی وہ.....؟“ وہ ٹپ اٹھی۔

”وقت سب سے بڑا مرہم ہے، پھر میرے اور ہادیہ بی بی کے اسٹیشن میں بہت فرق ہے۔“ انداز میں ایک دم سنجیدگی دہرائی تھی۔

”وہ کوئی عام سی جذباتی لڑکی نہیں ہے، اس نے دل کی گہرائیوں سے آپ کو چاہا تھا وہ آپ کی خاطر ایک آس ایک امید میں خود پر زندگی کا ہر دروازہ بند کر کے آپ کی آمد کی منتظر تھی اور اب جبکہ اسے علم ہو چکا ہے کہ آپ واپس آ چکے ہیں میری شادی آپ سے ہو رہی ہے وہ بالکل ٹوٹ جائے گی۔“

”تو بتائیے میں کیا کر سکتا ہوں؟“ ابو بکر نے پوچھا تو رابعہ خاموش ہو گئی۔

چند دن بعد اس کی شادی تھی۔ اگر وہ انکار کر رہی تو سارے خاندان میں بدنام ہو جاتی اور اگر ابو بکر انکار کرتا تو سہیل اور ابو بکر کے رشتے کے درمیان ایک خلیج پیدا ہو جاتی تھی۔

”میں ایک پریکٹیکل سوچ رکھنے والا انسان ہوں میرے پاس بہت سارے رشتے نہیں ہیں سہیل کی دوستی میں، میں نے ایک بھائی کا سا پیار حاصل کیا ہے اور آپ کی فیملی سے گھر جیسی محبت۔ اب ان سب کے اعتماد کو نہیں توڑ سکتا۔“

”آپ واقعی ہادیہ سے محبت نہیں کرتے؟“ سوال ایسا تھا کہ ابو بکر چند پل کو بالکل خاموش ہو کر رہ گیا۔

رابعہ نے بہت دکھ سے ابو بکر کو دیکھا اور پھر سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔



چند دن گزرے تھے انہیں اطلاع ملی تھی کہ زیب النساء کی ماں کی طبیعت بہت خراب ہے وہ شہر جانے کی تیاری



حلف اٹھا لینے کے فوراً بعد ہر تازہ دہریہ  
قائد اعظم کے مرقد پر بھی جاتا ہے ضرور  
اور وہاں جا کر یہ کہتا ہے وہ ان کی روح سے  
میرے ہاتھوں قوم اچھا دن نہ دیکھے گی حضور

درخشاں بی..... چوٹالہ

کرنے لگے تھے۔

”کہاں جا رہے ہیں؟“ زبیدہ نے انہیں تیار ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

”شہر۔“ انہوں نے مختصر کہہ کر سفید شلوار قمیص کے اوپر بلیک واسکٹ پہنی۔

”آج کل آپ شہر کے بہت چکر لگانے لگے ہیں۔“ انداز میں کھونج تھی حیات علی کے ہاتھ رک دم رک گئے تھے۔

”کیا مطلب؟“ بغور بیوی کو دیکھا۔

”کچھ دن پہلے ہی تو آپ شہر سے ہو کر آئے ہیں اب ایسا کیا ضروری کام آ پڑا کہ پھر چل دیے۔“ زہرہ کو اٹھائے

زبیدہ سامنے آ گئی تھیں۔ وہ حیات علی سے عمر میں بھی 8 سال بڑی تھیں پھر پانچ بچوں کی پیدائش نے بھی اثر دکھایا تھا

زبیدہ کے جسمانی خدو خال اب ان کی عمر کو چھپا نہیں سکتے تھے وہ حیات علی کے سامنے ہمیشہ رہنے لگی تھیں اور آج کل یہ

فرق حیات علی کو بڑی شدت سے محسوس ہونے لگا تھا۔ کہاں ایک کم عمری خوب صورت نکلیلی ڈال جیسی زیب النساء اور

کہاں بڑی عمر کی پانچ بچوں کی ماں۔

انہوں نے ناگواری سے بیوی کو دیکھا۔

زبیدہ اس گھر میں راج کرتی تھی۔

حویلی کے سیاہ و سفید کی مالک تھی۔

”ہر ضروری کام بتانا ضروری نہیں ہوتا۔“ ناگواری سے کہہ کر وہ پلٹے تھے۔

”میں دیکھ رہی ہوں دن بدن آپ کا رویہ مجھ سے اور بچوں سے بدل رہا ہے کوئی بھی سوال کروں عجیب روکھا سا

انداز ہو جاتا ہے۔“ زبیدہ کی بات پر وہ ٹھٹھک گئے تھے۔

آج کل لاشعوری طور پر ان سے ایسا ہو رہا تھا وہ جان بوجھ کر زبیدہ یا بچوں کو انور نہیں کر رہے تھے۔

”ایسی کوئی بات نہیں، بس آج کل کچھ زیادہ ہی مصروف ہوں، اسی لیے شاید تمہیں ایسا لگ رہا ہے۔“ خود کو

سنجالتے زبیدہ کے قریب آ کر مسکرا کر کہا تو زبیدہ نے بغور دیکھا۔

”تو پھر بتایا نہیں کس لیے جا رہے ہیں آپ شہر؟“

”ایک دوست ہے اس کی والدہ کافی بیمار ہیں اسی کی عیادت کو جانا ہے۔“ نظر چرا کر پیچھے ہٹے تھے۔

”واپس کب آئیں گے؟“

”شاید ایک دو دن لگ جائیں۔“ سنجیدگی سے کہہ کر نظریں چرا۔ وہ اپنی چند ضروری چیزیں سمیٹ کر باہر نکل گئے

تھے۔ زبیدہ نے خاموشی سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔





وہ کالج آئی تو شہوار موجود تھی۔  
 ”کہاں تھیں تم؟“ سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تو شہوار مسکرا دی۔  
 ”بس گھر میں ہی تھی، تم سناؤ تمہارا نمبر کیوں آف ہے جب بھی کال کرو نمبر بند ہوتا ہے۔“  
 ”موبائل نوٹ گیا ہے؟“ انا نے سنجیدگی سے کہا۔  
 ”ہائے وہ کیسے، اتنا اچھا سیٹ کیسے نوٹ گیا۔“  
 ”بس ہاتھ سے گرا اور نوٹ گیا۔“

”میں محسوس کر رہی ہوں تم آج کل بہت بدلی بدلی سی لگنے لگی ہو جب سے وہ واقعہ ہوا ہے تم وہ والی انا لگتی ہی نہیں ہو۔“ شہوار نے چلتے چلتے پوچھا تو انا ٹھٹھکی گئی اس نے سختی سے دانت لب تلے دبالیے تھے۔  
 ”کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے؟“ شہوار نے اسے بغور دیکھتے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔ شہوار نے چند لمحوں کے بڑھتے دیکھا تھا۔  
 ”لیکن کوئی تو ریزن ہوگی نا؟“ وہ پھر تیز تیز چلتے اس کے مقابل آ کر کی تھی۔  
 ”بس ویسے ہی طبیعت بیزار ہو رہی ہے کچھ اسٹڈی کا بہت خرچ ہو چکا ہے سوچ رہی ہوں کہ کیسے کور ہوگا یہ سب۔“  
 وہ بات ٹال گئی تھی۔

شہوار نے اسے چند لمحوں کے بغور دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔  
 ”روٹی کا سناؤ کیسی طبیعت ہے اب اس کی۔“ دونوں کا ریڈور سے گزرتے ایک کمرے میں آ بیٹھی تھیں۔ بکس اور بیگ دوسری چیزیں رکھتے شہوار نے پوچھا۔  
 ”اچھی ہے منگنی چیک اپ ہو رہا ہے سب ٹھیک ہے۔“  
 ”اچھی بات ہے تمہاری اور ولید بھائی کی شادی کب ہو رہی ہے۔“ شہوار نے مسکرا کر پوچھا تو انا نے لب بھینچ لیا۔  
 ”شاید کبھی بھی نہیں۔“ لہجے میں تلخی تھی۔ شہوار چونکی۔

”کیا مطلب؟“  
 ”ہر بات کا مطلب نہیں ہوتا۔“ لہجے کی تلخی اسی طرح برقرار تھی۔ ”پھر بھی بغیر کسی ریزن کے بھی تو کوئی بات نہیں ہوئی۔“  
 ”کیا ہوا ہے کوئی برا بلغم ہے کیا؟“ شہوار پریشان ہوئی۔  
 ”میں یہ منگنی ختم کر چکی ہوں۔“ انا کا اندازہ سنجیدہ اور دونوں کو تھا۔ شہوار ششدر سی رہ گئی۔  
 ”کیوں؟“ بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوئی تھی۔  
 ”ہر کیوں کا جواب نہیں ہوتا؟“  
 ”پھر بھی کوئی وجہ تو ہوگی نا؟ اور حیرت ہے مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔“  
 ”میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اور یہی سب سے بڑا ریزن ہے۔“ انا کا انداز ایک دم سپاٹ ہو گیا تھا۔ شہوار نے بے چینی سے اسے دیکھا۔  
 انا بدل چکی تھی وہ یہ محسوس تو کر چکی تھی۔ لیکن اس حد تک بدل گئی ہوگی وہ یقین نہیں کر پارہی تھی۔  
 ”کون بے حد؟“



”تم اسے جانتی ہو۔“ بیک کی اسٹریپ سے کھیلتے انا نے کہا تو شہوار ابھی۔  
”کسے؟“

”مصطفیٰ بھائی کا کزن ہے وہ۔“ شہوار نے حیران ہو کر انا کو دیکھا وہ مسلسل بیک کا اسٹریپ کھول اور بند کر رہی تھی۔  
”کون؟“

”حماد۔“ شہوار کو لگا تھا کہ جیسے انا نے اس کی سماعت پر ایک زوردار دھماکہ کیا ہو۔  
”کیا.....؟“ وہ بے یقینی سے اسے تنگ رہ گئی۔



وقار صاحب آفس نہیں گئے تھے وہ پچھلی کئی راتوں سے سو نہیں پائے تھے ان کی طبیعت خراب تھی لیکن ان کا ذہن مسلسل پریشانی سے کچھ بھی کام کرنے سے قاصر تھا۔ انہیں انا بہت عزیز تھی۔ انا ان کی چہیتی بنی تھی۔ انہوں نے اسے بہت لاڈ اور محبت سے پالا تھا۔ انا کی کبھی بھی کوئی بھی فرمائش رو نہیں ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے نکلی ہر بات پوری کی گئی تھی۔

ولید ان سب کی مشترکہ خواہش تھی خصوصاً ضیاء احمد کی دلی خواہش تھی کہ انا اور ولید کی شادی ہو۔ کسی کو بھی اعتراض نہ تھا۔ سب کچھ بہت اچھی طرح چل رہا تھا منگنی ہو گئی تھی لیکن اب اچانک نجانے یہ حماد کہاں سے آ نکلا تھا۔

اس دن انا کے ساتھ پارک میں موجود اسی لڑکے کو دیکھ کر ان کا پارہ ایک دم ہانی ہوا تھا وہ انا کو گھر لے گئے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ جذباتیت کا مظاہرہ کرتے وہیں پارک میں کھڑے شخص کا گریبان پکڑ لیں لیکن انہوں نے اپنے حواس بے قابو نہیں ہونے دیے تھے وہ انا کو لے کر گھر آ گئے تھے لیکن انا سے وہ سب سن کر وہ جیسے ڈھسے سے گئے تھے۔

انا کی گمشدگی اس کی دماغی کنڈیشن کا خراب ہونا سب کے پیچھے یہ ریزن تھا وہ کسی بھی طور پر یقین کرنے پر آمادہ ہی نہ تھے اور اب صبوحی بیگم نے بتایا تھا کہ وہ ولید سے مکمل طور پر انکار کر چکی ہے ان کی دھمکی کے باوجود۔

”وہ کہتی ہے اگر آپ کو حماد پسند نہیں تو کسی سے بھی میری شادی کر دیں بے شک تعلق ختم کر لیں لیکن وہ کسی بھی قیمت پر ولید سے شادی نہیں کرے گی۔“

صبوحی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر وہ گم مسم ہو گئے تھے۔ وہ ایک جہاندیدہ سمجھدار انسان تھے انہوں نے بہت کم عرصے میں اپنا کاروبار بڑھایا تھا۔ وہ اپنا ہر فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرتے تھے لیکن اس دفعہ وہ بہت جذباتی ہو رہے تھے۔ وہ ساری رات ایک بل کو بھی نہیں سو پائے تھے صبح سے ان کی طبیعت خراب تھی۔ وہ آفس بھی نہیں گئے تھے آج ضیاء احمد کا چیک اپ تھا ولید ان کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا کوئی دوائی کے قریب دواؤں گھر لوٹے تھے۔

وقار کی طبیعت خرابی کے سبب آج صبوحی بیگم بھی بوتیک نہیں جاسکی تھیں۔ انا کالج اور احسن آفس میں تھے باقی لوگ گھر میں۔ ولید ضیاء احمد کو گھر چھوڑ کر آفس جانے کے لیے نکلا تو صغراں بلائے آ گئی۔

”بڑے صاحب (وقار) بلارے ہیں۔“

”چلو میں آتا ہوں۔“ صغراں چلی گئی تو وہ بھی اندر آ گیا تھا لاؤنج میں روشی سمیت صبوحی بیگم، وقار احمد، ضیاء صاحب سبھی موجود تھے۔

”آپ نے بلایا، خیریت۔“ ولید نے پوچھا۔

”جینھو۔“ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

www.Paksociety.com

آنچل اگست ۲۰۱۵ء 169



”مجھنا کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔“ وہ مجھے لہجے میں وقار نے کہا تو ولید کے چہرے کی سرخی بڑھنے لگی۔  
 ”انا نے جس طرح یہ منگنی ختم کی ہے، اس پر میں بہت شرمندہ ہوں۔“ انہوں نے شرمندگی سے کہا تو ضیاء صاحب نے گہرا سانس لیا۔

”اکیسی بات مت کرو وقار، انا بچی ہے نا سمجھ ہے جذباتی ہو رہی ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“  
 ”وہ نہ بچی ہے اور نہ ہی نا سمجھ، وہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر رہی ہے میں نے بھی اب فیصلہ کر لیا ہے میں اب اسے مزید ہماری عزت سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گا۔“ ایک دم جذباتی ہوتے وقار صاحب نے کہا تو ضیاء صاحب نے پریشان ہو کر وقار کا چہرہ دیکھا۔

”میں اس لڑکے کے والدین کو بلوار ہا ہوں تا کہ ان سے فائنل بات کروں میں نے سوچ لیا ہے کہ بہت جلد انا کو اس لڑکے کے ساتھ رخصت کر کے اس سارے سلسلے کو ہی ختم کر دوں گا میں انا سے سب تعلق ختم کروں گا اور یہ ہی میرا آخری فیصلہ ہے۔“ انداز دو ٹوک تھا صہجی بیگم تو ایک دم رونے لگ گئی تھیں۔ روشی نے فوراً قریب آ کر انہیں کندھوں سے تھاما۔

ضیاء صاحب کے چہرے پر پریشانی کی کیفیت پھیل گئی تھی۔  
 ”ایسے جذباتی فیصلے اس طرح آنا قانا نہیں ہو جاتے، وہ بچی ہے اگر جذباتی ہو رہی ہے تو تم تو کم از کم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو، وہ ہماری بچی ہے ایسے کیسے تم یہ فیصلہ کر سکتے ہو۔“ ضیاء صاحب نے ناراضگی کا اظہار کیا۔  
 ”تو کیا میں اس وقت کا بیٹھ کر انتظار کروں، جب وہ خود اس لڑکے کے ساتھ چلی جائے۔“  
 ”اللہ نہ کرے۔“ صہجی بیگم تو دہل سی گئی تھیں۔

”کیسی باتیں کرتے ہو تم وقار، وہ ہماری بچی ہے ہمارے ہاتھوں پرورش پائی ہے اس نے، وہ بھلا ایسی ویسی کوئی حرکت کیوں کرے گی وہ کرداری لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔ وہ کبھی بھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھائے گی۔“ ضیاء صاحب نے ناراضگی سے کہا تو وقار نے ایک گہرا سانس لیا۔

”کبھی میں بھی یہی سوچتا تھا وہ اس لڑکے کو ہمارے سامنے تک لائی ہے۔ مجھے اب اس وقت سے ڈر لگتا ہے جب کوئی انہونی ہو، میں اب اس سلسلے کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور بس۔“  
 ”تم ایسا کچھ نہیں کرو گے انا میرے ولید کی منگیتر ہے۔“ ضیاء صاحب نے پریشان ہو کر یاد دلانا چاہا۔  
 ”وہ خود یہ منگنی ختم کر چکی ہے۔“ وقار نے سنجیدگی سے اطلاع دی۔

”میں نہیں مانتا اس پر سب سے پہلے ہمارا حق ہے۔“ وقار نے ایک گہرا سانس لیا اور ولید نے ایک دم کھڑا ہو کر کہا۔  
 ”آپ کے ماننے یا نہ ماننے سے کچھ نہیں ہوگا بابا ہوگا وہی جو انا چاہتی ہے اور میں زبردستی کے رشتوں کا قائل نہیں ہوں مجھے اپنی سیلف ریسپیکٹ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ میرا خیال ہے انکل نے بالکل ٹھیک اور بروقت فیصلہ کیا ہے آپ بھی دل سے اس فیصلے کو مان لیں تو اچھی بات ہے۔“ منی سے کہہ کر وہ لاؤنج سے نکل گیا تھا۔  
 سبھی نے بہت دکھ سے اسے جاتے دیکھا تھا۔



شہوار سارا وقت سخت پریشان رہی تھی انا حماد کو پسند کرنے لگی تھی حماد کی وجہ سے وہ ولید سے منگنی توڑ چکی تھی۔ اسے یہ بات ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔ باقی سارا وقت اسے انا سے بات چیت کا موقع نہیں ملا تھا کچھ انا بھی اس سے دور رہی تھی۔ وہ انا کے لیے حقیقتاً دل سے پریشان ہو چکی تھی۔ آج اسے گھر جلدی آنا تھا سو وہ دو بجے کے قریب ہی گھر آ گئی



تھی ڈرائیور لیٹا یا تھا۔  
گھر میں سبھی کو اس کی پریکٹس کی خبر مل چکی تھی ماں جی تو بے حد خوش تھیں خوش تو وہ خود بھی تھی لیکن تابندہ ہوا کا خیال اسے غم زدہ کر دیتا تھا نجانے وہ کہاں تھیں اس کا دل چاہتا تھا کہ اسے بس کوئی اطلاع مل جائے وہ اڑ کر ان تک پہنچ جائے وہ گھر آئی تو شائستہ بھابی موجود تھیں۔ وہ شاید اسی سے ملنے آئی تھیں۔  
آتے ہی وہ اس کو لے کر اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

”کیا بات ہے خیریت ہے نا؟“  
”تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“  
”ہاں کہیے۔“

”تمہاری دوست کے متعلق بات ہے۔“ انداز دھیما سا تھا شہوار چونکی۔ یعنی کوئی بات تھی اتنا نے حماد سے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا بس یہ کہ وہ پسند کرتی ہے کیوں کیسے۔  
”کیا مطلب..... کون سی دوست؟“  
”انا.....“ شہوار کا دل ڈوبنے لگا تھا۔  
”میں سمجھی نہیں۔“

”چھوڑو تمہاری تو پکی دوست ہے کچھ نہ کچھ تو بتایا ہی ہوگا تمہیں تو۔“ شائستہ نے طنز یہ انداز اختیار کیا تو شہوار ہنسی۔  
”مجھے آپ کی کسی بھی بات کی سمجھ نہیں آ رہی جو بھی کہنا ہے صاف صاف کہیں۔“  
”تمہاری دوست اور ہمارے حماد میں کوئی چکر چل رہا ہے ٹھنک تو میں تب ہی گئی تھی جب حماد بہانے بہانے سے مجھے ساتھ لے کر اس کے گھر جاتا تھا لیکن سوچا میرا وہم ہوگا منگنی شدہ لڑکی ہے لیکن وہ تو آج حماد نے گھر میں خبر نشر کی ہے کہ وہ انا کو پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے لڑکی بھی اسے پسند کرتی ہے اس کی خاطر اپنی منگنی توڑ چکی ہے اس لیے اب ہم اس کا رشتہ لے کر انا کے گھر جائیں۔“ شائستہ نے ساری کہانی کہہ سنائی تھی۔  
شہوار تو کم صم صم حیرت سے شائستہ کی شکل دیکھ رہی تھی۔  
”تو بات یہاں تک پہنچ چکی تھی۔“ وہ بے یقین تھی۔

”تم جانتی تو ہو ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیوں کا رواج نہیں لیکن اب نئی جزییشن کی شادیاں ہو رہی ہیں تو حماد بھند ہے کہ وہ انا سے ہی شادی کرے گا۔ دونوں سے اس نے گھر میں یہ سلسلہ کھڑا کر رکھا ہے۔“  
”یہ سب حماد نے بتایا ہے کیا؟“ وہ بہت الجھی ہوئی تھی۔

”تو اور کیا..... میں خود سے جھوٹ کیوں گھڑنے لگی۔ سچ کہوں لڑکی تو بہت اچھی تھی مجھے پسند بھی بہت تھی مگر ولید سے منگنی توڑ کر حماد سے شادی کرنے والی بات مجھے سمجھ نہیں آئی..... حماد لا ابالی اور جذباتی سا لڑکا ہے ٹھیک ہے اچھی جاب پر ہے اچھے گھرانے سے ہے۔ دولت عزت سب کچھ ہے مگر وہ اور ولید بہت فرق ہے دونوں میں انا ولید کو چھوڑ کر حماد کی طرف آئے بات بنتی نہیں کچھ۔“ شائستہ کے الفاظ پر شہوار گم صم سی ہو گئی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور وہ بے خبر تھی۔  
کتنی دوریاں آگئی تھیں دونوں میں کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں دوسروں سے جان رہی تھیں۔ انا کی شخصیت کا یہ پہلو۔ شہوار یقین کرنے پر آمادہ ہی نہ تھی۔ لیکن آج کالج میں ہونے والی انا سے گفتگو وہ بھی تو نظر انداز کی جانے والی نہ تھی۔ انا نے صاف لفظوں میں کہا تھا وہ حماد کو پسند کرتی ہے اور ولید سے منگنی توڑ چکی ہے۔  
انا کو وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ نہ کرداری لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی تھی اور نہ ہی ظاہری چمک دمک دولت و



WWW.PAKSOCIETY.COM

حشمت دیکھ کر مرنے والوں میں سے تھی۔ جہاں تک اس نے محسوس کیا تھا صاف لگتا تھا کہ وہ ولید کے ساتھ منگنی پر بہت خوش تھی..... لیکن درمیان میں آنے والا یہ یوٹرن۔

انا کہاں بدلی تھی؟  
”کہاں کم ہو گئی؟“

شائستہ نے کندھے کو ہلایا تو شہوار چوکی۔  
”میں حیران ہوں مجھے یقین نہیں آ رہا انا ایسی لڑکی نہیں ہے یقیناً کوئی وجہ رہی ہوگی وہ تو کبھی بھی بلا وجہ کالج میں ساتھ بڑھنے والے کلاس فیلو سے بھی مخاطب ہونے کو اچھا نہیں سمجھتی تھی وہ خود بھلا یہ سب کیسے کر سکتی ہے۔“ وہ یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔

”لیکن یہ سب ہو چکا ہے جیسے بھی ہوا ہے لیکن اب حصاد بھند ہے کہ ہم چند دنوں میں اس کی طرف رشتہ لے کر جائیں۔“ شائستہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

”تو پھر آپ لوگوں نے کیا سوچا کیا واقعی رشتہ لے کر جائیں گی۔“ اس نے پوچھا تو شائستہ نے اثبات گردن ہلا دی۔

”اب بات امی جی تک پہنچی ہے بڑوں میں معاملہ ہے دیکھو کیا فیصلہ کرتے ہیں سبھی انا کو جانتے ہیں مصطفیٰ کا حوالہ مستند ہے لڑکی اچھی اور خوب صورت ہے ناپسند تو کسی کو بھی نہیں پھر تمہاری دوست ہے مگر منگنی والی بات پر آ کر سبھی الجھے ہوئے ہیں۔“ شہوار کے اندر عجیب سے انداز میں سائیں سائیں سا ہونے لگا تھا۔  
”مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ بہر حال میں آج انا کی طرف چکر لگاتی ہوں دیکھتی ہوں کیا سلسلہ ہے یہ سب۔“

”ہاں، مجھے ضرور چکر لگاؤ تمہاری تو دوست ہے مجھے تو یہ تھا کہ تمہیں شاید سب علم ہو لیکن تم بھی لاعلم ہو۔“ شائستہ کی بات پر وہ خاموش رہی تھی لیکن اندرون خانا ایک جنگ سی چھڑی ہوئی تھی۔  
سوچوں کا ایک اثر دھام تھا جس نے دل و دماغ کو جکڑ لیا تھا۔



ولید انا کے کمرے میں آیا تو وہ ابھی تک کالج سے نہیں لوٹی تھی۔ وہ جو کچھ کر چکی تھی اور جو کچھ کر رہی تھی وہ سب دیکھا جاتا تو وہ کبھی بھی اس کی طرف نہ پلٹتا لیکن بات عزت نفس سے بڑھ کر ان لوگوں کی تھی جو اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ صبوحی بیگم، وقار احمد، احسن، روشی، ضیاء صاحب کی محبت کا تو کوئی نعم البدل ہی نہ تھا۔  
ابھی وہ کمرے میں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے دروازہ کھلا تھا وہ پلٹا تو انا اسے دیکھ کر رک گئی تھی ولید کو اپنی غیر موجودگی میں اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ ٹپکی تھی۔ وہ بھی رک گیا تھا۔  
”آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔“ لہجے میں تھی تھی۔

”ہمارا گھر ہے میں جدھر چاہے نظر آؤں تم سے مطلب؟“ ولید کا لہجہ اس سے زیادہ تلخ تھا۔  
”یہ میرا کمرہ ہے آپ کا گھر دوسری طرف ہے اب اگر آپ یہاں بلا اجازت نظر آئے تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔“ بکس بستر پر چڑھ کر وہ چیخ کر بولی۔  
”شٹ اپ۔“ ولید نے سختی سے ٹوکا۔

”تم دن بدن انتہائی بدتمیز اور ناپسندیدہ ہو جا رہی ہو، تمہیں ذرا تمیز نہیں کہ کس سے کیسے بات کرتے ہیں۔“ اس



کے لہجے پر ولید ایک دم تپا تھا۔  
 ”میری خوبیاں گنوانے سے پہلے آپ اپنے گریبان میں بھی جھانک لیں کسی کے کمرے میں کیسے داخل ہوتے ہیں اس بات کی نمیز تو آپ کو بھی نہیں ہے۔“  
 ”اف.....“ اتنا تپا دینے والا جواب تھا۔

ولید نے گھورا تو انا بغیر توجہ دے آگے بڑھی تھی۔ ولید کے سامنے سے گزر کر الماری سے دوپٹہ نکال کر چادر اتار کر دوپٹہ اوڑھ کر وہ واش روم میں چلی گئی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو ولید اسی طرح کھڑا تھا انداز پر سوچ اور سر جھکا ہوا تھا انا کے تیور بد لئے لگے تھے۔

”آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟“ لہجے میں تلخی تھی ولید نے سنجیدگی سے دیکھا۔  
 ”مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“ سنجیدگی سے دیکھتے کہا تو انا ٹھٹھکی۔

”کیا ہم بغیر کسی بحث و مباحثہ کے آرام و سکون سے ایک دوسرے کی بات نہیں سن سکتے؟“ انا نے خاموشی سے آٹھے دیکھا۔

”تم یہاں بیٹھو۔“ ولید نے بستر کے کنارے بیٹھ کر فوراً سے دوسرے کنارے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”آپ کہیں جو کہنا ہے مجھے سخت بھوک لگی ہے۔“ اسی طرح ناراضگی سے کہا۔

ولید نے ایک گہرا سانس لے کر بستر سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہوا۔

”تم یہ سب کچھ کاشفہ کی وجہ سے کر رہی ہو؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو انا کے چہرے پر تلخی چھانے لگی تھی۔  
 ”میرا اور کاشفہ کا ایسا کوئی بھی تعلق نہیں تھا میں کسی وجہ سے کاشفہ کی طرف بڑھا تھا محض اس کو اعتماد میں لینا مقصد تھا۔“ ولید نے سنجیدگی سے بتایا تو انا استہزائیہ مسکرائی۔

”وہ وجہ کیا تھی یہ بھی بتا دس بڑی مہربانی ہوگی۔“

”میں وہ وجہ نہیں بتا سکتا لیکن یہ یقین دلاتا ہوں کہ میں نے کسی بھی انداز سے کاشفہ کے ساتھ انوائسٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جہاں تک ممکن ہو سکا میں نے اس سے بچنے کی کوشش کی تھی۔“ ولید کے الفاظ پر وہ مسکرائی تھی۔

”آپ مجھے صفائیاں کیوں دے رہے ہیں آپ کاشفہ سے انوالو ہوئے یا نہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا میری طرف سے آپ کچھ بھی کرتے پھر میں میں بھلا کون ہوتی ہوں اس بات کو ایسا بھانسنے والی۔“

”تو پھر یہ سارا پرالہم کیوں کری ایٹ کر رکھا ہے جب تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کوئی دھوکے باز فلرٹی انسان ہوں کہ آج اس کے ساتھ کل اس کے ساتھ چکر چلاتا پھروں مجھے اپنا کردار اسی طرح عزیز ہے جیسے تمہیں کہنے کو تو میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا حماد کے ساتھ تعلق تھا اور تم محض مجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے کاشفہ کو درمیان میں لائی ہو۔“ ولید کے چہرے پر آگ جیسی تپش تھی۔

”بکو اس بند کریں میرا کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔“ ولید کے اس الزام پر وہ ایک دم ٹپ اٹھی تھی۔ غصے سے بولی تھی۔

”بہت تکلیف ہو رہی ہے جبکہ تم سب کے سامنے برملا اعلان کر چکی ہو کہ تم حماد کو پسند کرتی ہو اس سے شادی کرنا چاہتی ہو منگنی کی انگوٹھی واپس کرنے کی بھی یہی وجہ تھی اور اس رات گھر سے غائب رہنے کے پیچھے بھی شاید تمہارا یہ حماد شامل تھا۔“ ولید کے الفاظ سے انا کو لگ رہا تھا کہ وہ سر سے پاؤں تک جھلس رہی ہو۔

اس نے سب کو ہی باور کرانے کی کوشش کی تھی اور اب جبکہ سب اس بات پر یقین کر چکے تھے تو ولید کے منہ سے یہ



الفاظ سن کر اس کے اندر آگ سیپ اٹھی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ خود پر الزام لگانے والے ولید کا منہ ملتا ہوں سے سرخ کر دے لیکن ضبط سے ہونٹ دانت تلے باکنی تھی۔  
 ”خیر تم مجھے کیا رجسٹر کر دیں گی میں بھی تم جیسی لڑکی سے شادی نہ کرتا تمہیں میرے اور کافقہ سے متعلق جو بھی سمجھتا ہے سمجھتی رہو میں کوئی صفائیاں پیش کرنے نہیں آیا میں تو بس یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ تم کس وجہ سے بلیک میل ہو رہی ہو۔“ انا کھنکی تھی۔

”موبائل تو ڈوبنے سے تم حقیقت تو نہیں چھپا پاؤ گی تمہارے نمبر سے ساری ڈیٹیل معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں لیکن سوچا پہلے تم سے کنفرم کر لوں کیا وجہ ہے جو تم یہ سارا ڈرامہ کر رہی ہو۔“ ولید کا انداز مضبوط اور دو ٹوک تھا۔  
 ”میں کوئی ڈرامہ نہیں کر رہی۔“

”ڈرامہ نہیں کر رہی تو پھر بلیک میل ہو رہی ہو تم، کون ہے وہ کیا معاملہ ہے یہ سارا۔“ سینے پر ہاتھ باندھ کر سختی سے پوچھا تو انا کے چہرے کی رنگت بدلی گئی۔ نہ ہی تو وہ پیشہ ورا یکٹر تھی جو چہرے کے تاثرات چھپا جاتی اور نہ ہی وہ بہت بہادر۔

”پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں میں کیوں بلیک میل ہونے لگی کسی سے۔“ اس نے برہمی دکھانا چاہی تھی لیکن آواز کی لڑکھڑاہٹ غالب تھی۔

”یہ تو اب ساری ڈیٹیل سامنے آنے پر ہی پتا چلے گا کہ اصل حقیقت کیا ہے بہر حال میں تمہیں صرف سمجھانے آیا تھا دیکھو انا ہم تمہارے اپنے ہیں خود کو تنہا مت کرو اگر کوئی وجہ ہے تو ہمیں بتاؤ ورنہ بعد میں علم تو ہو ہی جاتا ہے لیکن سب سے زیادہ پریشانی تمہیں ہوگی۔“ اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا تو وہ گم صم سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔  
 ”روٹی نے تمہیں کسی سے بات کرتے سنا تھا تمہیں کوئی دھمکیاں دے رہا تھا اور تم پریشان تھیں وغیرہ وغیرہ۔“ انا کے چہرے کا رنگ زرد پڑ رہا تھا۔ اسے لگا کہ جیسے اس کی ساری محنت ضائع ہو گئی ہے۔

”ایسا کچھ بھی نہیں غلط نہیں ہوئی ہوگی روٹی کو۔“ خود کو سنبھالتے ولید کے ہاتھ سے ہاتھ کھینچتے وہ رخ بدل گئی تھی۔  
 ولید نے پرسوج نظروں سے اس کے رخ بدلتے وجود کو دیکھا۔

”کیا تمہیں حماد بلیک میل کر رہا ہے؟“ ولید کے سوال پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔  
 ”کیوں کر رہا ہے؟“ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

”ایسی کوئی بات نہیں نہ ہی مجھے کوئی بلیک میل کر رہا ہے اور نہ ہی پریشانی آپ خواہ مخواہ میرے معاملات میں گھسنے کی کوشش مت کریں۔“ اب کے دوبارہ سختی سے وہ محو کلام ہوئی۔

ولید نے چند پل اسے بغور دیکھا تھا۔ انا کا چہرہ اس کی نظروں کی تپش سے جلنے لگا تو وہ پریشان ہو گئی۔  
 ”پلیز اگر اب آپ کی تفتیش مکمل ہو چکی ہے تو آپ جاسکتے ہیں۔“ ولید ہلکا سا مسکرا دیا۔ طنزیہ مسکراہٹ..... انا کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

”انکل حماد سے رابطہ کرنے اور اس کی فیملی کو بلانے پر آمادہ ہو چکے ہیں مبارک ہو تمہاری دلی مراد پوری ہونے جا رہی ہے اب بھی کچھ غصے میں ہیں لیکن بابا سمجھالیں گے۔“ ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔

انا کے چہرے کا رنگ ایک دم پھیکا پڑا تھا۔ ولید نے بغور دیکھا تھا۔ وہ پلٹا اور دروازے کے پاس ایک پل کور کا اور پلٹ کر انا کو دیکھا وہ اسی طرح ساکت سی کھڑی تھی۔

”محبت میں اعتماد رخصت ہو جائے تو محبت عذاب بن جاتی ہے یہ دل کے فیصلے ہوتے ہیں زور و زبردستی سے طے



دل

امام غزالی کہتے ہیں۔ ”اے انسانوں اگر کوئی بادشاہ تمہارے گھر آنے کا ارادہ کرے تو تم ہفتہ بھر پہلے گھر کو رنگ و روغن کرو گے۔ اے صاف ستھرا رکھو گے تاکہ بادشاہ تمہارے گھر سے خوش اور مطمئن ہو کر جائے تو پھر اے انسانوں وہ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے جس کا رہنے کا گھر تمہارا دل ہے تو اپنے دل کو صاف ستھرا کیوں نہیں رکھتے۔ اے انسانوں اپنے دل میں سے بُری خلصتیں جیسے حسد، بغض اور اللہ کی نافرمانی اور نفرت وغیرہ کو نکال دو اس میں محبت کا بیج ڈالو تاکہ تمہارے دل میں اس عظیم ہستی کی محبت پیدا ہو۔“

(مقدس رباب..... چکوال)

نہیں پاتے حماد اچھا انسان ہے میری دعا ہے کہ وہ تمہارے حق میں بہتر ثابت ہو۔“ ولید کہہ کر کمرے سے نکل گیا اور انا کو لگا وہ بالکل ڈھسے گئی ہو..... وہ بیڈ تک آئی اور گرنے کے سے انداز میں بستر کے کنارے گری اور پھر اگلے ہی پل دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔



کافہ اپنے کمرے میں مسلسل ٹھہلتے موبائل پر کوئی نمبر ملتا ہی تھی لیکن ہر بار مطلوبہ نمبر بندل رہا تھا۔ اس کا پارہ ایک دم ہائی ہونے لگا تھا۔ ٹھہلتے ٹھہلتے وہ رکی اور کچھ سوچتے اس نے پھر کوئی نمبر ملا یا تھا۔

”میں کافہ، ہاں ہاں کیسے ہو، میں ٹھیک ہوں..... اوکے..... بس ایک کام تھا..... نہیں..... نہیں..... بس ایک نمبر چاہیے ایڈریس ابھی میسج کر دیتی ہوں..... نہیں پی ٹی سی ایل ہے..... اوکے میں ابھی ٹیکسٹ کرتی ہوں۔“ اس نے کال بند کر دی اور صوفے پر بیٹھ کر میسج کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد پھر موبائل بجاتا تھا اس نے فوراً کال پک کی تھی۔

”ہاں بولو..... اوکے..... ٹیکسٹ کر دو..... جھینک یو سوچ..... ویلکم کیوں نہیں..... تم ٹائم سیٹ کرو میں آ جاؤں گی مس یو..... لو یو..... ہائے۔“ کال بند کر کے وہ پھر بیٹھ گئی تھی کچھ سیکنڈ بعد ایک میسج ریسیو ہوا تھا یہ فون نمبر تھا۔

کافہ اس نمبر کو ڈائل کر کے موبائل کان سے لگا کر کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی۔



وہ شہر آئے تو صفدر کی بیوی کی وفات کی خبر منتظر تھی زیب النساء کا رورو کر برا حال تھا وہ ڈیڈ باڈی اپنے گھر لائے تھے زیب النساء کے کہنے پر اس کی بہن مہر النساء کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ مہر النساء اپنی ایک عدد دند کے ساتھ آئی تھی صفدر غائب تھا چوہدری حیات علی کے گھر سے ہی میت کی تدفین کی تیاری ہوئی تھی اسی شام دفن دیا گیا تھا زبین کی بہن اپنی نند کے ساتھ رونی دھوتی بہن کو تسلی و دلاسا دے کر رخصت ہو گئی تھی کہ شوہر کی طرف سے اسے رات رکنے کی اجازت نہ تھی۔ رات سب کاموں سے فارغ ہو کر حیات علی گھر آئے تو زبین کا رورو کر برا حال تھا۔

”ایسا کیسے چلے گا زبین اگر اسی طرح روتی دھوتی رہی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔“ محبت سے ساتھ لگا کر دلاسا دیتے کہا تو وہ اور شدت سے رو دی۔

”ہم دونوں بہنوں نے ہمیشہ ابا کے ہوتے ہوئے بھی لاوارثوں کی سی زندگی گزاری تھی کبھی یہاں کبھی وہاں اماں نے ہمارے لیے بہت کچھ برداشت کیا تھا اب اماں بھی چلی گئیں اب بھلا کیسے جنیں گے ہم دونوں بہنیں آپا کا شوہر اتنا ظالم ہے نجانے آج کیسے آ نے دیا ورنہ وہ تو کبھی گھر سے نکلنے ہی نہیں دیتا اماں کیا مری ہے میرے تو جیسے سب رشتے ہی



مر گئے ہیں۔“ زمین کی گریہ وزاری کا اور ہی عالم تھا..... حیات علی نے ایک گہرا سانس لیا۔  
 ”سب ٹھیک ہو جائے گا میں ہوں نا، میں تمہیں کسی بھی قسم کی کوئی کمی نہیں آنے دوں گا۔“ تسلی دی تو اس نے مایوسی سے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔

”آپ اتنے دن بعد آئے ہیں پھر پتا نہیں کب آئیں گے اب تو اماں کی بھی امید ختم ہو چکی ہے میں بھلا اس گھر میں تنہا کیسے رہوں گی۔“ وہ حقیقت پسند لڑکی تھی اور آنے والے حالات اسے ابھی سے ہی خوف زدہ کرنے لگے تھے۔  
 ”کچھ دنوں کی بات ہے میں اپنے بابا صاحب کا موڈ دیکھ کر انہیں اپنی دوسری شادی کا بتا دوں گا پھر تم ہمارے ساتھ حویلی میں ہی رہا کرو گی۔“ حیات علی نے اسے بھلانا چاہا تھا۔

”میری ایسی قسمت کہاں کہ میں حویلی میں رہوں چوہدری صاحب مجھ پر ایک احسان کیجیے گا مجھے کبھی اکیلے مت چھوڑیے گا ورنہ میں مرجاؤں گی میں نے کبھی اماں کے بغیر زندگی نہیں گزاری۔“ وہ شدت سے روئی تو چوہدری حیات ایک دم اسے تسلی دلا سے دینے لگ گئے تھے۔

ہمیشہ ساتھ نبھانے کا وعدہ دیتے ہر مشکل گھڑی ساتھ رکھنے کے وعدے کیے تھے۔ بہت جلد چار دن گزرے تھے۔ مزید رکتے تو وہاں گاؤں میں سب نے پریشان ہو جانا تھا۔

انہوں نے زیب النساء کے لیے بخشو کی مدد سے ایک کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کر دیا تھا کھانے پینے کا سب سامان مہیا کرتے ایک معقول رقم زمین کو سونپ کر وہ واپس گاؤں کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ اور زیب النساء کا انتظار ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا۔



کافی دیر سے راہداری کا فون بج رہا تھا روشی نے کال ریسیو کی تھی۔  
 ”ہیلو۔“ دوسری طرف سے کہا گیا تو روشی ابھی۔  
 ”کون؟“

”انا سے بات کرنی ہے۔“  
 ”اوہ..... آپ کون؟“

”میں اس کی دوست ہوں کالج فیلو اس نے یہ نمبر دیا تھا موبائل بند تھا سوچا اس پر بات کر لوں۔“ دوسری طرف سے بہت اطمینان سے کہا گیا۔

”ہولڈ کریں ابھی انا کو بلائی ہوں۔“ روشی ہولڈ کروا کر انا کے کمرے کی طرف آئی۔  
 وہ بستر پر سامنے کتابیں بکھرائے بیٹھی ہوئی تھی اس کا دھیان نبھانے کہاں تھا روشی نے ڈور ٹاک کیا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

”تمہاری کال ہے۔“ انا ابھی اس کا موبائل تو خراب تھا۔  
 ”کون ہے؟“

”پتا نہیں نام میں نے پوچھا نہیں، کالج فیلو کہہ رہی تھی خود کو۔ میں ہولڈ کر آئی تھی کال سن لیا کر۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

انے باہر آ کر فون کا ریسیو اٹھایا۔  
 ”ہیلو۔“

www.Paksociety.com

آنچل \* اگست ۲۰۱۵ء 176



آنچل

✽ عورت اس وقت تک عورت ہے جب تک اس کا سر پیشانی تک مقدس اور پاکیزہ آنچل سے ڈھکا ہوا ہو۔ کیونکہ لفظ عورت کا مطلب ہی ڈھکی چھپی چیز ہے اگر وہ کھل کر سامنے آ جائے تو اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ شرم سے جھکی پلکوں اور حیا سے تھمتاتے رخساروں کے سامنے مغربی دنیا کی ساری خوبصورتیاں ہیچ ہیں۔  
(طلعت نظامی.....کراچی)

آنچل اشاف کے نام

✽ تیری آنکھوں میں میرے رنگ رہیں نہ ہیں اپنی خوش بو میری سانسوں میں بسائے رکھنا؟  
✽ سنا ہے تیری آنکھوں میں ستارے جگمگاتے ہیں اجازت ہو تو میں بھی اپنے دل میں روشنی بھروں؟  
آپ سب کے لیے دعا گو۔

(خواجہ عرفانہ محبوب.....جٹوٹی)

”انا۔“ دوسری طرف کی آواز سن کر انا ایک دم ٹھکی گئی۔  
”کون؟“ اس کا دل ایک پل کو عجیب سے انداز میں خوف سے دھڑکا تھا۔  
”کاشفہ بول رہی ہوں تمہارا کیا خیال ہے تم موبائل بند کر دو گی تو میں تم سے رابطہ نہیں کر پاؤں گی۔“  
”اب کیا مسئلہ ہے تمہیں تم میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔“ جواباً وہ بھی ایک دم غمی سے بولی۔  
”کام مکمل کیے بغیر کیسے چھوڑ دوں تم سے ڈیل ہوئی تھی کہ تم ایک بار ولید کو بہانے سے ہمارے پاس لاؤ گی لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔“  
”نہیں لاؤں گی اسے کیوں لاؤں اسے تمہارے پاس تم میرے ساتھ جو کچھ کر چکی ہو اس کے بعد میں ولی کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دوں گی مجھے وہاں سے لٹکنا تھا تو میں نے وقتی طور پر تمہاری بات مان لی اب میں کوئی بات نہیں مانوں گی۔“ وہ غمی سے پھنکاری۔  
وہ آج کل دورخی اذیت کا شکار تھی۔ کبھی کبھی تو جی چاہتا تھا کہ ہر چیز کو جس نہس کر دے لیکن نہ جانے کیوں وہ یہ سب برداشت کر رہی تھی۔  
”تو ٹھیک ہے اب تم دیکھنا میں کیا کرتی ہوں اوکے باپے، منتظر رہنا اب تم میرے جواب کی۔ سب سے پہلے تو تمہارے اس ولی کو دیکھتی ہوں اور پھر تمہیں مزہ چکھاؤں گی۔“ غمی سے کہہ کر کال بند کر دی تھی۔  
انا کے چہرے پر ایک دم پریشانی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ پٹٹی تو روشنی اس کے پیچھے تھی۔  
”کون تھی یہ لڑکی؟“ انا کے چہرے کا رنگ ایک دم فق ہو گیا تھا۔



وہ بہت پریشان تھی جیسے تیسے وقت گزرتا تھا مصطفیٰ شام میں جلدی گھر آ گیا تھا شہوار کا پریشانی سے برا حال تھا اس نے سب کچھ مصطفیٰ کو کہہ سنایا تھا۔ مصطفیٰ بھی سن کر حیران ہوا تھا۔  
”حیرت ہے ولید نے تو ایسا کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔“  
”انا نے بھی تو آج سے پہلے ایسا کچھ بھی ذکر نہیں کیا تھا۔“ شہوار نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلایا۔  
”مجھے انا کی طرف جانا ہے، نہ جانے کیوں وہ یہ سب کر رہی ہے میں صبح سے ہی بہت پریشان ہوں اوپر سے شائستہ

آنچل ✽ اگست ✽ ۲۰۱۵ء 177



بھابی کی آنکھوں نے کیا کچھ ہو رہا ہے۔“ وہ واقعی بہت پریشان تھی۔  
 انا اسے بہنوں کی طرح عزیز بھی بہت سی باتیں وہ دونوں ایک دوسرے سے ڈسکس نہیں کر پاتی تھیں لیکن اس کے  
 باوجود دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھیں ایک دوسرے سے بلا کی محبت کرتی تھیں۔  
 ”او کے تیار ہو جاؤ چلتے ہیں میں بھی ولید سے بات کرنا ہوں اتنا اچھا کھل ہے ایسا کیوں کر رہے ہیں دونوں اگر کوئی  
 مسئلہ تھا تو حل کیا جاسکتا تھا۔“ وہ خود بھی الجھ چکا تھا سو فوراً جانے پر تیار ہو گیا۔  
 شہوار تیار ہوئی تو دونوں ماں جی سے اجازت لے کر نکل آئے تھے۔



”کیوں بلیک میل کر رہی ہے یہ تمہیں۔“ روشی کا انداز تفتیشی تھا۔  
 ”ایسا کچھ بھی نہیں، تمہیں خواہ مخواہ دہم ہوا ہے۔“ انا نے ٹال کر جانا چاہا تھا کہ روشی ایک دم سا مٹا گئی۔  
 ”کیا کر رہی ہو تم آج کل کیا مسئلہ ہے یار کون ہے یہ لڑکی، اس دن بھی کال تھی۔ تم ٹال گئی دلی بھائی نے آج پوچھا  
 تم نے پھر ٹال دیا بتاتی کیوں نہیں کون ہے یہ کیوں بلیک میل کر رہی ہے تمہیں۔“  
 ”کہانا ایسی کوئی بات نہیں کوئی بھی مجھے بلیک میل نہیں کر رہا، کیوں تم لوگ میرے پیچھے پڑ جاتے ہو کیا میں اپنی  
 مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔“ روشی خاموش ہو گئی تھی۔ بھی صغراں آئی۔  
 ”مصطفیٰ بھائی اور ان کی بیگم آئی ہیں۔“ دونوں فوراً متوجہ ہوئی تھیں۔  
 ”لاؤنج میں بیٹھاؤ ہم آتے ہیں۔“ صغراں سر ہلا کر چلی گئی تھی۔  
 روشی نے انا کو دیکھا اس کے چہرے پر پریشانی کے واضح اثرات تھے۔ یہ وقت بحث کا نہیں تھا اور نہ وہ رک کر انا سے  
 مزید کچھ ضرور پوچھتی۔

”آ جاؤ شہوار آئی ہے۔“ سنجیدگی سے کہہ کر وہ چلی گئی تھی۔  
 انا نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے دوپٹے کے پلو سے اپنی  
 آنکھیں صاف کی اور جب وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں کبھی موجود تھے۔  
 شہوار اسے بڑے تپاک سے ملی تھی۔ مصطفیٰ سے بھی سلام دعا ہوئی تو مصطفیٰ نے خصوصاً خیریت دریافت کی تھی۔  
 روشی نے چائے کا اہتمام کر لیا تھا۔ چائے کے بعد شہوار کے کہنے پر وہ دونوں اٹھ کر انا کے کمرے میں آ گئی تھیں۔  
 ”میں آج سارا دن تمہارے لیے بہت پریشان رہی ہوں، تم نے صبح صبح جو کہا وہ سارا دن میرے دل و  
 دماغ میں گھومتا رہا ہے پھر شائستہ بھابی آ گئیں حماد بھائی نے اپنے گھر تمہارا ذکر کیا ہے وہ گھر والوں سے رشتہ  
 لے کر آنے کا کہہ رہے تھے یار یہ سب کیا ہے یہ تمہارے اور ولید کے درمیان حماد کہاں سے آ نکلا؟“ بیڈ پر بیٹھتے  
 ہی شہوار نے موضوع چھیڑا۔

”کیوں پسند کی شادی کرنا گناہ ہے کیا؟“ شہوار کے سوال کے جواب میں اس نے دھیرے سے کہا تو اس نے  
 ابھی نظروں سے دیکھا۔ انا کا چہرہ سنجیدہ اور تاثرات بے حد ساٹ تھے۔  
 ”لیکن تم نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا؟“ اس کی الجھن بڑھی۔  
 ”اب تو بتا دیا ہے نا۔“ وہ اسی طرح نارمل تھی۔  
 ”مگر ولید بھائی۔“

”میرے اور ان کے مزاج میں بہت فرق ہے میں اور وہ اب ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔“



## محبت کی شدت

میں نے جس شدت سے اسے چاہا ہے  
 شاید اس نے اسی شدت سے مجھے بھلایا ہے  
 وہ جو خود کو ادھورا سمجھتا تھا میرے بغیر  
 اب اچانک ہی مکمل ہو گیا ہے میرے بغیر  
 میں اسے ہر پل بھلانے کی کوشش کروں  
 مگر وہ مجھے پل پل یاد آئے تو میں کیا کروں  
 پہلے جو میرے اک آنسو پہ تڑپ اٹھتا تھا بہت  
 اب مجھے رلا کر خوش ہوتا ہے بہت  
 وہ جو تپتی دھوپ میں تھا چھاؤں کی طرح  
 جینے کا حوصلہ چھین لیا اس نے کسی ظالم کی طرح  
 وہ انسان جسے ہم نے بہت بلندی پر رکھا تھا راجا  
 جب گرا تو میرے معیار پر پورا نہ اترتا تھا  
 رانی راجا سلام..... گوجرانوالہ

”یہ سب تو تمہیں منگنی سے پہلے سوچنا تھا۔“ شہوار کو اس پر ایک دم سے بے پناہ غصہ آیا تھا۔  
 ”میں نے شادی سے پہلے سوچ لیا ہے یہی بہت ہے۔“ وہ ابھی بھی مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔  
 ”تم مجھے اس سارے سلسلے کا پس منظر بتاؤ جہاں تک میرا اندازہ ہے تم ولید بھائی کے ساتھ منگنی سے خوش تھی۔“  
 ”کوئی سلسلہ ولسلہ نہیں ہے میں نے تب بھی انکار کیا تھا اور بعد میں بھی، رہ گیا یہ حماد تو اس نے مجھے پروپوز کیا تو  
 مجھے پسند آ گیا اور میں نے پروپوزل ایکسپٹ کر لیا بس۔“ وہ ابھی بھی پرسکون تھی شہوار نے حیرت سے اسے دیکھا۔  
 ”یعنی اس نے پروپوز کیا اور تم نے قبول کر لیا۔ انکل، آنٹی اور باقی لوگ کسی نے کچھ بھی نہ کہا تھا کیا؟“ وہ انا کی  
 باتوں سے پریشان ہو رہی تھی۔

”وہ سب میرے اپنے ہیں انہیں ولید سے زیادہ میری خوشی کا خیال ہوگا سوانہوں نے میری بات مان لی حماد اپنے  
 گھر والوں کو بیچ دے گا تو پھر باقی پر اس شروع ہو جائے گا۔“ نہایت مطمئن لہجے میں اس نے کہا۔  
 ”مائی گاڈ اور ضیاء انکل کیا کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، کہاں حماد اور کہاں ولید بھائی مجھے حیرت ہو رہی ہے تمہارا  
 دماغ تو ٹھیک ہے نا۔“

”یہ میری زندگی ہے اور اپنی زندگی کے ہر فیصلے کا حق مجھے حاصل ہے رہ گیا حماد اور ولید کا مقابلہ حماد ولید سے  
 پر سنالٹی میں ضرور مار کھا جاتا ہے لیکن خاندانی پس منظر اور باقی معاملات میں وہ کسی سے کم نہیں ہے بلکہ کافی اسٹراٹجک  
 پوزیشن ہے اس کی آخر کو مصطفیٰ بھائی کا کزن ہے تم تو اچھی طرح جانتی ہو گی اسے۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے اور کچھ نہیں، یہ تمہاری زندگی ہے اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ تم اٹنے سیدھے فیصلے  
 کرتی پھر کیوں اپنی زندگی کی دشمن بن رہی ہو جہاں تک میں تمہیں جانتی تھی مجھے یقین ہے تم ولید بھائی کو پسند کرتی  
 تھی پھر اب یہ سب کیا ہے؟“ شہوار ایک دم غصے سے بولی تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔



”ہائیر شہوار ہم کوئی اور بات کرتے ہیں اس ٹاپک کو رہنے دو تم جانتی ہو میں بہت کم اپنے فیصلے بدلتی ہوں میں فیصلہ کر چکی ہوں اور اب مجھے کوئی بھی قائل نہیں کر پائے گا تم بھی نہیں۔“ بہت ہی سنجیدگی سے کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شہوار نے بہت ضبط اور تحمل سے اس کی بات ہضم کی تھی ورنہ جی چاہ رہا تھا کہ ایک دو پھٹر تو ضرور لگا دے تاکہ اس کا دماغ ٹھکانے آجائے۔

انا اپنی کتابیں سمیٹنے لگی اور شہوار خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ دونوں کے درمیان ایک دم شدید سکوت چھا گیا تھا..... یوں جیسے اب کرنے کے لیے کوئی بات نہیں رہ گئی۔



”ہمارے مزاج نہیں ملتے اور جب مزاج نہ ملتے ہوں رستے علیحدہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں حماد تمہارا کزن ہے اچھا لڑکا ہے وہ اگر اسے سلیکٹ کر رہی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔“ مصطفیٰ کے ساتھ لان میں ٹھہلتا ولید از حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

”میرے ساتھ یہ فلسفوں والی باتیں مت کرو سچ سچ بتاؤ یہ ماجرا کیا ہے، حماد کہاں سے آٹکا وہ تمہاری منگیت تھی یار۔“ حماد جیسے بھی آیا لیکن یہ سچ ہے کہ وہ اب ہمارے درمیان موجود ہے رہ گئی منگنی ہونے والی بات، تو انا یہ رشتہ ختم کر چکی ہے اور ماموں بھی اب سنجیدگی سے حماد کی فیملی کو بلوانے کا سوچ چکے ہیں۔“ ولید پر سکون تھا۔

مصطفیٰ رکا اور ولید کو بھی رکنا پڑا تھا رات کے اس پہر لان کی لائٹس کی ہلکی سی روشنی میں ولید کا چہرہ دیکھا تو وہاں صرف اور صرف سنجیدگی تھی اور کچھ بھی نہ تھا۔

”یار یہ کیسے ممکن ہے انکل نے کچھ نہیں کیا، بلکہ تم تو اسے پسند بھی کرتے تھے۔“

”بابا بہت ڈس ہارٹ ہیں وقت کے ساتھ سنبھل جائیں گے رہ گئی میری پسند کی بات تو میں اور بھی بہت سے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔“

”لیکن بہت سے لوگوں کو پسند کرنے اور انا کو پسند کرنے میں بہت فرق ہے۔“

”لیو دس یار پسند تو میں کبھی کو بھی کرتا تھا۔“ شرارت سے مصطفیٰ کو دیکھتے ہوئے اس نے گھورا۔

”کیتھی ہماری بہت اچھی دوست تھی اس بے چاری کو درمیان میں مت لاؤ صاف صاف بتاؤ معاملہ کیا ہے۔“

”اوف..... تم تو بات کے پیچھے ہی پڑ گئے ہو، کہانا ایسا کوئی معاملہ نہیں۔“

”تو پھر یہ سب ہوا کیسے انا کو جہاں تک میں جان پایا ہوں وہ جذباتی اور موڈی تو ضرور ہوگی لیکن اس طرح اچانک سب کچھ ختم کر دینے والی لڑکی نہیں ہے۔ کوئی تو وجہ ہوگی یار۔“ مصطفیٰ ایک تخلص دوست کی طرح وجہ جاننے پر بضد تھا ولید نے گہرا سانس لیا۔

”جو وجہ بھی وہ بتا چکا ہوں کہ مزاج مل نہیں پائے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔“ مصطفیٰ نے چند پل ولید کو دیکھا۔

”حماد سے تو میں نبٹ لوں گا میں نے اسے وارن بھی کیا تھا لیکن خیر پھو لوگوں کو رشتہ نہ لانے پر قائل کرنا میری ذمہ داری ہے تم بتاؤ تم کس حد تک انا کی ذات میں انوالو ہو۔“

”اب کوئی فائدہ نہیں، دے بھی میرے نزدیک رشتوں کو اپنی کمزوری نہیں بنانا چاہیے ورنہ وہ ہمیں توڑ دیتے ہیں اور نہ ہی ہماری محبت بھیک کا وہ کشکول ہے جسے دوسروں کے سامنے پھیلاتے پھریں یہ دیکھیں بغیر کہ دوسروں کا ظرف اس قابل ہی نہیں کہ وہ ہمارے کشکول میں اپنی محبت کے چند سکے ہی ڈال سکے۔“ ولید طنز یہ مسکرایا۔

”انا تو تمہیں پسند کرتی تھی۔“

www.Paksociety.com

آنچل \* اگست ۲۰۱۵ء 180



امام

شیر اور مرغ کی دوستی ہوگئی شیر نے مرغ سے کہا  
 ”اگر کوئی مسئلہ ہو تو درخت پر چڑھ کر اذان دینا میں آ جاؤں گا۔“  
 ایک دن مرغ اگیڈر کو اپنی طرف آ تا دیکھ کر درخت پر چڑھ گیا اور اذان دی اس کے بعد گیڈر بولا۔  
 ”نیچے نماز پڑھتے ہیں۔“  
 مرغ بولا۔ ”رک جاؤ امام صاحب آ رہے ہیں۔“ اتنے میں شیر کھاتا دیکھ کر گیڈر بھاگا۔ مرغ بولا۔  
 ”رکوا امام صاحب آ گئے۔ نماز پڑھ لو۔“  
 گیڈر بولا ”یہ امام ہمارے فرقے کا نہیں ہے۔“

ہالہ سلیم..... کراچی

”بھئی..... وہ اب حماد سے شادی کرنا چاہتی ہے اور یہ حقیقت ہے اور تم جانتے ہو کہ میں حد سے زیادہ حقیقت پسند انسان ہوں اور مجھے اپنی عزت نفس اور اپنی ایگو ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے اور میں کسی کو بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ میرے جذبات و احساسات سے کھیلنے کی کوشش کرے بھلے وہ انا وقار ہی کیوں نہ ہو۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے ولید کو دیکھا جس کا چہرہ انتہائی سنجیدہ تھا۔

”تم ہر بات کے گواہ ہو میں نے ہمیشہ بابا کی خواہش کا احترام کیا تھا شعوری و لا شعوری دونوں لحاظ سے میں نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر رکھا تھا کہ مجھے انا وقار کے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے اب انا وقار ایسا نہیں چاہتی تو میں زبردستی کا قائل نہیں۔“ ولید کا موقف بہت واضح اور صاف تھا۔

”محبت دل سے پیدا ہونے والا جذبہ ہے اعتماد کا پانی اسے میسر نہ ہو تو یہ مرجھا جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ ہم دونوں کے جذبات کو ہی اعتماد کا پانی میسر ہی نہیں ہوا، اب اس جذبے کا مرجھا جانا ایک فطری امر تھا سو مرجھا گیا۔“

”مجھے بہت افسوس ہے تم اگر اجازت دو تو میں انا سے بات کر کے دیکھ لوں ہو سکتا ہے وہ سمجھ جائے۔“ مصطفیٰ نے خلوص دل سے کہا تو ولید نے شدت سے انکار میں سر ہلا دیا۔

”نہیں..... بالکل بھی نہیں میں کہہ چکا ہوں مجھے اپنی ذات اور اپنے جذبات کی پاسداری بہت عزیز ہے سب سے بڑھ کر اپنی عزت نفس انا وقار یہ رشتہ ختم کر چکی ہے اور میں نے اس بات کو قبول کر لیا ہے۔“ ولید کا انداز دو ٹوک اور فیصلہ کن تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

”مجھے بہت دکھ رہے گا تم دونوں کا کھل مجھے بہت عزیز تھا لیکن افسوس میں کچھ نہیں کر پایا۔“ ولید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھکلی دیتے مصطفیٰ کے لہجے میں واقعی افسردگی تھی ولید دھیرے سے مسکرا دیا۔

”شاید ہمارے رشتے کا انجام ایسے ہی لکھا تھا ڈونٹ وری۔“ ولید ایک مضبوط اعصاب کا مالک شخص تھا۔

مصطفیٰ کو اس پر ایک دم رشک سا محسوس ہوا اس نے بہت محبت سے بازو بڑھا کر ولید کو ساتھ لگایا تو ولید دھیرے سے مسکرا دیا۔

وہ محسوس کر سکتا تھا کہ مصطفیٰ کے جذبات اس وقت کیا ہو رہے ہوں گے۔



مصطفیٰ سو رہا تھا جب امجد خان کی کال آئی تھی رات کے بارہ بج رہے تھے وہ آج جلدی سو گئے تھے۔

آنچل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 181



”ہاں امجد خان بولو۔“ شہوار سوری ہی تھی اس کی نیند ڈسٹرب نہ ہو مصطفیٰ نے دھیمی آواز میں کہا۔  
 ”سرایاز کا وکیل اس کی ضمانت کے پیپرز لے کر آیا ہے وہ کل دن میں بھی آیا تھا لیکن میں موجود نہ تھا اب وہ پھر آیا ہے ساتھ میں ایاز کا باپ بھی ہے۔ کورٹ کی طرف سے ضمانت کے کاغذات ہیں اب کیا کروں۔“  
 ”یہ ایاز کی ضمانت کب ہوئی اور مجھے اطلاع کیوں نہیں ملی۔“ بستر سے اترتے مصطفیٰ نے کچھ سختی سے پوچھا، مصطفیٰ نے سائیڈ لیپ آن کیا تو کمرے میں کچھ روشنی سی ہو گئی تھی۔

وہ پچھلے کچھ دنوں سے کسی اور کیس پر کام کر رہا تھا وہ بہت بڑی تھا کبھی یہاں کبھی وہاں ایاز کا کیس مکمل طور پر امجد خان کے حوالے کر چکا تھا کچھ دنوں سے ایاز کے باپ کی کوششوں کے سلسلے سے مکمل طور پر غافل ہو چکا تھا لیکن اب امجد خان یہ خبر سن رہا تھا۔

”بہت خاموشی سے یہ سب ہوا ہے کل دن کے وقت میں ایک جگہ بڑی تھا یہ لوگ ضمانت کے پیپر لے کر آئے تھے مجھ سے فون پر بات ہوئی تھی میں نے منع کر دیا تھا لیکن اب پھر یہ لوگ چلتے آئے ہیں۔“  
 ”پیپرز چیک کیے؟“

”یس سر لگتا ہے عبدالقیوم نے بہت پیسہ لگایا ہے ضمانت کروانے پر ورنہ اتنی جلدی ضمانت نہیں ہو سکتی تھی۔“  
 ”آہم۔“ مصطفیٰ سوچ میں پڑ گیا۔

ان کا کیس اتنا مضبوط تھا کہ ضمانت نہیں ہو سکتی تھی یقیناً بہت سے لوگوں کا منہ بھرنے کے بعد ہی یہ ضمانت ہو پائی تھی ایاز امجد خان کے پاس ابھی تک حوالات میں تھا امجد خان کے تفتیشی سیل کی سیر کے دوران وہ اپنے کافی سارے اگلے پچھلے گناہوں کا اقرار کر چکا تھا لیکن ایک دفعہ پھر یہ ضمانت کے پیپرز اس کے اور ایاز کے درمیان آ گئے تھے ورنہ آج کل میں وہ جیل بھی جانے والا تھا۔

”سر اب کیا کروں، شام سے کئی فون آچکے ہیں آئی جی صاحب اور چند اور لوگوں کی کالز ریسیو ہو گئی ہیں کبھی ایاز کو نکالنے کا کہہ رہے ہیں۔“

”تو مجھے فوراً اطلاع کیوں نہیں کی گئی اتنی جلدی ضمانت کیسے ہو سکتی تھی اتنے کیسز تھے اس پر۔“ مصطفیٰ ایک دم غصے سے بولا ورنہ وہ ان معاملات میں اپنے غصے کو بہت کنٹرول ہی رکھتا تھا۔

”سر آپ بڑی تھے میں نے سوچا میں خود سے یہ معاملہ ہینڈل کر لوں گا اسی لیے آپ کو بتایا نہیں۔“  
 ”واش آناں سیس میں بڑی تھارو پوش نہیں ہو گیا تھا کم از کم مجھے اطلاع کی ہوتی میں کچھ نہ کچھ کرتا۔“

”ایم سوری سر۔“ امجد خان از حد شرمندہ تھا مصطفیٰ نے لب بھینچ کر اپنے غصے پر کنٹرول کیا۔  
 ”ٹھیک ہے ایاز کی ضمانت کے پیپرز قبول کر لو اور اسے جانے دو۔“ خود کو نارمل کرتے بنجیدگی سے کہا۔  
 ”یس سر۔“

”اور ہاں ایاز مکمل طور پر ہماری نگرانی میں ہوگا سب لوگوں کو اطلاع کر دو مجھے اس کے ایک ایک پل کی رپورٹ چاہیے یہ نہ ہو اس کا باپ اسے پھر باہر بھگانے کی کوشش کرے۔“  
 ”یس سر ایسا ہی ہوگا۔“

”ٹھیک ہے۔“ مصطفیٰ نے ایک دو اور ہدایات دے کر کال بند کر دی تھی۔

وہ لوگ نو بجے ولید کی طرف سے واپس لوٹے تھے تھکن ہو رہی تھی وہ آتے ہی سو گئے تھے ولید اور انا کی وجہ سے وہ پہلے ہی الجھا ہوا تھا اور اب یہ نئی مصیبت۔



aanchal.com.pk

رنگ برنگ کپڑوں کے آراستہ دلچسپ تحریر

سے شائق

نارہ شمارہ شائع

ہو گیا ہے

onlinemagazinepk.com/recipes



## اگست 2015ء کے شمارے کی ایک جھلک

قلندر ذات: یہ کہانی ایک ایسے مرد آہن کی ہے جو ذات کا قلندر تھا۔ اس نے ان لوگوں کو اپنی انگلیوں پر بچایا جو اپنے ہمیں دنیا تغیر کرنے کی دھن میں انسانیت کے دھن بن گئے تھے۔

فلسطین: بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول وہ شہر جہاں ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے۔ وہ شہر جسے سیکڑوں نبیوں نے اپنی آخری آرام گاہ کے طور پر چنا۔ وہ شہر جو تین مذاہب کے ماننے والوں کے لیے مقدس ترین ہے۔ اسی تاریخی شہر کے پس منظر میں لکھا جاتے والا ایک ایسا ناول جسے آپ بار بار پڑھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ایسا ایم اے کے قلم سے تاریخی کہانیاں پسند کرنے والوں کے لیے بطور خاص۔

نظروں میں: انسان کی زندگی اور طفرج کی بساط میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ عملی زندگی میں ہماری دوسری لغزش مستقبل میں کیا رنگ دکھاتی ہے اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس طرح طفرج میں تھلا چال پوری بساط کو لپیٹ دیتی ہے۔ ماضی کی ایک لغزش کا تفسیر جو مستقبل کے لیے تباہ کن بن رہی تھی۔ معروف آسٹریلوی جسٹ ویم قریشی کی ڈائری ہے۔

مرد و آزاد: کشمیری حریت پسندوں کی جدوجہد سے ایک زمانہ واقف ہے ان کی آزادی کے حق کے لیے جہاں دنیا بھر میں آوازیں بلند ہو رہی ہیں وہاں اس خلق خدا پر بھارتی حکومت کے مظالم اب معمول کی بات ہو چکے ہیں۔ یہ کہانی بھی ان جیلے لوگوں پر مشتمل ہے جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ اپنے وطن کو آزاد کرانے میں گزر رہا ہے۔ بوڑھے ہوں یا جوان عورت ہو یا بچہ سب کے سب اپنی مقبوضہ زمین کو آزاد کرانے کی جدوجہد کے عمل سے گزر رہے ہیں۔ زمین کی محبت کیا ہوتی ہے اور زمین کو آزاد کرانے کا خواب کس طرح آنکھوں میں جکھکاتا ہے یہ بات اس کہانی کی سطر سطر میں عیاں ہے۔

### اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ



ایاز کا باہر آ جانا مطلب 24 گھنٹے ٹینشن میں گزرنے والے تھے۔ ایاز ایک بے خوف ایسا دشمن تھا جو کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا تھا۔

مصطفیٰ واپس بستر کی طرف آیا۔۔۔۔۔ شہوار پر سکون خند سوری تھی۔۔۔۔۔ چہرے پر اطمینان تھا۔  
 ”شادی کے بعد شہوار کی ذات میں بہت سی مثبت تبدیلیاں آئی تھیں جن میں سے سب سے بڑی تبدیلی یہ تھی کہ وہ اپنے ری لیشن کے بارے میں کافی پوزیٹو ہو گئی تھی۔  
 مصطفیٰ نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔۔۔۔۔ اس کے بالوں کو چھیڑتے پیشانی پر بکھرے بال پیچھے ہٹائے تو شہوار کی آنکھ کھل گئی تھی۔۔۔۔۔ وہ چند لمحوں میں مصطفیٰ کو دیکھ گئی تھی جو کسی گہری سوچ میں تھا۔  
 ”کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں۔“ مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔  
 ”کچھ پریشان ہیں؟“ وہ مصطفیٰ کے ساتھ رہتے رہتے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھنے لگی تھی۔ مصطفیٰ مسکرا دیا۔

”ولید بھائی اور انا کی وجہ سے پریشان ہیں۔“ یونہی لیٹے لیٹے پوچھا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔  
 ”سو نے سے پہلے دونوں کافی دیر تک انا اور ولید کو ہی ڈسکس کرتے رہے تھے۔  
 ”پریشانی کے لیے تو اس وقت وہ بات بھی کافی ہے لیکن میں اس وقت کسی اور وجہ سے پریشان تھا۔“ مصطفیٰ سنجیدہ تھا۔ یعنی کوئی بہت سی اہم بات تھی۔ شہوار اٹھ بیٹھی تھی۔  
 ”کس وجہ سے؟“

”امجد خان کی کال تھی ایاز کی ضمانت ہو گئی ہے۔“  
 ”اوہ۔۔۔۔۔“ شہوار ایک دم پریشان ہوئی۔  
 ”کسے ہو گئی؟“

”میں کسی اور کیس میں بری طرح بڑی تھا اور یہ کیس اور آل امجد خان کے سپرد تھا وہی ہینڈل کر رہا تھا میں تو مطمئن تھا کہ اب وہ حوالات میں بے نکل نہیں پائے گا لیکن اس کا باپ کہاں سکون سے بیٹھنے والا تھا ضمانت کی کوششوں کی خبر تو مجھے ملتی رہی تھی لیکن میں مطمئن تھا کہ اس پر اتنے کیسز ہیں آسانی سے ضمانت نہیں ہوگی لیکن اب ضمانت ہو چکی ہے میری غلطی یہ ہے کہ میں اپنے دشمن سے غافل ہو کر اسے دوسروں کے حوالے کر دیا تھا مجھے چاہیے تھا کہ میں ہر حال میں اس کیس کو خود دیکھتا۔“

”اب کیا ہوگا؟“ شہوار ایک دم خوف زدہ ہو گئی تھی۔

”بس احتیاط کرنا ہوگی۔ مجھے بھی اور تمہیں بھی ایاز کو وہ باہر نہیں بچھو اسکا مطلب وہ اپنے گھر میں ہی رہے گا لیکن سکون سے تو نہیں رہے گا حوالات میں امجد خان نے اس پر کافی حربے آزمائے ہیں بدلہ تو ضرور لے گا اب دیکھتے ہیں کہ کیا کیا کرتا ہے۔“ شہوار گم صم سی ہو گئی تھی۔

نجانے کیوں آج سارا دن وہ انا کی وجہ سے پریشان رہی تھی اور اب یہ نئی خبر سن کر تو وہ بالکل ہی گم صم ہو چکی تھی۔  
 مصطفیٰ نے اسے دیکھا تو ایک دم مسکرا کر بازو کے حصار میں لے لیا۔

”جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی بھی سلسلے میں بالکل بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنی بیوی کو محبت کے ساتھ ساتھ تحفظ بھی فراہم کرنا یہی میرا اولین فرض ہے بالکل بھی ٹینشن نہیں لینا ویسے بھی ان دنوں تمہیں ایکسٹرا



ایک سوئیں صدی کا زمانہ ہے  
 پیار و محبت اب صرف افسانہ ہے  
 گھیتوں کی چھتوں پر ملنے کا اب رواج نہیں  
 اب تو پارک ریسٹورنٹ یا پھر ڈسکو جانا ہے  
 گئے وہ دن جب ہیروئن مکئی کا بھٹ لیتے شرباتی تھیں  
 اب تو فری کا نزاکت سے مگر پیٹ بھر کا کھانا ہے  
 پہلے سبھی انگلی یا چوڑیوں پر گزرا کرتے تھے  
 اب تو ایک ایکسٹرا تحفہ بیلنس بھی ڈلوانا ہے  
 ناداں تھی وہ سوہنی جو کچے گھرے پر ڈوب گئی  
 چھری اٹھائی کلائی پر پھیری اب یہ طریقہ آزمانا ہے

شمع مسکان..... جام پور

کیڑ کی ضرورت ہے میں نہیں چاہتا کہ میرے بے بی کو کسی بھی قسم کا کوئی نقصان ہو۔“ مصطفیٰ نے بے پناہ محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔



”ضمانت ہو چکی ہے لیکن تم بغیر اطلاع کے کہیں بھی نہیں جاسکتے تمہاری ضمانت مصطفیٰ کے لیے ایک فکرت ہے ہمارا بزنس یہاں پاکستان سے وائسٹاپ ہو چکا ہے تھوڑا بہت کام باقی ہے وہ بھی کمپلیٹ ہو جائے تو پھر سب کو باہر سٹیل کرادوں گا یہاں کے حالات بالکل اچھے نہیں سو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔“ عبدالقیوم کی ساری فیملی گھر کے لاؤنج میں موجود تھی ایاز کی والدہ بیٹے کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں۔ ایاز کا چہرہ سنجیدہ تھا کافہ میگزین دیکھ رہی تھی جبکہ عادل باپ کے پاس بیٹھی تھی۔

”آپ نے خواجواہ اتنا پیسہ ضائع کیا ڈیڈ اس نے کہاں چین سے بیٹھنا ہے آتے ہی شروع ہو جائے گا بس ایک دو دن گزر جانے دیں۔“ میگزین کی ورق گردانی کرتے کافہ نے طنزیہ کہا تو کبھی نے اسے گھورا۔

”شٹ اپ۔“ ایاز ایک دم پھنکارا۔

”زندہ تو میں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا ایک ایک سے گن گن کر بدلے لوں گا۔“ مصطفیٰ پہلی بار بیچ گیا تھا لیکن اس بار نہیں بچے گا۔“ وہ غصے سے چیخا۔

”تم ایسا کچھ نہیں کرو گے تم مصطفیٰ کے ریسورس سے واقف نہیں ہو میں اب پرانی یا کوئی نئی بات نہیں چھیڑنا چاہتا ہمارا مقصد بس خاموشی سے یہاں سے نکلنا ہے اپنے دشمنوں کو میں بھی نہیں چھوڑتا لیکن میں موقع دیکھ کر وار کرتا ہوں۔ زندگی رہی تو بدلہ بھی لے لیں گے۔“ عبدالقیوم نے بہت سنجیدگی سے ایاز کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا تو اس نے لب بھینچ لیے تاہم بولا کچھ نہیں۔

وہ امجد خان کے ہاتھوں بہت دفعہ مار چڑھیل کی سیر کر چکا تھا اور وہاں کا قیام اس کے اندر مصطفیٰ سے متعلق موجود نفرت کو مزید بڑھا دیا کرتا تھا۔



عادلہ کو طلاق ہو چکی تھی ان کی فیملی کے لیے یہ زخم ہی کافی تھا اور اسے اپنا زندگی گزرتی اور پھر عبدالقیوم پر مصطفیٰ کا گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کرنا۔ ایاز کے اندر کے کینہ پرور انسان کو مزید نفرت پالنے کے لیے یہ سب باتیں کافی تھیں اور اس نے سوچ لیا تھا وہ اب کیا کرے گا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پیدا ہوئی تو مطمئن ہو کر عادلہ سے باتیں کرنے لگ گیا تھا۔

بیگم عبدالقیوم بیٹے کو نگاہوں کے سامنے دیکھ کر آنکھوں میں آنکھوں میں نہال ہو رہی تھیں۔



چوہدری حیات علی جب سے واپس گاؤں آئے تھے۔ ذہن ہر وقت شہر میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ وہ جانے کے باوجود پہلے کی طرح بیوی بچوں پر توجہ نہیں دے پارہے تھے۔ زبیدہ کئی بار بے توجہی اور بے پروائی کا ذکر کر چکی تھی۔ انہوں نے کئی بار کوشش کی کہ ان کو اعتماد میں لے کر زیب النساء کے بارے میں بتا دیں لیکن ہر بار ہمت ہار جاتے تھے۔ زبیدہ ان کے معاملے میں از حد حساس تھی۔ خصوصاً بابا صاحب انہیں اپنی بیٹی بہت عزیز بھی حویلی کے اندر کے تمام سیاہ و سفید کی مالک۔

زبیدہ کا ایک بھائی کینیڈا شفٹ ہو چکا تھا وہ کئی بار بہن اور بہنوئی کو وہاں آنے کا کہہ چکا تھا زیب النساء کا معاملہ شروع ہونے سے پہلے ان دونوں میاں بیوی کا کچھ ملہ کے لیے کینیڈا جانے کا ارادہ بھی تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ویزہ کے لیے اپلائی بھی کر دیا تھا اس بار پھر اس نے کال کر کے اپنے پاس آنے کا کہا تو بابا صاحب نے کھلے دل سے جانے کی اجازت دے دی تھی اور کچھ دن گزرے تو ان کو ویزہ ابھسی سے کال آئی تھی خوش قسمتی تھی یا کیا تھا ویزہ کے لیے دی گئی درخواستیں قبول ہو چکی تھیں۔ زبیدہ تو بہت خوش تھی۔ اس کو پوری دنیا دیکھنے کا بہت شوق تھا..... جبکہ حیات علی حامل تھے۔

وہ زیب النساء کو چھوڑ کر نہیں جاسکتے تھے اور نہ ہی روز روز شہر کے چکر لگا سکتے تھے وہ ویزہ ابھسی کا بہانہ کر کے پھر شہر چلتے آئے تھے اس دفعہ وہ پورے دو ماہ بعد آئے تھے۔

زبیدہ النساء سے ملے تو حیران رہ گئے تھے وہ بہت کمزور اور بیماری ہو گئی تھی۔ ماں کی وفات کا اس نے حد سے زیادہ صدمہ لیا تھا۔ ملازمہ نے انہیں جو خبر سنائی اس کو سن کر وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔ زمین ماں بننے والی تھی۔ ماں کی وفات کا صدمہ اور اوپر سے ایسی حالت وہ کھانے پینے کے معاملے میں بھی کافی بے پروا بھی نتیجتاً سارا اثر اس کی دن بدن کمزور ہوتی صحت کی طرف تھا۔ وہ اس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر آئے تھے کھانا پینا فروس، گوشت اور باقی ساز و سامان سے بچن بھروایا تھا۔

”خوش رہا کرو تمہیں اس حالت میں دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ وہ بیماری سی خوب صورت سی زمین تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہی ہے جسے دیکھ کر میں دیوانہ ہوا تھا۔“ زبیدہ کی کھانا کھلانے اس کی دلجوئی کر رہے تھے زمین مسکرائی تھی اور اس کی مسکراہٹ میں عجیب سا سوز تھا۔

حیات علی کے دل میں عجیب سی ندامت کا احساس جاگا تھا۔ انہوں نے دل میں ارادہ باندھ لیا تھا کہ اب وہ حویلی گئے تو بابا صاحب سے ضرور اپنی دوسری شادی کا ذکر کریں گے۔

”اچھا..... اچھا سوچا کریں تاکہ ہمارے بچے پر اچھا اثر پڑے۔“ کھانا کھلا کر اپنے ہاتھوں سے میڈیسن کھلائی تھی۔

”مجھے اماں بہت یاد آتی ہے مہرنا پابھی نہیں مل سکتی اور اب وہ تو میرے لیے جیتے جی مر گئے تھے مجھے کہیں چلے



## خالق کائنات

□ اللہ سے نزدیک ہونے کے لیے اللہ کے بندوں سے نزدیک ہو جاؤ (جبران)

□ اس آدمی سے ہوشیار رہو جو یہ سمجھتا ہے کہ خدا صرف آسمان پر رہتا ہے (برنارڈ شاہ)

□ تمام علماء اور اساتذہ یہ بات سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں کہ وجود کیونکر ہوا اور یہ کیونکر برابر ہوتا چلا جا رہا ہے ہمیں

ایسے خالق حقیقی کا اقرار کرنا ہی پڑتا ہے جو ہمیشہ اور ہر وقت موجود ہے (فلامریاں)

□ سیکنڈ منٹوں میں منٹ گھنٹوں میں گھنٹے دنوں میں دن ہفتوں میں ہفتے مہینوں میں مہینے سالوں میں سال

صدیوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔

□ سورج اور چاند نکل رہے ہیں ستارے جھلک کر رہے ہیں زمین پر پودے اُگ رہے ہیں ہوا چل رہی ہے

ورخوں کے پتے مل رہے ہیں۔ پھول اور پھل نمودار ہو رہے ہیں شبنم گر رہی ہے سمندر میں پانی بہہ رہا ہے۔ کوئی کس

فشاں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں یہ انسان ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو رہا ہے جانور گھوم رہے ہیں۔ غرض

ساری کائنات حرکت میں ہے اور حرکت تحریک اور طاقت کے تابع ہوتی ہے تو پروہ کون سی تحریک..... وہ کون سی طاقت

ہے جس کی وجہ سے کائنات میں حرکت کی یہ رونق موجود ہے دل سے بے اختیار جواب آتا ہے وہ محرم وہ طاقت تو زوی اعلیٰ

ذات ہے جس کے وجود کے بارے میں آنکھیں رکھنے کے باوجود اندھے کان رکھنے کے باوجود بہرے اور عقل رکھنے

کے باوجود بے وقوف لوگ انکار کرتے ہیں اور ایمان احساس اور بصیرت رکھنے والے اقرار.....؟ (ابومنان)

حراقریشی..... بلال کالونی ملتان

گئے ہیں کوئی اپنی اولاد سے ایسے بھی غافل ہوتا ہے چوہدری صاحب کیا؟“ لہجے میں درد تھا۔ انہوں نے اسے ساتھ لگا

کر ایک دم شدت سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔

”کچھ بھی مت سوچا کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”مجھے لگتا ہے میں اس گھر میں قید ہو کر رہ گئی ہوں آپ کا انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں جھکنے لگتی ہیں کبھی کبھی

مجھے لگتا ہے آپ کبھی لوٹ کر نہیں آؤ گے اور میں انتظار کرتے کرتے مرجاؤں گی۔“ اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

”ایسا مت سوچو، تم گھر میں کیوں قید رہتی ہو، باہر نکلا کرو بازار کا چکر لگالیا کرو یہاں پارکس ہیں وہاں چلی جایا کرو

باہر لوگوں میں گھل ملا کرو۔“

”میں باہر نکلتی ہوں تو لوگ میرے شوہر کا نام پوچھتے ہیں کون ہے کہاں ہے آپ نے سختی سے کسی بھی انسان کا آپ

کے بارے میں بتانے سے منع کیا ہوا ہے پھر میرا دل نہیں کرتا باہر نکلنے کو۔“ اس نے دل کی بات کی بھی حیات علی نے

ایک گہرا سانس لیا۔

”آپ اس دفعہ دو ماہ بعد آئے ہیں۔“ وہ دنوں کا حساب رکھے ہوئے تھی۔ حیات علی کے دل میں ایک دم عداوت کا

احساس جاگ اٹھا۔

”میں جلدی آنے کی کوشش کیا کروں گا۔“ انہوں نے دلا سہ دیا۔

”بس تم خوش رہا کرو کھانا پینا اچھا رکھو۔ کسی بھی چیز کی کمی ہو ملازمہ سے منگوا لیا کرو ایک عدد ملازم بھی میں

بندوبست کرو دیتا ہوں باہر کسی بھی کام کے سلسلے میں وہ مدد کر دے گا بس اپنی صحت کا خیال رکھا کرو مجھے بس وہی پیاری

سی زمین چاہیے جسے پہلی نظر میں دیکھ کر میں بے بس ہو گیا تھا۔“ وہ اس کی دل جوئی کرنے میں کامیاب رہے تھے وہ

زمین کے پاس کچھ دن رہے تھے اور اس کو بہت ساری آؤٹنگ پر کرائی تھی۔



اس دن بھی اس کو لے کر باہر پارک میں آئے تھے۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ ”چوہدری صاحب آپ کی بیوی تنہائی اور فرسٹریشن کا شکار ہے ایسی کیفیات اکثر اوقات ماں بننے والی خواتین کو نقصان پہنچا دیتی ہیں ان کو ایکسٹرا کیئر اور نگہداشت کی ضرورت ہے جتنا بھی ممکن ہو سکے ان خیال رکھا کریں اور کوشش کریں یہ خوش رہا کریں۔“ اور وہ کوشش کر رہے تھے کہ وہ جتنے دن شہر میں رہیں زمین خوش رہے۔ پارک کی رونق اور اس میں موجود لوگوں کو دیکھ کر زمین کا مزاج ایک دم خوش گوار ہو گیا تھا۔

حیات علی بھی دل و دماغ کو ہر طرح کے خیالات سے پاک کر کے صرف اور صرف زمین کے ساتھ کواںجوائے کر رہے تھے۔

تبھی وہاں پارک میں انہیں اپنا بہت پرانا اور دیرینہ دوست ملا تھا۔ ”سبحان احمد۔“ دونوں کالج و یونیورسٹی میں کئی سال اکٹھے رہے تھے سبحان کا باپ وکیل تھا تعلیم کے بعد اس نے بھی اپنے باپ کا آفس جوائن کر لیا تھا جبکہ حیات علی اپنی تعلیم مکمل کر کے گاؤں لوٹ گئے تھے۔ پانچ سال پہلے سبحان کی شادی ہوئی تھی پھر پتا چلا تھا کہ وہ امریکہ قسٹیل ہو گیا ہے۔ لیکن بہت عرصہ بعد اسے پاکستان میں دیکھ کر دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے سبحان اپنی بیوی کے ساتھ تھا۔

”یہ کون ہیں۔“ سبحان اس کی حویلی جا چکا تھا وہ ایک دوبارز بیدہ سے بھی مل چکا تھا اتنا تو وہ بھی سمجھ گیا تھا کہ یہ کم عمری لڑکی زبیدہ نہیں ہے۔

”یہ میری بیوی ہے۔“ اس سے پہلے سبحان احمد کچھ ایسا ویسا سوچتا حیات علی نے سچ بتا دیا۔

”لیکن تمہاری بیوی تو.....!“ آواز دھیمی تھی۔

”میں نے زیب النساء سے یہاں شادی کی ہے حویلی میں کسی کو بھی علم نہیں۔“ مختصر الفاظ میں بتایا تھا۔

سبحان خاموش ہو گیا تھا۔ اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ اس کا دوست کوئی عیاش، کرداری لحاظ سے کمزور انسان نہیں تھا دونوں کا بہت اچھا وقت گزرا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت گہرائی سے جانتے تھے۔ سبحان نے زیادہ پوچھ کچھ نہیں کی تھی۔

حیات علی زمین کو سبحان احمد کی وائف کے پاس چھوڑ کر دونوں پارک میں ٹہلتے رہے تھے حیات علی نے مختصر الفاظ میں سبحان احمد کو اپنی ساری کہانی کہہ سنائی تھی۔

”تم کب تک پاکستان میں ہو؟“ حیات نے پوچھا۔

”ہم دو ماہ تک مزید ہیں اصل میں شادی کے پانچ سال بعد بھی ہاجرہ ماں نہیں بن سکی ہم یہاں ٹریڈنٹ کرانے آئے تھے وہاں کے سب ڈاکٹر زکوا زما چکے ہیں سو چاہا اب یہاں کے لوگوں کو بھی آزمالیں۔“

”اوہ۔“ وہ دن زمین کے لیے بہت خوش گوار تھا۔

وہ ہاجرہ سے مل کر بہت خوش تھی۔ ہاجرہ سے زمین کی بہت دوستی ہو گئی تھی۔

حیات علی نے دونوں میاں بیوی کو اس کے گھر آنے کا کہہ دیا تھا حیات علی کا مقصد زمین کا دل لگا رکھنے کا تھا۔ سبحان اور اس کی بیوی نے بھی گھر چکر لگانے کی ہامی بھری تھی۔ اس طرح ایک بہت اچھا ہفتہ گزار کر حیات علی اپنے گاؤں کے لیے روانہ ہوئے تو زمین ان کے جانے کے بعد ایک بار پھر اداس ہو گئی تھی۔



www.Paksociety.com رابعہ ہادیہ کے پاس آئی تھی اس کا روبرو کر برا حال تھا۔

آنجل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 188



لفظ لفظ موتی

✱ زندگی کا المیہ یہ نہیں کہ یہ بہت جلد ختم ہو جاتی ہے بلکہ زندگی کا اصل المیہ یہ ہے کہ ہم جینا بہت دیر بعد سیکھتے ہیں۔

✱ اگر کسی اچھے انسان سے غلطی ہو جائے تو درگزر کرنا چاہیے کیونکہ موتی اگر کچھڑ میں بھی گر جائے تو بھی قیمتی ہی رہتا ہے۔

✱ روپے کی قیمت کتنی بھی گر جائے لیکن اتنی کبھی نہیں گر سکتی جتنا روپے کے لیے انسان گر جاتا ہے۔

✱ بُرا وقت وہ شفاف آئینہ ہے جو بہت سارے چہرے واضح کر دیتا ہے اور اچھا وقت بادلوں کی طرح ہے جو سورج کی تپش کو بھی روک لیتا ہے۔

✱ شیشے کو توڑنے کے لیے ایک پتھر کافی ہوتا ہے اور دل توڑنے کے لیے ایک لفظ۔

✱ ہمیشہ اپنی چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بچنے کی کوشش کرو کیونکہ انسان پہاڑوں سے نہیں پتھروں سے ٹھوکر کھاتا ہے۔

✱ اپنا فائدہ سوچے بننا سب کے ساتھ اچھا کرو کیونکہ جو لوگ پھول تقسیم کرتے ہیں ان کے ہاتھوں میں خوشبو ضرور رہ جاتی ہے۔

سدرہ احسان..... سمنیاں

”میں نے ہمیشہ سوچا تھا کہ وہ مجھے ضرور ملے گا لیکن میں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ اس سے ملاقات تمہارے حوالے سے ہوگی میں سمجھتی تھی کہ شاید وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہو، میرے بارے میں سوچتا ہو لیکن جیسے وہ تو سرے سے بے خبر تھا۔“

”ہادیہ پلیز اس طرح مت روؤ، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔“ رابعہ ہادیہ کے ہاتھ تھام کر منت سے بولی۔  
”اس محبت میں میرے لیے ہی بس خواری کیوں تھی وہ کسی اور حیثیت سے بھی تو مجھے مل سکتا تھا نا، میں نے اس کا برسوں انتظار کیا اور نتیجتاً مجھے کیا ملا دکھ، اذیت، تکلیف اور عمر بھر کی نارسائی۔“

”تم ایک بار ابو بکر سے مل لو اگر تم دونوں راضی ہو جاتے ہو تو میں گھر والوں سے بات کر لیتی ہوں تمہارے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ ویسے بھی اب وہ پہلے والی پوزیشن میں نہیں رہا خود کو کافی حد تک اسٹیبلش کر چکا ہے انکل اور آئی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ محبت سے ساتھ لگا کر رابعہ نے کہا تو ہادیہ کے آنسو رک گئے۔

”لیکن تمہاری شادی ہو رہی ہے محض چند دن باقی ہیں بس۔“

”میں فیضان ماموں اور سہیل بھائی سے بات کروں گی اگر تمہارے والدین نے کوئی اعتراض کیا تو وہ ان کو بھی قائل کر سکتے ہیں بس تم ایک بار ابو بکر سے میرے ساتھ چل کر مل لو۔“ اس نے خلوص دل سے کہا ہادیہ کا چہرہ ایک دم روشن ہوا تھا لیکن اگلے ہی پل پھر بجھ گیا۔

”ابو بکر کبھی راضی نہیں ہوگا اور تم میری بیسٹ فرینڈ ہو میں بھلا تمہاری زندگی کی خوشیوں کو کیسے چھین لوں۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا تو رابعہ نے نرمی سے ہادیہ کا ہاتھ تھاما۔

”مری ابو بکر سے کوئی بھی جذباتی وابستگی پیدا نہیں ہوئی ابھی تک اور میں کوئی قربانی نہیں دے رہی تم میری دوست ہی نہیں بلکہ بہن بھی ہو اگر ہماری شادی ہو جاتی تو یقیناً ہم اچھی لائف گزارتے لیکن شکر ہے پہلے ہی سب کلیئر ہو گیا اب باقی معاملات کو ہینڈل کرنا میرا کام ہے رہ گئی میری شادی کی ڈیٹ بہت سے لوگوں کی شادی کسی نہ کسی وجہ سے



ٹوٹ جاتی ہے میں سمجھو گی کہ میری بھی ٹوٹ گئی۔“ وہ پرسکون تھی۔ انداز میں اطمینان تھا۔  
 ”اگر ابو بکر نے انکار کر دیا تو؟“

”تو ہم سب مل کر اسے منالیں گے بلکہ میں خود اسے قائل کروں گی بس تم اپنے والدین کو قائل کرنے کی کوشش کرو۔“

”ماما کو کوئی پرابلم نہیں ہوگا لیکن پاپا یقیناً اعتراض کریں گے لیکن اگر تم لوگ ساتھ دو تو وہ قائل ہو سکتے ہیں وہ انسان کی اندرونی خوبیوں کو دیکھتے ہیں ان کے نزدیک بیرونی لوازمات بس بے معنی ہیں۔“  
 ”ڈش گریٹ پھر تو انکل کو قائل کرنا ماموں اور بھائی کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔“ رابعہ واقعی پر جوش تھی ہادیہ کا رونا دھونا ایک دم ختم ہو گیا تھا۔

”واقعی سب ٹھیک ہو جائے گا نا؟“ وہ اندرونی طور پر خوف زدہ تھی۔

”ان شاء اللہ بس تم دعا کرو۔“

”اور تمہاری شادی؟“ وہ پھر سے گلٹی فیل کرنے لگی۔

”وہ بھی ہو جائے گی ابھی سمجھ لو میرے لیے رائٹ پرسن سامنے نہیں آیا جس دن آ گیا میری شادی بھی ہو جائے گی۔“ ہادیہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ رابعہ نے محبت سے اس کے ہاتھ دبا کر ساتھ لگایا تھا۔



وہ کالج سے گھر آئی تو حماد کی فیملی آئی ہوئی تھی مصطفیٰ کی پھپھو، شائستہ اور ان کے شوہر تینوں موجود تھے۔ ان کو دیکھ کر انا کا دل ایک دم بند ہوا تھا۔

وہ لوگ صبحی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے ایک طرف وقار احمد اور ضیاء ماموں بھی تھے۔

انا دروازے میں ہی ساکت ہو گئی تھی..... وہ سمجھ سکتی تھی کہ یہ لوگ کیوں آئے ہوں گے۔

ابھی تک ان لوگوں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مرے قدموں سے چلتے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ موبائل ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کا حماد کیا کسی سے بھی رابطہ نہیں تھا۔ اس وقت وقار گھر پر تھے یعنی ان کے علم میں ان لوگوں کی آمد تھی جبکہ وہ قطعی بے خبر تھی۔ وہ ساکت انداز میں بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

اس نے یہ سارا کھیل خود شروع کیا تھا۔ اور اب یہ کھیل اس کے گلے کا پھندا بننا جا رہا تھا۔ وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی جب روشی کمرے میں داخل ہوئی تھی انداز سنجیدہ تھا۔

”حماد کی والدہ بھائی اور بھادج آئے ہیں انکل نے مصطفیٰ بھائی کے ذریعے ان لوگوں کو آج اپنے ہاں مدعو کیا تھا وقار انکل نے ان سے تمہارے اور حماد کے رشتے کی بات کی ہے۔ وہ لوگ تمہیں بلارہے ہیں آ کر ان سے مل لو۔“ روشی نے کہا تو انا کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔

”ہو سکتا ہے ماموں ان لوگوں کو آج ہی ہاں کہہ دیں۔“ انا نے ہراساں ہو کر روشی کو دیکھا پر روشی کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

گھر والوں سے اس کی بول چال بند تھی۔ کوئی بھی اس سے مخاطب نہیں ہوتا تھا سوائے روشی اور ضیاء ماموں کے، وہ اسی طرح ساکت بیٹھی رہی تھی۔ بھی صبحی خود اسے بلانے چلی آئی تھیں۔ ان کا انداز سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔ ان کے کہنے پر وہ آہستگی سے اٹھ کر اسی طبقے میں چلی آئی تھی۔

مصطفیٰ کی پھپھو بہت محبت سے ملی تھیں انہوں نے خود اٹھ کر اسے گلے لگایا تھا شائستہ کا رویہ بھی اچھا تھا



”ہمارے ہاں ایسے رشتے ناٹے طے نہیں ہوتے میں ان شاء اللہ سب بڑوں کو لے کر آؤں گی اور پھر بات طے کروں گی وہی ہماری منگنی کی رسم ہوتی ہے۔ آپ کے کان میں بات ڈال دی ہے اب آپ کی بیٹی ہماری بیٹی ہوئی۔ حماد جاب کے سلسلے میں ایک دو ماہ کے لیے باہر جا رہا ہے واپس آتا ہے تو ان شاء اللہ شادی کی ڈیٹ رکھ دیں گے۔“ زہرہ پھپھو نے کہا تھا وقار اور صبور نے سر ہلا دیا تھا۔

صبور کا چہرہ ابھی بھی سنجیدہ تھا جبکہ وقار کا چہرہ نارمل تھا۔

”جب آپ کو مناسب لگے رسم کرنے آجائے گا ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔“ نارمل انداز میں کہا۔

انا کو لگا وہ ابھی یہیں گر جائے گی..... وہ بمشکل خود کو سنبھال پارہی تھی۔

”میں آتی ہوں۔“ وہ لڑکھڑائی آواز میں کہہ کر فوراً وہاں سے نکلی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر کر وہ ایک دم

ضبط کھو بیٹھی تھی۔



رابعہ نے سہیل اور فیضان سے بات کی اور وہ دونوں ساری بات سن کر کم صم ہو گئے تھے۔

”مجھے ہادیہ بہت عزیز ہے ابو بکر کہہ چکے ہیں کہ وہ آپ لوگوں کا اعتماد نہیں توڑ سکتے لیکن میں بھی ہادیہ کا دل نہیں توڑ

سکتی۔ ہے تو ایک مشکل فیصلہ لیکن مجھے ان حالات میں اس سے بہتر کوئی فیصلہ نہیں لگ رہا۔“ سر جھکا کر اس نے دل کی بات کہہ دی۔

”میں ہادیہ کو ابو بکر سے ملوا رہی ہوں اس کے بعد آپ لوگ بھی فیصلہ کر لیجیے گا یقیناً ابو بکر ایک بہت ہی اچھے انسان

ہیں مگر ان حالات میں جب ہم سب کچھ جانتے ہیں ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا میرا ضمیر گوارا نہیں کر رہا۔“ وہ اپنے جذبات کا اظہار کھل کر رہی تھی۔

”ٹھیک ہے مجھے تمہارا فیصلہ اچھا لگا ہے میں امی اور باقی لوگوں سے بات کر لوں گا تم ہادیہ کو ابو بکر سے ملواد اس کے

بعد ہی ہم ابو بکر سے بات کریں گے۔“ سہیل بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے فیصلے کو اہمیت اور اس کی ذات کو مان دینے کی کوشش کی تھی۔

”شکریہ بھائی یقیناً جلدیے بھائی یہ سب کچھ جانتے ہو جھٹے میں اس رشتے کے لیے تیار ہو جاتی تو ساری زندگی میں

اپنے ضمیر کے سامنے گناہ گاہ رہتی۔“

”جیتتی رہو، میں تمہاری ماں سے بات کرتا ہوں دکھ تو اسے بہت ہوگا لیکن ایک انسان سے ہم زیادتی بھی تو نہیں

کر سکتے جانتے ہو جھٹے تمہیں یا ابو بکر کو اس شادی کے لیے مجبور نہیں کر سکتے ہم۔“ ماموں نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے بڑے ہمیشہ اس کو سمجھ کر اس کے فیصلے کو سمجھ کر اس کو اہمیت دیں گے۔

”تم ابو بکر اور ہادیہ کو بلو الو اور دونوں جو بھی فیصلہ کرتے ہیں ہمیں بتا دینا۔“ ماموں اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر

کہہ کر باہر نکل گئے۔

سہیل بھائی نے بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو اس کا حوصلہ ایک دم کئی گنا بڑھ گیا تھا۔



زہین کی حالت کی وجہ سے وہ پریشان تھے۔ زبیدہ کینیڈا جانے پر زور دے رہی تھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پارہے

تھے۔ شہر سے واپس آئے ان کا تیسرا دن تھا لیکن ذہن زیب النساء میں اٹکا ہوا تھا۔ بابا صاحب بھی جیتی بہو کی ہاں میں



ہاں ملاتے تھے۔ ان حالات میں حیات علی نے ایک فیصلہ کیا تھا زبیدہ یا بابا صاحب کو اپنی زمین سے شادی کے بارے میں بتادیں گے۔ بابا صاحب باہر ڈیرے سے حویلی لوٹے تو وہ والاں میں ٹہل رہے تھے۔ ملازم نے ان کی آمد کی اطلاع دی تو وہ ان کے کمرے میں آ گئے۔ سلام دعا کے بعد ادھر ادھر کی باتیں چلتی رہی تھیں۔

”کیا بات ہے حیات جب سے شہر سے لوٹے ہو خاموش خاموش سے ہو۔“  
 ”ایسی کوئی بات نہیں بابا صاحب۔“ بابا صاحب کی بات کو انہوں نے مسکرا کر رد کیا۔  
 ”اصل میں مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔“ انہوں نے جھکتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔  
 ”کیا بات کرنی ہے۔“

”بات یہ ہے کہ.....!“ وہ رک گئے تھے بابا صاحب حقے کے شوقین تھے ملازم ان کے لیے حقہ تیار کر کے لایا تو وہ حقے کی نال تھام کر حقہ گڑ گڑانے لگے۔  
 ”بولو بچے کیا بات ہے؟“

”بات یہ ہے بابا صاحب کہ.....!“ وہ پھر رک کے اور قدرے توقف کے بعد سب بتاتے چلے گئے اور بابا صاحب وہ حیرت سے گنگ حقے کی نالی کو گڑ گڑانے کی بجائے بت بنے چہیتے بیٹے کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن رہے تھے۔



زہرہ پھوپھو اور باقی سب واپس چائے تھے انا مسلسل کمرے میں بند تھی۔ صبحی کئی بار اس کے کمرے تک آتی تھی اور پھر بند دروازے کو دیکھ کر پلٹ جاتی تھیں۔ مغرب کے بعد کبھی گھر میں موجود تھے۔ احسن اور ولید کو بھی حماد کی فیملی کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ ولید کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا روشنی نے کئی بار اس کا چہرہ دیکھا لیکن کوئی تاثر اخذ نہیں کر پائی تھی جبکہ احسن کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ ضیاء صاحبہ صدمے سے غڈ حال تھیں۔

”پاپا کیوں کیا آپ نے ایسا، خود سے ان لوگوں کو گھر بلوایا اور پھر بات کی کیا ہم اب اتنے گئے گزر رہے ہیں کہ خود سے یہ سب کر رہے ہیں۔“ احسن مسلسل ٹہل رہا تھا۔

”جب اولاد ایسی منہ زور ہو جائے تو والدین یہ سب کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔“ وقار صاحب انا سے حد سے زیادہ بدظن ہو چکے تھے۔

روشنی کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔

”ایک بات کہوں، پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے انا یہ سب جان بوجھ کر کر رہی ہے۔“ اس نے کہا تو کبھی نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”جہاں تک میں سمجھ پائی ہوں وہ حماد سے محض ہمیں بدظن کرنے کے لیے رشتہ جوڑ رہی ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا۔“ احسن ایک دم متوجہ ہوا۔

”انا کو کوئی کالز کرتا ہے اور وہ بلیک میل ہو رہی ہے اس کا موبائل ٹوٹ گیا ہے نمبر بند تھا گھر کے نمبر پر ایک لڑکی کی کال آتی تھی میں نے بھی اس سے بات کرتے سنا تھا کوئی اسے دھمکا رہا تھا۔“

”کیا مطلب..... کیسا دھمکا؟“ اب کی بار باقی لوگ بھی ایک دم متوجہ ہوئے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



www.Paksociety.com

آنچل \* اگست ۲۰۱۵ء 192



عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید  
چاندنی چاند کی ستاروں کی  
خوشبو پھولوں کی رُت بہاروں کی  
عید کا چند جب نکلتا ہے  
یاد آتی ہے اپنے پیاروں کی

”چٹا گڑ بنیرے تے  
کاسنی دو پٹے والیے

منڈا عاشق تیرے تے“  
 ڈھولک کی تھاپ پر اور کھنکھتی چوڑیوں کے شور میں  
 تاباں کی نرم سی آواز فضا میں سر بکھیر رہی تھی۔ کچّا ننگن  
 میں سب لڑکیاں اور عورتیں چار پائیوں پر بیٹھیں تالیاں بجا  
 رہی تھیں اور کچھ شوخ و چنچل لڑکیاں گانے پر ایک ساتھ  
 ناچ رہی تھیں۔ دو گھروں کی درمیانی دیوار میں چھوٹی سی

”بتاؤ تا.....“ وہ بالکل اس کے سامنے دیوار سے پشت



نکا کر ٹھہر گیا۔ "اور ویسے تم یہاں کیا کر رہے ہو چوری چھپا اس کھڑکی

سے لڑکیاں تارنے آئے تھے کیا؟" اینٹ کا جواب ڈنڈے سے آیا تھا۔

"ہیں! کس نے کہا! وہ بھلا مجھے نوکری ملی ہوتی تو یہ بات سب سے پہلے میں تمہیں بتاتا تم جانتی ہو۔" وہ سمجھا

شاید وہ اس سے ناراض ہے اس کی جان نکل گئی۔ "ایسے سوال پر سوال کرو گے تو ہر سننے والا یہی سمجھے گا

کہ نئی نئی پریکٹس ہے تبھی عادت ہوگئی ہے تمہیں۔" وہ چڑتے ہوئے بولی۔

"اوہ.....! میں تو سمجھا تم مجھ سے ہی ناراض ہو ویسے ہوا کیا ہے؟" خود کو مطمئن کرتا اس نے دوبارہ سوال کیا اس

دفعہ ملا لہ نے خاموشی سے دایاں پیر اس کے سامنے کر دیا۔ "کیا.....؟" وہ نا سمجھی سے اس کا پیر دیکھے گیا۔

"جوتی ٹوٹ گئی ہے میری۔" وہ تلخ ہوئی۔ "تو.....؟" وہ اب بھی جیسے اس کی مشکل نہ سمجھا تھا۔

"تو کیا..... اب جوتی ٹوٹ گئی تو شادی میں کیسے جاؤں؟" وہ مدد سے کہتی تھی۔

"تو خالہ صغراں کی کوئی جوتی لے لو۔" اس نے صحن کے نیچوں بیچ چار پائی پر لیٹی خراٹے بھرتی خالہ صغراں کی طرف

اشارہ کیا۔ "اتنے پیارے ڈریس کے ساتھ میں خالہ صغراں کے

بھدے چل پہن کر جاؤں گی۔" اس وقت واقعی ملا لہ کا دل کر ہاتھ کہ کچھاٹھا کر اسے دے مارے۔

"تو خالہ ساجدہ سے لے لو۔" اب کی بار اس نے کھڑکی کے اس پار اشارہ کیا۔

"ان کا ایک ہی بیٹا ہے جس کی شادی ہے اب اکلوتے بیٹے کی بری سے کچھ اٹھا کر تو وہ مجھے دینے سے رہیں۔"

اس کے صبر کا پیمانہ چھلکنے لگا تھا۔ "اوہ تو اس لیے اب تم وہاں سے یہاں شفٹ ہو چکی

ہو اور باقی تماشہ تم نے یہیں سے دیکھ کر دل ٹھنڈا کرتا ہے اپنا۔" وہ شریر ہوا۔

"ہاں۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"اور ویسے تم یہاں کیا کر رہے ہو چوری چھپا اس کھڑکی سے لڑکیاں تارنے آئے تھے کیا؟" اینٹ کا جواب ڈنڈے سے آیا تھا۔

"تو بہ کرو لڑکی! وہ سب میری مائیں بہنیں ہیں۔" اس نے فوراً کان چھوئے۔

"ہر مرد خود کو شریف ظاہر کرنے کے لیے ایسے ہی کہتا ہے مگر دل سے....." وہ طنز ابولی۔

"میں وہ ہر مرد نہیں ہوں! میں عتاب ہوں۔" وہ مسکرایا۔ چودھویں کا چاند بھی جیسے اس کے ساتھ مسکرا دیا!

ملا لہ ساری باتیں بھول گئی۔ "میں ویسے خالہ صغراں کا حال چال معلوم کرنے روز

آتا ہوں! آج دیر ہوگئی۔ تب ہی شاید خالہ بنا دروازہ بند کیے میری راہ تکتے سو گئیں۔" اس کی آواز میں دکھ اٹھا آیا۔

"میں تو جانے ہی لگا تھا کہ تم پر نظر پڑ گئی اور دیکھو اس قدر رات میں بھی میں تمہیں فوراً پہچان گیا۔"

جی چاند ماسوں کی وجہ سے۔" وہ اس کی چاہتوں کی منکر ہوئی۔

"اچھا یہ جوتے مجھے اتار کر دے دو۔" اس نے ملا لہ کے پیر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں! میں آج رات یہیں خالہ کے پاس ہی رک جاؤں گی۔" اس نے پیر کھینچ لیا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ملا لہ نے حیرت بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی اسے یقین تھا وہ ضرور اس کی

مدد کرے گا۔ "مجھے تو بہت سخت نیند آرہی ہے رت دے

حوالے۔" لمبی سی جمائی لے کر وہ ہاتھ ہلاتا دروازے سے باہر نکل گیا۔

"اے بی بی ڈی ای ایف جی ایچ....." وہ تیزی سے بڑبڑائی۔ "انگریزی میں ہر غلط نام تیرے نام۔" اپنے تئیں

اس نے دل کی پوری بھڑاس نکال لی تھی اور یہ اس کی بچپن کی عادت تھی جس پر بھی غصہ آتا اسے انگلیش کے تمام

حروف چھپی سنا کر ہر حرف سے نئی کوئی بھی گالی اسے نواز

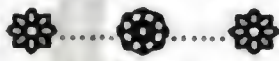


ہتھیلیوں پر چلنے ہونے لگی مگر ملالہ کے پاؤں نہ جھکے۔  
 ”بس کر جا یہ جوتی بھی توڑے گی کیا؟“ تاباں نے  
 بڑی مشکل سے اسے کنٹرول کیا۔

”ٹوٹ جانے دو ایک اور آ جائے گی۔“ اس کی بات پر  
 تاباں مسکرا دی۔

”ویسے پوچھے گی نہیں کہ یہ جوتی کس کی ہے اور لایا  
 کون؟“ اسے واقعی حیرت تھی کہ تاباں اپنے جوتوں کو نہیں  
 پہچان پاتی تھی۔

”بعض لوگ ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں بات یہ  
 اہم نہیں کہ جوتے کس کے ہیں اور لایا کون؟ بات یہ اہم  
 ہے کہ پہنے کس نے۔“ اس کے محبت پاش لہجے پر وہ  
 جھپٹ کے اس کے گلے لگ گئی۔



”اس دفعہ تو اللہ نے بڑا کرم کیا ہے؟“ بیری کے  
 درخت پر جھولا جھولتی مزے سے ڈائجسٹ پڑھتی ملالہ نے  
 بابا کی خوشی سے بھرپور آواز پر چونک کے سر اٹھایا۔ سر پر  
 پکڑی رکھے کچھڑے بھرے میلے کپڑوں میں بھی ان کے  
 چہرے کی چمک بے حد واضح تھی۔

”کیا ہوا بابا؟“ وہ تیزی سے جھولا چھوڑ کر ان سے لپٹ  
 گئی بابا نے اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلا دیے۔  
 اماں بھی کچن سے پانی کا گلاس تھاے فوراً باہر  
 آئی تھیں۔

”مگندم بہت اچھی ہوئی ہے اس بار سارا قرضہ بھی اتر  
 جائے گا تو بھی اتنا پیسہ بن جائے گا کہ جتاے مشکل وقتوں  
 کے لیے رکھا جاسکے۔“ انہوں نے خوشی خوشی بتایا۔

”کرم ہے میرے مولا کا۔“ اماں نے جھولی آسمان کی  
 طرف تانتے ہوئے جیسے اللہ کا شکر ادا کیا۔

”ابا پھر اس بار تو مجھے بی اے کی کتابیں لادو گے  
 ناں۔“ موقع دیکھتے ہی ملالہ نے فرمائش کی۔

”ہاں ضرور بیٹا! بلکہ میں آتے وقت کتابوں والے کو

کہہ آیا ہوں کہ آج ماسٹر صاحب سے تمہارے لیے  
 کتابوں کی لسٹ بنالے اور کتابیں لائے۔“

دیتی جس کا آج تک خود اسے بھی پتا نہ تھا کہ کالی بنتی بھی  
 تھی کہ نہیں مگر اپنے تئیں وہ بہت پیارے پیارے القابات  
 سوچ بھی لیتی تھی۔ آنکھیں دوبارہ کھڑکی کے اس پار جمی  
 تھیں جہاں لڑکیاں شرارتوں میں مصروف تھیں۔

”اس تاباں منحوس کو دیکھو جیسے میرا کوئی ہے نہیں۔“ وہ  
 تڑپتی تب ہی کسی نے اس کے دائیں کندھے کو چھوا تھا وہ  
 کرنٹ کھا کر اچھلی۔

”عتار بتم.....“ اس کی جان ڈر کے مارے  
 نکلنے کو تھی۔

”یہ لو تاباں کے سب سے نفیس سینڈل اٹھا کر لے آیا  
 ہوں تمہارے لیے۔ اب پہنو اور جاؤ مزے کرو۔“ اس  
 نے نفیس سی گلابی سینڈل اس کی جانب بڑھائے لبوں پر  
 وہی مسکراہٹ تھی۔ ملالہ نے نظریں جھکاتے ہوئے  
 سینڈل تھام لیے اور کھڑکی کی چوکھٹ پر جم کر پہننی لگی۔

”ویسے آج مجھے کتنے حرف بخشے انگلش کے؟“ وہ اس  
 کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا ملالہ کی لانی پلکیں  
 تھر تھرانے لگیں۔

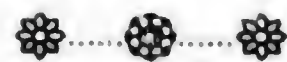
”صرف اچھ تک بس۔“ وہ جھوٹ نہ بولی سکی۔

”اور ہر حرف سے کیا کیا لقب بخشا گیا مجھے۔“

”اے سے اینارل بی سے بیڈ (بڈا) سی کوڈ ڈڈی سے  
 ڈل (ست) ای سے اینٹی مائنڈ (خالی دماغ) کوڈ دماغ)  
 ایف سے فول جی جائنٹ اور اچھ سے.....“ وہ رک گئی  
 جوتے وہ پہن چکی تھی۔

”اچھ سے بولو نہ.....“ وہ مصر ہوا ملالہ نے پلکیں  
 اٹھائیں۔

”اچھ سے..... آئی ہیٹ یو ریلی۔“ اس کے سینے پر  
 ہاتھ مارتی اسے پیچھے دھکیلتی وہ تیزی سے کھڑکی سے ہٹ  
 گئی۔ عتار ب نے بڑی مشکل سے اپنی زوردار ہنسی کا گلہ  
 کھوٹا تھا۔



اور اس رات جو پھر ملالہ ناچی تو جیسے سب ہار گئے  
 کاتے کاتے تاباں تھک گئی ڈھولک بجاتی لڑکیوں کی



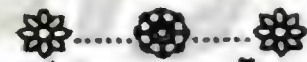
”میرے پیارے بابا!“ وہ مزید ان سے لپٹ گئی۔  
 ”میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔“ انہوں نے اسے  
 ساتھ لگاتے ہوئے پیارے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔  
 ”آپ کے لیے کھانا لاؤں۔“ اماں نے باپ بیٹی کے  
 پیار پر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں، میری ملالہ نے کھالیا؟“ انہوں نے ہمیشہ کی  
 طرح پہلے ملالہ کے بارے میں پوچھا۔  
 ”نہیں بابا! امی نے آج پھر آپ کی پسند کے کریلے  
 گوشت بنائے۔“ اس نے منہ بناتے ہوئے شکایت کی۔  
 ”آپ سمجھا دیں اسے ایسے منہ نہ بنایا کرے کھانے  
 کے بارے میں سن کر اللہ اپنے رزق کی ناقدری پسند نہیں  
 کرتا۔“ اماں کو غصا آنے لگا۔

”بات تو تمہاری اماں بالکل ٹھیک کر رہی ہیں۔“  
 ”پر بابا! میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ تھوڑا سا کھالوں  
 کسی طرح خود کو عادی بنالوں مگر.....“ وہ بے بسی سے لب  
 کاٹ گئی۔

”چل کوئی بات نہیں، میں ابھی اپنی بچی کے لیے تازہ  
 دہی لے کر آتا ہوں۔“  
 ”ارے اس گرمی میں پھر باہر جائیں گے ابھی تو آئے  
 ہیں۔“ اماں کو فکر ہوئی۔

”تم بس کھانا لگاؤ مجھے بھلا کیا وقت لگے گا؟“ وہ ملالہ  
 کا سر تھپتھپاتے باہر نکل گئے۔



گرمیاں عروج پر تھیں، اوپر سے بجلی کی آنکھ پجھولی نے  
 لوگوں کی زندگی حرام کر دی تھی۔ پتا نہیں واہڈ والوں کو کیا تھا  
 کہ عین نیند کے وقت جیسے ہی بستر پکڑ و بکلی غائب۔ اسے  
 ابھی بھی بہت نیند آ رہی تھی مگر گرمی نے حال خراب کر دیا  
 تھا۔

”امی..... پانی دے دیں۔“ اس نے وہیں کروٹ  
 بدلتے ہوئے ماں کو آواز دی مگر دوسری طرف خاموشی  
 رہی۔ وہ یاہر آئی اماں کے چہرے تلے چار پائی ڈالے گہری  
 نیند میں تھیں۔ انہیں اس طرح سوتا دیکھ کر مسکراہٹ

خود بخود اس کے لبوں کو چھونکی۔ اس نے بچن میں جا کر پانی  
 پیاد اور دو آسمان پر دیکھنے لگی۔ ننھی منی بدلیاں اس طرف ہی  
 آ رہی تھیں یا شاید وہ ہی کچھ زیادہ خوش فہم تھی تبھی لکڑی کا  
 دروازہ ذرا سا کھلا اس نے چونک کے گلی کے دروازے کی  
 طرف نگاہ کی۔ تاباں ادھر ادھر جھانکتی نظر آئی، وہ بھی مسکراتی  
 باہر نکل آئی۔

”اندرا جاتا ہاں! میں جاگ رہی ہوں۔“ وہ دروازے  
 کے قریب آ کر بولی۔

”عمار ب! امجد اسلام امجد کی ”شہر در شہر“ لائے  
 ہیں، پھل کھیتوں میں جا کر پڑھیں گے۔“ تاباں  
 سرگوشی میں بولی۔  
 ”نہر کنارے۔“ وہ چکی۔

”ہاں نہر کنارے سفیدے کے ٹھنڈے درختوں کے  
 نیچے۔“ اس نے مزید لالچ دیا۔

”اچھا رک میں چادر لے لوں۔“ وہ تیزی سے اندر گئی  
 اور چادر اوڑھ کے تاباں کے ساتھ چل دی۔ پکی سڑک  
 سے کھیتوں کی پگڈنڈی پر قدم دھرتے ہی گرم لوٹھنڈی ہوا  
 میں بدلنے لگی ملالہ نے سکھ کا سانس لیا۔

”تم پہلے نہیں آ سکتی تھیں۔“ اس نے شرارت سے  
 تاباں کی بچی چوٹی پھینچی۔

”بڑی مشکل سے اماں سوئی تو نکلی اتنی گرمی میں بھلا  
 نکلنے دیتی ہیں گھر سے۔“ تاباں نے منہ بنایا۔ نہر قریب  
 آتے ہی انہوں نے چپل وہیں چھوڑ دیئے۔ دور درختوں  
 تلے سفید چادروں میں منہ دیئے ان کے مزارع گہری نیند  
 کے مزے لوٹ رہے تھے۔ نہر کے قریب گرے بڑے  
 سے درخت کے چوڑے تنے پر بیٹھتے ہی ملالہ نے کتاب  
 اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔

”مل کے پڑھتے ہیں نہ۔“ تاباں جی بھر کے  
 حیران ہوئی۔

”نہیں تم جاؤ آؤ توڑ کر لاؤ۔“ اس نے ذرا سے پانچے  
 چڑھائے اور اطمینان سے پاؤں نہر کے ٹھنڈے پانی میں  
 ڈبو دیئے۔



”آم.....“ تاباں کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگی۔

”ہاں آم.....“ ملا لہ نے اسے سبق پڑھایا۔

”مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہاری طرح ان بیڑوں پر چڑھ کر اپنی ہڈیاں تڑوانے کا۔ یاد ہے نا پچھلے سال کیسے غراپ سے نہر میں جا گری تھیں۔ یہ تو شکر کہ چاچا تھے یہاں اور جان بچ گئی تمہاری۔“ اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے یاد دلایا۔

”یاد ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“ ملا لہ نے مکھی اڑائی۔

”اور تمہیں بھی اچھی طرح یاد ہونا چاہیے کہ اس کے بعد بھی میں نے تو یہ نہیں کی بلکہ کئی بار ان آموں کے درختوں پر چڑھی۔ دیکھ لے زندہ سلامت موجود ہوں تیرے سامنے۔“ اس نے ارد گرد لٹکتے آموں پر نگاہیں پھیرتے ہوئے کہا۔

”تمہیں ہوگا شوق مجھے ایک فیصد بھی نہیں۔“ تاباں نے صاف انکار کیا۔

”مطلب تمہیں آم نہیں کھانے؟“ ملا لہ حیران ہوئی۔

”کھانے ہیں نہ مگر صرف مفت کے اپنی کوئی ہڈی تڑوا کے نہیں۔“ تاباں نے دانت دکھائے۔

”اچھا چلو یہ کتاب پکڑو۔“ اس نے کتاب تاباں کو تھمائی اور پھر تنے پر ہی کھڑے ہو کر چادر اتار کر ایک شاخ پر ڈال دی اور ڈونپٹہ کس کر کمر کے گرد باندھ لیا۔

”میں آم اتار کر تمہاری طرف اچھالوں گی تم پہلے جمع کرنا۔“ اس نے تاکید کی تاباں سر ہلا گئی۔ ”پہلے جمع کرنا“ کھائیں گے مل کر۔“ ملا لہ نے دوبارہ تاکید کی۔

”ہاں یار قسم لے لو۔“ تاباں خفا ہو گئی ملا لہ مسکرا دی اور نہر کے تقریباً اندر ہی لگے بڑے آم کے بیڑ پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس نے ایک پاؤں دو حصوں میں تقسیم کر کے تنے پر جمایا اور اوپر قدرے مضبوط شاخ پر ہاتھ جمائے لمبی سی جب لگا کر اونچی شاخ پر چڑھ بیٹھی۔ شاخ زیادہ مضبوط نہیں تھی تبھی اس نے ایک ٹانگ نیچے قدرے مضبوط شاخ پر جھار کھی گئی۔

”یہ لٹکے کرو۔“ اس نے احتیاط سے ایک شاخ پکڑ کر ذرا سانیچے کی اور اس پر لٹکتے شوخ زرد آم اتار لیے تاباں نے پوری طرح دامن پھیلایا۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ تیز گھبراہٹ سے دامن سکیڑ لیا تھا اور اس کی طرف آتا موٹا تازہ آم چھپاک سے نہر میں جا گرا تھا اُدھر ملا لہ بھی گرتے گرتے پہنچی تھی۔ سنبھلنے پر دونوں نے ہی آواز کی سمت دیکھا تھا۔ بڑا سا گناہاتھ میں لیے وہ عتاب تھا۔

”نظر نہیں آ رہا آم توڑ رہے ہیں۔“ ملا لہ بھلا کس سے ڈرنے والی تھی۔

”وہی تو نظر آیا تب ہی تو پوچھا کیا پچھلے سال والا حادثہ بھول گئی ہو۔“ وہ خفا لہجے میں بولا۔

”ہاں بھول گئی ہوں کیونکہ اس حادثے میں مجھے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔“ وہ بے فکری سے ایک آم پر ہاتھ صاف کرنے لگی۔

”اور تم تاباں.....“ اسے یوں بے فکر دیکھ کر وہ بہن کی طرف مڑا۔

”مم..... میں..... میں.....“ وہ تو ہکلا کے رہ گئی۔

”یہی تو اپنے ساتھ لائی ہے مجھے۔“ اس نے فوراً ملا لہ کی طرف اشارہ کر دیا۔

”زبردستی۔“ ملا لہ نے اس کی بات آگے بڑھائی اور تاباں دل ہی دل میں اس کی شکر گزار ہوئی۔

”لگتا ہے مجھے چاچا چاچی کو ہی سمجھانا پڑے گا تم باز نہیں آؤ گی۔“ اس نے دھمکی دی ملا لہ نے تہمت لگایا۔

”اے دھمکی مت سمجھنا میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ اسے واقعی غصے نے لگا۔ تیز لہجے میں کہتا وہ مڑا کہ اچانک کوئی چیز زور سے اس کی کمر سے ٹکرائی۔

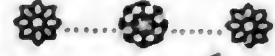
”اوئی.....“ وہ تھملا کے رہ گیا ملا لہ کے ساتھ اس بار تاباں بھی اپنی ہنسی نہ روک پائی۔ عتاب نے حیرت سے مڑ کر دیکھا زمین پر پڑا وہ موٹا تازہ آم اسے صاف نظر آ گیا۔

”یہ تم نے کیا؟ اس نے آم اٹھا کر ملا لہ کی طرف



دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
”کوئی شک؟“ وہ دوسرا آم اچھالتے ہوئے بولی۔

”آج تو تمہیں ضرور اس کی سزا ملے گی۔“ اس نے شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا اور ملالہ نے تیزی سے ہاتھ میں اچھلتا آم اس کی طرف کھینچ مارا۔ وہ تیزی سے وہاں سے بھاگا تھا، کئی آم اس کا پیچھا کرتے رہ گئے۔  
تاباں اور ملالہ کے قہقہے بھی۔



کئی دنوں کی شدید گرمی اور جس کے بعد آج موسم بے حد خوش گوار ہو رہا تھا۔ گھنے بادلوں کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی کول سی ہوا نے ساری تھکان دور کر دی تھی۔ بچے گلیوں میں سائیکل کے پرانے ٹائرز لیے ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔ پرندے خوشی سے غول در غول مشرق سے مغرب تو کبھی گول گول دائروں میں چکر لگا رہے تھے۔

بہت دنوں بعد گاؤں کی چوکیں آباد ہوئی تھیں اور نوجوان اور بوڑھے گپ شپ کے علاوہ علاقائی موسیقی سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ عورتوں نے بھی سویرے کام بننا کر ایک دوسرے کے گھروں کی راہ لی تھی اور بڑی مدت بعد خوب ایک دوسرے کی اچھائی برائی کی۔

لڑکیاں بھی کہاں پیچھے رہنے والی تھیں، کچھ نے کھیتوں میں لگے جھولے سنبھال لیے تھے تو کچھ کہانیوں میں سر دیئے بیٹھی تھیں تو اور کچھ لڑکیاں نہر کنارے لگے آم کے باغ کے ساتھ چھیڑ خالی میں مصروف تھیں۔ ملالہ اور تاباں نے بھی کچھ آٹم کچھ فالے لیے اور نہر کے کنارے پانی میں پیر ڈال کر بیٹھ گئیں۔

”اللہ نے گرم کر ہی دیا، سچ میں تو گرمی سے کباب ہو رہی تھی۔“ ان کی دوست صائقہ جو قریب ہی بیٹھی تھی نے نہر کے پانی کو اچھالتے ہوئے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”تم کباب تو بن ہی چکی ہو، سو اس بارش کا شاید ہی تم پر کوئی اثر ہو۔“ تاباں نے اس کی سانولی رنگت پر ٹوک کی۔  
”ہاں تو تم کون سا دودھ ملائی ہو، میں کباب ہوں تو تم

بھی سب کی طرح ہی جلی ہوئی ہو۔“ صائقہ حسب معمول بُرا مان گئی سب کا قہقہہ جاند ا تھا۔  
”ارے ادھر دیکھو۔“ ساتھ بیٹھی نازیہ چیخنے سب نے اس کے ہاتھ کی طرف نگاہ کی۔ کھیتوں کے بچوں بیچ نیوب ویل پر کھلے پانچوں والی شلوار اور بنیان پہنے عتاب ہی تھا۔ وہ ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھو رہا تھا۔ سب لڑکیوں کو اس کی طرف متوجہ دیکھ کر ملالہ کو تو آگ سی لگ گئی، وہ فوراً نہر سے پاؤں نکال کر تن فن کرتی اس کے سر پر جا پڑی۔

”بڑا شوق ہے تمہیں اس کسرتی جسم کی نمائش کا۔“ وہ کوئی لحاظ کیے بغیر چیختی تھی، اس نے پہلے حیرانی سے اسے دیکھا پھر مسکرا دیا۔

”تو تمہیں کیا؟“ وہ جان بوجھ کر انجان بن گیا اور دوبارہ سے تیز بہتے پانی سے منہ دھونے لگا۔

”مجھے کیا اس موسم میں تمہارا اس طرف آنے کا مطلب؟ تمہیں تو کسی بیٹھک پر ہونا چاہیے تھا۔“ اسے مزید غصا گیا۔

”لو جی، کیوں بھلا میں نے تو آج تک کسی چوک کسی بیٹھک کا منہ نہیں دیکھا۔“ وہ مزید حیران ہوا۔

”نہیں دیکھا تو آج دیکھ لیتے، تمہیں کوئی کھانا جاتا۔“ وہ تو جیسے غصے سے آگ بگولہ تھی۔

”بات کیا ہے..... کیوں اتنی گرم ہو؟“ وہ پوری طرح اس کی طرف مڑ گیا۔

”اس موسم میں تمہیں یوں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ دیکھو گاؤں کی ساری لڑکیاں جھولا جھولنے آئی ہیں اور تم جانتے ہو کہ تم اس گاؤں کے سب سے ہینڈ سٹم لڑکے ہو۔“ عتاب حیران رہ گیا۔

”تم میری تعریف کر رہی ہو؟“ وہ آنکھیں پھاڑے بالکل اس کے سامنے آ کر پوچھ رہا تھا۔

”ہاں تو کیوں آخر مگیتر ہو تم میرے۔“ وہ نظریں جھکاتے خود کو مضبوط بناتے ہوئے بولی۔

”یا اللہ! ایسی غلطی میں نے پہلے کبھی کیوں نہ کر لی۔“ وہ



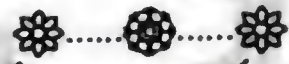
خوش ہوتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”اچھا اب زیادہ پھولو بھی مت۔“ ملالہ نے غبارے سے ہوا نکالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی وہ یونہی پھولا کھڑا رہا۔

”کیوں نہ پھولوں زندگی کی سب سے بڑی حسرت پوری ہوئی ہے آج۔“ وہ تشکر بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”اب تو پوری ہوگئی تا اب جاؤ یہاں سے پلیز۔“ اس نے تاباں کو فالسوں پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے دیکھ کر بے تابی سے اسے مخاطب کیا۔

عتارب نے پاس پڑی چھوٹی سی چارپائی سے اپنا گرتا اٹھا کر پہنا اور تیزی سے بائیک اسٹارٹ کر کے یہ جاوہ جا۔ اس کی مسکراتی نظریں البتہ دیر تک ملالہ کو اپنے چہرے پر جمی محسوس ہوتی رہی تھیں۔



”ارے چاچی لائی ہیں۔“ وہ اور تاباں گھر واپس آئے تو عتارب اور تاباں کی امی لائی ہوئی تھیں۔ ملالہ تو انہیں دیکھ کر کھل اٹھی، بچپن سے ہی وہ چاچا چاچی کے بہت قریب رہی تھی۔

”چاچی کی جان۔“ انہوں نے فوراً اس کو ساتھ لگالیا۔ ”تیری اماں کو مبارک باد دینے آئی تھی۔“ سیکنہ چاچی نے محبت سے کہا۔

”کس چیز کی مبارک۔“ اپنے ناخن کھرچتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”اپنے عتارب پتر کی آری میں سلیکشن ہوگئی ہے۔“ انہوں نے ہنسکراتے ہوئے اسے خبر دی وہ جھٹکا کھا کھا کھ کھڑی ہوئی۔

”اس نے مجھے نہیں بتایا۔“ اسے سچ بچ غصا آنے لگا۔ ”یہ کیا بد تمیزی ہے ملالہ۔“ امی کو اس پر غصا آنے لگا۔ ”بد تمیزی کی کیا بات ہے اماں! اس نے مجھ سے وعدہ

کیا تھا کہ سب سے پہلے مجھے بتائے گا۔“ وہ خفا انداز میں بولی۔ وہ تینوں بچپن سے ایک ساتھ پلے بڑھے تھے تب

ہی دوستوں جیسا خلوص اور مان تھا ان کے دشتے میں۔

”ارے شمع! کچھ نہ کہہ میری بیٹی کو ٹھیک تو کہہ رہی ہے مگر ملالہ قصور عتارب کا بھی نہیں ہے بیٹا! اصل میں مجھے ہی شوق تھا کہ یہ خوش خبری تم سب کو سب سے پہلے میں سناؤں، بس تب ہی چلی آئی۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ تمہیں میرے آنے پر اتنی خوشی نہ ہوگی تو یقین کرو میں کبھی نہ آتی۔“ سیکنہ چاچی نے شمع کو اشارہ کرتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔ شمع ان کی شرارت سمجھ کے مسکرا دیں۔

”ارے نہیں چاچی۔“ ملالہ بوکھلا گئی۔

”میں تو بس ایسے ہی۔“ سب کا قبقبہ جاندار تھا۔

”اچھا اب جاؤ چھت سے سارے سوکھے کپڑے سمیٹ لاؤ۔ میں اتنے میں تمہاری چاچی سے کچھ ضروری باتیں کر لوں۔“ انہوں نے ملالہ کو ہدایت کی۔

”میں بھی تیرے ساتھ چلتی ہوں۔“ تاباں بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”نہیں تاباں! تو اب گھر جا، تمہارا ابا چائے کے لیے بیٹھا ہوگا۔“ سیکنہ چاچی نے اسے بھی فوراً کام دیا۔ وہ منہ بنا گئی۔

”اماں.....“

”جلدی جا، دیر نہ کر۔“ اسے چار و ناچار جانا ہی پڑا۔ تاباں کے جاتے ہی وہ بھی کپڑے سمیٹنے چھت پر آ گئی۔



ابھی اس نے کپڑے تار سے اتار کر تہہ کرنے کے لیے چارپائی پر رکھے ہی تھے کہ بوندا باندی شروع ہوگئی۔ اس نے ایک طرف بنے چھوٹے سے برآمدے میں چارپائی کھینچی اور تیزی سے باہر آ گئی۔ آسمان پر جیسے بادل اور ہوا بھی اس کے ساتھ جھومنے لگے تھے وہ آجکل لہرائے جھولتی رہی کہ اچانک ہی کسی نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ دھیرے دھیرے ننھی بوندوں کو محسوس کرنی ملالہ ایک دم سے رک گئی۔ ہاتھوں میں بہت سارے پھول تھامے مسکراتا ہوا وہ عتارب تھا۔

”تم.....“ وہ حیران ہوئی۔

انجل اگست ۲۰۱۵ء 199



”ہاں میں اور کوئی اتنی جرات کر سکتا ہے بھلا؟“ وہ شرم سے ہوا ملا لہلہا کر گئی۔

”کبھی نہیں۔“ اس نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔  
”خیر..... خبر تو تمہیں مل ہی چکی ہوگی۔“ پھول اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ بولا۔

”ہاں اور میں خفا بھی نہیں ہوں کیونکہ وجہ بھی جان چکی ہوں۔“ وہ پھول لیتے ہوئے مسکرائی۔

”شکر ہے۔“ اس کا اطمینان بحال ہوا۔

”دیے تم اوپر کیسے آئے؟“ اسے اچانک ہی خیال آیا کیونکہ وہ سیر حیوں کی طرف سے تو ہرگز نہیں آیا تھا ورنہ وہ ضرور اس کے پیروں کی دھمک سن لیتی۔

”تمہارے گھر کے ساتھ لگایا یہ پھل کا درخت زندہ باؤ

مجھے پوری امید تھی کہ ملکہ عالیہ ضرور بارش انجوائے کر رہی

ہوں گی۔“ اس نے ہاتھ کمرے کے پیچھے باندھتے ہوئے

بمادے کے ننھے سے پلر کے ساتھ ٹیک لگائی۔

”اچھا حیرت ہے۔“ وہ ایڑیوں کے بل پر گئی والی دیوار

سے ذرا اوپر جھانکی۔ درخت اور دیوار کا فاصلہ کافی تھا بھی تو

وہ حیران تھی۔

”آرمی والا ہوں یار! ایسے چھوٹے موٹے کرتب تو

دکھائی سکتا ہوں۔“ وہ شرم سے ہوا۔

”ہاں یہ تو ہے تم تو کافی خوش ہو گے نا؟“ اس نے

عتارب کی آنکھوں میں جھانکا۔

”ہاں بہت زیادہ۔“ وہ باہر بارش میں آ گیا۔

”کیوں تم خوش نہیں ہو کیا؟“ اس نے ملا لہ

سے پوچھا۔

”بہت خوش ہوں مگر ایک بات کلیئر کر دوں۔“ اس

نے پھولوں کی مہک سانسوں کے ذریعے اپنے اندر

اتارتے ہوئے کہا۔

”وہ کیا؟“ عتاب فوراً اس کی طرف مڑا۔

”آج کل کے حالات تمہارے سامنے ہیں نہ صرف

میر و نی بلکہ اندونی طور پر بھی ہماری آرمی کو بے حد مشکلات

اور چیلنجز کا سامنا ہے۔ قدم قدم پر موت، خوف یا پھر عمر بھر

کی معذری جیسے منہ بھاڑے ان کے راہ تک رہی ہے اور ایسے میں اگر تمہیں کچھ ہوا مطلب لو لے لنگڑے ہو کر آئے تو.....؟“ شرارت سے کہتی وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائی۔ عتاب نے کچھ لمحوں کے لیے یونہی اس کا بھیگنا دیکھا سا چہرہ دیکھا پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے بالکل قریب آ کر ٹھہر گیا۔

”اور اگر مر کر آیا تو.....“ حملہ بالکل اچانک تھا وہ

سنجھل نہ پائی۔ پھول خود بخود ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین

پر جا گرے تھے اس کی بات پر وہ گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

”بولو نہ..... اب کیوں خاموش کھڑی ہو۔“ عتاب

نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”اللہ نہ کرے عتاب! میں تو مذاق کر رہی تھی۔“ وہ

رونے کے قریب تھی۔

”حالات خواہ کیسے بھی ہوں ملا لہ! قدم قدم پر بکھری

موت ہمارے لیے شہادت اور ابدی زندگی اور معذری

غازی ہونے کی گواہی ہے اور ان میں سے کوئی سودا

ہمارے لیے مہنگا نہیں کیونکہ ہم پاک آرمی کے جوان

صرف تنخواہ اور انجمنی جاب کے لیے آرمی جوائن نہیں کرتے

بلکہ ملک و قوم پر جاں نثار کرنے کے لیے کرتے ہیں تب

راستہ کوئی بھی ہو نتیجہ کچھ بھی ہو ہم نہ کبھی خوف کھاتے ہیں

نہ پیچھے ہٹتے ہیں اور یہی ہماری فتح ہے۔“ وہ کس قدر ہر عزم

تھا کس قدر بہادری خوف تھا۔ آنسو بھری نظروں میں فخر و

ستائش بھی ابھرنے لگی۔

”اب میں انتظار کروں گا جب تمہیں مجھے خود

کہنا پڑے کہ عتاب! اگر مجھ سے سچی محبت کرتے

ہو تو پہلے وطن کا قرض چکاؤ پھر تم جس حال میں بھی

لوٹو گے مجھے قبول ہو گے چلتا ہوں۔“ تیزی سے کہہ

کر وہ رکنا نہ تھا۔ دیوار کے اس پار غائب ہو چکا تھا

ملا لہ نے تیزی سے بھاگ کر دیوار پر اچھل کر اسے

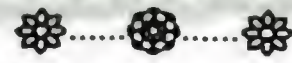
دیکھنے کی کوشش کی مگر نہ جانے وہ چھلاوا کہاں غائب

ہو چکا تھا وہ مسکرا کر پیچھے ہوئی۔

”پاگل نہ ہو تو.....“ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور



منگلتا تے ہوئے دوبارہ جھومنے میں مصروف ہوئی۔



کیونکہ..... اس نے ایڑیاں اٹھا کر نیچے جھانکا پلکیں پھر  
بھینکنے لگیں۔

”کیونکہ میں تم سے بے حد پیار کرتی ہوں اور میرے  
لیے تمہارے بغیر ایک دن گزرا جی سواں روح ہے۔  
کہاں ایک زندگی.....“ اس نے سختی سے آنکھوں کو گڑا اور  
اس کے صحیح سلامت آنے کی دعا کی تھی۔



جوں جوں دن بڑے ہوتے جا رہے تھے گرمی کی  
شدت میں اسی قدر اضافہ ہو رہا تھا۔ دن میں دس بجے کے  
بعد ہی گلیوں میں سناٹا قفس کرنے لگتا کہ رات کی خاموشی  
بھی بگڑا جائے۔

”کیا سن رہی ہے میری بیٹی!“ موبائل کان سے  
لگائے وہ ادھر سے ادھر سگٹل کی تلاش میں گھوم رہی تھی بابا  
کی آواز پر چونک گئی۔

”ریڈیو سن رہی ہوں بابا! مگر سگٹل ہی صحیح نہیں  
آ رہے۔“ اس نے موبائل ہوا میں ادھر ادھر گھمایا اور  
تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ دوبارہ کان سے لگاتے ہوئے  
اس کے چہرے پر پھر وہی مایوسی پھیلی تھی۔

”ویسے کیا رہا ہے جو میری بیٹی اتنی پریشان ہو رہی  
ہے۔“ انہوں نے اس کی پریشان صورت دیکھ کر پوچھا۔  
”بابا! ہر جمعرات اس وقت علاقائی صورت حال پر  
بڑے دلچسپ اور معلوماتی تجزیے اور تبصرے ہوتے ہیں  
سن کر بڑے کام کی باتیں پتا چل جاتی ہیں ورنہ تو ہم لوگ  
اندھیرے میں ہی رہیں۔ ایسے ذہین ذہین لوگ ایسے  
ایسے انکشافات کرتے ہیں کہ میری تو عقل دنگ رہ جاتی  
ہے۔“ وہ شوق بھرے انداز میں انہیں بتانے لگی۔

”لو! میں تو بھی تم سارا دن بس موئے اٹھیا کے گانے  
سنی رہتی ہو۔“ اماں نے جیسے شکر ادا کیا کہ ان کی بیٹی کوئی  
ڈھنگ کا کام تو کر رہی تھی۔

”وہ بھی سستی ہوں اماں! مگر سچ کہوں تو ملک کے دن بہ  
دن بگڑے حالات کی وجہ سے ان چیزوں کا استعمال بھی  
بدلنے لگا ہے۔ لوگ ڈراموں اور میوزک چینلوں کی جگہ خبر

”آج تو عتاب بڑا یاد آ رہا ہے؟“ اسے ٹریننگ  
پر گئے دو ماہ ہو گئے تھے اور صرف ایک بار ہی فون پر  
بات ہوئی تھی۔ اس کا دل بھی بُری طرح اداس ہو رہا  
تھا مگر بابا کے منہ سے سنتے ہی نہ جانے کیوں آنکھیں  
ساون بھا دوں ہونے لگیں۔ وہ گھٹنوں میں سر چھپا گئی  
شکر کہ اس وقت کچن میں وہ اکیلی تھی اماں اور بابا  
دونوں باہر بیٹھے تھے۔

”اللہ عمر دراز کرے بڑا ہی قسمت والا بچہ ہے۔  
نیک بخت اور فرماں بردار۔“ شمع بی بی نے دامن  
پھیلا کر دعا دی۔

”ہاں آج تک بازو بنا ہوا ہے میرا کبھی بیٹے کی کمی  
محسوس نہیں ہونے دی مجھے۔“ وہ حقہ گڑ گڑانے لگے ملالہ  
کے آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔

”لو کیوں محسوس ہو بھلا بیٹے کی کمی عتاب اور مہیب  
بھی تو ہمارے ہی بیٹے ہیں نا۔“ شمع نے سیکنہ کے دنوں  
بیٹوں کا حوالہ دیا۔

”ہاں صحیح کہتی ہو تم مگر پھر بھی خون کی قدر کسی کسی کو  
ہوتی ہے اور آج کل تو خون کے رشتوں میں بہت دوری  
آتی جا رہی ہے۔“ بابا نے کہا تو سو فیصد درست تھا۔  
”سیکنہ بھابی کی تربیت ہے سب۔“ شمع نے کھلے دل  
سے دیورانی کی تعریف کی۔

”بے شک..... بے شک! بڑی خوش بخت عورت  
ہیں۔“ بابا نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”اللہ بس ہمارے عتاب کو اپنی امان میں رکھے  
آمین۔“ اماں نے دامن پھیلا کر دعا کی۔

”عمہ آمین۔“ بابا نے بھی ان کا ساتھ دیا اور ملالہ کے  
دل نے بھی۔ وہ ان سے نہ جتنی بچاتی چھت پڑا گئی اور اسی  
منڈیر کے ساتھ رک گئی جہاں سے اس دن وہ کودا تھا اسے  
فوراً عتاب کی آخری بات یاد آئی۔

”نہیں عتاب! میں کبھی تمہیں یہ نہیں بول سکتی





”تاباں! ذرا زور سے جھولا نہ ہاتھوں میں طاقت ختم ہوگئی ہے کیا؟“ جھولے پر بیٹھی ملالہ نے سوچوں میں گم تاباں کو پکارا تو وہ چونک گئی۔

”ہاں.....“  
”لکن خیالوں میں گم رہتی ہو بھائی یاد آتا ہے تمہیں۔“  
ملالہ نے ذرا کی ذرا مڑ کر اسے دیکھا۔

”ہاں یار! کئی دن ہو گئے بھائی کی کال بھی نہیں آئی۔“  
”ہاں تو ٹریننگ پر ہے وہ ظاہر ہے اب عام ٹریننگ تو ہے نہیں افسر بن کر آئے گا۔“ خیالوں ہی خیالوں میں ملالہ نے دور سے پاک آرمی کا یونیفارم پہنے کھڑے دیکھا تھا۔ تبھی خود بخود ہونٹ مسکرانے لگے تھے۔

”ان شاء اللہ دیکھ لینا بڑے بڑے کام کرے گا میرا بھائی۔“ تاباں کے لہجے میں بھائی کے لیے فخر تھا۔  
”اللہ کرے مجھے تو ڈر ہے کہیں بھگور ا ہی نہ ہو جائے۔“ وہ شریر ہوئی۔

”اے شکل اچھی نہ ہو تو بات تو اچھی کر لیا کرو۔“ تاباں نے اس کے کاندھے پر ہلکی سی چپت رسید کی وہ ہنسنے لگی۔  
”اچھا چاچا کی طبیعت کیسی ہے اب؟“ اچانک ہی ملالہ کو خیال آیا۔

”ہاں اب تو کافی بہتر ہے ابابو چھ رہا تھا میری بہو نہیں آئی۔“ اس کے چبا چبا کر کہنے پر ملالہ کو ہنسی آ گئی۔  
”ہاں بھئی ہنس لے مگر سچ بتا رہی ہوں ابابو میں ناراض ہو رہا تھا۔“ تاباں نے اسے اپنی طرف کھینچا اور پھر زور سے جھولے کو آگے کی طرف دھکیل دیا اس بار وہ کافی اوپر گئی تھی۔

”ہاں بات تو تمہاری سچی ہے مگر سچ کہوں جب سے چاچی چاچا نے منگنی باقاعدہ کی ہے مجھے ان سے شرم سی محسوس ہوتی ہے عجیب سی لاج۔“ وہ دھیرے سے مسکرا رہی تھی۔

”خیر آج ضرور چکر لگاؤں گی اللہ کرے عتاب کا

جھنڈو پر خبریں اور تبصرے زیادہ شوق سے سنتے ہیں۔ پورے ملک کی ایک ایک کونے کی خبر سیکنڈز میں ادھر سے ادھر نشر کر دیتے ہیں پھر اعلیٰ مرتبہ ذہین اور فطین تبصرہ نگار جب اس حادثے کے اسباب اور آئندہ کے سدباب کے پہلوؤں پر جب روشنی ڈالتے ہیں تو انسان کا دماغ جیسے کھل جاتا ہے۔“ اس نے بابا کو تفصیل بتائی۔

”بات تو تمہاری واقعی سچ ہے بیٹا! نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہمارے پیارے وطن کو نہ خوشیوں میں راحت پہنچی ہے نہ تہواروں میں رنگ۔ ہر وقت ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ اللہ خیر کرے کچھ ایسا دیا نہ ہو جائے۔ عوام سکون نام کی چیز کو ترس گئے ہیں فوج کی قربانیاں نہ ہوں تو شاید کب کے یہ غدار وطن دہشت گرد ہم لوگوں کے اس پاک وطن کو اس زمین سے ہی مٹا چکے ہوتے۔“ بابا نے اداسی سے کہا۔

”خیر یہ بات تو کریں ہی نہ۔“ اماں کو ان کی بات بُری لگی۔

”یہ فیصلہ کرنے والی صرف اللہ کی ذات ہے اسی نے بیٹا جب اس کا بیٹا بالکل ہی ناممکن تھا۔ وہی اسے سلامت رکھے گا جب ہر طرف سے اس پر کافروں کی یلغار ہے ان شاء اللہ مجھ میرے دست پر پورا بھروسہ ہے۔“ اماں نے مسکرا کر کہا تو وہ دونوں بھی مسکرا دیئے۔

”واقعی بات تو تمہاری سو فیصد سچ ہے ملالہ کی ماں!“ بابا نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”ہاں اماں! واقعی سچ کہہ رہی ہیں اور پھر ہم سب بھی تو ہیں نہ پاک آرمی کے ساتھ۔“ اس نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور دوبارہ موبائل ادھر ادھر گھمایا ذرا سی دیر میں ہی ملکہ نور جہاں کی آواز گونجنے لگی تھی۔

”اے پتر ہٹاں تے نئی وکدے تو لیمہ دی پھر بس بازار ٹوٹے“

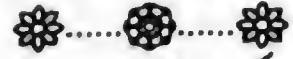
”ملالہ آواز اونچی کر دے۔“ اماں نے کچن کی طرف جاتے ہوئے اسے ہدایت دی تو ملالہ کے ساتھ ساتھ بابا بھی ہنس دیئے۔



فون بھی آجائے۔“ اس نے دل سے دعا کی۔

”اچھا جی! اس کا مطلب بھائی تمہیں بھی خوب یاد آتا ہے۔“ تاباں نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

”ہاں تو کیوں نہ آئے میرا بچپن کا دوست ہے، مگنیتر ہے اور پھر سب سے بڑھ کر میرا کزن۔“ اس نے مکمل اعتماد سے جواب دیا، تاباں کھلکھلا دی۔



”سلام چاچا! لکڑی کے بڑے سے دروازے کو پار کرتے ہی سامنے بآدمے کے قریب چار پائی پر فیک لگائے چاچا اسے فوراً نظر آئے تھے وہ سیدھا ان کی طرف آگئی۔

”وعلیکم السلام.....“ چاچا اسے دیکھتے ہی کھل اٹھے۔  
”آج تو بہار چل کر آئی ہے میرے گھر پر۔“ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

”اب کیسی طبیعت ہے چاچا؟“ اس نے بغور ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ صحت مند سرخ رنگت والے چاچا بیماری سے کافی غڈ حال ہو گئے تھے عجیب سی زردیاں گھلنے لگی تھیں ان کی رنگت میں۔

”ٹھیک ہوں دھی..... بالکل ٹھیک۔ تم آگئی اب اور ابھی اچھا ہو جاؤں گا۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”کہاں ٹھیک ہیں چاچا جی! دیکھیں تو کتنے کمزور ہو گئے ہیں یہ سب عمارب کی وجہ سے ہے نا۔“ وہ ان کی صحت دیکھ کر واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

”ارے نہ بیٹا! عمارب تو میرا بیٹے جوان ہے شیر جب جوان ہو جائیں تو باپ کی طاقت بن جاتے ہیں نہ کہ کمزوری، عمارب کے فیصلے کی سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوتی ہے۔“ ان کے پڑا مردہ چہرے پر عجیب سی چمک جاگئی۔

”پھر بھی چاچا جی! آج کل جیسے حالات ہیں میں جانتی ہوں آپ عمارب کے لیے ہی پریشان ہو رہے ہیں۔“ وہ بھلا کہاں بانٹا نے والی تھی۔

”یہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ملالہ بیٹا!“ اسی وقت چاچی کمرے سے باہر آئیں۔ سبج ہاتھ میں تھی وہ شاید نماز پڑھ کر آ رہی تھیں انہیں آتا دیکھ کر وہ فوراً اٹھ کر ان کے ساتھ جا گئی۔

”جیتی رہ۔“ انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔  
”ان کو ذرہ برابر بھی پروا نہیں عمارب کی یہ تو خوش ہیں کہ بیٹا آج اس قابل ہوا کہ ملک و قوم کے کام آ سکے۔“ چاچی کا مزاج شاید اچھا نہیں تھا آج ان کے جوٹیلے انداز پر وہ مسکرا دی۔

”ساری فکر ساری پریشانی تو مجھے ہے پتا ہی نہیں چلتا کب دن ہوا کب رات ہوئی۔ چمن و سکون غارت ہو گیا ہے میرا فون پر آواز اس قدر کمزور آ رہی تھی نہ جانے وہاں کھانا کیسا ملتا ہوگا۔ ملتا بھی ہوگا کہ نہیں۔“ ان کی بات پر چاچا ہنسنے لگے۔

”ہاں بھی تم تو ہنستے رہو دیکھا ملالہ! کہاں ہے ان کو فکر نہ جانے میرا لال کس حال میں ہوگا۔“ وہ پھر سے خفا ہونے لگیں۔

”ارے نیک بختے“ وہ آری کا افسر ہے اب اسے کوئی چھوٹا بچہ نہ سمجھ ٹھیک ہے آری کی شروعات کی ٹریننگ بے حد مشکل اور کٹھن ہوتی ہے مگر پھر بھی یہ سب ضروری ہوتا ہے کسی بھی آری آفسر کو ضبط صبر اور فیصلے کی طاقت بخشنے کے لیے۔ اتنی سختیوں کے بعد جب وہ وہاں سے نکلتا ہے تو ایک مکمل اور جانباز سپاہی ہوتا ہے۔“ چاچا رسانیت سے اسے سمجھانے لگے۔

”تمہیں پتا ہے مغلیہ سلطنت ہندوستان میں مسلمانوں کی عظیم الشان اور ناقابل شکست سلطنت رہی کیوں؟“ انہوں نے جیسے ان دینوں سے سوال کیا۔  
”کیوں چاچا؟“ ملالہ نے تجسس سے پوچھا۔

”کیوں کہ وہ اپنے شہزادوں کو بھی عام سپاہیوں کی طرح ہی مشقت اور محنت سے وہ تمام کر سکھاتے جو کسی بھی اچھے سپاہی میں ہوں۔ انہیں عام آسائشوں کے استعمال کی اس طرح اجازت نہ تھی جس طرح ایک منجھے



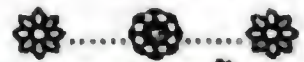
ہوئے سپاہی کو ہوتی۔ تمام تر عزت اور وقار کے ساتھ شہزادوں کا سپاہیوں کے ساتھ تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا تاکہ وہ اپنی اہمیت کے ساتھ ساتھ تمام سپاہیوں کی اہمیت سے بھی واقف ہوں۔“ ان کی بات پر دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”بالکل اسی طرح پاک آرمی کا شمار دنیا کی مضبوط ترین افواج میں ہوتا ہے اور اس کی وجہ بھی ان کی مشکل ترین تربیت اور کٹھن سے کٹھن مراحل سے گزرتا ہے۔ ان کی جسمانی طاقت کو ابھارنے کے ساتھ ساتھ ان میں اخلاقی اقدار اور مضبوط کردار کی افزائش ہے۔“

”واہ چاچا جی! واقعی آپ کی بات سچ ہے تبھی تو پاکستان میں یا ہمارے ملک سے باہر کسی بھی ناگہانی صورت جیسے سیلاب، زلزلہ وغیرہ میں آرمی کے جوان پیش پیش ہوتے ہیں۔ خدمت خلق کے جذبے سے سرشار اپنی زندگیوں کی پروا کیے بغیر تمام لوگوں کے کام آتے ہیں۔“ ملالہ کی دل میں فخر سا بھرنے لگا۔

”ہاں تبھی تو پاک آرمی کی جرأت اور ثابت قدمی نے دنیا کو آتش بدنداں کی رکھا ہے۔ تھر کی بھوک سے یہ نبرد آزما سرحد یا پنجاب کے سیلاب ہوں تو پاک آرمی سرگرم اور بلوچستان کی اندرونی خلفشار، سب جگہ آرمی بے حد ثابت قدمی سے ڈٹی رہیں اور پھر آج کل جو دہشت گردی کا معرکہ اسے سر کرنا پڑ رہا ہے اس کے لیے تو پورا پاکستان مل کر بھی ان کو سلام پیش کرے تو ان کی جرأت اور بہادری کے سامنے وہ بھی کم ہے۔“ انہوں نے جوش سے کہتے اپنی نم ہوتی آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔

”تو اب تم لوگ خود فیصلہ کرو میں عمارت کے فیصلے سے خوش ہوں یا خفا۔ اگر میرا بیٹا کچھ دن سختیاں برداشت کرنے کے بعد مزید مضبوط ہو جائے تو مجھے اور کیا چاہیے۔“ انہوں نے طمانیت سے کہتے ہوئے دوبارہ تکیے سے ٹیک لگالی ملالہ بھی مسکرا دی۔



گرمی بھی انتہا پر تھی ایسے میں نہر کنارے ٹھنڈے

پانی میں پاؤں مارتے آم اور انار کی گلابی چھاؤں تلے بیٹھ کر ڈائجسٹ پڑھنا تاباں اور ملالہ دونوں کا مشغلہ تھا۔ اس وقت بھی دوپہر کے وقت وہ دونوں وہاں بیٹھیں مطالعہ میں مصروف تھیں جب سب لوگ سستانے لیٹے تھے زمیں چونکہ ان کی اپنی تھیں تو کوئی خوف نہ تھا کیونکہ ان کے ذاتی مزارع ان کے آس پاس ہی تھے اور ان کے ساتھ ان کی خاندانی برادری تھی سو بے فکر نہر کے کنارے درختوں کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں انہیں بے حد سکون ملتا تھا۔

”چلو جی مجھے تو نیند آنے لگی ہے۔“ سہ پہر ہونے لگی تھی جب تاباں کی اچانک آواز پر وہ چونکی۔ ایک بل اسے دیکھا پھر سے کتاب میں گم ہو گئی۔

”تم بھی چلو ذرا لیٹ جانا۔“ تاباں نے اٹھتے ہوئے اسے بھی کہا۔

”اوں ہوں.....“ اس نے قطعی طور پر صرف سر ہلا کر انکار کیا۔

”اچھا چلو میں چلتی ہوں رب رکھا۔“ کہہ کر وہ کھیتوں کے درمیان بنی پگڈنڈی پر چل دی۔

ملالہ یونہی کتاب میں کھوئی رہی وہ ایسی ہی دیوانی تھی کتاب کی۔ ہر وقت بس کتابوں میں کھوئی رہتی اور جب کتاب ہاتھ میں ہوتی تو ارد گرد سے بے نیاز ہو جاتی۔ اس وقت بھی وہ اپنے پسندیدہ ایکٹر کا انٹرویو پڑھ رہی تھی اور حسب عادت ارد گرد سے بے نیاز تھی۔

”وئے.....“ کوئی بے حد اچانک چیخا تھا اور ملالہ اس قدر خوف زدہ ہوئی کہ بُری طرح اچھلی۔ کتاب پیچھے کہیں جا گری اور وہ خود آگے کی سمت نہر میں گرنے لگی تھی کہ کسی مضبوط گرفت نے اس کی نازک سی کلائی تھام کر اسے پیچھے کی طرف کھینچ کر آہستہ سے نرم نرم سی گھاس پر بٹھا دیا وہ ہر اس سے آنکھیں بند کیے بیٹھی اپنی سانس بحال کرتی رہی۔

”اب آنکھیں کھول بھی دو جنگلی بلی!“ مسکراتی آواز پر اس نے جھٹ سے دونوں آنکھیں کھولیں۔ اسے

سامنے ہی وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا دونوں گھٹنوں پر ہاتھ



جمائے اپنی طرف مسکراتے ہوئے نکلتا عتاب نظر آیا۔  
ملالہ نے پلکیں پٹپٹائیں اسے یہ اپنا وہم لگا۔  
”کیا ہوا؟“ اسے یوں حیران پریشان دیکھ کر عتاب بھی ڈر گیا۔

”تم عتاب ہی ہو؟“ وہ بغور اس کے قدرے کمزور وجود اور سانولی سی رنگت کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”ہاں یار! مانا کہ بے حد کمزور ہو گیا ہوں مگر یہ بھی نہیں کہ تم مجھے پہچان نہ سکوں۔“ وہ خفا انداز میں کہتا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”نہیں یہ بات نہیں اتنے دن بعد یوں اچانک تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر یقین ہی نہیں آیا۔“ اس کے لہجے میں اطمینان درآ یا وہ گھاس سے کھلنے لگی۔

”میرا یقین کھونے تو نہیں لگی تم ذرا سی جدائی پر۔“ وہ شریر ہوا ملالہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”تم جتنا بھی دور چلے جاؤ میرا یقین نہیں ٹوٹنے والا۔“ وہ بھی مسکرائی۔

”اتنا اعتماد ہے مجھ پر۔“ وہ ذرا آگے کو جھکا۔  
”اس سے بھی کہیں زیادہ تمہاری سوچ بھی وہاں تک نہیں جاسکتی۔“ وہ گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہاتھ کی ہتھیلی پر چہرہ جماتے ہوئے بولی۔

”بہت خوش قسمت ہوں نہ میں۔“ اس بار عتاب مسکرایا تھا ملالہ کو اس کا یوں مسکراتا بے حد اچھا لگا۔  
”ہاں اگر اس بات کو سمجھ سکتو۔“ وہ اترائی۔

”جی شہزادی صاحبہ! میں سمجھتا ہوں تبھی تو گھر آتے ہی ایک پل بھی آرام نہیں کیا، تاباں نے بتایا کہ تم نہر پر بیٹھی رسالہ پڑھنے میں مصروف ہو تو بھاگ بھاگ یہاں آ پہنچا۔“ اس کی بات پر وہ نظریں جھکا گئی۔

”لیکن سچ بتاؤں عتاب! نہ جانے کیوں جب سے تم نے آرمی جوائن کی ہے ہر وقت دھڑکا سا لگا رہتا ہے دل میں خوف سا جاگتا ہے کہ اللہ نہ کرے تمہیں کچھ ہونہ جائے۔“ نظریں جھکائے اس نے اپنے اندر کا خوف بھی عتاب پر ظاہر کر دیا۔

”صرف تمہارا وہم ہے ورنہ وہ لوگ بھی تو فہمیز رکھتے ہیں سب کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اب شہادت اور بُرے حالات کے ڈر سے ہم مرد گھروں میں دبک جائیں ایسا نہیں ہوتا یار! وہ چڑ گیا۔

”پتا ہے کتنے لوگ ہیں جو ایلانی کرتے ہیں مگر ان کی قسمت ساتھ نہیں دیتی کسی نہ کسی خرابی یا کمی کی سبب جیکٹ ہو جاتے ہیں۔ میں تو خوش قسمت ہوں کہ مجھے یہ موقع ملا کہ کسی نہ کسی طرح ملک و قوم کے کام آ سکوں۔“

”زندگی تو فانی ہے ملالہ! اگر اچھے مقصد کے لیے استعمال میں آگئی اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے طور پر موت کو گلے لگا لیا تو بھلا اس سے بڑھ کر کیا کامیابی۔“

”اچھا چھوڑو اس لیکچر کو یہ بتاؤ کتنے دن تک ہو اب؟“ وہ بو جھل لہجے میں بولی عتاب مسکرا دیا۔

”اگلے ماہ کی پندرہ تک دیکھو پھر کیا ہوتا ہے؟“ اس نے بھی اس بار کوئی اور بات کرنے سے گریز کیا تھا ملالہ سر ہلا گئی۔



”گرمی کتنی بڑھ گئی ہے اماں۔“ کھلا آسمان کے نیچے چار پائی بجھائے وہ اور اماں ساتھ ساتھ ہی لیٹے تھے تارے گنتے تھکی تو اماں کو یار لیا۔

دھیرے دھیرے نیند کی وادیوں میں اترتی اماں بس ”ہوں“ کر کے کروٹ بدل گئیں۔

”اماں.....“ اس نے اماں کا بازو کھینچا۔  
”کیا ہے ملالہ؟“ اماں نے فوراً کروٹ دوبارہ بدل لی۔

”میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔“  
”مجھے نیند آ رہی ہے صبح کر لینا۔“

”ابھی رات ہے نا اماں! دن میں پھر کہاں یاد رہتی ہے۔“ ملالہ اداس ہوئی۔

”اچھا جلدی بتا۔“ اماں راضی ہو گئیں۔  
”کیا تمہارے دور میں اتنی ہی گرمی ہوتی تھی اماں؟“



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



کے نیچے بیٹھ کر سلائی کڑھائی کا کام نبٹا لیتے اور خوب گپ شپ بھی لگاتے۔ حق ہا کیا دن تھے وہ بھی۔" اماں پرانی یادیں تازہ کرتے کرتے پوری طرح بیدار ہو چکی تھیں۔

"قسم سے سارا دن محنت مشقت میں گزر جاتا اور رات پر سکون نیند میں۔ اللہ کی یاد بھی ساتھ رہتی ریا اور ملاوٹ سے پاک زندگی تھی۔ چھوٹے موٹے جھگڑے ہوتے مگر فوراً ایک دوسرے کو منا بھی لیتے اور کبھی بھی منافقت دل میں نہ رکھتے تھے۔" ملا لہ کی آنکھیں بند ہونے لگیں مگر وہ اماں کو سننا چاہتی تھی تبھی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کتنا مزہ آتا ہو گا نا ماں۔"

"ہاں بیٹا! بچپن تھا سادہ اور کیا سادہ زندگی تھی۔ آج کل کے بچوں کا بھی کیا نصیب ہر وقت خوف کا سایہ سالگا رہتا ہے نہ ماں باپ کو چیلن نہ بچوں کو کھیلنے کی آزادی ہر وقت بس دھڑکا سالگا رہتا ہے۔" اماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ہاں اماں! واقعی اور پھر آج کل جو دہشت گردی اور اغواء کاری کا رجحان بڑھا ہے نہ زمانے میں اس نے تو نئی نسل سے ساری خوشیاں پھین لی ہیں۔" ملا لہ بھی اداس ہوئی۔

"مگر بیٹا! ایک بات یہ بھی ہے کہ ہماری نوجوان نسل اللہ سے بہت دور ہو گئی ہے اب تم خود کو ہی دیکھ لو سارا دن یا ڈائجسٹ یا پھر موبائل بس جلدی جلدی فرض نماز ادا کی اور پھر یہی شیطانی کام۔"

"اماں اب اس میں سارا شیطانی کام بھی نہیں ہوتا۔"

"میں مانتی ہوں بیٹا کہ یہ سب بھی اچھی چیزیں ہیں آج کل کی زندگی کی بنیادی ضرورت ہیں مگر ان کو بس اتنی ہی اہمیت دو جو دنیا کی ہے۔ دین پر برتری دینے کا یہی نتیجہ نکلے گا ہم نے دین کو وقت گزاری اور بس اللہ کا فرض چکانا سمجھ رکھا ہے اس کے مقصد حیات اور اصل کو بھلا دیا ہے یہ ہماری پہلی ترجیح نہیں رہا دوسری ہو گیا بس امن ختم زوال شروع۔" اماں کی بات میں کس قدر رنج تھا ملا لہ کو ج

اس نے سوال کیا۔

"ہوتی تو تھی مگر احساس نہ ہوتا تھا۔" اماں نیند میں ڈوبی آواز میں بولیں۔

"درختوں کے نیچے مل بیٹھ کر سلائی کڑھائی کرتے دوسرے کام نبٹا لیتے اور....." وہ اونچے لگیں۔

"اور ایک دوسرے کی جی بھر کے غیبت کرتے۔" ان کو خاموش ہوتا دیکھ کر ملا لہ نے شرارت کی۔

"آئے ہائے....." اماں فوراً بیدار ہوئیں ملا لہ کھل کے مسکرا دی۔

"ہم کیوں کرتے غیبت ارے کام تھوڑے ہوتے تھے۔ ایک مل کی بھی فرصت نہ ہوتی تھی صبح فجر کی نماز سے پہلے جاگتے اور شام ڈھلتے ہی جب بستر پکڑتے تو صبح ہی پھر آنکھ کھلتی۔"

"اتنا کون سا کام ہوتا تھا اماں! جو سارا دن بس کام میں ہی گزر جاتا۔" وہ جی بھر کے حیران ہوئی۔

"لو بھلا تھوڑے کام ہوتے تھے صبح اٹھ کر نماز پڑھتے پھر بزرگوں کی پہلی چائے تیار کرتے۔ سب کو چائے دے کر مال مویشی کی خدمت میں لگ جاتے انہیں کھلاتے پلاتے دودھ دھوتے پھر ان کو چراواہوں کے حوالے کر کے جلدی جلدی ناشتا بناتے۔" اماں تیزی سے بولتے بولتے ٹھکیں تو ذرا دیر سستانے لگیں۔

"پھر سارے گھر کی جھاڑو لگاتے کچے فرش پر گیلی مٹی کا لپ دیے جسم درد کرنے لگتا تو ذرا دیر سستا لیتے۔"

"ٹھنڈو ٹھنڈا ملا لہ نے پھر لقمہ دیا۔

"نہ بھی بس ذرا کی ذرا۔" اماں نے فوراً تردید کی۔

"اس کے بعد دوپہر کے کھانے کی تیاری اور ساتھ میں پانی بھی بھرتے اس وقت پانی کنویں سے لانا پڑتا تھا۔" ملا لہ مزید حیران ہوئی۔

"پھر تنور پر روٹی ڈالنے سے ذرا پہلے کچھ کپڑے دھوتے اور پھر ساری ہم جولیاں مل کر کسی ایک گھر ایک ہی تنور پر باری باری روٹی بھی ڈالتیں اور باتیں بھی کرتیں۔ دوپہر میں جب سب بزرگ ذرا دیر کے لیے آنکھ موند لیتے ہم لوگ درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں



میں شرمندگی محسوس ہوئی۔

”میں کل سے پورے دل سے اللہ کی فرماں بردار بنوں گی اماں۔“

”شاباش میری بچی! اللہ سب مسلمانوں کو بھی ہدایت دے۔“

”آمین۔“ اس نے بھی صدق دل سے دعا دی۔



رمضان کی برکتیں شروع ہوتے ہی زندگی میں جیسے بہاری آگئی تھی۔ فضا میں ہر دم ایک عجیب سا نور طاری رہنے لگا تھا ہر دل میں اپنے رب کی محبت اور اس کی رضا اور خوش نودی کی تڑپ جاگ اٹھی تھی اتنی سخت گرمی کے باوجود لوگ پر عزم تھے اور سحری و افطاری کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

آج چھٹا روزہ تھا اور اللہ کا کرم خوب برسا تھا صبح سے شروع ہونے والی ہلکی ہلکی بوند باندی نے دوپہر تک موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی تھی جس کی وجہ سے موسم بے حد خوش گوار ہو گیا تھا۔ گرمی اور جس ایک دم سے ختم ہو گئے تھے۔

آج تاباں اور عتاب ملالہ کے گھر ہی تھے تیز بارش کی وجہ سے ان کو افطاری تک یہیں رکنا پڑا۔ ملالہ بے حد خوش تھی ہر اکلوتے بچے کی طرح اپنے دوستوں کا ساتھ پا کر کہ اکلوتے بچوں کو ہر خواہش تھا دو پھر بھی کسی دوست کسی راز دار بہن بھائی کی کمی انہیں کسک دیتی رہتی ہے۔ یہی کچھ اکثر ملالہ کے ساتھ ہوتا تھا اسے بھی اپنی تنہائی کھلتی تھی تاباں کو جب اپنے بھائی کے ساتھ شرارت کرتے دیکھتی تو دل ہی دل میں رشک کرتی، تمنا کرتی کہ اس کا بھی کوئی بھائی ہوتا یا بہن ہی ہوتی۔

آج اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا تاباں اور اس نے مل کر بہت دل سے افطار بنائی تھی۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ اور تاباں ٹھنڈی رات کا مزہ لینے چھت پر چلے آئے عتاب بھی ان کے پیچھے آ گیا۔

”سچ بتاؤ کھانا کس نے پکایا تھا؟“ کھڑی چارپائی

پر ہی جمپ لگا کر بیٹھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

”ملالہ نے۔“ تاباں نے فوراً جواب دیا۔

”خیر تم نے بھی کافی مدد کی میری۔“ وہ خواخواہ شرمندہ ہو گئی۔

”ہاں بس پیاز، نمٹاڑ کاٹ کر دیئے اور بس تھورا سا مصالحہ پیس دیا مگر کھانا تو سب تم نے ہی پکایا۔“ تاباں صاف گوشتی۔

”شکر ہے یار کسا آج مجھے تمہاری یہ خوبی پتا چل گئی ورنہ میں تو تمہیں کافی پھوہڑ سمجھتا تھا اور اسی لیے اماں.....“ اس نے تاباں کو شرارت سے دیکھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”کیا.....؟“ ملالہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

”ہاں پار! بھائی کا خیال تھا کہ تم بس سارا دن ادھر ادھر کھیاں ماری رہتی ہو۔“

”خ.....“ ملالہ منہ بنا گئی۔

”ان کو لگا کہ تمہیں گھر گرہستی کا کوئی شوق نہیں تبھی تم شاید ہی گھر سنبھال سکو سو بھائی نے اماں سے کہا کہ ایک بار پھر اس رشتے کے متعلق سوچ لیں۔“ اس کی بات پر ملالہ اچھل پڑی۔

”یہ تم نے کہا چاچی سے؟“ اسے جیسے یقین ہی نہ تھا۔

”ہاں مگر مجال ہے کہ اماں تمہارے بارے میں ایک لفظ بھی سن لیں فوراً دو چپل رسید کر دیں مجھے۔“ اس نے برا منہ بنایا ملالہ کی ہنسی نکل گئی۔

”آئندہ ایسی کوشش بھی مت کرنا ورنہ میں خود تمہیں رو کر دوں گی اور تم جانے ہو کہ میری بات کوئی بھی نہیں مالتا نہ ماں بابا نہ چاچا چاچی۔“ اس نے دھمکی دی۔

”میری توبہ.....!“ عتاب نے فوراً کان پڑنے تاباں ہنس دی۔

”ملالہ! نی دی دیکھو کیا قیامت ٹوٹی ہے؟“ تبھی ساتھ والی چھت سے ان کی دوست عمارہ نے پکارا اور دوبارہ سے نیچے دوڑ گئی۔ عتاب ان دونوں سے پہلے کود کر نیچے کی طرف بھاگا تھا۔



نی وی پر بریکنگ نیوز آ رہی تھیں رمضان کے بابرکت مہینے میں بھی دہشت گردوں نے اپنی مذموم حرکتیں نہ چھوڑی تھیں۔ پولیس کی ایک کالونی پر خودکش حملہ ہوا تھا آدمی سے زیادہ کالونی منی کے دھیر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ حملہ دن میں ہوا تھا مگر کیوں کہ انہوں نے نی وی نہیں دیکھا تھا تو خبروں سے بھی محروم رہے تھے اس وقت بھی بار بار پرانے اور کچھ تازہ مناظر اسکرین پر دکھائے جا رہے تھے۔ لاشوں اور زخمیوں کو اسپتال منتقل کیا جا رہا تھا بلے میں ابھی بھی تلاش کا کام جاری تھا۔

”میرے بچوں کو اس دفعہ عید کے کپڑے ضرور چاہیے تھے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اس بار ضرور دلوادوں گا مگر پریشان تھا کہ پانچ بچوں کے لیے ہر چیز کا بندوبست کیسے کروں گا اور انہوں نے خود ہی میری مشکل آسان کر دی۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے عید منائے بغیر ہی.....“ وہ سپاہی رو رہا تھا۔ ایک چینل اس کی بات سنتا تو اس کے بعد دوسرے چینل کے لوگ اس کی جانب بڑھ جاتے۔ لوگوں کو یہ سمجھ کیوں نہیں آتی جب صدے دل پر گزریں تو زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ لفظ ختم ہو جاتے ہیں اور قوت گویائی شل..... کیوں پھر لوگ سوال کرتے ہیں بار بار ان زخمیوں کے زخم کریدتے ہیں کیوں مجبور کرتے ہیں کہ وہ چپ نہ ہو۔ صبر نہ کرنے، حقے روئے کر لائے اور بلبلائے تاکہ خبر بنے..... ایک چینل کو دوسرے چینل پر سبقت مل جائے کیا یہ انسانیت ہے؟ وہ رو رہا تھا درد چھپا رہا تھا مگر چینل والے تھے کہ پیچھے ہٹنے کو تیار ہی نہ تھے۔

”بندو کرو یہ سب.....“ ملالہ کے ضبط کا پیمانہ چھلکا تو اس نے آگے بڑھ کر نی وی کا تار کھینچ لیا۔

”اتنا ظلم اور پھر اتنی بے حسی.....“ وہ گھٹنوں میں سر دیئے بلک اٹھی۔ بابا ماں تاباں سبھی رو رہے تھے عتاب جیسے مضبوط مرد کی آنکھیں خود بھینکنے لگی تھیں۔ وہ بھلا اس کو کیا خاموش کرواتے سب اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے آنسو بہاتے رہے۔

ہنستی کھیلتی ملالہ بالکل چپ سی ہو گئی تھی نہ ڈھنگ سے کھانا کھاتی نہ صبح سے بات کرتی۔ بس سارا دن کمرے میں لپٹی چھت کو گھورتی رہتی۔ تاباں اور عتاب کا مزید وقت اس کے ساتھ کٹنے لگا مگر اسے اب کچھ بھی اچھا نہ لگتا تھا۔ آج بھی عتاب اس کے لیے جوس لے کر آیا تو وہ نیچے نہ تھی۔

”چھت پر ہے بیٹا! یا تو اسے دیکھ کر لگتا ہے کہیں کوئی آ سیب.....“

”نکلی رکھیں وہ دلبرداشتہ ہو گئی ہے۔“ عتاب کو ان کے اندازے پر افسوس سا ہوا۔

”جوں جوں وقت گزرے گا نارمل ہوتی جائے گی۔ آپ یہ جوس رکھیں میں دیکھ کر آتا ہوں۔“ وہ جوس ان کو پکڑا تا اور پرا گیا۔

برآمدے میں کرسی بچھائے وہ نہ جانے آسمانوں میں کیا تلاش رہی تھی۔ عتاب چار پائی کھینچ کر اس کے پاس آ بیٹھا۔

”ملالہ.....“ بھاری آواز پر اس نے چونک کر عتاب کی طرف دیکھا تھا۔

”میں تمہیں ایسا تو نہیں سمجھتا تھا تم تو بہت ڈرپوک نکلی یارا!“

”تو چاچی سے کہہ دو کہ دوبارہ اس رشتے پر نظر ڈال لیں۔“ سردی آواز عتاب حیران رہ گیا۔

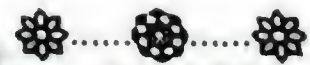
”کہہ دیتا، مگر پتا ہے کہ جتنی تم مجھے عزیز ہو اس سے کہیں زیادہ ان کو۔“ وہ بمشکل مسکرایا وہ مسکرا نہ سکی۔

”ملالہ! زندگی بہت عجیب چیز ہے ہر روز نیا کچھ سامنے لاتی ہے۔“

”یاب اتنا بھی نیا نہیں رہا عتاب!“ وہ دکھی تھی۔

”یہی میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ یہ امتحان ہے آزمائش ہے۔ آزمائش چھوٹی ہو بڑی گھٹن ہی ہوتی ہے اور کامیاب وہی ہوتے ہیں جو ثابت قدم رہیں۔“

”اتنے سارے لوگوں کا ایک ساتھ مرجانا تمہیں کیا





لگتا ہے قدرت کی طرف سے ہے؟“  
”کم آن ملا! ہر چیز اللہ کی کن کی محتاج ہے۔“

”تو وہ ایسے مار دیتا دھماکے میں کیوں؟“  
”آٹھ اکتوبر 2005 کا زلزلہ بھول گئی ہو کیا؟“ اور وہ  
بُری طرح چونکی تھی۔

”پاکستان اللہ اور دین اسلام کے نام پر بنا ہے مگر  
بد قسمتی سے پاکستانی عوام کو مغربی اور لادینی خواہشات کے  
زیر اثر لاکر اس راہ سے ہٹایا جا رہا ہے جو پاکستان کا اصل  
تھی۔ میرا یقین کرو اللہ اپنے پیاروں کو ہی آزماتا ہے اور  
ہم بھی ان شاء اللہ اس آزمائش میں پورا اتر کر دکھائیں  
گے۔ اس نے نرمی سے ملا لہ کا ہاتھ تھامو وہ یونہی ساکت اور  
بے حس ہی رہی۔

”ابھی شاید ہم نے بہت کم سہا ہے ملا! ابھی شاید  
بہت زیادہ باقی ہے۔ بہت کچھ ابھی سہنا پڑ جائے مگر یہ  
بات اہم ہے کہ یہ سب صرف آرمی کی ذمہ داری نہیں اصل  
کامیابی تب ہی ملے گی جب عوام کی آنکھیں کھلیں گی۔  
یوں رو لیتا یا صدے سے بے حال ہو جانا اور دکھ مناتے  
رہنا کوئی بات نہیں بڑی بات یہ ہے کہ ہمیں کس قدر شعور  
ہے۔ ہم اپنے ارد گرد سے کتنے باخبر ہیں خود پر ہمیں کتنا  
بھروسہ ہے۔“ وہ ذرا دیر کا۔

”یقین کرو ملا! 1965ء کی جنگ ہم کبھی نہ جیت  
پاتے اگر پاک افواج کے ساتھ عوام کا بے لگام اور جنون  
خیز جذبہ نہ ہوتا۔“  
”ہم اب بھی پاک افواج کے ساتھ ہیں عمارب!“ وہ  
اداسی سے بولی۔

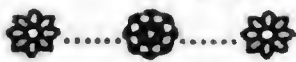
”نہیں ابھی نہیں ملا! کیونکہ جو لوگ اس وقت پاک  
افواج کے ساتھ تھے ان کے لیے کچھ بھی اہم نہ تھا  
سوائے پاکستان کے۔ وہ اپنے وطن کے لیے جان مال  
عزت حتیٰ کہ بیٹے تک وارنے کے لیے تیار تھے مگر آج تم  
میں یہ حوصلہ نہیں ہے ملا! تم تو صرف میرے آرمی  
جوائن کرنے سے خائف ہو اور اب تو مجھے یقین ہو گیا  
ہے کہ کل کلاں اگر میں کسی ایسے امتحان میں کامیاب

زندگی خوشیوں کی آماجگاہ تھی  
ہر طرف سکون اور پیار تھا  
لیکن پھر جانے کیا ہوا  
کہ اک آنکھ ہی آئی  
اور سب کچھ دھندلا گیا  
کہ میری قسمت کا ستارا  
آسمان پر کہیں کھو گیا  
آنکھ ہی چھٹ گئی لیکن  
میرے مقدر کے ستارے کو  
اپنی آغوش میں لے گئی  
میں اپنی دیران آنکھوں سے  
آسمان کو تک رہی ہوں  
ہر سو ستارے ہی ستارے ہیں  
ٹٹماتے جگمگاتے ہوئے  
پھر مجھے سکون کیوں نہیں ملتا  
آسمان بھی وہی ہے  
میں بھی وہی ہوں  
لیکن میرا ستارا جانے کہاں  
کھو گیا

انیلا سخاوت..... میانوالی

ہو گیا تو تم تو جیتے جی مرجاؤ گی۔“ وہ خفا تھا ملا کو واقعی  
شرمندگی گھیرنے لگی۔

”میری طاقت بنو ملا! میری کمزوری نہ بنو عید کے  
تیسرے دن ہی مجھے حاضری دینی ہے۔ میں ایسی حالت  
میں تمہیں چھوڑ کے نہیں جاسکوں گا پلیز میری جرات بن  
جاؤ۔“ اس نے ملا لہ کے ہاتھ پر اپنا دباؤ بڑھایا وہ خاموش  
رہی۔ عمارب کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر واپس مڑ گیا  
ملا لہ وہیں بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔



سارے گاؤں میں شور مچا ہوا تھا روزہ افطاری سے کچھ  
دیر پہلے ہی پٹانے چلنا شروع ہو گئے تھے۔ بچوں نے  
گلیوں میں اُدھم مچا رکھا تھا قوی امید تھی کہ آج چاند نظر

آنچل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 209



آ جاتا لوگ بے قراری سے چھتوں پر کھڑے چاند کی ایک جھلک دیکھنے کو بے قرار تھے۔

ان کی افطاری آج چاچا کے گھر تھی سو وہ آج سارا دن وہیں رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ سب چھت پر موجود چاند کا انتظار کر رہے تھے۔ تاباں اور عتارب ہمیشہ کی طرح بے قرار تھے مگر ملالہ چپ سی کھڑی تھی۔

”عتارب مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔“ وہ بے قراری ان کے قریب آئی جو باری باری ایک دوسرے کو وہ چاند..... وہ چاند کہہ کر چڑا رہے تھے۔

”ارے مجھے تو اماں نے کام بتایا تھا میں ابھی آئی۔“ تاباں نے فوراً اجازت لی اور یہ جا وہ جا۔ ملالہ انگلیاں چٹخانے لگی۔

”بتاؤ۔“ عتارب پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”نہیں پہلے تم وعدہ کرو کہ میری بات کا یقین کرو گے“ میرا مذاق نہیں اڑاؤ گے۔“ وہ خوف زدہ تھی عتارب مسکرا دیا۔

”کبھی بھی نہیں یار تم کہو۔“

”میں چاہتی ہوں عتارب کہ تم بخوشی آری میں جاؤ“ اللہ کے حکم کے مطابق سب ہتھیار آ زماؤ۔ اپنے سب ہنر آزمائے اور قیامت بن کر ان فاسقوں پر برس پڑو بتاؤ عتارب کیا تم ایسا کرو گے؟“ اس نے سوال کیا۔

”اور اگر اس مقصد میں میری کوئی ٹانگ آ نکھبازو کام آ گئے تو.....؟“ وہ شریر ہوا۔

”تم جس حال میں لوٹو گے مجھے خود پر فخر کرتا پاؤ گے۔“ ملالہ..... تم نے تو عید سے پہلے میری عید کر دی یار! اس نے ماتھے پر آئی لٹ کو پکڑ کے کھینچا ملالہ شرما گئی۔

”وہ رہا چاند!“ کوئی چیخا تھا اور فضا پٹاخوں کے شور سے گونج اٹھی۔

”چاند نظر آ گیا۔“ ملالہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

”جی اور دیکھو تو میری خوش قسمتی میرے ساتھ چاند بھی

گنگنا دیا۔“ عتارب نے چاند کی طرف اشارہ کیا تو ملالہ کھل کے مسکرا دی۔

”ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا ملالہ! اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ قوموں کا صبر اور ثابت قدمی ہی ہے کہ کسی بھی قوم نے آج تک اس قوم پر فتح نہیں پائی۔“ وہ مسکرا دی۔ اس کا یقین واپس لوٹا تھا تو سب کچھ بامعنی لگنے لگا تھا پھر اس نے سنا چاند واقعی گنگنا دیا تھا۔

فقط آب رواں سے کب وطن سیراب ہوتا ہے گلوں کے خون سے بھی آب یاری کرنی پڑتی ہے اور میرے معزز قارئین! آپ جانتے ہونا کہ واقعی آگے چل کر اس سر زمین سرحد نے کتنی قربانیاں مزید دیں کتنے جوان شہادت کے سفر پر رواں ہوئے کتنی ماؤں کی گود اجڑی اور کتنی ہی بہنوں کی سہاگ کے دوپٹے خاک ہوئے۔

درہ کی مسجد کا دھماکا آری پبلک اسکول کا اندوہناک حادثہ حیات آباد کی مسجد کا واقعہ امام بارگاہوں کے حادثات یہ سب قیامت خیز تھے لیکن پختون عوام ثابت قدم رہی جرأت و بہادری سے مقابلہ کیا، تعلیم کے لیے مزید آگے آگئے اور سیدہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔

ان کے لیے عیدیں اللہ کی طرف سے روزہ کا انعام ہیں سو بڑی جرأت سے اپنے سارے غم بھلائے ہر سال وصول کرتے ہیں۔ اس عید پر چھوٹا سا خراج عقیدت تمام شدہ ان کے خاندان اور بہادر قوم کے لیے۔ امید ہے کہ ان سب کے عظیم درجات کے لیے اس عید پر آپ بھی میرے ساتھ دعا گو ہوں گے جزاک اللہ بخیر۔



سیدہ

www.Paksociety.com





ٹارگٹ نازی  
شہجہ برکی کی کہانی



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

(اب آگے پڑھیے)

❖ ❖ ..... ❖ ❖ ..... ❖ ❖

جانے کو کیا خبر؟

کتنا ماتم ہوا، کتنے آنسو ہے چاند کو کیا خبر؟

بدلتوں اس کی خواہش میں چلتے رہے ہاتھ آنا نہیں

آنجل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 212



چاہ میں اس کی ہیں پیروں میں آبلے چاند کو کیا خبر؟  
وہ جو نکلا تو بھٹکتے رہے ہیں مسافر کئی  
اور لٹتے رہے ہیں کئی قافلے چاند کو کیا خبر؟  
وہ تو اپنی ہی نگری میں مدہوش ہے کب سے خاموش ہے  
کون راجہ بنا کتنے سید لٹے چاند کو کیا خبر؟  
اس کو دعویٰ بہت بیٹھے پن کا وسی چاندنی سے کہو  
اس کی کرنوں سے کتنے ہی گھر جل گئے چاند کو کیا خبر؟  
وہ ابھی سوکرا بھی تھی۔

کھڑکی کے اس پار پھیلی نکھری نکھری اجلی دھوپ نے اسے میٹھی نیند سے بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔  
کل حسن پلس سے واپسی کے بعد وہ بہت بے سکون رہی تھی۔

زاویار کا لہجہ اس کی نفرت اس کے الفاظ سے جھلکتی تحقیر اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ایک عجیب سی تکلیف میں مبتلا کر رہی تھی۔ رات یونہی اس کے بارے میں سوچتے سوچتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ سدید جس وقت کھانا کھا کر اس کے کمرے میں آیا وہ سوچ چکی تھی تاہم کمرے کی جلتی ہوئی لائٹ نے اسے پریشان کیا تھا تب ہی وہ بنا اسے بیدار کیے اس کی تھکن کے پیش نظر فوراً اس پر کمبل ڈال کر لائٹ آف کرتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل آیا تھا۔  
عائلیہ بیدار ہونے کے بعد فریش ہو کر کمرے سے باہر آئی تو سدید اور کرل شیر علی ناشتے کی میز پر موجود شاید اسی کی ذات کو ڈسکس کر رہے تھے کیونکہ اسے دیکھتے ہی سدید نے اسے سائل پاس کی تھی۔

”السلام علیکم؟“

”وعلیکم السلام صبح بخیر!“

جواب سدید کی طرف سے آیا تھا وہ چپ چاپ کرسی تھپیٹ کر بیٹھ گئی۔

”رات کہاں تھے تم؟“

”بابا کو بتا کر ایک دوست کی طرف گیا تھا تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟“

”فٹ اینڈ فائن آج تم مجھے آفس ڈراپ کر کے آؤ گے۔“

”وجہ؟“

”بس..... میرا دل چاہ رہا ہے آج تمہیں آفس سے لیٹ کروانے کو۔“

”ہا ہا ہا..... تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں آج آفس نہیں جا رہا۔“

”کیوں..... آرمی والوں نے بھگا دیا؟“

”ہوں..... یہی سمجھ لو۔“

”دیکھا..... میں کہتی تھی ناں تمہاری کسی کے ساتھ نہیں بن سکتی۔“

سدید کی اطلاع پر وہ جیسے خوش ہوئی تھی کرل صاحب مسکرا دیئے وہ فطرت اور عادتوں میں بالکل مریدہ صمد پر گئی تھی اور سدید..... صمد حسن پر۔

وقت جیسے پھر سے پلٹ آیا تھا کردار بدل گئے تھے محبت نے اپنا روپ بدل لیا تھا وہ چپ چاپ محبت بھری نگاہوں سے ان دونوں کی نوک جھونک کودیکھتے رہے۔



”زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے مذاق کر رہا تھا۔“ اگلے ہی پل سدید نے مسکرا کر عائکہ کو چڑایا تھا جواب میں وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

”تم ہو بھی مسخرے؟“ نہیں تمہاری بیوی تمہیں کیسے برداشت کرے گی؟“

”کر لے گی تم اس کی ٹینشن نہ لو۔“ وہی اس کی ازلی بے نیازی وہ کڑھ کر رہ گئی۔

”مجھے کیا ضرورت ہے ٹینشن لینے کی چلو اٹھو مجھے دیر ہو رہی ہے آفس سے۔“

”سوری میرا موڈ نہیں ہے۔“ وہ صاف اسے تنگ کر رہا تھا عائکہ نے اپنا روئے سخن کرنل صاحب کی طرف موڑ لیا۔

”بابا دیکھ رہے ہیں اسے صبح صبح تنگ کر رہا ہے۔“

”ہوں دیکھ رہا ہوں کرتے ہیں کچھ اس کا بندوبست بھی تم ٹینشن نہ لو۔“ کرنل صاحب کا کہنا تھا اور سدید کا قہقہہ لگا کر ہنستا تھا وہ حیران ہی ان دونوں کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

”چلو..... تمہیں آفس سے دیر ہو رہی ہے۔“ اگلے ہی پل شرارت سے اس کی پونی کھینچتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

کرنل صاحب دیر تک ان دونوں کے بارے میں سوچتے ہوئے مسکراتے رہے۔

❖ ❖ ..... ❖ ❖ ..... ❖ ❖ ..... ❖ ❖

”عائکہ.....“ تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتی وہ مکمل طور پر اپنے کام میں مصروف تھی جب پرہیان ان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ پلٹی تھی۔

”ارے پرہیان..... تم یہاں؟“

”جی ہاں تم نے فون نہ اٹھانے کی قسم کھالی ہے میں نے سوچا خود ہی چلی آؤں۔“ اس کے گلے لگتے ہوئے وہ شکوہ کر گئی تھی۔ عائکہ مسکرا دی۔

”ایسی بات نہیں ہے اصل میں میرا سیل سائیلنٹ پر تھا اور کام کی مصروفیت میں دیکھنے کا وقت ہی نہیں ملا خیر کیسی ہو مجھے کیوں یاد کر رہی تھیں؟“

”کھڑے کھڑے سارے سوال پوچھ رہی ہو یہاں اس کمرے میں بٹھا کر حال پوچھنے کا رواج نہیں ہے کیا؟“ نشو سے چہرے پر آیا ہلکا ہلکا پسینہ صاف کرتے ہوئے اس نے عائکہ کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا پھر اس سے پہلے کہ عائکہ کچھ کہتی وہ بول اٹھی۔

”خیر..... میں بیٹھنے نہیں آئی ہوں تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ مارکیٹ چلو۔“

”یار ابھی نہیں جاسکتی۔“

”کیوں؟“

”ابھی بہت مصروف ہوں اور پھر تمہارا کھڑوس بھائی بھی اس وقت آفس میں موجود ہے۔“

”تو کیا ہوا؟ میں بھائی سے پوچھ لیتی ہوں۔“

”نہیں یار اس نے خود مجھے کام میں پھنسا یا ہے اسے تو بس موقع چاہیے کہیں بھی میری انسلٹ کرنے کا۔“

”پرہیان۔“ عائکہ کے لفظ ابھی منہ میں تھے کہ دہلیز پر کھڑے زاویار حسن کی پکار نے اسے دانتوں میں زبان دبانے پر مجبور کر دیا۔

”جی بھائی۔“

”باہر گاڑی میں چل کر بیٹھو میں آتا ہوں۔“ دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکش میں گھسائے وہ بہت خشکیں نگاہوں سے



عائلہ علوی کو دیکھ رہا تھا۔ تبھی پرہیان بولی۔

”عائلہ کو بھی ساتھ لے چلیں بھائی پلینز۔“

”عائلہ ابھی فارغ نہیں ہے تم چلو۔“ اس کا لہجہ اتنا خشک تھا کہ پرہیان مزید بحث نہ کر سکی تاہم اس کے چہرے پر پھیلی مایوسی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

عائلہ نے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھنے کے بعد توجہ پھر سے سامنے رکھی اسکرین پر مرکوز کر لی تھی۔ تب ہی پرہیان کے کمرے سے نکلنے کے بعد زاویار اس کے مقابل آیا تھا۔

”بہت اونچی ہواؤں میں اڑ رہی ہیں آپ مس عائلہ علوی، مگر یاد رکھیے میں آپ کو آپ کی اوقات یاد دلا کر رہوں گا، میرے گھر والوں کی مہربانی ہے جو آپ یہاں اس ادارے میں کام کر رہی ہیں وگرنہ دو ٹکے کی اوقات نہیں ہے آپ کی۔“

”صحیح کہا آپ نے۔“ اس کے سر دلچے پر وہ بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے بولی تھی۔

”میری اوقات واقعی دو ٹکوں کی نہیں ہے، مگر آپ کی اوقات کتنے ٹکوں کی ہے یہ بتا سکتے ہیں؟“

”جسٹ شٹ یور ماؤ تھو اد کے۔“ وہ بھنایا مگر عائلہ نے پروا نہیں کی۔

”یوشٹ اپ..... میں نہیں جانتی آپ کے دماغ میں یہ کمتری برتری کا خناس کیوں سمایا ہوا ہے مگر اتنا جان لیجئے آپ کے گھر والوں سے میرا تعلق کسی غرض کا نہیں دل کا ہے۔ محبت کی فاختہ ہوں میں جہاں پیار ملے گا جاؤں گی آپ جیسے بد دماغ اور گھمنڈی لوگ میرا راستہ نہیں روک سکتے۔“

”چٹاخ.....“ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی زاویار کے زوردار تھپڑ نے اسے لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا۔

”میرا خیال ہے یہ تھپڑ آپ کو آپ کی اوقات یاد دلانے کے لیے کافی ہے۔“ لبوں پر تلخ مسکراہٹ بکھیرے وہ شاید اس کے ضبط کا امتحان لے رہا تھا۔

عائلہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

اتنی تحقیق؟

اس قدر ذلالت؟

وہ کتنی ہی دیر تک اسے پھٹی پھٹی ناقابل یقین نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی تب ہی اس نے پرہیان کو کمرے کی دہلیز پر پھر سے نمودار ہوتے دیکھا تھا۔

”بھائی آ بھی جائیں پلینز اور کتنا انتظار کروں؟“ زاویار چونکا عین اسی لمحے عائلہ نے اپنی آنکھیں انگلیوں کی پوروں سے صاف کی تھیں۔

”مسٹر زاویار صمد چاہوں تو میں بھی جواب میں آپ کو ایسا ہی تھپڑ مار کر آپ کی اوقات یاد دلا سکتی ہوں مگر میں ایسا نہیں کروں گی کیونکہ آپ جیسے بدتمیز اور گھٹیا شخص کو میں اپنی نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔“ اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی دھک رہا تھا پھر اس سے پہلے کہ پرہیان اس سے کچھ پوچھتی وہ اپنا پرس اور موبائل اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔ پرہیان اسے آواز دے کر روکنا چاہتی تھی مگر وہ رکنے کی پوزیشن میں نہیں تھی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے جارہے تھے۔ پرہیان کا دل دکھ سے بھر گیا۔

”بھائی آپ نے عائلہ پر ہاتھ اٹھایا؟“

”ہاں وہ اسی قابل ہے تم چلو، میں دیر ہو رہی ہے۔“



”نہیں۔۔۔ کبھی نہیں مجھے اب آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا سمجھتا آپ؟“ شدید دکھی لہجے میں صفا چٹا انکار کرتے ہوئے وہ خود بھی عالمہ کے پیچھے نکل گئی تھی۔ زاویار نے عجیب سی بے بسی کے احساس کے ساتھ سامنے پڑی میز پر زور دار مکار سید کر دیا۔

اس رات اس کی گھر واپسی بہت لیٹ ہوئی تھی۔ شراب اور شباب کی محفل میں خوب وقت ضائع کرنے کے بعد جس وقت وہ اپنے کمرے میں آیا اس کے حواس مکمل طور پر اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے نشے کی شدت کے سبب ہی اگلے روز اس کی آنکھ بہت تاخیر سے کھلی تھی۔ صمد صاحب گھر پر نہیں تھے وہ ابھی بستر سے نکل کر وارڈروب کے سامنے کھڑا اپنے کپڑوں کا جائزہ لے رہا تھا جب ہلکی سی دستک کے بعد سارا بیگم اس کے کمرے میں چلی آئیں وہ ان کی آمد کی وجہ جانتا تھا تب ہی بے نیازی سے رخ پھیر گیا۔

”گڈ مارننگ موم۔“  
 ”پھر گڈ مارننگ“ کتنی بار کہا ہے السلام علیکم کہا کرو۔“  
 ”اوسوری! السلام علیکم۔“  
 ”وعلیکم السلام آج آفس نہیں جانا؟“  
 ”نہیں مام! موڈ نہیں ہو رہا۔۔۔۔۔ کیوں خیریت؟“  
 ”ہوں۔۔۔۔۔ خیریت ہی ہے مجھے کچھ پوچھنا تھا تم سے۔“  
 ”جی پوچھیں۔“

قطعی فرمانبرداری سے کہتے ہوئے اس نے مڑ کر بغور ان کا چہرہ دیکھا۔ جہاں پھیلی ہوئی سنجیدگی معاملہ سیریس ہونے کا سنگدل دیکھ رہی تھی۔ سارا بیگم نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی پھر آہستہ سے رخ پھیر لیا۔

”عالمہ سے کیا کہا ہے تم نے؟“  
 ”کچھ نہیں۔۔۔۔۔ وہ اس قابل ہے کہ میں اس سے کچھ کہوں؟“  
 ”اس قابل نہیں ہے تب ہی پوچھ رہی ہوں۔“ زاویار کی بے نیازی پر وہ ہلکی سی مشتعل ہوئی تھیں۔  
 وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

”مجھے اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ماما بس یونہی ذرا سی اوقات یاد دلانی تھی اسے۔“  
 ”مگر کیوں؟ تم کون ہوتے ہو اسے اس کی اوقات یاد دلانے والے۔ وہ تم سے لے کر کھاتی ہے تمہاری مقروض ہے بیوی ہے لونڈی ہے کیا ہے؟“ پہلی بار وہ اس پر غصہ ہوئیں تھیں وہ بھی عالمہ علوی کی وجہ سے زاویار دنگ رہ گیا۔

”ماما آپ اس دو ٹکے کی لڑکی کے لیے اپنے بیٹے سے لڑ رہی ہیں؟“  
 ”نہیں۔۔۔۔۔ لڑ نہیں رہی سمجھا رہی ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتی جس بیٹے سے میں اتنا پیار کرتی ہوں وہ کسی کی دل آزاری کرے بے وجہ کسی کو تکلیف پہنچا کر اس کی بددعائیں لے اللہ کے ناپسندیدہ بندوں کی لسٹ میں شامل ہو کیونکہ تم نہیں جانتے انسان جتنا بھی گنہگار ہو وہ رحمن و رحیم جس کے سینکڑوں صفائی نام ہیں اپنے ہر بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے کوئی اس کے کسی بندے کی دل آزاری کرے وہ معاف نہیں کرتا حالانکہ اس کی صفات میں رحم و کرم کی کوئی حد نہیں اور پھر۔۔۔۔۔ عالمہ تو بہت پیاری بچی ہے میں نے کبھی اس میں عام لڑکیوں جیسی کوئی بات نہیں دیکھی۔“



”سوری ماما میں نہیں جانتا وہ کیسی ہے کیسی نہیں مگر مجھے اس سے بہت نفرت ہے پتہ نہیں کیوں۔“ وہ بے غصے میں اس نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

سارا بیگم گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

”پاگل ہو تم اور کچھ نہیں بہر حال آئندہ میں ایسی کوئی بات نہ سنوں پر ہی ان اسے لے کر بہت دکھی ہے۔“

”پری پاگل ہے ماما اب میں نے ایسا بھی کچھ نہیں کیا کہ وہ مجھ سے بات کرنا ہی چھوڑ دے۔“

”میں سمجھاؤں گی اسے تم فریش ہو کر نیچا جاؤ میں کھانا لگواتی ہوں۔“

”جی ٹھیک ہے اور کوئی حکم؟“

”نہیں اور کوئی حکم نہیں آج کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے۔“ زاویار گہرا سانس بھرتا پھر سے مسکرا کر واڈروب کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے وہ واپس پلٹ گئی تھی۔

❖ ❖ ..... ❖ ❖ ..... ❖ ❖

جدائی دینے والے تم سے امید وفا کیسی  
تعلق ٹوٹ جائے جب محبت روٹھ جائے جب  
تو پھر رسم دعا کیسی ملن کی التجا کیسی  
بھنور میں ڈھتی کستی سے ساحل کی تمنا کیا  
اکھڑتی سانس ہو تو زندگی کی آرزو بھی کیا  
جو منزل کھو چکی ہو اس کی پھر سے جستجو بھی کیا  
رضائے عشق پر اچھا سر تسلیم خم کرنا  
سکھنے سے یہی بہتر ہے نا امید ہی مرنا  
مگر دل نے تمہیں کس واسطے سے یاد رکھا ہے  
ابھی تک میں نے کیوں خود کو بہت برباد رکھا ہے  
جدائی دینے والے لڑائی کی قسم تم کو  
تمہاری کج ادائی بے وفائی کی قسم تم کو  
مجھے اتنا بتا دینا

وفا کی چاہتوں کی مشلعلیں کیسے بجھاتے ہیں؟

نشاں کیسے مٹاتے ہیں؟

بھلانا ہو جنہیں ان کو بھلا کیسے بھلاتے ہیں؟

رات آدھی سے زیادہ بھیک چکی تھی۔

سبک روی سے چلتی ٹھنڈی سرد ہوا کے جھونکے باہر کشادہ سڑک پر ٹپ ٹپ گرتی بارش کی ننھی منی بوندوں کے ساتھ  
مل کر ایک عجیب سا شور برپا کر رہے تھے۔ کتنا سکون تھا باہر سبک روی سے چلتی سرد ہواؤں میں..... مگر!

ان کے اندر یہ سکون نہیں تھا۔

سارا بیگم ان کے پاس ان کے کمرے میں سو رہی تھیں کیونکہ پچھلے دو دنوں سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تاہم  
ان کے پہلو میں ہوتے ہوئے بھی وہ جیسے صدیوں کی مسافت پر تھیں۔

آنحل ❖ اگست ❖ ۲۰۱۵ء 217



اس وقت ہلکے ہلکے بخار کے باوجود وہ بستر سے نکل کر ایڑی چیر پڑا بیٹھے تھے سارا بیگم کی آنکھ فوراً کھل گئی۔  
”صمد۔“

”ہوں۔“ وہ چونک کر فوراً متوجہ ہوئے تھے وہ اٹھ بیٹھیں۔  
”طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟“

”ہوں۔“  
”کوئی پریشانی ہے؟“

”نہیں۔“

”پھر وہاں کیوں بیٹھے ہیں؟“

”بس یونہی۔۔۔۔۔ کچھ گھبراہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔“

”زادیا کو جگاؤں؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں میں ٹھیک ہوں تم سو جاؤ پلیز۔“ ان کے لہجے میں قطعیت تھی۔

سارا بیگم نے سر جھکا لیا۔

”ٹھیک ہے کچھ دنوں سے میں آپ کو کچھ بتانا چاہ رہی تھی۔“  
”کیا؟“

ان کے کمزور سے لہجے پر وہ فوراً ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ سارا بیگم نے ذرا سارخ پھیر لیا جیسے وہ الجھن کا شکار ہوں کہ کیا بتائیں اور کیا چھپائیں؟ تب ہی صمد صاحب ان کے قریب آ کر بیٹھے تھے۔  
”کیا بتانا چاہتی ہو؟ کیا زادیا کے متعلق؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ زادیا کے بارے میں نہیں پرہیان کے بارے میں۔“

”پرہیان کے بارے میں؟..... کیا؟“

وہ جیسے حیران ہوئے تھے۔ سارا بیگم کا سر مزید جھک گیا۔ وہ بولیں تو ان کا لہجہ بہت مدہم تھا۔

”پرہیان کو پتہ چل گیا ہے کہ وہ آپ کی حقیقی بیٹی نہیں ہے۔“

”وہاں۔۔۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو؟“

”سچ کہہ رہی ہوں ابھی کچھ روز پہلے گھر واپسی پر وہ بہت دکھی تھی بہت رورہی تھی بہت مشکل سے اس نے مجھے بتایا کہ وہ اپنی حقیقت جان گئی ہے۔“

”کیا مطلب؟ کیا اسے پتہ لگ گیا ہے کہ وہ.....؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ اسے صرف یہی پتہ لگا ہے کہ وہ آپ کی بیٹی نہیں ہے۔“

”او میرے خدا میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں کبھی یہ سچ اس کے سامنے آ سکتا ہے۔“

وہ یقیناً بہت دکھی ہوئے تھے تبھی انہوں نے اپنی آنکھیں ضبط کی شدت سے میچ لی تھیں۔ سارا بیگم لب کاٹ کر رہ گئیں۔

”میں نے بھی کبھی نہیں چاہا تھا کہ اسے اس حقیقت کا پتہ لگے وہ خود کو آپ کے حوالے سے معتبر سمجھتی ہے مگر..... زندگی میں ہمیشہ صرف وہی تو نہیں ہوتا جو آپ چاہتے ہیں۔“

”ہوں..... مگر وہ یہ سب کیسے جان سکتی ہے اس حقیقت کا تو ہم دونوں کے سوا صرف مریدہ کو پتہ تھا۔“



”جی..... یقیناً اسی کے گھر سے یہ حقیقت اس کے علم میں آئی ہے اصل میں ساوین اور درمکنون یونیورسٹی فیلورہ جکے ہیں درمکنون کی ساری زندگی ساوین کے سامنے ہے دوست ہونے کے ناطے شاید وہ اپنی ذاتیات بھی اس کے ساتھ شیئر کرتی رہی ہے اسی لئے جب ساوین پر ہیان کو اس سے ملوانے کے لیے اس کے گھر لے کر گیا تو پر ہیان وہاں آپ کی تصویر دیکھ کر شاکڈ رہ گئی تب اس کے استفسار پر ساوین نے اسے بتایا کہ وہ تصویر درمکنون کے پاپا کی ہے جنہیں وہ ٹوٹ کر پیار کرتی ہے جب پر ہیان نے اسے بتایا کہ وہ تصویر تو اس کے پاپا کی ہے تب ساری کہانی کھلی۔“

”تم کہنا چاہتی ہو کہ پر ہیان مریدہ اور درمکنون سے مل چکی ہے؟“  
صمد صاحب کے مضطرب لہجے پر سارا بیگم نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا تھا۔  
”نہیں، مریدہ سے نہیں، مگر درمکنون سے ضرور ملی ہوگی، کیونکہ اس کے بقول ساوین اسے درمکنون سے ملوانے ہی وہاں لے کر گیا تھا جہاں وہ چند سال قبل مریدہ کے ساتھ رہتی تھی اب وہ گھر لا کڈ رہتا ہے، کبھی کبھی ہی درمکنون وہاں آتی ہے۔“

”اوہ..... میں جانتا ہوں میری سزا اتنی جلدی ختم ہونے والی نہیں ہے۔“

اس بار وہ جیسے رو پڑے تھے۔  
سارا بیگم ایک تھکی تھکی سی نگاہ ان کے شکستہ سراپے پر ڈالتے ہوئے بیڈ سے اتر آئیں صمد صاحب کے ساتھ ساتھ اس بار وہ خود بھی بہت شکستہ تھیں۔

❖ ❖ ..... ❖ ❖ ..... ❖ ❖

ابھی وقت ہے ابھی سانس ہے ابھی لوٹ آ میرے گمشدہ مجھے ناز ہے بڑے ضبط کا مجھے خوں رلا میرے گمشدہ یہ نہیں کہ تیرے فراق میں میں اجڑ گیا یا بکھر گیا ہاں محبتوں پہ جو مان تھا وہ نہیں رہا میرے گمشدہ مجھے علم ہے کہ تو چاند ہے کسی اور کا مگر ایک پل میرے آسمان حیات پر ذرا جگمگا میرے گمشدہ تیرے التفات کی بارشیں جو میری نہیں تو بتا مجھے تیرے دشت چاہ میں کس لیے میرا دل جلا میرے گمشدہ گھنے جنگلوں میں گری ہوں میں بڑا گھب اندھیرا ہے چار سو کوئی ایک چراغ تو جل اٹھے ذرا مسکرا میرے گمشدہ

مریر رحمان کی تصویر اسٹڈی ٹیبل پر ان کی نگاہوں کے بالکل سامنے تھی اور وہ جیسے کسی مجرم کی طرح اس تصویر کے بالکل سامنے کرسی پر بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے۔

اس وقت وہاں کمرے میں کوئی بھی ان کے آنسوؤں کے ستاروں کو شمار کرنے والا نہیں تھا۔ دن بھر دنیا کے گورکھ دھندوں میں مصروف رہنے کے باوجود شب کے اس پہر وہ اپنے دل کی بے بسی پر قابو نہیں رکھ سکے تھے۔  
انہیں یاد تھا شادی کے ابتدائی دنوں میں مریر رحمان انہیں پا کر کس قدر خوش تھی۔

اس کی زندگی میں صمد حسن جیسا ہم سفر کیا آیا وہ گویا اس رہنما ہی بھول گئی ہر لمحہ ہر پل صمد حسن کی بے تحاشا محبت نے اسے کسی رنگین تہلی کی مانند محبت کے آسمان پر اڑنا سکھا دیا تھا۔

آنچل ❖ اگست ❖ ۲۰۱۵ء 219



کرنل شیر علی خان اسے خوش دیکھ کر خود بھی بے حد خوش اور مطمئن تھے۔

صمید ان دنوں اپنی فیکٹری کے لیے بے حد سرگرم تھا، اکثر صبح ناشتہ کیے بغیر گھر سے نکل جاتا اور پھر رات گئے بہت لیٹ گھر واپسی کی راہ لیتا، تب تک مریرا اس کے انتظار کی شدت سے ہار مان کر نیند کی بانہوں میں جھول جاتی۔ صبح جب وہ اٹھتا تو وہ اس سے خفا ہوتی مگر وہ اپنے پیار کی جانی کا استعمال کر کے اسے منالیتا، جب تک وہ نہ مانتی وہ آفس سے لیٹ ہوتا رہتا، تنگ آ کر اسے معافی دینی ہی پڑتی تھی، چھٹی والے دن اس کا ایک ایک لمحہ مریرا اور کرنل صاحب کی امانت ہوتا تھا، خود مریرا بھی اس دن اس کی خوشی کا خاص خیال رکھتے ہوئے اس کے لیے مزے مزے کے پکوان بناتی، اس کی پسند کا ڈریس پہنتی اور خوب آگے پیچھے پھرتی۔

ان دنوں وقت جیسے سنہری ریت کی طرح تھا، جس پر حالات کے سورج کی کرنیں پوری آب و تاب کے ساتھ پڑتی، ہر ہر لمحے کو جگمگا رہی تھیں بالکل ریت کے سنہری زروں کی طرح۔ اس روز صبح مریرا کی آنکھ کھلی تو وہ سوئے ہوئے صمید کی بانہوں کے حلقے میں جکڑی ہوئی تھی۔ رات جانے کب وہ گھر واپس آیا تھا، اس کا دل چاہہ وہ اسے جگا کر خوب جھگڑا کرے مگر پھر کچھ سوچ کر چپ چاپ پڑی رہی۔ صمید حسن سے اس کی شادی کو ایک سال مکمل ہو گیا تھا۔

اس روز ان کی شادی کی سالگرہ تھی، مگر..... صمید کو یاد نہیں تھا۔ دو سے چار اور چار سے آٹھ کی خواہش نے اسے جیسے ہر چیز بھلا دی تھی۔ تب ہی کچھ دیر چپ چاپ پڑے رہنے کے بعد وہ اٹھی اور معمول کی مانند روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

صمید جس وقت فریش ہو کر کمرے سے باہر آیا وہ کرنل صاحب کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ اس کے چہرے پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ آج پھر اسے بخشنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ تب ہی مسکراتے ہوئے وہ جان بوجھ کر اس سے چپک کر بیٹھ گیا تھا۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام! کیسے ہو صمید؟“

اس کے سلام کا جواب صرف کرنل صاحب کی طرف سے آیا تھا، وہ مسکرا دیا۔

”بالکل ٹھیک بابا جان آپ سنائیں صبح صبح لوگ کیا چغلیاں کھا رہے ہیں آپ سے ہماری۔“

”ہا ہا ہا..... لوگوں کو اتنا تنگ بھی کیوں کرتے ہو کہ وہ چغلیاں کھانے پر مجبور ہو جائیں۔“

”مجبوری ہے بابا جان، جان بوجھ کر تو نہیں کرتا ناں؟“

”بس رہنے دیں دنیا میں باقی سارے مرد تو جیسے جھک مار رہے ہیں ناں، ایک بس آپ ہی بزنس کر رہے ہیں۔“

اس کی وضاحت بروہہ تھی۔ صمید پھر مسکرا دیا۔

”کہہ سکتی ہو، کیونکہ تمہیں کچھ بھی کہنے کا مکمل اختیار ہے۔“

”بات مت کریں مجھے، کیونکہ میں اس وقت آپ کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔“

اگلے ہی لمبے شدید جذباتی انداز میں کہتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

صمید کی مسکراہٹ ہل میں مٹ گئی۔

”مریرا۔“

اس نے اسے پکارا تھا مگر وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ تب ہی کرنل صاحب نے کہا تھا۔

آنجل \* اگست ۲۰۱۵ء 220



”اس کی بات کا برا مت منانا صمید، وہ بہت جذباتی ہے اور شاید تم سے پیار بھی بہت کرتی ہے اسی لیے اس سے تمہاری مصروفیت برداشت نہیں ہو رہی، پھر آج تم دونوں کی شادی کی سالگرہ بھی ہے خیال رکھا کرو تھوڑا سا بیٹے یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہی زندگی کا حسن ہوتی ہیں۔“

”جانتا ہوں بابا، اسے سمجھتا بھی ہوں مگر کیا کروں آپ تو جانتے ہیں کسی نئی زمین پر پیر جمانا کتنا مشکل ہوتا ہے ہزار لوگوں سے ملنا پڑتا ہے ہزار تدبیریں کرنی پڑتی ہیں پھر بھی میں کوشش کروں گا اپنی مصروفیات میں کمی لانے کی۔“

”شاباش..... چلو اب جا کر آسو پونچھو اس کے یقیناً وہ رو رہی ہوگی۔“

”جی۔“

کرنل صاحب کی محبت پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ خود بھی وہاں سے اٹھ آیا تھا۔  
مریرا بیڈروم میں بھی اور اس نے اپنی کالج کی چوڑیوں سمیت وہ سارے تحائف جو صمید نے اسے وقتاً فوقتاً مختلف مواقعوں پر دیئے تھے توڑ پھوڑ دیئے تھے اور اب ان ٹوٹے ہوئے تحائف کے پاس بیٹھی وہ واقعی رو رہی تھی اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

”مریرا۔“ بے تابی سے اسے پکارتے ہوئے وہ اس کے مقابل آ بیٹھا تھا تاہم مریرا نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

”مرگئی مریرا، خبردار جواب محبت کے نام پر مزید کوئی اور جھوٹ بولا آپ نے۔“  
صمید کے دل پر اس کے الفاظ سے جیسے گھونسا سا پڑا تھا مگر اس نے پھر سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔  
”میری مریرا کیوں مرے مرے اس کے دشمن، تم بتاؤ اب تک کون سا جھوٹ بولا ہے میں نے؟“

”سچ کون سا بولا ہے؟“

”تڑخ کر پوچھتے ہوئے اس نے بھیگی پلکیں اٹھائی تھیں صمید تڑپ کر رہ گیا۔

”کچھ اور سچ ہونہ ہو مگر یہ سچ ہے مریرا کہ تم میں میری جان ہے۔“

”بس کرو پلیز بہت بلیک میل کر لیا آپ نے ایسے الفاظ سے مجھے اب اور نہیں۔“

وہ بیزار تھی۔ صمید شدید تکلیف میں ہونے کے باوجود ہنس پڑا۔

”بلیک میل؟ کیا بلیک میل کیا ہے میں نے تمہیں؟“

”پتہ نہیں، تم جاؤ پلیز یہاں سے میرے سر میں پہلے ہی بہت درد ہو رہا ہے۔“

”اچھا چلا جاؤں گا، پہلے مبارکباد تو وصول کر لو شادی کی پہلی سالگرہ پر۔“

وہ ہاتھ چھڑا رہی تھی اور صمید اتنی ہی شدت سے ان ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لیے دبا رہا تھا۔  
”مجھے نہیں کرنی۔“

”نہ سہی، مگر میں تو پھر بھی وش کروں گا۔ کیونکہ یہ میرا اخلاقی، دینی، معاشرتی اور معاشی فرض ہے۔“

خوشگوار لہجے میں کہتے ہی اس نے مریرا کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا وہ پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔

”میں جانتا ہوں تم اس وقت بہت غصے میں ہو میری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتیں، مگر پھر بھی میں تم سے پیار کرتا ہوں مریرا، اتنا کہ شاید تم کبھی تصور بھی نہ کر سکو اور جو آج کا دن ہے اس دن کے لیے میں نے ایک ایک لکھا لکھوں پر شمار کیا ہے اگر یقین نہ آئے تو میری دھڑکنوں سے پوچھ لو۔

مجھ میں بے لوث محبت کے سوا کچھ بھی نہیں

آنجل ✽ اگست ✽ ۲۰۱۵ء 221



تم جو چاہو میری سانسوں کی تلاشی لے لو۔  
وہی اس کا سب سے بڑا ہتھیار محبت..... اور وہی مقابل ایک عورت..... وہ پکھلنا نہیں چاہتی تھی مگر پکھل گئی تھی۔  
صمد اب اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو دیوانوں کی طرح چومنے کے بعد اسے بتا رہا تھا۔  
”یہ دیکھو کل رات پورا ڈیڑھ گھنٹہ مختلف شاہنگ ماٹرز اور جیولز کی شاپس کی خاک چھاننے کے بعد میں نے تمہارے لیے کتنا پیارا میکس خریدا ہے“ گلے میں پہنوں گی تو آئینہ بھی جگمگا اٹھے گا۔“  
اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں واقعی ایک خوبصورت نازک سائیکلس جگمگا رہا تھا۔  
مریہ کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

”واؤ یہ تو بہت خوبصورت اور قیمتی ہے۔“

”ہوں..... مگر تمہاری مسکراہٹ اور خوشی سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔“

”پھر بھی آپ کو اتنا قیمتی گفٹ نہیں خریدا چاہیے تھا ابھی تو آپ نے کام شروع کیا ہے آپ کو زیادہ پیسوں کی ضرورت ہے۔“

”نہیں..... مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے مریہ تمہاری محبت اور تمہاری خوشی کی..... بس.....“ وہ سر تا پیر محبت کا عکس بنا تھا مریہ نے آہستگی سے سر جھکا لیا۔

”مجھے لگا آپ کو آج کا دن یاد نہیں رہا۔“

”جانتا ہوں اسی لیے اتنے قیمتی موتی لٹائے ہیں تم نے۔“

وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا مریہ بھیگی پلکوں سمیت مسکرا کر اس کا گال چوم گئی۔

”سوری..... مگر میں نے تو آپ کے لیے کچھ بھی نہیں خریدا۔“

”کوئی بات نہیں تم سے اپنی پسند کا گفٹ میں خود ہی وصول کر لوں گا۔“

اگلے ہی پل اس کی آنکھوں میں شرارت چمکی تھی۔ مریہ کے چہرے پر سرخی بکھر گئی۔ فوراً اس کی گرفت سے نکلتے ہوئے اس نے فرار چاہا تھا مگر اس لمحے اس کے لیے محبت کے خوبصورت درمکین پنجرے سے رہائی ممکن نہیں تھی۔

❖ ❖ ❖ ..... ❖ ❖ ❖

”صمد.....“

اسی روز رات میں وہ کرنل صاحب کے پاس سے اٹھ کر بیڈ پر آیا تھا جب مریہ اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلی آئی۔ وہ ٹیلی ویژن آن کرتے کرتے رک گیا۔

”ہوں۔“

”مجھے کچھ بات کرنی تھی آپ سے۔“

”اس وقت؟“

”جی ہاں۔“ وہ کچھ سنجیدہ سی تھی۔ صمد نے ریموٹ سائیڈ پر رکھ دیا۔

”کہو۔“ اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل بیٹھاتے ہوئے وہ خود بھی اٹھ بیٹھا۔ مریہ نے ایک پل کچھ سوچنے کے بعد اپنے گلے سے وہ میکس اتار لیا جو اسے صبح ہی صمد نے خود اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔

”یہ لیں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

اگلے ہی پل وہ میکس صمد کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے اس نے سر جھکا لیا تھا۔

آنچل ❖ اگست ❖ ۲۰۱۵ء 222



آپ کی ہمس جولی آپ کی ہسلی

[ لپٹ کی جانب سے ہسنوں کیلئے ایک اور انچل ]

ماہنامہ  
حاجی  
بہت جلد آپ کے  
ہاتھوں میں ہوگا

ماں، بیٹی، بہن، بہو کی یکساں پسند

بہنوں کے بے حد اصرار پر ان کے اپنے ماہنامہ آچل کا ایک اور رخ  
وہ سب کچھ جو بہنوں کو اپنے پن کا احساس دے  
دل کو چھو لینے والی کہانیاں روح میں اتر جانے والی تحریروں  
سے آراستہ آپ کا اپنا ماہنامہ

ماہنامہ آچل  
شیرید چھوڑ کر عید اللہ ہمارے ساتھ گھر لپچی



”اپنی شادی کی پہلی سالگرہ پر مجھے آپ سے بہت قیمتی گفٹ چاہیے صمد اور میں تو قلع رھتی ہوں کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔“

اس کا انداز ایسا تھا کہ صمد کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

”مریرا۔۔۔“

”صمد پلیز۔۔۔ میں اس وقت کوئی وضاحت کوئی نصیحت سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ بہت کچھ پا کر بھی مجھے لگتا ہے جیسے میرا دامن خالی ہے میں ادھوری ہوں پلیز صمد میرے صبر کا اور امتحان مت لیں پلیز۔“

صمد کا ہاتھ تھام کر اس کی گود میں سر رکھتے ہوئے وہ رو پڑی تھی۔ وہ شا کڈرہ گیا۔ مریرا حُسن اتنی جلدی اس سے کوئی ایسا مطالبہ بھی کر سکتی ہے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ تب ہی وہ برہم ہوا تھا۔

”یہ چیٹنگ ہے مریرا شادی کی پہلی رات ہی میں نے تم پر واضح کر دیا تھا کہ کم از کم اگلے پانچ سال تک میں تمہیں یہ خوشی نہیں دے سکوں گا تم چاہو تو ساتھ چلو چاہو تو ساتھ چھوڑ دو پھر اب ایک دم سے یہ مطالبہ کیوں؟“

”مجھے نہیں پتہ میں کچھ نہیں جانتی میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میری ذات ادھوری ہے جس چیز میں اللہ رب العزت کی طرف سے عورت کی تکمیل رکھی گئی ہے میں اس سے منہ نہیں موڑ سکتی خدا کا واسطہ ہے آپ کو صمد اپنے سارے خوف بالائے طاق رکھ کر مجھے تکمیل بخش دیں مجھے اولاد کی خوشی دے دیں پلیز۔“

وہ جانتی تھی کہ اگر صمد کی محبت اس کا ہتھیار ہے تو اس کے آئسو بھی اس کا ہتھیار ہیں جن کی ضرب ہمیشہ صمد کے دل پر کاری لگتی تھی۔ اسی لیے اس نے اس وقت اسی ہتھیار سے کام لیا تھا۔ مگر وہ بدک اٹھا۔

”سوری اگر تم مجھے چھوڑنا چاہتی ہو تو چھوڑ دو مگر میں ایسا نہیں کر سکتا کم از کم اگلے پانچ سال تک تو بالکل نہیں۔ اور بہتر ہوگا اگر آج کے بعد تم اس ٹائیک بر مجھ سے کوئی بات نہ کرو۔“

خاصے ترش لہجے میں اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ کمرے میں ٹھہرا نہیں تھا۔

مریرا آنسوؤں سے بھری بے یقین نگاہوں سے کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆.....

اگلی صبح اس کے اٹھنے سے پہلے ہی وہ آفس کے لیے نکل گیا تھا۔

مریرا بہت دھبی سی کمرے سے نکل آئی۔ پتہ نہیں رات صمد کہاں سویا تھا۔ وہ ساری رات جاگ کر اس کی کمرے میں واپسی کا انتظار کرتی رہی تھی۔

دل عجیب بے چین سا تھا پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہو کر ناناشتہ کیے آفس چلا گیا تھا وگرنہ جتنی بھی خفگی ہوتی مریرا اسے خالی پیٹ گھر سے باہر نہیں جانے دیتی تھی۔

اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی فرمائش پر اتنا شدید ری ایکٹ کرے گا۔

کچھ ایسی غلط فرمائش تو نہیں کی تھی اس نے۔

ماں بننا اس کا حق تھا اور وہ اپنا یہ حق صمد کے بیکار کے خدشات پر قربان نہیں کر سکتی تھی اس کے دماغ پر جیسے یہی بھوٹ سوار ہو چکا تھا۔

دن میں دس بار وہ بریرہ کے بچے کے لیے اپنے ہاتھوں سے بے ہوئے ننھے منے سے کپڑے نکالتی اور چوم کر رکھ دیتی۔

اس کے ہمسائے میں ایک نئی فیملی آئی ہوئی تھی جن کے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو سارا دن کبھی اپنی ماں کے



ساتھ تو کبھی تنہا اپنے گھر کے لان میں کھیلتے رہتے تھے مریرا فرصت کے لمحات میں درہنگ میسر پر کھڑی انہیں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہتی تھی۔ اگلے چند روز میں وہ بچے اپنی ماں کے ساتھ اس کے گھر بھی آنے لگے تھے۔ تب ہی اس کے اندر کی مستانگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی مگر صمد کو اس کے معصوم احساسات کی پرواہی کہاں تھی؟ وہ تو اپنے ہی خدشات کے خوف میں جکڑا ہوا تھا۔

اس کے دماغ میں یہ بات جڑ پکڑ کر بیٹھ چکی تھی کہ اگر مریرا نے کسی بچے کو جنم دیا تو وہ جان سے چلی جائے گی اور..... صمد حسن کے لیے یہ تصور ہی بہت خوفناک تھا۔  
مریرا حین کے بغیر اس کی زندگی قطعی بے معنی تھی۔  
یہی وجہ تھی کہ دونوں اپنی اپنی الجھن میں گرفتار ایک دوسرے سے مکمل کنارہ کشی کیے ہوئے تھے۔

.....☆☆☆.....

اس رات وہ گھر واپس آیا تو مریرا بخار کی لپیٹ میں تھی۔

رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی، پچھلے دو دن سے دونوں کے درمیان بات چیت بند تھی مگر دونوں ہی اپنی ضد چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

اب بھی خود کھانا نکال کر گرم کرنے کے بعد وہ وہیں کچن میں بیٹھ گیا تھا۔

کرنل صاحب تک ابھی ان کی جنگ کی خبر نہیں پہنچی تھی اگر نہ یقیناً یہ جھگڑا اب تک ختم ہو چکا ہوتا۔

کھانا کھا کر وہ کمرے میں واپس آیا تو مریرا کبل میں ہونے کے باوجود ہولے ہولے کپکپا رہی تھی۔ صمد نے بیرونی ونڈو کے پٹ بند کر دیئے۔ یہ بھی شکر تھا کہ اس سے روٹھ کر مریرا نے کمر انہیں چھوڑا تھا ورنہ وہ تو نیند کو ہی ترس کر رہ جاتا۔

مریرا کے بغیر اس بستر پر اسے نیند ہی نہیں آتی تھی۔ اس وقت بھی کبل میں کھس کر دائیں بازو پر سر ٹکاتے ہوئے اس نے پہلو کے بل مریرا کی جانب رخ کیا تھا مگر وہ اس کی طرف پیٹھ کیے سو رہی تھی تب ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو سہلایا تھا لیکن مریرا کی طرف سے کوئی رسپانس نہیں دیا گیا۔

وہ تھوڑی دیر چپ چاپ لیٹا رہا ایک مرتبہ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا رخ اپنی طرف پھیر لیا۔

”مریرا۔“ اگلے ہی پل وہ اس کے چہرے پر جھک گیا تھا۔ مریرا نے آنکھیں کھول دیں۔

ہلکے ہلکے بخار کے سبب اس کی آنکھیں خوب سرخ ہو رہی تھیں۔

صمد کا دل بے ایمان ہونے لگا۔

”نیند نہیں آ رہی ناں؟“

”آ رہی ہے۔“

وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز برت رہی تھی۔

صمد مسکرا دیا۔

”جھوٹ کب سے بولنا سیکھ لیا ہے تم نے؟“

”میں کوئی جھوٹ نہیں بول رہی پلیز سونے دیں مجھے۔“

”اتنی ناراضگی کہ میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں۔“

اب وہ گلہ کر رہا تھا۔



مریہ کا دل دھڑک اٹھا۔

”میری کوئی ناراضگی نہیں ہے آپ سے۔“

”اچھا..... ناراضگی نہیں ہے تو پھر بات چیت کیوں بند کی ہوئی ہے، تمہیں تو میرے بازو پر سر رکھے بغیر نیند نہیں آتی تھی اب کیسے آرام سے سو جاتی ہو؟“

وہ جلا ہوا تھا، مریہ کو ہنسی آ گئی۔

”لوگ صحیح کہتے ہیں، واقعی لڑکیاں شادی کے بعد بدل جاتی ہیں، کہاں تو شادی سے پہلے میری ایک لمحے کی نظر اندازی برداشت نہیں ہوتی تھی اور اب تین دن ہو گئے ہیں کوئی پرواہی نہیں۔“

وہ صحیح دہائی دے رہا تھا۔

مریہ نے اس کے بازو پر سر رکھ لیا۔

”پرواہے، مگر میں آپ سے ناراض ہوں۔“

”ناراض تو میں بھی ہوں۔“

”کیوں؟ آپ کیوں ناراض ہیں؟“

”تمہیں میری محبت کی قدر جو نہیں۔“

”آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مجھے آپ کی محبت کی قدر نہیں۔“

”ابھی ابھی کہنے کی ضرورت ہے؟“

اب وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

مریہ نے فوراً پلکیں جھکا لیں۔

”آپ اپنی ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟“

”تم کیوں نہیں چھوڑ دیتیں اپنی ضد؟“

”یہ ضد نہیں ہے، ناں بنا میرا حق ہے۔“

”اور اپنے شوہر کی خوشی کا خیال رکھنا تمہارا فرض۔“

”تو کیا شوہر کا کوئی فرض نہیں ہے، میں بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی، صمد پلینز۔“

اگلے ہی پل وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے سیاہ سلکی بال جیسے کالی گھٹاؤں کی مانند اس کی پشت پر بکھرے صمد کا دل بے قرار کر گئے تھے۔

”ہوں بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتیں، مگر میرے بغیر رہ سکتی ہو، ناں؟“ وہ بھی اٹھ بیٹھا تھا۔

مریہ نے اپنا سر تھام لیا۔

”ایسی فضول بات مت کریں صمد پلینز..... آپ جانتے ہیں میں آپ کے بغیر ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔“

”اگر یہ سچ ہے تو پھر اپنی فضول ضد چھوڑ دو، خدا کا واسطہ ہے تمہیں۔“

”کبھی نہیں..... وہ مجھے صرف میرے بچے نہیں ہوں گے آپ کا بھی کوئی تعلق ہوگا ان سے۔“

”مجھے کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھنا سوائے تمہارے۔“

”تو ٹھیک ہے پھر سوچائیں چپ چاپ میں فی الحال آپ سے کسی اور موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“

صمد کے حتمی لہجے پر خفگی سے کہتے ہوئے اس نے اپنا تکیہ اٹھایا اور صوفے پر آ گئی۔



مصمید اس کی اس حرکت پر کتنی ہی دیر دل ہی دل میں کڑھتا ہلا آخرو گویا تھا۔  
اگلی صبح وہ فریش ہو کر کمرے سے باہر آیا تو مریرا بخار کے باوجود کچن میں کام کر رہی تھی۔ وہ سرسری سی ایک نظر اس پر ڈالنے کے بعد کرنل صاحب کے قریب آ بیٹھا جو ناشتے کی میز پر صبح کے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے مصمید کے قریب بیٹھنے پر انہوں نے اخبار ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔  
”السلام علیکم؟“

”وعلیکم السلام کیسے ہو مصمید؟ آج کل بہت لیٹا نے لگے ہو۔“

”سوری بابا مجھے بہت شرمندگی ہے کہ چاہنے کے باوجود میں اپنا وعدہ وفا نہیں کر پا رہا اصل میں میرے جو پارٹنر ہیں وہ اپنے آبائی گاؤں میں ایک پروجیکٹ شروع کر رہے ہیں تو فیکٹری کا سارا کام مجھے غریب پتا پڑا ہے آپ دعا کریں ان شاء اللہ جلد سب کچھ معمول پتا جائے گا۔“  
”ان شاء اللہ کل سکندر کا فون آیا تھا پاکستان آنا چاہ رہا ہے۔“

”اوہ گڈ یہ تو اچھی بات ہے آپ نے کیا کہا پھر؟“  
”کیا کہہ سکتا تھا ایک بوڑھا باپ جس کی بیٹی اس کی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر رہی ہو اور اس کا اتنا سا بس نہ چلے کہ وہ اس بیٹی کے دعا باز شوہر کو دیار غیر سے بلا کر اس کے جنازے کو کندھا ہی دلو اسکے اس باپ کو کیا کہنا چاہیے تھا تمہاری نظر میں؟“

”میں آپ کا درد سمجھ سکتا ہوں بابا مگر گزرے ہوئے برے لمحات کو بھول جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔“  
”تم بھول سکتے ہو مصمید مگر وہ باپ نہیں بھول سکتا جس نے خود اپنے بوڑھے ہاتھوں سے اپنی بے قصور جوان بیٹی کو مٹی کے سپرد کیا ہو۔“

اس باران کی آنکھیں بھرا آئی تھیں۔

مصمید نے رخ پھیر لیا۔

”میں نے اسے کہہ دیا ہے جب تک میں زندہ ہوں تب تک وہ بھول کر بھی مجھے اپنی شکل نہ دکھائے ورنہ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔“

”یہ ایک مشکل فیصلہ ہوگا بابا میرا خیال ہے آپ کو ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔“

”نہیں..... مشکل فیصلہ وہ تھا جب صرف برہہ کی پسند کی وجہ سے بنا سکندر سے کھل کر بات کہنے میں نے اپنی پھول جیسی بچی کا نکاح اس جیسے قطعی غیر ذمے دار شخص کے ساتھ کر دیا تھا اب تو سارے فیصلے ہی آسان ہو گئے ہیں میرے خیال سے دنیا کا کوئی باپ اپنی معصوم اولاد کے قاتل کو معاف نہیں کر سکتا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر قاتل بھی تو آپ کا اپنا بیٹا ہے بابا۔“

”کبھی تھا اب نہیں ہے اور بہتر ہوگا مصمید اگر آج کے بعد ہم کبھی اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں۔“

وہ سمجھ سکتا تھا کہ برہہ کی موت کے بعد کرنل صاحب جیسے ٹوٹ کر رہ گئے تھے محض پچاس سال کی عمر میں وہ صدیوں کے بوڑھے نظر آنے لگے تھے۔

”بھئی اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔“

”ٹھیک ہے بابا میرے لیے آپ کی خوشی سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔“

”شباباش..... جیتے رہو۔“



مریرا چائے لائی تھی۔  
 صمید نے اسے تنگ کرنے کے لیے ناشتے سے صاف معذرت کر لی۔  
 ”میں اب چلتا ہوں بابا، ناشتا آفس جا کر ہی کروں گا۔“  
 ”نہیں، ابھی بیٹھو مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔“  
 وہ آج اسے بخشنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ ناچار اسے بیٹھنا پڑا۔  
 ”جی حکم کریں، کیا بات ہے؟“  
 ”ناشتہ کرو پہلے۔“

وہ اس کی شرارت جان گئے تھے۔ صمید چپ چاپ کپ اٹھا گیا، تب ہی وہ بولے تھے۔  
 ”میں کچھ دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں، مریرا بہت اداس ہے شاید وہ بریرہ کی کمی محسوس کرتی ہے ایسے میں تمہارے پاس بھی اسے دینے کے لیے زیادہ وقت نہیں ہے۔“ اصل بات سے پہلے انہوں نے تمہید باندھی تھی۔  
 وہ چپ چاپ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے انہیں سنتا رہا۔  
 ”میرا ایک دوست ہے، اظہار..... گاؤں میں، ہم دونوں کے گھر ایک دوسرے سے بہت قریب تھے، بعد میں  
 میں فوج میں چلا گیا اور وہ نمبر دار بن گیا، مگر ہمارا تعلق نہیں ٹوٹا، وہ شہر بہت کم آتا ہے، مگر میں جب بھی گاؤں جاتا  
 ہوں، دو تین دن سے پہلے واپس نہیں آنے دیتا، بریرہ اور مریرا کو بالکل اپنی سگی بیٹیوں کی طرح سمجھتا ہے، جن  
 دنوں بریرہ کی موت ہوئی وہ ہسپتال میں بیمار پڑا تھا، اب اس کی بیٹی اور بیٹی کی شادی ہے، بہت اصرار سے شادی  
 میں شرکت کی دعوت بھیجی ہے اس نے، میری خواہش ہے تم مریرا کو لے کر اس شادی میں جاؤ، تاکہ اس کا دل بھی  
 بہل جائے اور اظہار بھی خوش ہو جائے۔“

”ٹھیک ہے بابا، میں لے جاؤں گا، مگر آپ بھی تو چلیں۔“

”مجھے ہنڈی کچھ کام ہے، میں بعد میں آ جاؤں گا۔“

وہ پورا پروگرام ترتیب دے بیٹھے تھے۔

صمید نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

”ٹھیک ہے جیسے آپ بہتر سمجھیں، مریرا سے بات کر لی آپ نے؟“

”ہوں، وہ تیاری کر لے گی، کل صبح نکل جانا تم لوگ۔“

”ٹھیک ہے اب جاؤں آفس؟“

”ہوں جاؤ۔“

لبوں پر مسکراہٹ پھیلانے کرنل صاحب نے اسے اجازت دی تھی۔

وہ مسکرا کر ان سے گلے ملتے ہوئے آفس کے لیے نکل گیا۔

❖ ❖ ..... ❖ ❖

شام ڈھلنے کو تھی۔

وہ دونوں گاؤں پہنچے تو تھکن سے دونوں کا برا حال تھا۔

سورج اپنی تمام تر تمازت سمیت دھیرے دھیرے افق کے اس پار غروب ہوتا جا رہا تھا۔ مریرا نے دیکھا، شام کی  
 تاریکی مدھم پڑتی روشنی تا حد نظر لہلہاتی فصلوں کو ایک عجب سا حسن بخش رہی تھی۔



گاؤں کے کچے پکے گھروں سے اٹھتے دھویں کے مرغولے اور کھیتوں سے اپنے گھروں کو لوٹتے مویشی اسے ایک عجیب سے احساس سے دوچار کر رہے تھے۔

بچپن سے ہی اسے گاؤں اور گاؤں کے لوگوں سے بہت محبت تھی۔ وہ کئی بار بچپن میں بریرہ کے ساتھ وہاں اس گاؤں میں آئی تھی اور جتنے دن اس کے یہاں گزرے انہیں وہ اپنی زندگی کے بہترین دنوں میں شمار کرتی تھی۔

اس وقت بھی ٹرین کے لمبے سفر کے بعد صمد کی ہر اہی میں جیسے ہی وہ تانگے پر گاؤں کی کچی حدود میں داخل ہوئی اس کا دل عجیب سی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔ ہوا کے سنگ آئی کھیتوں کی خوشبو اسے اپنے اندر تک اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

کتنی خوب صورت تھی گاؤں کی زندگی۔

پرسکون، پر کیف، پر لطف.....!

وہ ایک ایک منظر کو بغور دیکھتی ماحول میں کچھ ایسی کھوئی کہ ساتھ بیٹھے صمد کی پریش نگاہوں کا احساس بھی نہ ہوسکا۔ چونکی تو اس وقت جب تانگہ چھوٹی حویلی کے سامنے ایک دم سے رک گیا۔

پچھلے دس سالوں میں وہاں اس گاؤں میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہو گئی تھیں مگر چھوٹی حویلی کے در و دیوار پر کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی وہ اب بھی ویسی ہی تھی جیسی مریرا کے بچپن میں ہوا کرتی تھی۔ مریرا حسرت بھری پرشوق نگاہوں سے حویلی کے بیرونی حصے کو دیکھتی تانگے سے اتر آئی۔

صمد نے کرایہ ادا کرنے کے بعد بھاری بیگ اپنی تحویل میں لے لیا۔

وہ دونوں حویلی میں داخل ہوئے تو جیسے وہاں عید کا سماں پاپا ہو گیا۔

اظہار صاحب ان کی بیگم بہوؤں اور ان کے بچے سب مریرا اور صمد کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے تھے۔ صمد ان لوگوں کا پیار دیکھ کر حیران رہ گیا۔

ابھی انہیں وہاں بیٹھے دو منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ خالص دودھ سے بنی چائے باقر خاناں اور نمکوا گنی صمد کا تھکن سے برا حال تھا لہذا چائے پینے کے بعد وہ تو سونے چلا گیا تاہم مریرا تھکن کے باوجود وہیں بیٹھی انہیں اپنے حالات کے بارے میں بتاتی رہی۔

بارہ گھروں پر مشتمل چھوٹی حویلی بے حد پرانی ہو کر بھی اس وقت انوکھی چھپ دکھا رہی تھی۔ تبھی چودھرائی نے اسے بتایا تھا۔

”بریرہ کی ناگہانی موت کا سن کر بڑا دکھ ہوا تھا بچے مگر چودھری صاحب ان دنوں ہسپتال میں بستر پر پڑے تھے اس لیے چاہ کر بھی میں اور چودھری صاحب تمہارا اور بھائی جی کا دکھ بانٹنے نہیں آسکے پر اللہ جانتا ہے مجھے اور چودھری صاحب کو اس انہونی خبر سے بڑا دکھ پہنچا تھا کیسی پھول سی بچی تھی کتنی جلدی مٹی کی گود میں جاسوئی ابھی تک کلیجے میں ہول اٹھتے ہیں۔“

وہ رو رہی تھیں۔

مریرا کا زخم پھر سے تازہ ہو گیا اس کی آنکھیں ایک ہل میں آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔

”بھائی جی نے بہت زیادتی کی ہمارے ساتھ بریرہ تو چلو ان کے بیٹے کی منگ تھی مگر تمہارے لیے تو ایک بار ہم سے مشورہ کرتے اور اس کی قبر کی مٹی خشک ہوئی نہیں اور ادھر تمہارا نکاح بھی کر دیا وہ بھی ایک بالکل انجان لڑکے کے ساتھ کچھ تو سوچتے بھائی جی ہمیں ایک موقع تو دیتے بات کرنے کا سب کچھ بالائی بالا طے کر لیا جیسے ہمارا کوئی حق



اگلے ہی پل وہ اس سے گلہ کر رہی تھیں۔  
وہ بے اختیار نظریں چراگئی۔

تب ہی چوہدری صاحب نے ہنکارہ بھرا تھا۔

”جھڈ زلیخا جو ہو گیا سو ہو گیا، ہن پچی لوں پریشان نہ کر۔“

”نہیں چاچا، پریشانی کی کیا بات ہے جتنا پیارا آپ نے اور چاچی نے مجھے اور بریرہ کو دیا اس کے بعد غصہ گلہ کرنا آپ کا حق بننا ہے مگر بڑے ابو نے جو بھی کیا حالات سے مجبور ہو کر کیا بریرہ کی موت کے بعد حالات بہت گھمبیر ہو گئے تھے ایسے میں صرف میری خوشیوں کے لیے انہیں فوری طور پر وہ سب کرنا پڑا جو عام حالات میں شاید وہ کبھی نہ کرتے، پلیز آپ ان سے ناراض نہ ہوں وہ بہت شرمندہ ہیں۔“

”چلو ٹھیک ہے پتر..... جو سوہنے رب کی مرضی۔“

اس کی وضاحت پر اظہار صاحب نے ٹھنڈی سانس بھر کر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ دھرا تھا، مریرا سر جھکا کر رہ گئی۔

عین اسی لمحے کوئی باہر سے وہاں بڑے سے کشادہ محن میں آیا تھا۔  
”السلام علیکم؟“

آنے والے کی نظر مریرا پر نہیں پڑی تھی مگر مریرہ نے اسے دیکھ لیا تھا، تب ہی وہ فوراً چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔  
”عمر؟“

اس کی آنکھوں میں جتنی حیرانی تھی اتنی ہی چمک بھی تھی۔  
آنے والا بھی اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔  
”مریرا تم؟“

صرف ایک پل میں جیسے طوفان آ گیا تھا، اس کی آنکھوں میں بھی اور دل میں بھی، مگر مریرا کو اس طوفان کی خبر نہ ہو سکی۔

وہ اب بھی دلکشی سے مسکرا رہی تھی۔

”کیسے ہو نیم چڑھے کر لیے؟“

وہ بدلی نہیں تھی۔ اسے خود کو سنبھالنا پڑا۔

”ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو؟“

”بے حد پیاری، ہمیشہ کی طرح۔“

وہ شوخ ہوئی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

”لگتا ہے ابھی تک خوش فہمیوں کا بخار چڑھتا ہے تمہیں، بہر حال کیسا آئیں؟“

وہ قریب آ یا تھا، چوہدرانی یاسیت سے اس کی طرف دیکھتی سر جھکا گئیں۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے تم ایروڈ سے کب آئے؟ چاچی بتا رہی تھیں تم باہر گئے ہوئے تھے پڑھنے کے لیے؟“

”ہوں ابھی ایک سال پہلے ہی گیا تھا، تم سناؤ خوش ہونا؟“



”ہوں بہت خوش۔“

”چلو شکر ہے اللہ کا، کسی بچارے کی قربانی تو قبول ہوئی۔“

لبی سانس بھرتے ہوئے وہ ہلکے سے مسکرایا تھا۔ مریرا اسے گھور کر رہ گئی۔ کتنے سالوں بعد ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور گزرے ہوئے ان سالوں میں دونوں ہی کتنے بدل کر رہ گئے تھے۔

”رات بہت ہو گئی ہے سو جاؤ اب باقی سب باتیں صبح ہوں گی۔“

اگلے ہی پل وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

مریرا اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

وہ کمرے میں آئی تو صمید گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آ کر

چپ چاپ لیٹ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں نیند نے اسے بھی ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا تھا۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو حویلی میں زندگی اپنے معمول پر تھی۔

حویلی کے مکین اور ملازمین ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے تاہم مریرا اور صمید کے ناشتے کے لیے ابھی بھی چولہے

میں آگ جل رہی تھی۔

حویلی کے بڑے سے کشادہ صحن میں چڑیوں کے غول کے غول اترے اپنے اپنے حصے کا رزق تلاش کر رہے تھے۔

صمید انج باتھ میں تھا وہ نیز حیاں اتر کر نیچے بڑے سے کشادہ صحن میں چلی آئی جہاں برگد کے درخت کے نیچے بڑے سے تخت پر چوہہ رانی بیٹھی مختلف ملازمین کو شادی کے کاموں کے سلسلے میں ہدایات دے رہی تھیں۔

”السلام علیکم؟“

”وعلیکم السلام! اٹھ گئیں پتر؟“

”جی چاچی۔“

”شاباش..... صمید پتر بھی اٹھ گیا کہ نہیں؟“

”اٹھ گئے ہیں باتھ لے رہے ہیں۔“

”چلو اچھی بات ہے نیند تو ٹھیک سے آگئی تھی ناں؟“

”جی چاچی نیند بھلا کیسے نہ آئی حویلی کی یہ اونچی دیواریں میرے لیے قطعی انجان نہیں ہیں۔“

”اچھا.....؟“

اس بار اس کے الفاظ پر عقب سے آواز آئی تھی۔ وہ مسکرا دی۔

”کوئی شک؟“

”شک تو ہو ہی جاتا ہے جب کوئی سالوں پلٹ کر پیچھے کی خبر نہ لے۔“

اگلے ہی پل وہ سامنے بیٹھا تھا وہ رخ پھیر گئی۔

”خبر تو تم نے بھی نہیں لی تم پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی شہر میں داخلے کے لیے۔“

”میں یہاں تھا ہی کب خیر چھوڑ دو چلو اٹھ کر ناشتہ بناؤ میرے لیے شاباش۔“

”میں.....؟“

مریرا کو حیرت ہوئی عمر نے لب بھینچ لیے۔

”ہوں تم..... کیوں یہاں کوئی اور مریرا بھی ہے۔“

آنچل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 232



□ اللہ سے نزدیک ہونے کے لیے اللہ کے بندوں سے نزدیک ہو جاؤ (جبران)

□ اس آدمی سے ہوشیار رہو جو یہ سمجھتا ہے کہ خدا صرف آسمان پر رہتا ہے (برنارڈ شاہ)

□ تمام علماء اور اساتذہ یہ بات سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں کہ وجود کیونکر ہوا اور یہ کیونکر برابر ہوتا چلا جا رہا ہے ہمیں ایسے خالق حقیقی کا اقرار کرنا ہی پڑتا ہے جو ہمیشہ اور ہر وقت موجود ہے (فلما ریاں)

□ سیکنڈ منٹوں میں منٹ گھنٹوں میں گھنٹے دنوں میں دن ہفتوں میں ہفتے مہینوں میں مہینے سالوں میں سال صدیوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔

□ سورج اور چاند نکل رہے ہیں ستارے جگمگ کر رہے ہیں زمین پر پودے اُگ رہے ہیں ہوا چل رہی ہے درختوں کے پتے اُبل رہے ہیں۔ پھول اور پھل نمودار ہو رہے ہیں شبنم گر رہی ہے سمندر میں پانی بہہ رہا ہے۔ کوڑا آتش فشاں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں یہ انسان ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو رہا ہے جانور کھوم رہے ہیں۔ غرض ساری کائنات حرکت میں ہے اور حرکت تحریک اور طاقت کے تابع ہوتی ہے تو پر وہ کون سی تحریک..... وہ کون سی طاقت ہے جس کی وجہ سے کائنات میں حرکت کی یہ دینق موجود ہے دل سے بے اختیار جواب آتا ہے وہ محرم وہ طاقت تو یہی اعلیٰ ذات ہے جس کے وجود کے بارے میں آنکھیں رکھنے کے باوجود اندھے کان رکھنے کے باوجود بہرے اور عقل رکھنے کے باوجود بے وقوف لوگ انکار کرتے ہیں اور ایمان احساس اور بصیرت رکھنے والے اقرار.....!“ (ابو منان)  
حراقریشی..... بلال کالونی ملتان

”عمر پتر..... وہ مہمان ہے۔“

چوہدرانی نے اسے تنبیہ کرنا چاہی تھی مگر عمر نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

”ماں جی پلیز..... آپ درمیان میں نہیں آئیں گی یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے بھلے اس کی شادی ہو گئی ہو مگر یہ میری دوست تو ہے ناں اس کے موجود ہوتے ہوئے میں کسی اور کے ہاتھ کا پکا کیسے کھا سکتا ہوں؟“

اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ چوہدرانی چپ کر گئی تھیں۔

”ٹھیک ہے پھر چلو تم بھی ہیلپ کرو او میری۔“

مریرا اس کے مزاج سے بخوبی واقف تھی تب ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

مٹی کے چولہے میں گوہر سے بنے ایلے ابھی تک دھک رہے تھے مریرا نائیلون کے تاروں سے بنا خوب صورت پیڑھا کھسکا کر ایک سائیڈ پر بیٹھ گئی جبکہ عمر چولہے کے سامنے رکھی پیڑھی پر بیٹھ گیا تھا۔

نیوی بلوشلوار سوٹ میں اس کا بھرا بھرا سراپا اور پیشانی پر بکھرے گئے سنہری بال اس کی وجاہت میں بے پناہ اضافہ کر رہے تھے دونوں بازوؤں کے کف مڑے ہوئے تھے اور دونوں کلائیوں پر چمکتے سنہری بال اس وقت بے حد بھلے لگ رہے تھے دائیں کلائی پر بندھی بلیک سٹریپ والی قیمتی رسٹ واچ الگ چھب دکھا رہی تھی۔ مگر اسے پروا کہاں تھی وہ اب بھی خود سے اتنا ہی بے نیاز تھا جتنا کہ نو عمری میں ہوا کرتا تھا۔

مریرا اس کے مختصر جائزے کے بعد آٹا گوندھ رہی تھی جب وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”بریرہ کی موت کی خبر ملی تھی مجھے لندن میں تھا میں بہت کوشش کی پاکستان آنے کے لیے مگر نہیں آ سکا بہر حال بہت دکھ ہوا تھا وہی تو ایک دوست تھی میری بے حد امداد اور صلح جو۔“



”ہوں..... میں سمجھ سکتی ہوں۔“

”کاش تم بھی اس جیسی ہوتیں مریرا کاش۔“

”کیوں؟ میں نے کون سی بھینس چرائی ہے تمہاری؟“

فوراً وہ خفا ہوئی کبھی وہ مسکرا دیا۔

”پتہ نہیں کیا کیا چرا چکی ہو تم میرا مگر جانے دو اب کیا حساب کتاب کرنا تم سے۔“

”تم بہت بدل گئے ہو عمر پہلے تو پیشانی کے بل بھی کم نہیں ہوتے تھے تمہارے تمہیں یاد ہے ایک بار میں نے تمہارے کبوتر کو اڑا دیا تھا تو تم نے کتنی پٹائی کی تھی میری پورے دو دن روتی رہی تھی میں مگر تم نے ایک بار

بھی معافی نہیں مانگی۔“

”ہوں۔“ وہ کھل کر مسکرایا تھا۔

”میں نے معافی نہیں مانگی مگر اس کے بعد دوبارہ کبھی کوئی کبوتر نہیں لایا حویلی میں۔“

”کیوں؟“

”بس..... دل ہی نہیں کیا۔“

چوہے میں آگ اب زور پکڑ چکی تھی مریرا نے جلدی سے توار کھ دیا۔

”ایبروڈ سے کب آئے؟“

”میں بھی..... ایک ہفتہ پہلے۔“

”شادی کیوں نہیں کی؟“

”بس یونہی دل ہی نہیں چاہا۔“

”دل کی کچھ زیادہ ہی نہیں سننے لگ گئے ہیں آپ؟“

اب وہ مسکرا رہی تھی۔

دیکھتی تارنجی آگ میں اس کے گال خوب پتہ آ رہے تھے۔ وہ بے ساختہ رخ پھیر گیا۔

”کہاں ڈیر..... دل کی سن لیتا تو دل آج ویران نہیں ہوتا۔“

”میں سمجھی نہیں۔“

”تم سمجھو گی بھی نہیں چلو شاپاش ناشتہ بناؤ میں آتا ہوں ابھی۔“

مریرا کے الجھنے پر وہ فوراً اٹھ کر رسوئی سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ سر جھٹکتی دوبارہ ناشتہ بنانے میں لگ گئی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)





میں چمکتا چاند آسمان کا وہ میرے ستارے تھے  
 میں تو اک پیاسی نگاہ تھی وہ میرے نظارے تھے  
 کہاں چلے گئے میرے پیارے مجھے تڑپتا چھوڑ کر  
 میں تو محض ایک بیل تھی وہ میرے سہارے تھے

”معاف کر دیں امی! میں ابھی پانی، بلکہ شربت لے کر آتی ہوں۔“ اس نے کمرے کا پنکھا آن کر کے اسپیڈ بڑھائی اور خود کچن کی طرف بھاگی۔ چند ہی منٹ میں وہ ٹھنڈا شربت ہاتھ میں لیے امی کے سامنے کھڑی

”السلام علیکم ای اکتب آئین کتنا جس اور گرمی



”ہے۔ تھک گئیں ہوں گی شربت لاؤں آپ کے لیے۔“  
اس کے لہجے میں امی کے لیے لکڑی لکڑی امی نے جتنی  
ہوئی نظروں سے ارسہ کو دیکھا تو وہ ایک بار پھر نظریں  
چمکانے پر مجبور ہو گئی۔

”نہیں بیٹا! شربت پی لیا میں نے۔ خوش رہو آؤ  
جینھو ذرا یہ کپڑے دیکھ لو پھر دونوں بہنیں اپنے اپنے  
لے پسند کر لو پھر عصر ہو جائے گی تو آٹا گوندھ کر سالن  
کی تیاری شروع کر دیتا۔“ امی نے ہدایتیں دیتے  
ہوئے سائینڈ پر پڑے شاہراہی گھر کے مختلف پرنٹ اور  
رنگوں کے سوٹ تخت پر رکھے۔

”امی یہ کیا لے آئیں سارے ہی پرنٹ آؤٹ  
آف فیشن ہیں۔ آج کل تو ایرائیڈری والے لان  
سوٹ چل رہے ہیں، جتنی ایگزیشن کی کورٹج ٹی وی پر  
دکھا رہے ہیں اور مانگ شوز میں بھی ساری ہوسٹس  
وہی پہن کر آ رہی ہیں۔“

”توبہ ہے ارسہ! آپ! ہم کوئی ٹی وی پر تھوڑی کام  
کرتے ہیں اور نہ ہی کسی پوش ایریا میں رہتے ہیں نہ ملٹی  
نیشنل کمپنی میں جاب کرتے ہیں کہ برانڈڈ چیزیں  
استعمال کریں۔ وہ چیزیں اعلیٰ طبقوں اور مال دار پارٹیوں  
کے لیے ہیں۔ امی اتنے شوق سے گھوم پھر کر ہمارے  
لے کپڑے لائی ہیں آپ یوں ان کا دل تو نہ توڑیں۔“  
ردا ارسہ سے چھوٹی تھی مگر سمجھدار اور حقیقت پسند تھی۔

”تم چپ کر دو تمہیں کچھ پتا ہوتا نہیں ہے ایسے عام  
پرینٹڈ کپڑے آج کل پہنیں تو لوگ سمجھتے ہیں کہ پہننے  
اوڑھے کا سلیقہ نہیں۔ امی کو بھی فیشن کا پتا نہیں چلتا اس  
لے تو کہتی ہوں کہ یا تو ہمیں پیسے دیں یا ساتھ لے  
جائیں۔“ ارسہ پر ردائے سمجھانے کا خاک اثر نہ ہوا اور  
وہ ہنوز منہ بنائے کپڑے کو نا پسندیدگی کی نگاہ سے  
دیکھتی رہی۔

”ہاں تمہیں دے دوں پیسے اڑانے کے لیے تم کماؤ  
تو درد ہونا پیسوں کا اور ہمیشہ اڑانے کی سوچ جمع کرنے کا  
تو خیال ہی نہیں۔ نئے کپڑے مل رہے ہیں اس پر شکرا دے

کرنے کے بجائے صاحب زادی منہ پھلائے بیٹھی  
ہیں۔ ہمیشہ سکھایا ہے کہ اپنے سے نیچے دیکھنے کی عادت  
ڈالو ارسہ ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں تن ڈھانپنے  
تک کو کپڑا میسر نہیں۔ مگر نہیں مہارانی صاحبہ کی تو  
ڈیماٹڈ اور خواب ہی ختم نہیں ہوتے۔ اپنی چھوٹی بہن  
سے ہی کچھ عقل ادھار لے لو اسی گھر میں پلی بڑھی ہے  
وہی کھاتی ہے جو تم کھاتی ہو کس قدر صابر، شکر گزار اور  
قناعت پسند بچی ہے میری۔ ایسی اولادیں دعائیں لیتی  
ہیں ماں باپ کی والدین کی تابعداری سیکھو بیٹا اور اپنے  
حال میں خوش رہنے کی عادت ڈالو۔ دولت نہیں سکون  
اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔“ امی نے حتی المقدور  
اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ ہمیشہ کی طرح پہلے تو سر  
جھکائے سنتی رہی پھر آٹا گوندھنے کے بہانے اٹھ کر چلی  
گئی تو امی نے بھی یہ جانتے ہوئے کہ اس کا موڈ خراب  
ہے اسے بہلانے، منانے اور روکنے کی کوشش نہیں کی۔  
وہ سخت کیرئیر کی ماں نہیں تھیں مگر اولاد کی تربیت کے  
معاملے میں ان کے اصول بے لچک تھے اور پھر لڑکیوں  
کے بارے میں تو وہ اور محتاط یوں بھی تھی کہ پرانے گھر  
جانے والیوں کو نازنخرے اٹھوانے اور اپنی منوانے کی  
عادت ہو جائے تو پرانے دیس میں بسا مشکل ترین امر  
بن جاتا ہے۔



ارسہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی پھر اس  
سے چھوٹی ردائے اور آخر میں ایک چھوٹا بھائی کامی تھا۔  
ارسہ کے والد حامد علی ایک پرائیوٹ فرم میں منیجر تھے وہ  
محنتی ذہین اور سمجھدار آدمی تھے۔ لہذا سب سے پہلے  
بچت کر کے انہوں نے اپنا چھوٹا لیکن ذاتی مکان لیا اور  
پھر پبلک ٹرانسپورٹ کی خوار یوں سے بچنے کے لیے ایک  
چھوٹی سے سیکنڈ ہینڈ گاڑی بھی لے لی۔ ارسہ کی امی  
فرحین بیگم نے بھی سلیقے سے گھر چلا کر میاں کا بھرپور  
ساتھ دیا تو ان کا گھرانہ اپرٹل کلاس کی صف میں شامل  
ہو گیا۔ دونوں میاں بیوی اپنے گھرانے کی خوش حالی دیکھ



کر ربّ باری تعالیٰ کا شکر ادا کرتے نہ جھکتے۔ انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں بھی شکرِ صبر اور برداشت کے اصولوں کو اولین درجے پر رکھا اور سارے ہی بچوں نے ان کی تربیت کا مان رکھا ماسوائے ارسہ کے۔ جانے کیوں وہ قناعت پسند نہ تھے، گو کوئی امی ابو اپنے بچوں کی ہر جائز خواہش پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے لیکن پھر بھی ارسہ خوش اور پرسکون نہ ہتی۔ فرحین بیگم ارسہ کی طبیعت کا جذباتی پن دیکھ کر ہوتی اور کڑھتی راتیں کہ جانے آگے کیسا گھر پار ملے اور اپنے رب سے اس کے حق میں دعائیں کرنی رہتیں اور بھلا ماؤں کی دعائیں کب رائیگاں جاتی ہیں۔



اس دن موسمِ اچانک ہی خوش گوار ہو گیا تھا، کئی دن سے جس کا ڈیرہ تھا مگر یک دم ہی باری تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا اور یکا یک ٹھنڈی ہوا میں چل پڑیں اور آسمان پر حد نگاہ تک سیاہ بادلوں نے بسیرا کر لیا اور پھر ہلکی پھلکی پھوار نے موسم کے ساتھ ساتھ سب کے موڈ پر بھی ایسا خوش گوار اثر ڈالا کہ سب نے لان میں ڈیرہ ڈال لیا کیونکہ ویسے بھی چھٹی کا دن تھا تو سب کو مل بیٹھنے کا سنہرا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ لڑکیوں نے ابو کی فرمائش پر کچن کا رخ کیا۔ ردا نے بیسن گھول کر گرم تیل میں پکڑے تلتے شروع کیے تو ارسہ نے جلدی سے بلینڈر میں پودینے کی چٹنی بنا کر پیالی میں نکالی اور کیتلی میں چائے کا پانی چڑھا دیا۔ اتنی دیر میں ردا نے پلیٹ بھر کے پکڑے ٹرے میں رکھے اور مزید پکڑے تلتے کے لیے بیسن کڑھائی میں ڈالتے ہوئے ارسہ سے کہا۔

”آپی یہ والی پلیٹ دے آؤ نہیں تو ٹھنڈے پکڑے ابو جی کو پسند نہیں آئیں گے جب تک میں یہ پکڑے تلتی ہوں پھر چائے لے کر آتی ہوں۔“

”ہاں ٹھیک ہے۔“ ارسہ نے ٹرے اٹھائی اور لان کی طرف چلی آئی۔ وہاں سے مانوس قہقہے کی آواز سن کر ارسہ نے بُرا سا منہ بتایا اور زیر لب بڑبڑائی۔

”بہانا چاہیے اس کو تو بس۔“

”ابو یہ گرم پکڑے۔“ ارسہ نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

”ارے بیٹا اس کو دو نا مہمانوں کو پہلے پیش کرتے ہیں۔“ امی نے ارسہ کو ٹوکا جواب چھوٹی پلیٹ اٹھا کر ان کی طرف بڑھا رہی تھی۔

”امی ایسے روز روز آ بیٹھنے والوں کو مہمان تو نہیں کہتے۔“ اس نے ہمیشہ کی طرح اس کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تو ابو نے اس کی بدگالعی پر اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے ارسہ! مہمان قابلِ احترام ہوتے ہیں۔“ ابو کا چہرہ اس قدر درشت تھا کہ خفت کے احساس سے ارسہ کا چہرہ سرخ پڑنے لگا تب اس نے صوبت حال کو گیسر ہٹا دیکھ کر فوراً ماحول کو خوش گوار کرنے کی کوشش کی۔

”ارے خالہ خالو ٹھیک ہی تو کہہ دی ہے ارسہ! میں کوئی غیر تھوڑا ہی ہوں دس قدم کے قاصدے پر تو گھر ہے اور بچ پوچھیں تو آپ لوگوں کی اپنا حیت اور خلوص ہی تو سمجھ لاتی ہے اس حد پر بار بار۔ کیوں ارسہ ٹھیک کہنا میں نے؟“ اس نے اپنی پلیٹ میں پکڑے ڈالتے ہوئے ذرا کی ذرا میں اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ امی ابو کے ڈر سے پھلکی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھنے لگی ابو اس کا دل اس کا اترا چہرہ دیکھ کر گویا مٹھی میں عیا کیا۔

اس ارسہ کا خالہ زاد تھا فوز یہ ارسہ کی بڑی خالہ تھیں اور ارسہ کے گھر کے سامنے والے گھر میں رہائش پذیر تھیں۔ اس ان کا بڑا بیٹا تھا اس کے علاوہ ان کی ایک بیٹی تھی جسے وہ اپنی دل کی بیماری کے باعث کم عمری میں ہی بیاہ چکی تھیں۔ اب وہ اس کے سر پر سہرا دیکھنے کی خواہش مند تھیں مگر اس کی خواہش تھی کہ سب سے پہلے وہ اپنی چھت کرے گا ورنہ خانگی ذمہ داریوں کا بوجھ پڑ جانے کے باعث اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔



وہ ایم بی اے کر کے حال ہی میں ایک ملنی میٹل کمپنی میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اپنے قدم جمانے میں اسے ابھی دس بارہ سال مزید درکار تھے۔ یہ بات ارسہ بخوبی جانتی تھی اسی لیے اس نے کبھی بھی انس کی محبت بھری نگاہوں کو اپنے دل کے پار نہیں اترنے دیا۔ جبکہ اسے امی ابو کی انس پر پڑنی لگا۔ التفات کی بھی خوب خبر تھی۔ انس شخصیت کے اعتبار سے تو ارسہ کے خوابوں کا شہزادہ تھا مگر اس کے تھکریالے بال، گندی رنگت، لمبا چوڑا سراپا اس کے بالی قد کے سامنے چھوٹا پڑ جاتا تھا۔ اس لیے اس نے کبھی انس کے سراپے کو اپنے خیالوں اور خوابوں کے شہزادے کے روپ میں نہیں ڈھلنے دیا۔ اس کی آنکھوں میں تو کسی اور ہی کا عکس اتر آیا تھا۔



”سچ کہیں امی..... رخسانہ پھوپھی واقعی آرہی ہیں؟“ ارسہ نے امی کو شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تو انہوں نے اس کی کمر پر ایک زوردار دھپ رسید کر دی۔

”ارے باؤلی ہوگئی ہے کیا؟ جھوٹ بولوں گی اس عمر میں کیا تیرا میرا کوئی مذاق ہے؟ تو بہ ہے اتنی زور سے کندھا دباؤ والا۔“

”سوری امی! وہ اتنے دنوں بعد ان کے آنے کی خبر سنی تو سماعتوں پر یقین نہیں آیا۔“ ارسہ ہمیشہ کی طرح اپنے جذباتی پن پر شرمندہ ہو کر بچلیں جھانکنے لگی۔

”ارے امی چھوڑیں نا آپ بے چاری پھوپھی کی محبت میں زیادہ جذباتی ہو گئیں۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا کیا تیاریاں کرنی ہیں آخر کو آپ کی اکلوتی نند آرہی ہیں، خاطر مدارت میں کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے نا۔“ ردا نے امی کا کندھا دباتے ہوئے پوچھا تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

”ہاں واقعی! اب کی بار تو رخسانہ پورے چھ ماہ بعد چکر لگا رہی ہے ایسا کرولسٹ بنا لو تا کہ راسن اس کے آنے سے پہلے ہی لا کر رکھ لیں پھر اپنے ابو سے مشورہ کر کے مینو فائل کر لو تا کہ بعد میں کوئی دشواری نہ ہو اور اس کے

ساتھ اچھی طرح وقت بھی گزار سکیں۔“ امی کی ہدایت پر ردا کا پی اور قلم لے کر ان کے سامنے بیٹھ کر لسٹ بنانے لگی اور ادھر ادھر اپنے خوابوں کی آہاری کرنے لگی کیونکہ پھوپھی کی آمد کے باعث اسے بن موسم ہی برسات کی رسم جھم سنائی دینے لگی تھی۔



”اوہ پھوپھی جانی..... کتنے دنوں بعد آئیں آپ کتنا یاد کر رہی تھی میں آپ کو۔“ ارسہ اتر پورٹ پر انہیں ریسیو کرتے ہی ان کے گلے لگ گئی۔

”بس بیٹا! کچھ ایسی مصروفیتیں تھیں کہ لکنا ہی نہیں ہو رہا تھا۔“ پھوپھی نے مسکرا کر اس کے رخسار چومے۔

”ہم سب بھی آپ کو بہت یاد کر رہے تھے۔“ کامی نے آگے بڑھ کر ان کے آگے سر جھکایا تو انہوں نے اپنا دست شفقت اس کے سر پر دھر دیا۔

”انہی محبتوں نے تو مجھے مصروفیتوں کے آہنی شکنجوں کو توڑ کر آنے پر مجبور کر دیا۔“ وہ آہستگی سے بولیں اور جانے کیوں آنکھیں بھرا گئیں۔

”چلیں پھوپھی! گھر چلیں..... امی ابو بھی آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور گرمی بھی بہت ہو رہی ہے۔“ ردا نے پھوپھی کے ہاتھ سے بیگ لیتے ہوئے کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

گھر پہنچنے پر امی نے بھی نند کا پرتپاک استقبال کیا، ابو تو بہن کی اتنے دنوں بعد آمد پر آبدیدہ ہی ہو گئے۔ رخسانہ تو پھر بھی چھ ماہ میں کراچی کا چکر لگا کیتیں مگر وہ اپنی جاب کے سخت اوقات کا راد آسانی سے چھٹیاں نہ ملنے کے باعث چاہتے ہوئے بھی سال سال بھر کوئی نہ جا پاتے۔ بہن بھائی کے ملاپ کے رقت آمیز مناظر نے سب کی ہی آنکھیں نم کر دیں۔ ایسے میں ارسہ جلدی سے شربت بنا کر لے آئی۔

”یہ لیں پھوپھی! آپ تو کوئی نہ کے اے سی کی عادی ہیں یہاں کی گرمی سے پریشان ہوگئی ہوں گی۔“ ارسہ نے ٹرے ان کی جانب بڑھائی تو سب اس کے کوئی نہ کوئی اے سی



کا نام دینے پر مسکرا دیئے۔

”ارے بیٹا! یہی تو زندگی ہے زندگی میں سرور و گرم ہر طرح کے موسم دن رات آتے ہیں۔ بس انسان میں برداشت کا حوصلہ ہونا چاہیے ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو ہمہ وقت ہمت اور صبر کے ہتھیاروں سے لیس رکھنا چاہیے کون جانے قسمت کا پہیہ کب کس موڑ پر لاکھڑا کرے۔“

”اور پھوپھو یہ بتائیں روحیل بھائی اور علیزے باجی کیسی ہیں؟“ ردا نے پھوپھو کے دونوں بچوں کی بابت دریافت کیا۔

”اللہ کا کرم ہے بیٹا! علیزے تو لندن میں مکمل سیٹ ہو گئی ہے بس مجھے ذرا اس کی دوری پر اکیلا پن محسوس ہوتا ہے کیونکہ روحیل اور تمہارے پھوپا تو اپنے بزنس کے مسائل میں ہی الجھے رہتے ہیں۔“ پھوپھو کے لہجے میں افسردگی تھی۔

”ارے پھوپھو! آپ اداس نہ ہوں ہم ہیں نا اب تو اسکا پ وغیرہ سے اتنی سہولت ہو گئی ہے کہ فاصلے اور دوریاں تقریباً ختم ہی ہو گئے ہیں کیوں؟“ کامی نے پھوپھو کی طرح یوں دیکھا جیسے وہ اپنے اس فلسفے کے لیے ان سے داد کا طالب ہو۔

”بیٹا! یہ مشینیں کب سے انسانی جذبات و احساسات کا نعم البدل ہونے لگیں لیکن تم نئی نسل نہیں سمجھو گے پیار بھری آغوش، متا بھرا مس کیا شے ہیں کیا جادو بھرا اثر و احساس ہیں۔“ پھوپھو کے بجائے امی نے کامی کو نارمل انداز میں بیان دے کر گویا جواب ہی کر دیا تب ہی ڈور بیل بجی تو کامی نے جا کر دروازہ کھولا واپسی پر انس ساتھ تھا۔

”السلام علیکم! آنٹی کیسی ہیں آپ..... سفر کیسا رہا؟“ انس نے نہایت ادب سے انہیں جھک کر سلام کیا تو انہوں نے مسرور ہو کر اس کا ماتھا چوم ڈالا۔

”وعلیکم السلام بیٹا! جیتے رہو! اسے باادب بچے آج کے دور میں دیکھ کر دل بہت خوش ہوتا ہے دیکھیں تو

بھابی کون کہے گا کہ اس کے سر پر سے بچپن میں ہی باپ کا سایہ اٹھ گیا تھا۔ ماشاء اللہ بہت اچھی تربیت کی ہے فوزیہ نے۔“

”ٹھیک کہہ رہی ہو خسانا نیک سعادت مند اولاد یقیناً اللہ تعالیٰ کا بہترین تحفہ ہے۔ بہت محنت کی ہے بچے نے اپنی منزل پانے میں۔“ امی نے بھانجے کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بیٹا تم سناؤ! امی کیسی ہیں؟“ پھوپھو نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”جی اللہ کا کرم ہے کافی بہتر ہے انجیو گرافی سے کافی فرق پڑا ہے۔ ابھی نیند کی دوا لی تھی تو آ نہیں سکیں البتہ شام میں چکر لگائیں گی اور امی نے خاص طور پر یہ بھی کہلوا یا ہے کہ کل شام کا کھانا آپ سب ہماری طرف کھائے گا۔“

”ارے اس تکلف و تردد کی کیا ضرورت ہے بھلا ان کی پہلے ہی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور بیٹا میں بس کچھ ہی دنوں کے لیے آئی ہوں آگے رمضان شروع ہونے والے ہیں۔ جا کر تیاریاں بھی کرنی ہیں۔“ پھوپھو نے رسائیت سے کہا تو ارسہ بے چین ہو گئی۔

”یہ کیا بات ہوئی پھوپھو! میں تو بھی آپ رمضان ہمارے ساتھ گزاریں گی۔“

”نہیں چندا! وہاں گھر پر کوئی عورت نہیں ملازموں پر سحر و افطار کی ذمہ داریاں نہیں چھوڑی جاسکتیں۔ تم یوں کرو میرے ساتھ چلو بلکہ تم سب بچے ہی چلو اس بار عید میرے ساتھ کوئٹہ میں کرو۔“ پھوپھو نے کہا تو ارسہ کی باپھیں ہی کھل گئیں۔

”سچ..... پھر تو بڑا مزہ آئے گا آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔“

”مگر پھوپھو میں نہیں آسکوں گی کیونکہ پھر امی اکیلی پڑ جائیں گی۔ روزے کی حالت میں اکیلے گھر کیسے سنبھالیں گی؟“ ردا کو ہمیشہ کی طرح ماں کی فکر تھی۔

”چلو پھر ایسا کرو اس بار ارسہ اور کامی کو ساتھ لے

آنچل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 239



جاتی ہوں اگلے چکر پر ارسہ گھر پر رک جائے گی تم چلی چلنا۔“ پھپھو نے گویا حل پیش کر دیا تو سب نے ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔

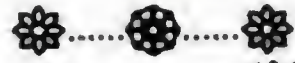
”چلو ارسہ! جا کر روٹیاں پکالو۔ کھانے کا وقت ہونے والا ہے۔“ امی نے کہا تو چاروٹا چار ارسہ اٹھ کھڑی ہوئی ساتھ میں انس بھی نماز پڑھنے جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے جاتے اس نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر ارسہ کو دیکھا اور پانی پینے کے بہانے کچن میں چلا آیا۔

”سنو میرے خیال سے تمہیں بھی رمضان المبارک اپنے گھر میں ہی گزارنے چاہئیں، عید اپنے ہی گھر میں مزہ دیتی ہے۔“

”تم اپنے فضول خیالات اپنے پاس ہی رکھو وہ کوئی غیر نہیں میری پھپھو ہیں میری اپنی.....“ وہ حسب عادت تنک کر بولی۔

”اپنے تو تمہارے اور بھی ہیں مگر تم سمجھو تو نا۔“ انس کے لہجے میں جذبوں کی پیش تھی۔

”تم تو بس یونہی بے نگاہی ہاتھتے رہتے ہو اب جاؤ مجھے کام کرنے دو۔“ اس نے رخ بدل کر پیڑے بنانا شروع کیے تو انس اس کی کمر پر بل کھاتی لمبی گھنیری سیاہ چوٹی کو حسرت بھری نگاہوں سے تکتا رہ گیا، جن کے بلوں میں اس کے دل و جاں کا قرار گندھا ہوا تھا، مگر وہ تھی کہ انجان بنی ہوئی تھی۔



ار پورٹ پر پہنچ کر جب پھپھو نے کب کو اشارہ کیا تو ارسہ حیرت میں مبتلا ہو گئی کہ انہیں گھر سے ریسو کرنے کوئی نہیں آیا تھا محض چند منٹوں کی مسافت طے کر کے وہ گھر پہنچ گئے۔ دروازے پر موجود چوکیدار پھپھو کو دیکھ کر آگے بڑھا اور سامان اٹھا کر اندر کی جانب چلا گیا۔ ارسہ پھپھو کے اشارہ کرنے پر ان کے پیچھے چلنے لگی آہنی آہنسی گیٹ پار کر کے ارسہ نے گھر کے اندر قدم رکھا تو اسے لگا کہ اس نے گویا جنت میں قدم رکھ دیئے ہوں۔

چاروں طرف خوش رنگ پھولوں کی دنیا آباد تھی، سر سبز لان کی گھاس محفل کے فرش کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔ وسط میں شفاف پانی کا فوارہ موتی اچھال رہا تھا، اونچے ہرے بھرے درختوں پر پرندے اللہ کی حمد و ثنا میں مگن تھے۔ قدم قدم پر بکھر احسن اور خوشبوئیں ارسہ کو دیوانہ کیے دے رہی تھیں، ایسے گھر تو وہ ٹی وی میں دیکھا کرتی تھی اور تمنا کرتی تھی کہ وہ ایسے ہی کسی حسین اور وسیع و عریض گھر کی مالک ہو، وہ تحسین آمیز نظروں سے ان سب کا جائزہ لیتی روش پر پھپھو کی ہمراہی میں آگے بڑھ رہی تھی۔ لان پار کر کے اب وہ گھر کے مرکز یعنی لاؤنج میں داخل ہو گئے تھے جہاں حسین ریشمی پردے لہرا رہے تھے، خوب صورت ٹائلوں سے مزین فرش شیشے کی مانند چمک رہا تھا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی اوپری سیڑھیوں سے کوئی نیچے اتر آیا، یہ روحیل تھا جو اس وقت ڈارک بلو تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا اور یقیناً آفس کے لیے نکل رہا تھا۔

”تھینک گاؤڈ ماما آپ آگئیں۔ یہ خانساؤں کے ہاتھ کا کھانا تو حلق سے نہیں اترتا۔“ اس نے سلام دعا کو سرے سے ضروری نہ سمجھتے ہوئے منہ بسور کر ماں کا استقبال کیا۔

”ہاں بیٹا! مجھے احساس ہے اسی لیے آگئی۔ اس سے ملو یہ تمہاری کزن ہیں ارسہ! بچپن میں دیکھا تھا تم لوگوں نے ایک دوسرے کو اب تو شکل بھی یاد نہیں ہوگی۔“ پھپھو نے تعارف کروایا مگر روحیل نے اسے کوئی خاص تاثر نہیں دیا۔ ارسہ خوش شکل لیکن خوش اخلاقی سے عاری روحیل کو دیکھتی رہ گئی۔

”اوکے مجھے دیر ہو رہی ہے شام میں ملیں گے۔“ وہ گلاسز لگا کر چابیاں ہلاتا ہوا باہر دروازے کی طرف بڑھ گیا، پھپھو نے جھل ہو کر ارسہ کی طرف دیکھا۔

”جلدی میں ہے، چلو ہم ناشتا کر لیں پھر تم آرام کرو سوکراٹھو گی تو مارکیٹ چلیں گے۔“ پھپھو نے ملازمہ کاوازہ دے کر ارسہ کو اس کے کمرے میں لے جانے کو کہا اور خود



خانساں کو ناشتے کی ہدایات دینے کے لیے مچن کی جانب بڑھ گئیں۔



رمضان المبارک کا آغاز ہو گیا تھا پہلے روزے میں صبح سحری میں صرف وہ اور پھوپھی موجود تھے کیونکہ پھوپھا کی شوگر ہائی چل رہی تھی تو فی الحال وہ روزہ رکھنے سے قاصر تھے۔ اس خوب صورت گھر کے خوب مصورت مہینوں کی تنہائی تو اس نے پہلے دن ہی محسوس کر لی تھی کیونکہ جب وہ پہلے یہاں آئی تھی تو بہت چھوٹی تھی اور ان چیزوں کو اس طرح محسوس نہیں کر سکتی تھی جیسے اب کر رہی تھی۔ اس لیے اس نے پھوپھو سے کسی کے بارے میں دریافت بھی نہیں کیا۔ پھوپھو اور وہ سحری سے فارغ ہو کر نماز و تلاوت سے فارغ ہو کر سونے لیٹے تو پھوپھو نے اس سے پوچھا۔

”ارسہ کیسا لگ رہا ہے بیٹا یہاں آ کر بور تو نہیں ہو رہی ہیں۔ کامی آ جاتا تو تمہارا دل بہلا رہتا۔“ پھوپھو ارسہ کی خاموشی کو محسوس کر رہی تھیں وہ جتنی خوش یہاں آتے ہوئے تھی اتنی یہاں آ کر نہیں ہوئی تھی کیونکہ سب کچھ اس کی توقع کے برعکس تھا خاص طور پر روحیل کا رویہ لیا دیا انداز دیکھ کر اسے شدید دھچکا لگا تھا مگر اس نے ان کا دل رکھا۔

”نہیں پھوپھو ایسی تو کوئی بات نہیں کامی کے دو ماہ بعد انگیزامز ہیں وہ کبائن اسٹڈی کرتا ہے ورنہ وہ ضرور آتا۔ وہ آتا تو واقعی اور مزہ آتا ہم سب بہت مستی کرتے ہیں ہلا گلہ..... نہیں تو خاموشی میں تو دم گھٹنے لگتا ہے نا؟“ وہ آخر کار نا چاہتے ہوئے بھی دل کی بات زبان پر لے آئی تھی۔ اسے پھوپھو کی تنہائی کا بہت شدت سے احساس ہو رہا تھا اور اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ امر یہ تھا کہ وہ انہوں کے ہوتے ہوئے بھی اکیلی تھیں۔

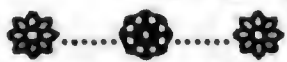
”ہاں بیٹا! بالکل انسان معاشرتی جانور ہے لباس کپڑا رولی اور مکان اس کی بنیادی ضرورتیں ضرور ہیں لیکن کسی کا ساتھ بھی اس کے لیے ان ہی چیزوں کی طرح

بے حد ضروری ہے۔ نہیں تو یہ تنہائی دیمک کی طرح انسان کے وجود کو چاٹ جاتی ہے۔ مجھے ہی دیکھو میرے پاس انڈ کی دی سب نعمتیں ہیں لیکن اسے رشتوں کی اہمیت تو جدا احساس نہیں۔“ پھوپھو کا لہجہ گلوگیر ہونے لگا تو ارسہ کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

”مجھے احساس ہے پھوپھا آپ کے اکیلے پن کا۔ پھوپھا تو سارا وقت کمرے میں ہوتے ہیں یا اسٹڈی روم میں یا پھر آفس چلے جاتے ہیں یہاں تک روحیل بھی چند گھنٹے آپ کے ساتھ نہیں بیٹھتا۔“

”ہاں کیونکہ بیٹے پر بھی باپ کی طرح پیسے بنانے کی دھن سوار رہتی ہے اور ان آسائشوں کی فراہمی کے بعد یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ہر فرض سے بری الذمہ ہو گئے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ رشتوں میں احساس نہ ہے تو ان کا وجود کھوکھلا ہو جاتا ہے۔“ پھوپھو کے لہجے میں شور اور بیٹے کے لیے شکایت تھی شاید انہیں بھی بہت عرصے بعد دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا موقع ملا تھا مگر ارسہ سے اپنی پیاری پھوپھو کی دل گر فلی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اس لیے اس نے ان کے نرم رخسار اپنی انگلیوں سے صاف کیے اور ان کی گود میں لیٹ گئی۔

”آپ پریشان نہ ہوں پھوپھو! ہم ہیں ناں ہم چھٹیوں میں آپ کے پاس آ جایا کریں گے اور آپ جب بھی بور ہوں وہاں کراچی ہمارے پاس آ جائیں۔“ اس نے بچوں کی طرح انہیں تسلی دی تو انہوں نے سرشار ہو کر اس کی پیشانی چوم ڈالی وہ محبت کی تو ترسی ہوئی تھیں۔



آج رمضان المبارک کا پہلا جمعہ تھا پھوپھو نے ارسہ کے لیے رمضان المبارک کے لیے بھی خاص طود پر کپڑے بنوائے تھے۔ ان ہی میں سے ایک انہوں نے ارسہ کو جمعۃ المبارک کے باعث پہننے کی تاکید کی۔ ارسہ نے نہادھو کر کپڑے بدل کر نماز ادا کی تو تین بج چکے تھے پھر وہ پھوپھو کے کمرے میں چلی آئی تاکہ نظاری کامینو



کو دیکھ کر دل میں سوچنے لگی تب ہی پھپھو کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

”چلو ارسہ! اچھا ہوا رو حیل آ گیا“ اسی سے پوچھ لو کیا مینو رکھنا ہے؟“ پھپھو نے کہا تو ارسہ نے سوالیہ نظروں سے رو حیل کی طرف دیکھا جو خود بھی اس ہی کی طرف متوجہ تھا۔

”مجھے کچھ خاص علم نہیں کہ افطار میں کیا آسٹم ہوتے ہیں۔ آپ اور ماما ہی دیکھ لیں لیکن خیال رہے کہ آسٹم خاص ہونے چاہیے کیونکہ میرے مہمان بہت خاص ہیں اور ماما آپ ہر چیز اپنی نگرانی میں بنوائے گا۔ خانسا ماں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیجیے گا“ مجھے بیگ صاحب سے بہت زبردست ٹینڈر ملنے کی امید ہے ایسا نہ ہو کہ یہ موقع ضائع ہو جائے۔ اب میں کچھ دیر سونے جا رہا ہوں“ مجھے ڈسٹرب نہیں کیجیے گا۔“ وہ اپنی بات کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اوپری منزل کی طرف جالی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا اور ارسہ دل میں حیرت اور افسوس کے جذبات لیے اسے نکلتی رہ گئی۔

”تو یہ ہے وہ شخص جس کی ہمراہی کی اسے چاہت تھی جو جانتا ہی نہیں کہ درحقیقت وہ کیا کھورہا ہے اپنی جنت اپنے رشتے رحمت و ثواب کی گھڑیاں.....“



پھپھو اور ارسہ عصر تک کچن میں جتی رہیں پھر دونوں عصر کی نماز پڑھ کر ٹیبل سیٹ کرنے لگیں تو رو حیل اٹھ کر نیچے چلا آیا۔ ملازم کو چائے کا کہہ کر وہ ٹیبل پر نظر ڈالتا ہوا پھرنی وی کھول کر بیٹھ گیا۔ ارسہ کو ایک بار اسے دیکھ کر شدید دھچکا لگا رو حیل ان لوگوں میں سے تھا کہ جن کے نزدیک رمضان محض افطار پارٹیوں کے لیے آتے ہیں اور انہیں نقلی عبادت تو کجا فرض عبادت کی ادائیگی کا بھی رتی بھر خیال نہیں ہوتا جبکہ اس کے یہاں مرد تراویح کا بھی اہتمام کرتے تھے۔

ٹیبل سیٹ کر کے پھپھو نے ملازم کے ہاتھوں پڑوس میں افطاری بھجوانا شروع کر دی۔ ارسہ مستقل پھپھو کی مدد

پوچھ سکے اور ان کی مدد کر سکے تو پھپھو نے اسے دیکھتے ہی اس کی بلاتیں اتاریں۔ دھانی اور گلابی رنگوں کا پھول دار برنٹ کا سوٹ پہنے اور انہی رنگوں کا دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹے وہ انہیں اس وقت کوئی حور لگ رہی تھی۔ کچھ وہ قد رتی بھی ان ہی کی طرح اچھی شکل و صورت کی مالک تھی۔ صاف شفاف دھاتی رنگ کھڑانا ک نقشہ اور بڑی بڑی بادامی آنکھیں اور کچھ روزوں کے باعث بھی اس کے چہرے پر نور اتر ا ہوا تھا۔ پھپھو کے اس طرح پیار لٹانے پر وہ بڑی طرح شرم کر رہ گئی۔

”پھپھو آپ بھی نا“ یہ تو بس آپ کی محبت ہے کہ میں آپ کو اتنی اچھی لگ رہی ہوں ورنہ ایسی بھی کوئی بات نہیں۔“

”میرے دل سے پوچھو تم تو چاند کا ٹکڑا لگ رہی ہو۔ کاش اس چاند کی روشنی میرے گھر میں بھی پھیل سکتی۔“ جانے پھپھو کی زبان پر انجانی خواہش کیسے چل اٹھی مگر ارسہ جو ہمیشہ سے یہ سننے کی چاہ رکھتی تھی آج پھپھو کی یہ خواہش سن کر چاہ کر بھی خوش نہ ہو سکی اور پھر اس نے موضوع بدلنے میں ہی عافیت سمجھی۔

”پھپھو! یہ بتائیں آج افطاری میں کیا بنے گا“ آپ کہہ رہی تھیں کہ زیادہ افطاری بنے گی پڑوس وغیرہ میں بھی بھجوانی ہے۔“

”ارے ہاں بیٹا! اچھا ہوا یاد دلادیا“ پڑوس میں بھی بھجوانی ہے اور رو حیل کے کچھ گیٹ بھی انوائٹڈ ہیں افطار پارٹی پر۔ چلو نیچے کچن میں چلتے ہیں واقعی وقت گزرتے پتا نہیں چلے گا۔“ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں ارسہ بھی ان کے پیچھے چل پڑی دونوں نیچے کی منزل پر پہنچے تو دیکھا کہ رو حیل ٹی وی کے آگے بیٹھا میچ دیکھ رہا ہے۔ ارسہ اسے دیکھ کر خاصی حیران ہوئی وہ معمول کے خلاف آج سفید شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔

”جانے نماز بھی پڑھی ہے موصوف نے یا صرف خود کو مسلمان دکھانے کے لیے شلوار قمیص پہن رکھا ہے۔“ ارسہ اس کے کلف شدہ سوٹ میں اس کے کلف زدہ وجود



کرتی رہی اتنے میں ان کا پچاس سالہ ملازم چائے لے کر آ گیا اس نے پرچ میں رکھی چائے روئیل کی جانب بڑھائی تو جانے کیا ہوا کہ یک لخت چائے کا کپ روئیل کے پکڑنے سے پہلے ہی پھسل کر اس کی گود میں جا گرا۔ سفید شلوار قمیص پر جا بجا بھورے نشان پل بھر میں بدنما داغ بن گئے اور روئیل دھاڑا تھا۔

”یواسٹو پڈ..... گنوار جاہل..... تمیز نہیں تم لوگوں کو۔“  
”معاف کر دیں صاحب! شاید چکر آ گیا۔“ ملزم نے کپکپاتے ہوئے ہاتھ جوڑ ڈالے۔

”بہانے باز..... اپنی غلطی ماننے کی بجائے بہانے بنارہا ہے۔“ روئیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ملازم کا گلا دبا ڈالے تب ہی پھپھو آگے بڑھیں۔

”روئیل بیٹا! کول ڈاؤن وہ روزے سے ہے شاید اسی لیے چکرا گیا صبح سے کام میں ہی لگا ہوا ہے۔“

”غصہ حرام ہے اور آپ روزے دار پر غصہ کر رہے ہیں ان کی عمر دیکھیں وہ بڑے ہیں آپ سے کم از کم اسی بات کا احترام کر لیں۔“ ارسہ سے رہانہ گیا اس نے آگے بڑھ کر روئیل کو سمجھانا چاہا تو وہ اور بے قابو ہو گیا۔

”بہت خوب محترمہ! آپ کا واسطہ نوکروں سے پڑا نہیں ہے ظاہر ہے ٹڈل کلاس میں یہ نوکر وغیرہ کہاں ہوتے ہیں آپ نہیں جانتی ان کی ہڈیاں حرامیاں اور باگی دے دے آپ کو کس نے حق دیا ہے کہ میرے گھر میں کھڑے ہو کر مجھے لیکچر دیں۔ آپ مہمان ہیں مہمان بن کر رہیں اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتا سمجھیں آپ.....؟“ روئیل کی طنز میں ڈوبی آواز اور نشتر بھرے لہجے سے ارسہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب چلی آئی۔ پھپھو آگے آواز دیں دیتی رہ گئیں۔



اس دن کے بعد وہ پھپھو کے لاکھ اصرار کے باوجود رکنے کو تیار نہ ہوئی پھپھو نے روئیل کی طرف سے معذرت بھی کی اسے منانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اب

بلوچستان میں مزدوروں کا قتل  
ظالمو تمہارا کیا بگاڑا تھا  
بے روزگاری بھوک جبر سے تنگ  
اپنے معصوم بچوں کے رزق کی خاطر  
زندگی کی محرومیوں اذیتوں کا  
پردیس میں سامنا کرنے والے  
زمین پر زندگی رواں دواں رہتی ہے  
خدا کے ان دوستوں کو  
ناحق قتل کرنے سے پہلے  
ذرا سوچ تو لیتے

کہ ان کے منتظر معصوم بچے بہنیں بیویاں  
بے سہارا بوڑھے والدین  
آنکھوں میں کتنے خواب امیدیں  
سجائے بیٹھے ہوں گے  
کیا گزری ہوگی ان سب پر  
جو رزق کی آس میں اپنے پیاروں کی  
راہوں پر نکلا ہیں جمائے بیٹھے تھے  
اور تم بے رحم درندوں نے  
روٹی امید کی جگہ  
ان کے جگر گوشوں کی  
سرخ کفن میں لمبی لاشیں بھجوا دیں  
یقیناً ان اہلہو مظلوموں کی آہیں  
قیامت تک تمہارا پیچھا کریں گی  
صائمہ جواد قریشی..... کراچی

اسے اپنا گھر شدت سے یاد آنے لگا تھا۔ سو وہ اپنے گھر واپس آ گئی۔ اس نے کسی کو بھی روئیل والی بات نہیں بتائی البتہ اس میں آنے والا بدلاؤ سب نے محسوس کیا۔ ای اس کے مزاج کی تبدیلی سے بہت خوش تھیں اس کا صبر اس کی طبیعت کا ٹھہراؤ دیکھ کر وہ اللہ کو شکر ادا کرتے نہ تھکتی اور اللہ تعالیٰ کا شکر بے حد پسند ہے۔ ان ہی دنوں خالہ نے انس کے لیے ارسہ کا ہاتھ مانگ لیا تو امی کو لگا کہ ان کی دعائیں قبول ہونے کا وقت آ گیا ہے۔



انس دیکھا بھلا تھا ہر لحاظ سے مناسب رشتہ تھا تو والدین کو اور کیا چاہیے تھا مگر اس وقت سب چونک گئے جب انس نے کہا کہ وہ خود ارے سے اس سلسلے میں اس کا موقف جانتا چاہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ والدین کے احترام یا خاندان کے دباؤ کی وجہ سے تو یہ رشتہ قبول نہیں کر رہی اور پھر اٹھارویں روزے کو انس بڑوں کی اجازت لے کر ارے کو لے کر چھت پر چلا آیا۔

چھت پر چاندنی دور تک بھٹکی ہوئی تھی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جسم و جاں کو گدا گدا رہے تھے اس نے چند لمحوں کو سر جھکائے خاموش کھڑی ارے کو دیکھا پھر اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔

”ارے میں جانتا ہوں کہ شادی کے لیے ہر مرد ہر عورت کا آئیڈیل ہوتا ہے میرا آئیڈیل تو بلاشبہ تم ہو لیکن میں اس بات سے بھی بخوبی واقف ہوں کہ میں تمہارا آئیڈیل ہرگز نہیں کیونکہ تم نے کبھی میرے جذموں کی پذیرائی نہیں کی کبھی میری محبت بھری نگاہوں کو خراج نہیں بخشا۔ ارے شادی عمر بھر کا بندھن ہوتا ہے اور اس سلسلے میں مجبوری کا سودا کرنے والے ساری عمر پچھتاتے ہیں اس لیے میں نہیں چاہتا کہ تم کسی بھی مجبوری اور دباؤ کے تحت میرے حق میں فیصلہ دو شادی کے حوالے سے انکار یا اقرار تمہارا شرعی حق ہے اس لیے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرو یقین کرو مجھے سمیت سب یہی چاہتے ہیں۔“ انس نے سر جھکا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو ارے کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے۔

”انس! ان مقدس ساعتوں میں میں تم سے ہرگز جھوٹ نہیں بولوں گی ہاں واقعی تم میرا آئیڈیل نہیں تھے کیونکہ میں نے کبھی تمہارے اندر جھانکنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ میں مادی چیزوں کے حصول میں اس قدر بالکل ہو رہی تھی کہ مجھے حج غلط جائز و ناجائز کھرے کھوٹے کی پہچان ہی نہیں ہو رہی تھی مگر میرا اللہ بڑا مہربان ہے اس نے اس رحمتوں والے مہینے میں مجھ پر آہنی کے سب دروا کر دیئے۔ سیاہ سفید سب میرے

سامنے عیاں کر دیا۔ پھوپھو کے گھر گزارے گئے چند دنوں نے میری پوری زندگی بدل ڈالی اور میں جان گئی کہ جو شخص کسی کو عزت نہیں دے سکتا جو احساس نامی جذبے سے نا آشنا ہو وہ محبت جیسے نرم و لطیف پودے کی آبیاری کیسے کر سکتا ہے بھلا۔ میں جان گئی انس کہ اصل خوشیاں محبت کی دین ہوتی ہیں بے جان چیزوں میں بھلا دم کہاں کہ وہ کسی کا خیال رکھ سکے۔ میں جان گئی ہوں انس کہ تمہاری بے لوث اور بے ریا محبت کے آگے دنیا کی ہر شے بیچ ہے۔ میں جان گئی ہوں کہ ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے بس محبت ہی محبت باقی رہ جانے والی ہے۔ میں جان گئی ہوں انس کہ باقی سب مایا ہے..... سب کچھ مایا ہے.....“ وہ سسک رہی تھی اور انس حیرت سے اسے دیکھ کر جا رہا تھا۔ اتنا خوب صورت اقرار تو اس کے دہم و گمان میں بھی نہیں تھا اس کا دل چاہا کہ وہ بھنگڑا ڈالنے لگے وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔

”نہیں..... ابھی نہیں.....“ انس نے خود کلامی کی تو ارے حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”سنو! بس اب اور نہیں..... میں اب اور برداشت نہیں کر سکتا نہ تمہارے آنسو نہ تمہاری دوری..... میں جا رہا ہوں سب سے کہنے کہ فوراً میری شادی کی تیاریاں شروع کریں۔“ وہ جلدی جلدی بولا تو ارے کو اس کے مضحکہ خیز انداز پر ہلسی آ گئی۔

”مگر سنو تو..... بے شرم رمضان تو گزر جانے دو کم از کم عید کا چاند تو نظر آنے دو۔“

”ارے پار! میری محبت کا چاند نظر آ گیا“ بس میرے لیے یہی کافی ہے۔“ وہ تیزی سے نیچے جانے والی سیڑھیوں کی جانب لپکا تو ارے بے اختیار ہنستی چلی گئی انس کو لگا کہ آسمان پر ستاروں کی جگمگاہٹ میں یکا یک اضافہ ہو گیا ہے۔



www.Paksociety.com

آنچل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 244



# محبت سہا رنگ دل کا ہے



تعارف روگ بن جائے تو اس کو بھولنا بہتر  
تعلق بوجھ بن جائے تو اس کو توڑنا اچھا  
وہ افسانہ جسے انجام تک لانا نہ ہو ممکن  
اسے اک خوب صورت موڑ دے کر چھوڑنا اچھا

کی بابت پوچھتی ہے جس پر وہ رائیل کے لندن واپس  
جانے کا بتا کر پڑھائی کا پوچھتا ہے ذوالنون اس پر ابھی  
اپنی محبت عیاں نہیں کرنا چاہتا۔ نکمین، ہنوفل اور ذوالنون اپنی  
توجہ پڑھائی پر مرکوز رکھتے ہیں علی اور وہاب احمد بزنس  
میں مصروف ہو جاتے ہیں بظاہر سب مصروف ہیں لیکن  
رائیل کو کھودینے کا دکھ سب کے اندر کنڈلی مارے بیٹھا  
رہتا ہے خاص کر علی اور نکمین کا دل احساس جرم اور  
ندامت سے ہر پل بلکتا رہتا ہے۔ کرن ایگرا مر ختم  
ہونے کے بعد سب دوستوں کو اپنے گھر دعوت پر مدعو کرتی  
ہے وہیں ذوالنون کو کرن کے لندن جانے کی خبر ملتی ہے  
اور وہ براہم ہو کر وہاں سے چلا جاتا ہے کرن اس کے پیچھے  
آ کر اسے منانے کی ناکام کوشش کرتی ہے۔

(لاب آگے پڑھیے)



علی آفس سے گھر آیا تو پھر سے رائیل کی یاد جاگ اٹھی  
تھی اور وہ بے کل سا ہو کر کمرے میں ٹھہرنے لگا تھا۔  
”رائیل..... رائیل کیوں تڑپاتی ہو مجھے؟ اور کتنا  
مصروف رکھوں میں خود کو؟ ذرا فرصت ملتی ہے تو آن گھیرتی  
ہو سکام کروں تو بھی میرے آس پاس رہتی ہو اتنی بڑی  
سزا تو نہ دو مجھے میری غلطی کی۔ جانتی ہو کیا بیت رعی ہے  
میرے دل پر تمہاری جدائی میں میں مرا نہیں ہوں تو جی بھی  
نہیں پارہا۔ کیسے پہنچوں تم تک؟ کیسے مانو گی رائیل؟“ وہ  
اس کی تصویر کو دیکھتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

رائیل، افشین، تیمور حسن، وہاب لاج میں ملاقات  
کرتے آتے ہیں رائیل کا بڑا پن اور ظرف ہے کہ وہ اتنی  
زیادتیوں کے بعد بھی سب کو معاف کرنے کے بعد  
افشین اور تیمور حسن کے ساتھ واپس لندن چلی آتی ہے۔  
نکمین بیگم کو ڈر ہے کہ ذوالنون کہیں حقیقت سے باخبر ہو کر  
افشین کے ساتھ لندن نہ چلا جائے مگر ذوالنون انہیں  
یقین دلاتا ہے کہ وہ انہیں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ نکمین  
علی کو رائیل کے دیے ہوئے تمام تحائف واپس کر دیتی  
ہے یہ وہ تحائف ہیں جو علی نے رائیل کو دیے تھے علی کو دکھ  
ہوتا ہے کہ رائیل جاتے ہوئے ہر رشتہ ختم کر گئی ہے۔  
تیمور حسن وہاب احمد سے علی اور رائیل کا نکاح ختم کرنے کا  
کہتے ہیں اب رائیل بھی یہ رشتہ قائم رکھنا نہیں چاہتی یہ  
بات وہاب احمد کو ششدر کر دیتی ہے۔ زاہد ماموں اور  
شمینہ ممانی، خرم کے کہنے پر نکمین کا رشتہ لینے آتے ہیں  
شمینہ ممانی زاہد ماموں کو نکمین کے حوالے سے اپنے  
خیالات سے آگاہ کر رہی ہوتی ہیں اور نکمین ان کی باتیں  
سن لیتی ہے اور دکھ و غصہ میں آ کر رشتے سے انکار کر دیتی  
ہے۔ خرم نکمین کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے مگر اب وہ خرم  
سے اس حوالے سے بات کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔ رائیل  
لندن پہنچ جاتی ہے لیکن علی کا دل اپنے ساتھ لے آتی ہے  
ادھر علی کو اب کسی پل چین نہیں اسے رائیل کی یاد نے جکڑا  
رکھا ہے ذوالنون اسلام آباد آتا ہے تو کرن اس سے رائیل



”محبت کرتے ہیں مجھ سے اور مٹانا بھی نہیں جانتے۔“ رائتل کی آواز اس کی سماعتوں میں اتری تو وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے وہ کہیں نہیں دکھائی دی یہ شخص اس کا وہم تھا خیال تھا وہ کمرے میں تھا تھا رائتل وہاں نہیں تھی۔

”تم محبت سے اسے واپس لا سکتے ہو..... لیکن ہے نا دل میں اسے پانے کی تو محبت سے بڑھ کر کیا وجہ ہو سکتی ہے تمہارے اور رائتل کے ملن کے لیے..... جاؤ علی اسے مٹا لاؤ۔“ دماغ نے صبح دی تو وہ سوچنے لگا کہ رائتل تک کیسے پہنچا جائے؟ اس کے ذہن میں وہاں احمد سے بات کرنے کا خیال آیا وہ تو ان سے بھی نام تھا مگر اب سامنا تو ہر صورت کرنا تھا ان کا بھی اور رائتل کا بھی۔

☆☆☆

تکسین کے سیل فون پر کافی دیر سے خرم کی کال آ رہی تھی اور وہ اٹینڈ نہیں کر رہی تھی۔ نوفل نے دیکھا تو سیل اٹھا کر اسے دیا۔

”لو بات کرو خرم بھائی ہے۔“

”تم بات کر لو۔“ تکسین نے سیل فون اس کی طرف بڑھایا۔

”انہوں نے اگر مجھ سے بات کرنی ہوگی تو میرے سیل پر کال کر لیں گے وہ آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔“

”لیکن میں ان سے بات نہیں کرنا چاہتی۔“

”کوئی پرابلم ہے کیا؟“ نوفل نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔

”کوئی پرابلم نہ ہو اسی لیے بات نہیں کرنا چاہتی۔“

”تمہاری مرضی۔“

”ویسے ہم سب بھی اپنی اپنی جگہ کنفیوژ اور بے چین ہیں آپ بتائیں کون خوش ہے؟“ مام وہ ہر وقت اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑی رہتی ہیں ڈیڈی رائتل اور علی بھائی کے رشتے کو لے کر پریشان ہیں علی بھائی اپنی جگہ الگ پریشان اور افسردہ ہیں رائتل کو چاہتے ہیں اسے اپنی دلہن

بٹانا چاہتے ہیں مگر ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ اس تک کیسے پہنچیں؟ اسے کیسے واپس لائیں؟ کیسے اپنی محبت کا یقین دلائیں؟ اور آپ..... آپ ممانی کی باتوں کو دل پہ لے بیٹھی ہیں اور کنفیوژیشن کا شکار ہیں کہ خرم بھائی سے آپ کو بات کرنی چاہیے یا نہیں۔“

”جسمیں کیسے چاہے؟“ تکسین کو اس کی آخری بات نے حیران کر دیا فوراً سوال کیا تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

”میں بھی اب اپنے کان اور آنکھیں مٹی رکھتا ہوں سب جانتا ہوں کہ اس گھر میں کس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ذوالنون بھیا کے ایگزما ختم ہو گئے ہیں لیکن ایک اور امتحان ان کے لیے شروع ہو گیا ہے۔“

”یا اللہ خیر کیا ہوا ذوالنون کو؟“ تکسین نے پریشان ہو کر پوچھا تو وہ بتانے لگا۔

”پیار ہوا یا نہیں ہوا یہ تو وہ ظاہر نہیں کرے کسی پر مگر ان پر دل و جان سے فدا ان کی دوست کرنا بھی لندن جاری ہے اپنی اسٹڈی کے لیے۔“

”یہ ہر ہیروئن لندن ہی کیوں جاری ہے اور جسمیں؟“ ساری انفارمیشن کس نے دی؟

”میری اپنی سی آئی ڈی ہے میں بھائی کے دوستوں

سے بھی رابطے میں ہوں آج کل بھائی نے ان کے سیل

نمبرز دیئے تھے تاکہ اگر بھی بھائی سے کاھیکٹ نہ ہو سکے تو

ہم ان کے فریڈز کو کال کر کے ان کی خیریت معلوم کر لیں

اور انہیں کوئی میسج دینا ہو تو وہ بھی دے سکیں۔“ نوفل نے

اسے بتایا اور ساتھ ہی اسے موبائل پر آنے والا میسج بڑھنے

لگا علی نے ایک نظم بھی پڑھی اور نوفل سمجھ گیا تھا کہ یہ نظم علی

نے رائتل کے لیے بھیجی ہے اس نے مسکراتے ہوئے وہ

نظم رائتل کے نمبر پر فارورڈ کر دی۔

”مسکرا کیوں رہے ہو؟“ تکسین نے پوچھا تو وہ

ہنس کر بولا۔

”پیغام رسائی کر رہا ہوں علی سے رائتل تک۔“

”کتنے کرے علی بھائی اور رائتل ایک ہو جائیں۔“

”آمین۔“ نوفل نے دل سے کہا۔





نوفل کے نمبر سے موصول ہونے والی لطمہ دو جوں جوں  
رہتی جاری تھی اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جاری  
تھیں۔ لطمہ کے خرم میں لکھا تھا سچ فرام علی مہمن۔  
”علی.....“ رائیل کے لب بٹنے علی کی صورت  
آنکھوں کے سامنے آگئی اور وہ جواس کے خیال سے بچنے  
کی سعی کر رہی تھی پھر سے اس کے سحر میں گم ہونے لگی اس  
نے پھر سے وہ لطمہ پڑھنا شروع کی۔

”تمہاری ٹوٹی سانسیں

تمہاری سوچتی آنکھیں

تمہاری جاگتی راتیں

ہولے کدوش پیدھی سنا جاتیں

تمہیں وہیں بیلانی ہیں.....!

سنو تم لوٹ آؤ جہاں بھی ہو

تمہارے بعد جو بھی ہے

تمہارے سوگ میں ڈوبا ہوا ہے

وقت کی سوئی اسی لمحے پہ ٹھہری ہے

جہاں تم نے پھرنے کا ارادہ کر لیا تھا

لو میں یادوں کے محکڑ میں اکیلا

رہ گیا تھا

تمہیں معلوم ہے جب دل دھڑکتا ہے

تمہارا نام لیتا ہے.....!

یا نسو جب بھی بچتے ہیں تمہارے دکھ میں بچتے ہیں

ہو میں جب بھی ٹکیوں میں بھٹکتی ہیں

تمہیں ہی گنتلتی ہیں

تمہارا جین کرتی ہیں

یہ بات جب بھی ہوتی ہے تمہاری یاد کی شمعیں جلاتی ہے

تشنہ مجھ کو تمہارے وصل میں بجھکے ہوئے

ان موسموں کے ان گنت قصے سناتی ہے

سنو جب تم نہیں ہو تو

یہاں ہر سمت اباک خوف ہے جاک دروے

اک آواز کی ہے

سنو تم لوٹ آؤ نا!

جہاں تم ہو وہ دنیا کب تمہاری ہے

سنو تم لوٹ آؤ نا

تمہارے بعد جو بھی ہے

تمہارے سوگ میں ڈوبا ہوا ہے!

”تو یہاں کون سی بہار چھائی ہے علی صاحب! اور آپ

کو پیغام بھیجنے کے لیے نوفل کا سہارا کیوں لینا پڑا؟ مجھ سے

براہ راست مخاطب ہونے کی ہمت بھی نہیں ہے آپ میں

سب نے کوئی نہ کوئی چوٹ پہنچائی تھی لیکن آپ سے تو ایسی

امید نہ تھی۔ محبت دے کر جو زخم آپ نے مجھے دیا ہے وہ

اب تک ہر اہل اور اس زخم نے میری زندگی کے بدن سے

سارا ہونچوڑ لیا ہے کاش! کہ مجھے آپ سے محبت نہ ہوئی

ہوتی تو شاید یہ زخم اتنی تکلیف کا باعث نہیں بنتا۔“ رائیل

نے دل میں علی کو مخاطب کر کے کہا اور پھر رائیل کی آنکھیں

بھی شب کی چمکوں کے ساتھ ساتھ بھٹکتی چلی گئیں۔



خرم کا فون آ رہا تھا۔ ٹکسین پچھلے کئی روز سے اس کی کالز

اور میسجز نظر انداز کر رہی تھی لیکن اس وقت اسے اس پر رحم

آئی گیا اور اس نے اس کی کال اٹینڈ کر لی۔

”السلام علیکم؟“

”وعلیکم السلام! کیسی ہوگی؟ کہاں ہو تم؟ تمہاری طبیعت

تو ٹھیک ہے نا میں کتنے دن سے ٹرائی کر رہا ہوں تم جواب

کیوں نہیں دے رہی ناراض ہو اب تک؟“ خرم تو اس کی

آواز سننے ہی بے قراری سے سوالات کرتا چلا گیا ٹکسین کو

اس کی بے قراری پر ہنسی آنے لگی تھی مگر اس نے ضبط کر لی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں اور میرا خیال ہے کہ ہمارے

بچ ایسا کوئی رشتہ یا تعلق نہیں ہے کہ میں آپ سے ناراض

ہوؤں۔“ ٹکسین نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ

ٹوپ کر بولا۔

”پلیز ٹکسین! ایسے تو مت کہو ہم کزن ہیں اور میں تمہیں

پسند کرتا ہوں۔“

”آپ نے یہی کہنے کے لیے فون کیا تھا مجھے؟“



”پلیز ایک بار کہیں باہر مل آنا۔“

”سوری مسٹر خرم آپ وہاں لاج آ کر مجھ سے مل سکتے ہیں لیکن گھر سے باہر میں آپ سے نہیں ملوں گی میں نہیں چاہتی کہ آپ کی امی حضور کو پھر سے یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ جیسی ماں ویسی بیٹی اور یہ کہنگی آزاد خیال اور بے حیا ہے۔“ نگین نے بغیر لحاظ کیے صاف صاف کہا تو وہ شرمندہ ہو گیا۔

”آئی ایم سوری نگی! امی شرمندہ ہیں اپنی اس بات پر اور وہ تم کو ہی اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔“

”آپ نے ان پر دباؤ ڈالا ہوگا میں آپ سے پہلے ہی.....“

”نگی..... ایسی کوئی بات نہیں ہے میں نے یا ابو نے ان پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔“ خرم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے فوراً صفائی پیش کی نگین کو اس پر ترس آنے لگا بے چارہ ماں کی طرف سے صفائیاں دے رہا تھا۔ شرمندہ ہو رہا تھا۔

”دیکھو! انسان خطا کا پتلا ہے ہو جاتی ہے غلطی ایک لمحے کو وہ بھی بہک جاتا ہے لوگوں کی باتوں کے یا حالات کے زیر اثر آ جاتا ہے اور غصے یا جذباتی پن میں کچھ الٹا سیدھا کہہ دیتا ہے جس پر بعد میں اسے عداوت محسوس ہوتی ہے پکے آپ پر بھی غصا آتا ہے کہ اس نے یہ حرکت کیسے کر دی؟ یوں جذبات کا بہاؤ عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے اور جب وہ پردہ اٹھتا ہے تب اسے پتا چلتا ہے کہ وہ کیا غلطی کر چکا ہے..... اسی طرح امی سے بھی غلطی ہو گئی یقین کرو امی تمہیں بہت چاہتی ہیں۔“

”آپ بار بار اپنی امی کی طرف سے صفائی کیوں پیش کر رہے ہیں میرا نہیں خیال کہ ہمیں اس موضوع پر اب دوبارہ بات کرنی چاہیے۔“ نگین نے سنجیدگی سے کہا۔

”دوبارہ بات کرنے کی ضرورت ہے نگی کیونکہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں آخر ایک دن تمہاری شادی ہونی ہے تو مجھ سے کیوں نہیں؟ میں بہت خوش رکھوں گا تمہیں نگی! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میں یہ سب شادی

کے بعد کہنا چاہتا تھا لیکن..... مجبوراً ابھی کہنا بڑا رہا ہے پلیز انکار مت کرنا امی ابجائیں گے دشتے کی بات کرنے۔“

”کو کے..... ڈیڈی آگئے ہیں اور میری شادی کا فیصلہ بھی ڈیڈی ہی کریں گے میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا ابو کے خدا حافظ۔“ نگین نے سنجیدگی سے جواب دیا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

کرن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ذوالنون کو کس طرح منائے وہ نگی بار اسے ”سوری“ کا بیج کر چکی تھی لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ”وہاں لاج“ پہنچ گیا تھا۔ کرن کو اس کی بے حسی پر رونا آ رہا تھا اور ذوالنون کو اس کی جدائی کے خیال سے وہ لاکھ اسے نظر انداز کرتا اس کی حوصلہ شکنی کرتا مگر وہ اسے اچھی لگتی تھی اس کی عادت سی ہو گئی تھی اسے صبح کالج آتے ہی آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہتی تھیں وہ اس دیوانگی پر کبھی کبھی ڈر سا جاتا تھا اس کے ذہن میں یہ کہیں نہیں تھا کہ وہ یوں اچانک سے بیرون ملک جانے کا پروگرام بنالے گی۔

”تو کیا یہ طے ہے اب عمر بھر نہیں ملنا تو پھر یہ عمر کیوں تم سے گر نہیں ملنا“

”اف اتنی دونا ک غزل کیوں سن رہے ہو بھائی۔“

نگین نے ٹی وی لاونج میں ذوالنون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ صیا جانی اس وقت سیڈ موڈ میں ہیں۔“ نوفل نے ذوالنون کے برابر بیٹھے ہوئے کہا۔

”بالکل!“ نگین نے ذوالنون کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

”تم نے نہیں یاد کیا کوئی بات نہیں۔“ پھر وہ خود ہی انہیں کرن کے بارے میں بتانے لگا۔

”دیکھنے میں ماڈرن لگتی ہے مگر شاعری ویسی یاد کر رہی ہے بات بات بے بات شعر سنائی ہے ایس ایس الگ الگ شاعری سے بھر پور ہوتے ہیں اس کے شاعری میں بات



کرتی ہے لگتا ہے جیسے شاعری ہی اس کا اڈھنا بچھونا ہو۔“  
ذوالنون پہلی بار کرن کے حوالے سے ان دونوں سے اتنی  
تفصیل سے بات کر رہا تھا شاید اس کا دل کرن کی باتیں  
کرنا چاہ رہا تھا۔

”رائیل کے بغیر گھر اتنا اداس اور ویران لگ رہا ہے۔“  
تکین نے افسردگی سے کہا۔

نوشین نے کب وہاں آ کر کھڑی ہوئی تھیں ان تینوں  
نے چونکتے ہوئے نوشین کی طرف دیکھا۔

”موم کیوں نہ ہم سب لندن چلیں رائیل سے  
ملنے۔“ نوفل نے خیال ظاہر کیا تو ذوالنون کہنے لگا۔

”ہاں میرا بھی دل چاہ رہا ہے رائیل اور سب سے ملنے  
کو۔“ ذوالنون اپنے اصل ماں باپ سے ملنے کو بچل رہا تھا  
لیکن ظاہر نہیں کر رہا تھا کہ کہیں نوشین اور وہاب احمد دھی نہ  
ہو جائیں۔

”تو بیٹا تم جا کے مل آؤ نا ان سے یوں بھی آج کل  
تمہاری چھٹیاں ہیں۔“ نوشین نے اس کے پاس بیٹھتے  
ہوئے کہا۔

”اور ہم.....“ تکین اور نوفل بولے۔  
”ہم پھر کبھی چلیں گے۔“

”ذوالنون تم بھی لندن چلے جاؤ گے ہم اداس  
ہو جائیں گے۔“ تکین نے نوشین کی بات سن کر افسردگی  
سے کہا۔

”ارے نہیں بھئی میں کہیں نہیں جا رہا یہ چھٹیاں میں  
آپ سب کے ساتھ ہی گزاروں گا کیا خیال ہے سب مل  
کر ٹینک پر چلتے ہیں مزا آئے گا۔“ ذوالنون نے اپنی دلی  
خواہش کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کی اداسی دور  
کرنے کے خیال سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بس گڈ آئیڈیا“ ماموں کی فیملی کو بھی  
انوائٹ کر لیں۔“

”کیوں مام؟“ نوفل نے خوش ہو کر نوشین کی  
طرف دیکھا۔

”جیسے تم تینوں کو بہتر لگے کر لو اور اپنے ڈیڈی کو فون تو

کرنا بھی تک گھر نہیں آئے۔“ نوشین نے انہیں مٹھی پھنسی  
دیتے ہوئے وال کلاک پر وقت دیکھ کر کہا۔

”ڈیڈی بہت سیانے ہیں انہیں پتا ہے نا کہ اب آپ  
گھر یہ ان کا انتظار کر رہی ہوتی ہیں اسی لیے تو آپ کو  
انتظار کرنا کے مزے لیتے ہیں۔“ نوفل نے شرارت سے  
کہا۔ تو وہ تینوں ہنس پڑے۔

”موم سنبھالیں اسے یہ تو ہاتھوں سے لکھا جا رہا ہے۔“  
ذوالنون نے نوفل کی شرارتوں کی طرف اشارہ کرتے  
ہوئے کہا تو تکین بھی فوراً بول پڑی۔

”جی موم آج کل یہ بہت کل پرزے نکال رہا ہے اس  
کی سروس ہونی چاہئے۔“

”کیوں بیٹا؟ پھر ہو جائے سروس؟“ نوشین نے  
نوفل کا کان پکڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... بچاؤ..... بچاؤ..... ڈیڈی ہیلپ می۔“  
نوفل نے شوخی بھرے انداز میں شور مچایا سامنے سے وہاب  
احمد آتے دکھائی دیئے تو انہیں مدد کے لیے پکارا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے نیگم صاحبہ؟“ وہاب احمد نے مسکراتے  
ہوئے نوشین کو مخاطب کیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے  
نوفل کا کان چھوڑ دیا۔

”کچھ نہیں بس یہ بہت بد معاش ہو گیا ہے۔“  
”آخر بیٹا کس کا ہے؟“ وہاب احمد نے نوشین کو دیکھتے  
ہوئے شرارت آمیز لہجے میں کہا تو وہ سب ہی خوش دلی  
سے ہنس دیئے۔



رائیل کتاب کھلتی تو علی کی صورت صفحہ قرطاس پر  
مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی آنکھیں بند کرتی تو وہ بند  
آنکھوں میں آسمان بھولنا چاہتی تھی مگر وہ اور زیادہ یاد آتا  
تھا اسے احساس ہو گیا تھا کہ.....!

محبت وہ کہانی ہے.....  
کہ جتنا بھی کوئی بھولے  
ہمیشہ یاد رہتی ہے

رائیل نے ایم بی اے میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ وہ



”ڈرنک اٹ۔“ ایک کین کھول کر اس نے رائیل کو دیا۔

رائیل کسی معمول کی طرح اس کی بات پر عمل کر رہی تھی۔ خاموشی سے گھونٹ گھونٹ کر کے جوس پی رہی تھی۔

”سوس رائیگ ودیو۔“

”تھنک۔“ رائیل نے آہستہ سے جواب دیا، اب

وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ خواب و خیال میں گھر و بازار میں ہر جگہ اسے علی کا ہی چہرہ دکھائی دیتا تھا، بظاہر وہ سب کو کتنی مطمئن اور سرور دکھائی دیتی تھی لیکن اس کے اندر کتنی بے سکونی، بے کھلی اور اداسی آ بسی تھی، یہ صرف وہی جانتی تھی۔ اس نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ اسے کبھی کسی سے محبت ہو جائے گی اور وہی محبت اسے دکھ اور ناقدری کا احساس دلائے گی، اس کی اچھائیوں کو اس کی برائیاں اس کی خوبیوں کو اس کی خامیاں قرار دے دے گی۔

رائیل دل ہی دل میں علی سے مخاطب تھی۔ وہ تو کسی کی سامنے رو بھی نہیں سکتی ورنہ سب کو اس کے دکھ کی خبر ہو جاتی۔ وہ آنسو جو علی کے نام کے تھے پلکوں سے نہیں گرتے تھے لیکن سینے میں سلگتے رہتے تھے۔

”رائیل! تم کن سوچوں میں گم ہو؟“ میتھیو نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

”یہیں ہوں تمہارے سامنے۔“

”نہیں، تم یہاں ہوتے ہوئے بھی یہاں نہیں ہو۔“

”نہیں، میں ٹھیک ہوں اب چلتی ہوں، ماما انتظار

کر رہی ہوں گی، مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ جوس ختم

کر کے کھڑی ہو گئی۔

”تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔“ وہ اپنے انگلیں

لہجے میں اردو میں بولا تو اس کے لہجے پر وہ ہمیشہ کی

طرح ہنس پڑی۔ میتھیو اور باقی برطانوی دوستوں نے

اس سے اردو سیکھی تھی، میتھیو چونکہ اس کا پڑوسی بھی تھا

اس لیے روز آنا جانا ملنا ملنا رہتا تھا اور وہ کافی صاف

اردو بولنے اور سمجھنے بھی لگا تھا۔

ماسٹرز کرنے کے بعد اپنے پاپا کے بزنس میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی تھی، تیمور حسن نے میجر کی حیثیت سے جس کمپنی میں جاب کی تھی، اس کمپنی کے 75 فیصد شیئرز کے مالک تھے وہ اب یہ ملٹی نیشنل کمپنی تھی اور اس کی پروڈکشن کئی ممالک میں ایکسپورٹ کی جاتی تھیں۔ نیپیل، انجینئرنگ کر رہا تھا اور ہر امتحان میں بہت اچھے گریڈ حاصل کر رہا تھا۔ اسے گانے کا شوق بھی تھا اور وہ یونیورسٹی کے فنکشنز میں گاتا بھی تھا، خوب داد بھی پاتا تھا، اسے گٹار بہت اچھا بجانا آتا تھا، رائیل بھی اس سے گٹار بجانا سیکھ رہی تھی۔ افشین کا وقت گھر داری میں ہی گزرتا تھا وہ مکمل طور پر ایک اچھی ہاؤس وائف ہونے کا فریضہ بہت احسن طریقے سے انجام دے رہی تھیں۔

رائیل یونیورسٹی سے پیدل واپس آ رہی تھی کہ اسے سڑک پر گوروں کے بیچ اپنے وطن کا شناسا چہرہ نظر آیا، وہ علی تھا اور اسی کی جانب آ رہا تھا۔ رائیل حیرت سے وہیں ساکت ہو گئی۔

”کیا وہ آ گیا ہے اسے منانے؟“ رائیل نے دل میں سوال کیا اور جوں جوں وہ چہرہ قریب آ گیا، رائیل کے دل کی دھڑکن تھمنے لگی اور آخروہ چہرہ اس کے قریب آ گیا۔

”رائیل، وائے آر یو اسٹینڈنگ ہیئر۔“ اس مانوس آواز نے اس کے ساکن وجود میں ارتعاش پیدا کر دیا، اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا وہ چہرہ علی کا نہیں تھا۔ میتھیو کا تھا وہ آواز علی کی نہیں میتھیو کی تھی جو اسے یوں بیچ سڑک پر کھڑی دیکھ کر چلا آیا تھا۔

”میتھیو.....“ رائیل نے آہستہ سے کہا۔

”لیس ایس می آر یو آل رائٹ۔“ میتھیو نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

”لیس، آئی ایم فائن۔“ رائیل نے بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور چلنے لگی تو وہ بھی اس کا ہاتھ پکڑے اس کے ساتھ چلتا ہوا اسے قریبی پارک میں لے آیا اور اسے سٹی بیچ پہ بٹھا دیا اور دوڑ کر قریبی شاپ سے جوس کے دو کین لے آیا۔



”نو، نو،“ رائیل نے جواب دیا۔

”تمہیں محبت ہوگئی ہے؟“ متھیو کے سوال نے اسے بری طرح شٹا دیا۔ دل ایک ہل کو دھڑکنا بھول گیا۔ قدم اٹھنا بھول گئے۔ وہ حیرت سے اسے تک رہی تھی۔

”تم کو کیسے پتا؟“

”تمہاری آنکھیں بولتی ہیں۔“ اس نے جواب دیا۔

”کم آن متھیو ایسا کچھ نہیں ہے، جلدی چلو مہار پریشان۔“

ہو رہی ہوں گی، کتنی دیر ہوگئی ہے آج ہمیں۔“ رائیل نے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کہا تو وہ بھی رسٹ وائچ پہ ٹائم دیکھتا ہوا اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔

”ہیلو ہیلو گھر آ گیا ہے ڈیر۔“ متھیو نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجا کر کہا وہ جو علی کے خیال میں بس چلتی جا رہی تھی پھر سے چونک گئی۔



ذوالنون کے سیل پر میج ٹون بجی ذوالنون کا ہاتھ فوراً خوف زدہ ہو کر دھڑکتے دل پر گیا تھا۔

”ہائے! تمام لیا نا دل! پھر کہتے ہیں عشق نہیں ہے۔“

نوفل نے فوراً اس کی یہ حرکت نوٹ کی اور جملہ کسا۔

”وہ کھودیکھو ضرور کرن کا میج ہوگا۔“ نکین نے دلچسپی سے کہا تو ذوالنون ہنستے ہوئے بولا۔

”یہ تم دونوں کو اتنی دلچسپی کب سے ہوگئی، کرن میں؟“

”جب سے تم نے ان کے لندن جانے کی خبر سنائی ہے اور بے نیازی دکھائی ہے اس کے معاملے میں۔“ نکین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ہاں وہ اکیلی نہیں جا رہی آپ کا دل بھی اپنے ساتھ لے جا رہی ہے وہاں! آپ بولیں نہ بولیں آپ کے چہرے پر صاف صاف لکھا ہے ”میں بہت اداس ہوں“ کوئی کرن سے کہے کہ مت جائے رک جائے.....“ نوفل کے اعزاز پر ذوالنون اسے کشن لے کر مارنے کو دوڑا تھا۔

”ٹھہر جا تجھے تو میں سیدھا کرتا ہوں۔“

”اے بھائی! پہلے اپنا معاملہ تو سیدھا کر لیں روک کھینچ لیتے اسے لندن جانے سے؟“ نوفل نے اس کا

اپنی جانب پھینکا ہوا کشن پکڑ کر کہا۔

”اچھا میرے دو کئے سہہ رک جائے گی۔“

”بالکل وہ آپ کی کج ادائی کے سبب ہی جا رہی ہوگی مجھے پورا یقین ہے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ یہاں تو اس کی دال گلی نہیں لیکن وہاں تو سہی پائے بھی گل جائیں گے بھیا جی۔“ نوفل نے شوخ لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو ذوالنون نے اپنا سر پکڑ لیا۔

”میری کوئی خواہش نہیں ہے کہ وہ میری وجہ سے اپنا پروگرام کینسل کرے اچھا ہے لندن جیسی جگہ پر پڑھے گی تو اس کی ڈگری کی بھی یہاں ویلیو ہوگی، ہر انسان کو اپنے فوچر کے لیے کچھ بھی بہتر پلان کرنے کا حق ہے میں کرن کو ہرگز نہیں روکوں گا۔ اور یہ اس کے لیے اچھا ہے کہ وہ مجھ سے دور رہے اس طرح وہ اپنی اسٹڈیز پر پوری توجہ دے سکے گی اور سب ساہم بات یہ کہ ہماری تمہاری عمر تعلیم پر توجہ دینے کی ہے، عشق، پیار، محبت جیسے کاموں کے لیے عمر پڑی ہے، سائی لفل برادر۔“ ذوالنون نے نہایت سنجیدگی سے کہا تو وہ خود اپنی اس بات سے متفق ہوا یا نہیں، البتہ نوفل اور نکین کو اس کی بات معقول لگی اور وہ متفق تھے اس کے خیالات سے۔



خرم بے بسی سے نکین کی خاموشی کو جھیل رہا تھا۔ وہ دن میں کئی بار اسے فون دیتا کرتا بٹ نوں پلائی، وہ بہت ڈسٹرب تھا۔ ٹھینہ بیگم نے بات سننے سے پہلے ہی بگاڑ دی تھی۔ اور اب وہ اس سے معمول کی ملاقات سے بھی گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نکین کو جب تک ٹھینہ بیگم اس بات کی وضاحت نہیں کریں گی اپنی غلطی نہیں مانیں گی اور دل سے اپنی رضامندی اس رشتے کے لیے نہیں دیں گی نکین تب تک اس کے حق میں مثبت جواب نہیں دے گی اور اگر اس سے بات کیے بنا اس کے پیرنٹس سے بات کر بھی لی گئی تو وہ خود اس رشتے سے انکار کر دے گی..... اور انکار وہ انورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا ماموں نے تو اسے یقین دلادیا تھا کہ وہ مناسب وقت دیکھ کر نکین سے بات کر لیں گے مگر ٹھینہ



بیگم نے ابھی تک اپنی بات پر عمل کی کوشش نہیں کی تھی جس سے خرم کی آنکھیں اور بے قراری بڑھتی جا رہی تھی اور وقت تھا کہ گزرتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆.....

کچھ بات ہے تیری باتوں میں جو بات یہاں تک آپہنچی ہم دل سے گئے دل تم پہ گیا اور بات کہاں تک جا پہنچی ذوالنون کے سیل فون پر کرن کا میسج آیا تو حسب عادت شعر میں اپنا مدعا بیان کیا تھا ذوالنون نے کوئی جواب نہیں دیا شاید وہ اپنی حلقی ظاہر کرنا چاہ رہا تھا اس سے۔ کچھ دیر بعد دوبارہ میسج ٹون بجی تو ذوالنون نے دیکھا کرن کا ہی میسج تھا۔

”یہ لڑکی بھی نہ جب تک چلی نہیں جائے گی اسی طرح مجھے پریشان کرتی رہے گی۔“ ذوالنون نے میسج پڑھ کر خود سے کہا۔

”تمہیں الفت نہیں مجھ سے

مجھے نفرت نہیں تم سے

عجب شکوہ سار ہوتا ہے

تمہیں مجھ سے مجھ سے“

ذوالنون نے مسکراتے ہوئے اسے تپانے کی غرض سے لکھا۔

”مجھے کیسے یقین آئے؟

محبت تم بھی کرتی ہو

تمہیں جب بھی کبھی دیکھا

سدا خوش باش ہی دیکھا“

کرن کو اس کی طرف سے جواب ملنے کی دیر تھی وہ تو زار و قطار رونے لگی۔

”نہ خود محبت کرتا ہے نہ میری محبت پر یقین کرتا ہے۔ بے حس انسان جس دن اسے خود محبت ہوگی نا تب پتا چلے گا کہ محبوب کی بے اعتنائی اور جدائی کیسے مارتی ہے؟ کیسے رلاتی ہے؟ کیسے سجدہ کرواتی ہے؟ کیسے رب کے آگے ہاتھ پھیلانے پر اکساتی ہے؟ دیکھ لینا ذوالنون احمد تم ایک دن میری محبت کے سامنے سجدہ کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔“

تم میری محبت کے آگے اپنا ماتھا فیک دو گے تمہارا دل جھک جائے گا ایک دن میری محبت کے سامنے تم سر تسلیم خم کر لو گے ایک دن ہاں مجھے یقین ہے میری محبت میں بہت طاقت ہے اور تم اس طاقت سے بچ نہیں پاؤ گے۔“ کرن نے روتے ہوئے اپنے دل میں اسے مخاطب کر کے کہا۔

☆☆☆.....☆☆☆

”آپ علی سے بات کیوں نہیں کرتے آخر وہ چاہتا کیا ہے؟ کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتا اپنے اور رائیل کے رشتے کا؟“ امینہ نے عثمان عزیز کو اخبار پڑھتے دیکھ کر کہا۔

”فیصلہ! کیسا فیصلہ؟“

”اپنی اور رائیل کی زندگی کا فیصلہ آخر اس نکاح کی کوئی اہمیت ہے کہ نہیں؟“ امینہ نے ساٹ لہجے میں کہا۔

”اہمیت ہے جیسی یہ نکاح اب تک قائم ہے اور اس سے علی کا فیصلہ بھی عیاں ہے کہ وہ رائیل کو ہی دہن بنا کر اپنا گھر بسانا چاہتا ہے قدرت کو اسی طرح ان کا ملن منظور تھا سو نکاح ہو گیا۔ درمیان میں جو بھی بد مزگی اور بدگمانی پیدا ہو گئی تھی اس کی وجہ ہم سب ہیں وہ بچی رائیل نہیں اور مجھے یقین ہے کہ علی جب خود کو رائیل کا سامنا کرنے کے قابل سمجھے گا تب وہ اسے منالے گا۔“ عثمان عزیز نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

”اور وہ وقت کب آئے گا؟ جب علی کی عمر نکل جائے گی شادی کی بھی ایک عمر ہوتی ہے میاں صاحب!“ امینہ نے ساٹ لہجے میں کہا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

”تو اگر علی کا رائیل سے نکاح نہ ہوا ہوتا تب بھی تو ابھی تک علی کی شادی نہ ہوتی اتنا زیادہ وقت تو نہیں گزر رانا رائیل کو یہاں سے گئے ہوئے اور علی کون سا شادی کے لیے تیار تھا یہ تو قسمت نے ان دونوں کو ملا دیا اور علی کی عمر کو کیا ہوا؟ جوان ہے ابھی کوئی عمر نہیں نکلی جا رہی اس کی پہلے بھی آپ اپنی نا اہلی سے نہ صرف اپنے بیٹے کو بلکہ اپنے بھائی اور اس کی فیملی کو بہت دکھ پہنچا چکی ہیں لہذا اس بار کوئی حماقت مت کیجیے گا علی کو اس کے حال پر چھوڑ دیں وہ ضرور اس



مسئلے کو حل کر لے گا مجھے پورا بھروسہ ہے اپنے اللہ اور اپنے

بیٹے پر۔  
”وہ تو ٹھیک ہے لیکن یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے تو مسئلہ حل نہیں ہوگا..... حرکت میں ہی برکت ہے۔“ امینہ نے بے چینی سے کہا تو وہ ہنس کر پوچھنے لگے۔  
”بیگم صاحبہ! آخر آپ کو اتنی بے چینی کس بات کی ہے اصل مسئلہ کیا ہے..... اتنی بے صبری کیوں ہو رہی ہیں آپ؟“

”کیونکہ مجھے احساس جرم ہر گھڑی بے چین رکھتا ہے رائل کے ساتھ اپنا رویہ یا آتا ہے تو میری نیند اڑ جاتی ہے اسی لیے جب تک وہ دلہن بن کر اس گھر اور علی کی زندگی میں نہیں آ جاتی تب تک مجھے بھی چین اور سکون نہیں ملے گا۔“ امینہ نے ایمان داری سے ساری بات کہہ دی۔

”گڈ..... یہ تو اچھی بات ہے کہ آپ کو اپنے رویے کی بد صورتی کا احساس ہے اور آپ اس کی تلافی چاہتی ہیں لیکن بیگم صاحبہ! کچھ کام تقدیر کے ہاتھ میں ہوتے ہیں ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے تو پھر ہر کام خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے آپ بھی اس وقت کا انتظار کیجیے اور اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کی دعا کیجیے۔“ عثمان عزیز نے نرمی سے کہا۔

”ہاں دعا تو کر ہی رہی ہوں اللہ بہتر کرنے والا ہے۔“ امینہ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا اور چائے پینے لگیں۔ عثمان عزیز پھر سے اخبار کی سرخیوں اور خبروں میں کھو گئے۔



علی ”داب لاج“ آیا تو رائل کی تصویر دیوار پر آویزاں دیکھ کر پھر سے بے قرار ہو گیا اور باہر لان میں آ کر بیٹھ گیا۔

”یوں اس کی یادوں سے کب تک بھاگتے رہیں گے آپ؟“ نگین جو اس کی کیفیت کو بھانپ گئی تھی اس کے چہرے پر رمل بے گلی و بے بسی دیکھتے ہوئے استفسار کر رہی تھی۔

”کہاں بھاگ پاتا ہوں؟“ وہ بے بسی سے کھری اور معنی خیز بات کہتا اے بے حد آرزوہ لگا۔

”وہ بھی آپ سے بہت پیار کرتی ہے یہ یقین ہے نا آپ کو؟“

”شک کرنے کی کوئی وجہ کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔“ علی نے مسکراتے ہوئے دلگیر لہجے میں کہا۔

”تو محبت میں شکوے..... گلے..... غلط فہمیاں تو ہو ہی جاتی ہیں پھر انہیں دور کرنے میں منانے میں دیر کیوں؟“

”ایک خوف سا ہے کہ کہیں اسے پوری طرح سے ہی نہ کھو بیٹھوں خود میرا اپنا رویہ ہی میرے راستے کی دیوار بن جاتا ہے۔ ہم دونوں کے بیچ یہ خوف یہ ناگہمی کی دل شکنی آ کھڑی ہوتی ہے..... اگر اس نے منع کر دیا اور..... یہ رشتہ ختم کرنے کا کہہ دیا تو..... میں تو شاید زندہ ہی نہ رہ پاؤں..... اس کی محبت کا انکار میری یقینی موت ہوگا۔“ وہ بے بسی سے بولا۔

”اللہ نہ کرے علی بھائی! آپ کیسی خوف ناک باتیں کر رہے ہیں اتنی بہادر لڑکی کے شوہر ہو کر ایسی مایوسی کی باتیں! علی بھائی پلیز خود کو مضبوط بنائیں اور جا میں اس کے پاس کیا پتا وہ کب سے آپ کی آمد کی منتظر ہو یہ سوچ رہی ہو کیا آپ اسے منانے آئیں گے تو وہ فوراً مان جائے گی۔“ نگین نے تڑپ کر کہا تو وہ آس بھرے لہجے میں بولا۔

”کیا واقعی یہ بات ہو سکتی ہے؟“  
”کیا آپ کو اپنی محبت پر یقین نہیں؟“ نگین نے الٹا اسی سے سوال کیا۔

”یقین تو بہت ہے مجھے کہ وہ میرے لیے وہی محبت محسوس کرتی ہوگی جو اس کے لیے میرے دل میں ہے۔“  
”تو اللہ کا نام لے کر نکل جائیں اسے منانے اور پکڑ لیں لندن کی فلامیٹ۔“ نگین نے مسکراتے ہوئے مشورہ دیا۔

”لیجیے رائل کو یاد کیا اس کا میسج بھی آ گیا۔ اسے کہتے



ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ بلکہ چاہ ہوتی ہے اور آپ ہیں کہ ڈرے بیٹھے ہیں۔“ نگین نے مسکراتے ہوئے اپنا سیل فون اٹھا کر رائیل کا میسج اوپن کیا۔

”کیا لکھا ہے رائیل نے؟“ علی نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بے کلی سے پوچھا تو وہ اس کی بے کلی پر ہنس دی۔

”ایک غزل بھیجی ہے، لیس سنیں، آپ کے مطلب کی ہے۔“ نگین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور غزل سنانے لگی۔

”مکمل دو ہی دانوں پر یہ تسبیح محبت ہے  
جوائے تیسرا دانہ بیڑوری ٹوٹ جاتی ہے  
مقرر وقت ہوتا ہے محبت کی نمازوں کا  
ادا جن کی نکل جائے قضا بھی چھوٹ جاتی ہے  
محبت کی نمازوں میں امامت ایک کو سونپو!  
اسے تکتے اسے تکتے سے نیت ٹوٹ جاتی ہے  
محبت دل کا سجدہ ہے جو ہے توحید پر قائم  
نظر کے شرک والوں سے محبت روٹھ جاتی ہے“

”واہ! کیا زبردست پیغام بھیجا ہے رائیل نے آپ کے لیے۔ تو پھر کب جا رہے ہیں لندن؟“  
”ان شاء اللہ بہت جلد۔“ علی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اوشٹ جس کام سے آیا تھا وہ تو بھول ہی گیا۔“ علی کو اچانک جیسے کچھ یاد آ گیا ایک دم سے بولا۔  
”کون سا کام؟“

”خرم کا پیغام ہے تمہارے لیے۔“ علی نے جواب دیا۔

”یا آپ پیام بر کب سے بن گئے؟“  
”جب سے محبت کی ہے۔ ایک محبت کرنے والا ہی دوسرے محبت کرنے والے کا درد اور کیفیت سمجھ سکتا ہے۔“  
علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”واہ جی..... کیا ایسا ہے عاشقوں میں۔“  
”وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے تم کیوں اس بے

چارے کو اگنور کر رہی ہو؟“

”وجہ وہ اچھی طرح جانتا ہے۔“ نگین یکدم سنجیدہ ہو گئی۔

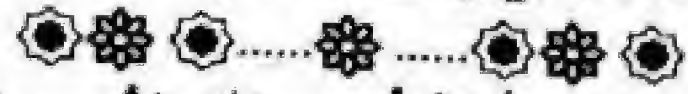
”رائیل کی بہن ہو کر اتنا غصہ اتنی اتنا.....“ علی نے حیرت سے کہا۔

”علی بھائی بات غصے یا انا کی نہیں ہے بات میری عزت نفس اور وقار کی ہے۔ میں کیسے اپنی پوری زندگی ان لوگوں کے بیچ گزارنے کا فیصلہ کر لوں جن کی خاتون خانہ ہی مجھے میری ماں کی وجہ سے بہو بنانے سے انکار کر چکی ہیں، مسٹر خرم کی والدہ میرے کردار پر شک کرتی ہیں تو ٹھیک ہے یہ ان کا حق ہے اور یہ میرا حق ہے کہ جو مجھے غلط سمجھتا ہے میں اس سے کوئی نپا رشتہ نہ جوڑوں میں ایک شخص کی محبت کے لیے اس کی نیکی سب سے بڑھ کر اس کی ماں کی نفرت اور ناپسندیدگی نہیں جھیل سکتی۔ میں نے زندگی میں محبت اور مرد دونوں سے فریب کھایا ہے اس لیے میں مزید کسی فریب میں کھو کر اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی میں اتنی اچھی ہوں کہ میں یہ عزم اور خیال لے کر خرم سے شادی کر لوں کہ اس کی ماں کو میں اپنی محبت اور خدمت سے جیت لوں گی ان کے دل میں جگہ بنالوں گی۔ مجھے شادی کے سلسلے میں ان کی ماں کا احسان نما اقرار قبول نہیں۔“ نگین نے نہایت سنجیدہ اور اٹل لہجے میں کہا۔

”آئی ایم امپریسڈ تمہارا خیال درست ہے مگر خرم کو اپنی والدہ سے ہی بات کرنی چاہیے وہ بات کر بھی چکا ہے کہہ رہا تھا کہ وہ اپنی باتوں پر شرمندہ ہیں تمہیں تو پتا ہی ہوگا کزن عورتوں کو یونہی بولنے کی عادت ہوتی ہے ہر معاملے میں ہر انسان کے بارے میں اپنے رشتے داروں کے بارے میں اور بات کا بے شکرت بنانے کی عادت ہوتی ہے اور یہی تمہاری شہینہ مامی نے بھی کیا اور تم اچھی طرح جانتی ہو وہ تو پہلے ہی بے ٹکان بولنے اور بے محل بولنے میں خاصی مشہور ہیں۔ لہذا میرا مشورہ یہی ہے کہ اگر وہ خود تم سے اپنی باتوں پر معذرت کرتی ہیں تو تم دل بڑا کر کے انہیں معاف کر دینا اور اگر وہ رشتہ لے کر آتے ہیں تو انکار مت



کرنا۔ کیونکہ خرم تم سے بہت محبت کرتا ہے اور محبت ہر کسی کا نصیب نہیں بنتی اس محبت کی قدر کرنا میری طرح نادانی نہ کر بیٹھنا اور نہ صرف دکھ باقی رہ جائے گا اور بچھتاوا۔“ علی نے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے اسے سمجھایا۔



”تیور ہماری بیٹی خوش نہیں ہے بس خوش ہونے کا ڈرامہ بہت اچھا کر رہی ہے۔“ افسین نے تیمور حسن سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو وہ سنجیدہ مگر نرم لہجے میں بولے۔

”جانتا ہوں۔“

”تو آپ وہاب بھائی سے بات کریں وہ تو بہت تعریف کرتے تھے علی کی اور آپ بھی..... پھر کہاں رہ گیا علی سال ہو گیا کوئی ایسے کرتا ہے کیا نکاح کر کے بھول گیا میری بچی کو دکھوں میں چھوڑ دیا۔ بے چینیوں کی نذر کر دیا۔ یہ محبت ہے اس کی؟ محبت کرتا تو کب کا آچکا ہوتا۔ کیا چل رہا ہے آخراں کے دماغ میں؟“ افسین نے سنجیدہ اور فکر مند لہجے میں کہا۔

”اللہ سب بہتر کرے گا یہ خاموشی خوشی میں ضرور بدلے گی یقین رکھیے۔“ تیمور حسن نے افسین کے شانوں کے گرد بازو جامل کر کے نرمی سے کہا تو وہ خدشات میں گھری فکر مندی سے بولی۔

”بعض اوقات اتنی طویل خاموشی بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔“

”نہیں..... نہیں آپ ایسا مت سوچیں ہماری بیٹی کی زندگی میں جتنے طوفان غم آنے تھے آچکے اب ان شاء اللہ کوئی طوفان رائیل کی زندگی میں نہیں آئے گا۔ آئے گا تو صرف خوشیوں اور محبتوں کا سیلاب آئے گا ان شاء اللہ۔“ تیمور حسن نے ان کے خدشے کو جھٹلاتے ہوئے پر یقین لہجے میں کہا۔ افسین نے دل سے دعا کی۔

”ان شاء اللہ! اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔“

رائیل اور نبیل دونوں جو گنگ کر کے ایک ساتھ واپس آ رہے تھے۔ دونوں نے انہیں دیکھتے ہی دور سے ہاتھ ہلایا۔

”ہائے پاپا..... ہائے ماما۔“ جواباً تیمور حسن اور افسین نے بھی ہاتھ ہلا کر انہیں جواب دیا۔

”پاپا کتنی ٹھنڈ ہے نا۔“ رائیل نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔

”برف پڑے گی تو کتنا مزا آئے گا نا۔“ رائیل آنے والے موسم کے خیال سے ہی ایکساٹنڈ ہو رہی تھی اور تیمور حسن مسکرا رہے تھے اس کا جوش دیکھ کر اور مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

”جی بیٹا مزا تو یقیناً آئے گا۔ سنو فال ہمیشہ مری کی یاد دلاتی ہے اور بیٹا جانی ابھی تو نیوا سیر آنے والا ہے۔ نئے سال کی تقریبات کا مزا بھی خوب رہے گا۔“

”آئی ایم سوا ایکساٹنڈ۔“ رائیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نظر آ رہی ہے آپ کی ایکساٹنڈ۔“ تیمور حسن بولے تو وہ ہنس پڑی۔

”پاپا بھائی کی اور عروج کی لڑائی ہو گئی صبح صبح۔“

”کیوں بھئی؟“ رائیل کے بتانے پر تیمور حسن نے نبیل سے پوچھا۔

”ایسے ہی پاپا میں نے جلدی اپنے راؤنڈز مکمل کر لیے وہ پیچھے رہ گئی پہلے اس بات پر منہ پھلا لیا اور پھر کیرین وہاں مل گئی اس سے اخلاقاً ہیلو ہائے کر لی تو صبح صبح اس کے چہرے پر پورے بارہ بج گئے۔“

نبیل نے گھر کے دروازے پر پہنچ کر اپنی بات مکمل کی۔ وہ تینوں ہنسنے لگے۔

”عروج ہے تو پوری برٹن لیکن اس کے یہ انداز خالص پاکستانی عورتوں والے ہیں۔“ افسین نے ہنستے ہوئے کہا۔

”صرف عورتوں والے نہیں خالص بیویوں والے انداز۔“ تیمور حسن نے مزید ان کی بات کو بڑھایا تو نبیل نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”اف توبہ پاپا! ڈونٹ ٹیل می ڈیٹ میں تو شادی ہی نہیں کروں گا۔“ نبیل نے کہا تو وہ سب ہنس دیئے۔

”بیٹا جی جب محبت ہو جائے گی تو شادی کرنے کو



بھی خود ہی دل چلنے لگے گا۔ مثال تمہارے سامنے موجود ہے۔“ تیمور حسن نے مسکراتے ہوئے افشین کو محبت سے دیکھا۔

”آپ بھی کیا باتیں لے بیٹھے، چلیں فریش ہو جائیں میں ناشتہ بناتی ہوں۔“ افشین نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے کہا۔



زندگی کے وہی معمولات تھے۔ ذوالنون پھر سے اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گیا تھا۔ کرن لندن جا چکی تھی لیکن ایک درد کے احساس کے ساتھ۔ ذوالنون نے اسے جاتے وقت اس کے میج کے جواب میں جو اپنے پیار کا اظہار ایک نظم کی صورت میں کرن سے کیا تھا وہ اس نے لندن پہنچ کر اپنی نیند پوری کرنے کے بعد پڑھا تھا اور اپنی سستی جی بھر کے کو سا تھا کہ اگر وہ پہلے ہی میج پڑھ لیتی تو شاید وہ لندن آتی ہی نہیں..... ذوالنون سے کنفرم تو کر لیتی کہ جو اس نے کہا وہ سچ ہے کیا؟ مگر وہ تو تمام راستے اس کے خشک رویے کی وجہ سے اس سے دور جانے کے خیال سے روتی، تڑپتی آئی تھی..... اور پھر یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ اس نے ذوالنون سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے ایک کامیاب ڈاکٹر بن کر دکھائے گی اس کے عشق کے چکروں میں پڑنے کے باوجود بہت اچھے گریڈز حاصل کرے گی سو یہی بات اسے اپنی تعلیم پر توجہ مرکوز کرنے پر مائل رکھتی اور وہ ذوالنون کے سامنے فخر سے اپنی ڈگری لے کر جانے کے خیال سے ہی متحرک ہو جاتی، خوش ہو کر مسکراتے لگتی۔

”کہیں ایسا نہ ہو جائے!

کہ میرا عکس چپکے سے

تری آنکھوں سے مٹ جائے

تیری جانب پلٹنے کا ہر اک رستہ

نہیں نہ بند ہو جائے

میری یادوں کا ہر پتہ بھی

تمہارے ہاتھ سے نکلے

فلک آباد ہو جائے

یا پھر بر باد ہو جائے  
میرا دل اب کے سینے میں  
دھڑکنے سے مگر جائے  
انا کی ہنر نہیں کو

میں خود ہی توڑ دیتا ہوں

تمہارے واسطے جاناں

ضدا پنی چھوڑ دیتا ہوں

یہی اک خواب بنا چاہتے تھے ناں!

یہی ضد تھی تمہاری ناں

کہ خود کہتے نہیں تھے تم

فقط میری زباں سے ہی

میرا قرار سننا چاہتے تھے تم

لو کہتا ہوں میری جاناں!

مجھے تم سے محبت ہے

سنو جاناں یہ اعتراف اب بر ملا ہے کہ!

میری رگ رگ میں خون بن کر تو بہتا ہے

میری آنکھوں میں اک خوب حسین بن کے تو رہتا ہے

کہ میرے جسم کا ہر ایک حصہ اور سینے کی ہر اک دھڑکن

سبھی سانسیں یہ کہتی ہیں

مجھے تم سے محبت ہے

یہی سچ ہے

مجھے تم سے محبت ہے“

ذوالنون کی طرف سے موصول ہونے والا یہ آخری

ایس ایم ایس تھا جو ایک نظم کی صورت تھا، کرن اس کو دن

میں کئی بار پڑھتی اور یقین کرنا چاہتی کہ یہ سچ ہے ذوالنون کو

اس سے محبت ہو گئی ہے مگر پھر ذوالنون کی ہی کمی ہوئی بات

یاد آ جاتی اس نے ایک بار کرن سے کہا تھا کہ!

”ایس ایم ایس کو میسج سمجھ کر ہی پڑھا کرو ایک تو تم

لڑکیوں کو پیار بھری شاعری پڑھتے ہی شہزادے کے خواب

نظر آنے لگتے ہیں فوراً خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔“

بس اس کی یہی بات کرن کو اداس کرنے لگتی۔





نوشین! افسردہ سی بالوں میں برش پھیرتے ہوئے رائیل کے خیالوں میں گم تھی وہاب احمد نے دیکھا تو پاس آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

”کیا بات ہے پریشان لگ رہی ہو؟“

”وہاب! میں رائیل سے ملنا چاہتی ہوں اس کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ فون پر تو کبھی اس سے بات ہی نہیں ہو پائی۔“ نوشین نے برش سائیڈ پر رکھا اور انہیں دیکھتے ہوئے بولیں تو انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

”آپ کو نہیں لگتا کہ اس طرح وہ پھر سے ڈسٹرب ہو جائے گی۔“

”ڈسٹرب تو وہ اب بھی ہوگی بھولے گی کیسے اپنی ماں کے ستم۔“ نوشین کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

”نوشی! خود کو معاف نہیں کرو گی تو زندگی بہت مشکل ہو جائے گی خوش رہا کرو۔“ وہاب احمد نے نرمی سے سمجھایا۔

”میں خوش کسے رہ سکتی ہوں نہ میں نے کسی کو کبھی کوئی خوشی دی نہ اپنوں کو کبھی خوش رکھا تو بھلا میں کیسے خوش رہ سکتی ہوں؟“

”رائیل بہت صاف دل کی لڑکی ہے اس کے دل میں تمہارے لیے کوئی رنجش نہیں ہے اس کی جڑیں اس مٹی میں ہیں وہ لوٹ کر یہیں آئے گی۔“

”لیکن کب؟“

”صبر کرو اور دعا کرو اللہ کو جب منظور ہوگا تب سب کام ہو جائیں گے۔“ وہاب احمد نے اسے تسلی دی۔

”بس وہ ایک بار مجھے دل سے ماں کہہ دے میرے دل کو سکون مل جائے گا۔“ نوشین نے حسرت سے کہا۔

”نوشین! تمہارا ہم رائیل پر اس کے ماں باپ ہونے کا حق نہیں جتا سکتے۔ کیا تم ذوالنون سے دستبردار ہو سکتی ہو۔“ وہاب احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

”نہیں وہ میرا بیٹا ہے۔“ نوشین نے فوراً ٹرپ کر کہا۔

”بس اسی طرح رائیل افسین اور تیمور حسن کی بیٹی ہے جب تک وہ اپنی دلی خواہش سے ہمارے ساتھ نہ رہنا

چاہے ہم اسے مجبور نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح اگر ذوالنون وہاں اپنے اصل والدین کے پاس جانا چاہے گا تو ہم اسے بھی نہیں روک سکیں گے کیونکہ وہ اس کی زندگی کا اہم رشتہ ہے وہ بالغ ہے اور سمجھدار ہے قانونی طور پر اپنے اصل ماں باپ کے پاس جا کر رہنے کا حق رکھتا ہے یہ تو ذوالنون کی محبت ہے اس کے ماں باپ کی محبت اور شاید کچھ ہماری اچھائی بھی ہے کہ وہ ابھی تک ہمارے پاس ہے ورنہ دکھ تو اسے بھی بہت ہوا ہوگا اس انکشاف پر کہ وہ ہماری اولاد نہیں لیکن دل بہت بڑا ہے میرے بیٹے کا ہنستے کھیلنے ہر بات اڑا دی۔“ وہاب احمد نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں ٹھیک کہا آپ نے“ حالانکہ وہ ہمارے ساتھ تو زیادہ عرصہ رہا بھی نہیں پھر بھی وہ ہم سے بہت پیار کرتا ہے میں ایک بات سوچ رہی ہوں وہاب۔“

”کون سی بات.....؟“ وہاب احمد نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”کیوں نہ ہم ذوالنون کو لندن بھجوا دیں پڑھنے کے لیے اس طرح وہ وہاں اپنی تعلیم بھی جاری رکھ سکے گا اور اپنے ماں باپ اور بھائی کے ساتھ رہنے کا موقع بھی مل جائے گا اے۔“ نوشین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں ذوالنون سے اگر وہ مان گیا تو اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ اور یوں بھی میں اس کی تعلیم کے حوالے سے فکر مند تھا اے لندن یا امریکہ اسپیشلائزیشن کے لیے بھیجنے کا سوچ رہا تھا۔ چلو اچھا ہے اگر پہلے ہی وہاں کوئی چانس مل جائے تو اور بھی بہتر ہوگا اس کے مستقبل کے لیے۔“ وہاب احمد نے مسکرا کر کہا۔

”بالکل اور آپ کو پتا ہے ذوالنون کی دوست کرن بھی لندن گئی ہے پڑھنے تو بھلا میرا بیٹا کیوں کسی سے پیچھے رہے کل کو وہ بھی اسے کہہ سکے گا کہ وہ بھی اس کے لیول کی ڈگری رکھتا ہے اور پھر وہ دونوں ساتھ رہیں گے تو انڈر اسٹنڈنگ ڈویسپ ہوگی اور شادی کے بعد انہیں پرابلم نہیں ہوگی۔“ نوشین نے مسکراتے ہوئے مستقبل کے پلان



بتائے تو وہ اب احمد کلاسی آگئی۔

”کیسی ہو رانیل؟“

”قائن۔“ یہ کہہ کر وہ پلٹ آئی اسے اندازے کے لیے نہیں کہا۔ دروازہ کھلا رہنے دیا تھا گویا اسے باور کرایا تھا کہ وہ آنا چاہتا ہے تو آ جائے وہ اندر نہیں بلائے گی اور نہ ہی جانے کے لیے کہے گی۔

علی کو اس کے رویے پر حیرت نہیں ہوئی وہ مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ رانیل ڈائننگ ٹیبل کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھی اپنے سیل فون سے افشین اور تیمور حسن کو میسج کر رہی تھی۔

”پاکستان سے گیٹ آئے ہیں آپ فوراً گھر پہنچیں۔“ تیمور حسن کا جواب آیا۔

”اوکے۔“ رانیل نے اٹھ کر علی کے لیے کافی کا مگ اٹھایا علی دیکھ رہا تھا وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کر رہی تھی۔ اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

”انکل آنٹی کہاں ہیں؟“ علی نے گھر کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”مارکیٹ تک گئے ہیں آتے ہی ہوں گے آپ تشریف رکھیے۔“ رانیل نے سنجیدگی سے جواب دیا وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ رانیل نے کافی کا مگ اس کے سامنے ٹیبل پر رکھا۔ اسی وقت تیمور حسن اور افشین نے گھر میں قدم رکھا۔

”اوہ..... علی آئے ہیں۔“ تیمور حسن اور افشین نے علی کو دیکھا تو انہیں خوش گوار حیرت ہوئی علی نے اٹھ کر انہیں سلام کیا۔

”السلام علیکم۔“

”وعلیکم السلام جیتے رہیے صاحب زادے۔“ تیمور حسن نے مسکراتے ہوئے بہت محبت سے گلے لگایا۔

”تو بالآخر آپ آ ہی گئے۔“ افشین نے اس کا شانہ تھپکا۔

”جی آنٹی اور میں واپس اکیلا نہیں جاؤں گا۔“ علی نے رانیل کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا تو رانیل نے فوراً اپنا بیک اٹھا کر شولڈر پر لٹکایا۔

”ماشاء اللہ تو آپ نے بہو بھی پسند کر لی ہے ارے بیٹا وہاں پڑھنے جائے گا کہ گرل فرینڈ کو خوش کرنے۔“

”بیٹے کو تو ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے گرل فرینڈ میں اگر ہوتی تو وہ اسے لندن جانے سے روک نہ لیتا۔“ ٹوشین نے سنجیدگی سے کہا نوفل اور ٹکمین کی زبانی انہیں ساری بات کا علم ہو چکا تھا۔

”پھر تو یہ ظلم ہوا نہ ذوالنون پڑا اگر اسے کرن میں دلچسپی نہیں ہے تو وہ اس کے پیچھے لندن کیوں جائے امریکہ کیوں نہ جائے؟ اور آپ کو یہ باتیں کس نے بتائیں؟“

”نوفل اور مگی نے“ کرن تو ہمارے بیٹے سے بہت محبت کرتی ہے لیکن بیٹے کا خیال ہے کہ اس عمر میں پیار نہیں پڑھائی ضروری ہے۔ پیار محبت کے لیے عمر پڑی ہے۔“ ٹوشین نے سنجیدگی سے بتایا۔

”بالکل درست فرمایا ہمارے بیٹے نے میں اس کے خیال سے متفق ہوں اینڈ آئی ایم پراؤڈ آف مائی سن۔“ وہ اب احمد نے سنجیدگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہائے بے چاری کرن۔“ ٹوشین نے آہ بھر کر کہا تو وہ ہنسنے لگے۔



رانیل کتاب کے مطالعے میں محو تھی لیکن صفحے پر علی کی صورت ابھر آتی اور وہ بے چین ہو جاتی تھی۔ سب اپنے کام سے نکلے ہوئے تھے اس نے اپنے لیے انڈا افرائی کیا بریڈ اور کافی بنا کر ناشتہ کرنے لگی اور میٹھی کا انتظار بھی۔ ڈور ٹیل بجنے پر رانیل نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے میٹھی کی جگہ علی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

سیاہ لونگ کوٹ، پینٹ شرٹ سیاہ بوٹ پہتے گلے میں میرون مفلر سجائے بہت فریش لگد ہاتھا۔

”السلام علیکم۔“ علی نے مسکراتے ہوئے اس کے دلکش چہرے کو دیکھتے ہوئے سلام کیا تو اس نے فوراً نگاہ چرائی۔

”وعلیکم السلام۔“



”مماں پاپا میں اکیڈمی جا رہی ہوں بائے۔“  
 ”بائے بیٹا فیک کیئر۔“ تیمور حسن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا وہ تیزی سے گھر سے باہر نکل آئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی سرک تک آ گئی یہ بھی بھول گئی کہ اس نے میتھیو کے ساتھ جانا تھا وہ گھر پر انتظار کر رہا ہوگا۔ دونوں کا روز کا معمول تھا کبھی وہ اس کی طرف آ جاتا اور کبھی رائیل اس کے گھر سے اسے ساتھ لیتی ہوئی اکیڈمی جاتی تھی مگر آج وہ اپنے حواسوں میں ہی نہیں تھی۔ علی کی یوں اچانک آمد نے اسے اپ سیٹ کر دیا تھا۔ دل کی دھڑکنیں مستی کی لے پر میں جھوم رہی تھیں۔ خوشی کے شادیانے بج رہے تھے اس کو دیکھ کر مگر وہ خوش نہیں تھی نجانے کیوں اس کے اندر وہ ہلچل نہیں مچی تھی جو کبھی اسے دیکھ کر مچا کرتی تھی۔ شاید احساس کے ان جذلوں پر ایک پرس میں برف جم گئی تھی جو اتنی جلدی پگھلنے والی نہیں تھی۔ اس کے سچے جذلوں کی کھری اور بے لوث محبت کی بہت سی حرارت چاہیے تھی۔

”وہ لوٹ آیا ہے رائیل! تم بھی چاہتی تھیں ناں کہ علی آئے اور تمہیں منا کر اپنی زندگی میں لے جائے تو اب تم خوش کیوں نہیں؟ تم نے تو علی کی واپسی کی دعائیں مانگی تھیں نا تو اب وہ دعائیں قبول ہو جانے پر تمہیں بے کلی کیوں محسوس ہو رہی ہے؟ تمہارے ہونٹوں پہ مسکان کیوں نہیں آ رہی؟ تم ڈر کیوں گئی ہو؟“ رائیل کا دل اس سے سوال پہ سوال کر رہا تھا اور وہ بے آواز اشک بہانی اکیڈمی جانے کی بجائے پارک میں بیٹھ پڑا بیٹھی۔  
 ”یہاں سو کیوں بہہ رہے ہیں؟“ اس نے خود سے سوال کیا۔

”علی کے آنے کی خوشی میں..... نہیں..... بلکہ ہر اس دکھ کے احساس کے پھر سے زندہ ہو جانے کی وجہ سے یہ آنسو بہہ رہے ہیں جو دکھ مجھے علی سے یہ رشتہ جوڑتے ہوئے ملے اور جو دکھ مجھے یہ رشتہ جڑنے کے بعد ملے۔ یہ کیوں آئے ہیں اب یہاں؟ پھر سے مجھے کوئی نیا دکھ دینے کے لیے یا کوئی نیا الزام لگانے کے لیے؟ پرانے زخموں

کے نانکے پھر سے ادھر گئے ہیں علی کو یہاں دیکھ کر..... یہ میرے زخم خراب کرنے کیوں چلے آئے؟ کیوں نہیں بھرنے دیتے یہ میرے زخم؟ محبت اور رشتوں کے تمام براہ کتنے زخم دیں گے یہ مجھے؟“ وہ خود سے الجھتی سوال کرتی رہی تھی کہ اسے اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ میتھیو اس کے بچپن کا دوست اس کا ہر از سہمی۔

”کیلی! کیلی! روری ہو میں مر گیا ہوں کیا مجھ کو نہیں بلا سکتی تھی تم..... حد ہوتی ہے غیر ذمہ داری کی ایک تو مجھ کو گھر چھوڑ آئی اور دوسرا یہاں بیٹھ کر اکیلی روری ہو..... تم مجھ سے کیوں چھپاتی رہی..... اپنا دکھ؟“ میتھیو اس کے شانوں کے گرد اپنا بازو جمائل کر کے اس کے برابر میں بیٹھا شکوہ کر رہا تھا اس کے لیے فکر مند ہو رہا تھا۔ رائیل اس کے شانے پہ سر رکھ کر رونے لگی۔  
 ”کچھ نہیں ہوا آئی ایم فائن۔“

”جھوٹ مت بولو تم پاکستان سے آئی تھیں تو کتنی کمزور اور ڈسٹرب لگ رہی تھیں میں نے تب بھی تم سے پوچھا تھا بٹ تم نے مجھ کو نہیں بتایا۔“ میتھیو نے پیار بھرا شکوہ کیا۔

”اپنوں کے دکھ بتائے نہیں جاتے۔“ رائیل نے بھیکتی آواز میں جواب دیا تو وہ تڑپ اٹھا۔  
 ”اب کیوں آیا ہے وہ یہاں؟“  
 ”شاید معافی مانگنے..... شاید مجھے منانے۔“  
 ”کیوں..... کیا زخم دیا ان لوگوں نے تم کو؟“  
 ”وہ مجھے بری لڑکی سمجھتے تھے خراب لڑکی آواہ کریکٹر لیس گرل۔“ رائیل کا دکھ آپ ہی آپ زبان پر آ گیا۔  
 وہ بہت شدت سے رو دی تھی ایک عرصے بعد اس کے ضبط کا بندھن پھر سے ٹوٹا تھا علی کیا آیا اس کے ہر دکھ کا احساس پھر سے لوٹ آیا تھا۔  
 ”واٹ؟“ میتھیو چلا اٹھا۔

”اب ان سب کو احساس ہو گیا ہے کہ وہ غلطی پر تھے اس لیے..... شاید مجھے واپس لے جانے کی کوشش



کریں۔“ رائیل نے سر اٹھا کر اس کی پریشان صحت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

علی گلاس ونگڈو سے باہر دیکھ رہا تھا تبھی اسے رائیل اور میتھیو آتے دکھائی دیئے۔ میتھیو نے اپنا بازو رائیل کے شانوں کے گرد حائل کیا ہوا تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے باتیں کرتے علی کو عجیب سی جیلسی کا احساس دلا رہے تھے۔ رخصت ہوتے ہوئے حسب عادت ان دونوں نے اپنا دایاں ہاتھ آپس میں مس کیا اور گڈ بائے کہہ کر دونوں اپنے اپنے گھر کے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

”ہیلو۔“ علی نے اسے دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے کہا۔  
”ہیلو۔“ رائیل نے آہستہ سے جواب دیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

”یہ ابھی تک یہاں ہیں؟ کئی نہیں؟“ رائیل نے اپنے کمرے میں آ کر اپنا کوٹ اور شوز اتارتے ہوئے سوچا اور جب وہ واش روم سے فریش ہو کر نکلی تو علی کو اپنے بیڈ پر نیم دراز دیکھ کر حیرت اور غصے سے جھج اٹھی۔

”آپ میرے بیڈ روم میں کیا کر رہے ہیں اور کس کی اجازت سے آپ یہاں آئے ہیں؟“

”تمہارا شوہر ہوں میں اور شوہر کو اپنی بیوی کے بیڈ روم میں آنے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔“ علی نے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔ ایک بار وہ اس کے بیڈ روم میں بنا اجازت کے گئی تھی اور آج وہ اس کے بیڈ روم میں تھا۔

”آپ میرے کچھ نہیں لگتے سنا آپ نے۔“  
”زبان سے کہہ دینے سے رشتے نہیں ٹوٹتے۔“ علی نے مسکراتے ہوئے کہا اور نگاہیں اس کے چاند چہرے کی بلائیں لے رہی تھیں۔

”تو زبان سے کہہ دینے سے محبت بھی نہیں ہوتی۔“ وہ ساٹ لہجے میں بولی۔

”عمل ہر رشتے کی اساس ہے مسٹر علی۔“  
”سچ کہا تم نے میں بھی تو عمل کرنے ہی آیا ہوں۔“

ڈیڑر۔“ علی نے مسکراتے ہوئے اس کے رخسار کو چھوا تو وہ بھڑک اٹھی۔

”ڈونٹ نیچ می دور ہیں مجھ سے۔“  
”اب اور دور نہیں رہا جاتا رائیل۔“ وہ بے بسی سے بولا۔

”مما..... ممما.....“ وہ افسین کو کارتی تیزی سے اپنے کمرے سے باہر نکل گئی۔ افسین کچن میں ڈنر کی تیاری کر رہی تھیں اسے غصے میں دیکھ کر متحکرم ہوئیں۔  
”کیا ہوا بیٹا؟“

”مما..... وہ شخص میرے بیڈ روم میں کیا کر رہا ہے؟“  
”آرام سے بیٹا علی شوہر ہیں آپ کے۔“  
”کچھ نہیں ہیں وہ میرے ان سے کہیں کہ یہاں سے چلے جائیں۔“ رائیل غصے سے کانپ رہی تھی تیز لہجے میں بولی۔

”لو کے بی ریلیکس وہ چلے جائیں گے لیکن اس وقت وہ ہمارے مہمان ہیں۔“ افسین نے اس کو بازو سے پکڑ کر پیادے سمجھایا۔

”تو انہیں گیٹ روم میں ٹھہرائیں میں انہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔“ وہ اسی سپاٹ لہجے میں بولی۔  
”لیکن میں تو تمہیں ہی دیکھنا چاہتا ہوں ہمیشہ۔“ علی جو اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا اس کی بات سن کر پیادے سے بولا رائیل اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اس کی جانب دیکھے بنا تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی خوش بو علی کی سانسوں میں اتر گئی تھی۔

”سوری بیٹا رائیل اس وقت کچھ تھکی ہوئی ہے اور سندھ تو غصے میں آتی ہی نہیں ہے۔“ افسین نے معذرت خواہانہ انداز میں علی سے کہا۔

”اس لو کے آنٹی اس کا غصہ بجا ہے اور میں اس کے ہر طرح کے غصے کو فیس کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ علی نے سنجیدگی سے کہا اور باہر نکل گیا۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری بیٹی کو بھی غصہ آتا ہے۔“ افسین نے تیمور حسن کو رائیل کا علی پر غصہ کرنے والی بات



بتائی تو وہ افسوس کے ساتھ اس کے کمرے میں آ کر مسکراتے ہوئے بولے تو وہ سنجیدگی سے بولی۔  
 ”پاپا۔۔۔ آپ کی بیٹی بھی انسان ہے اسے بھی غصہ آ سکتا ہے۔“

”بیٹا! اتنا غصہ کہ مہمان گھر سے ہی چلا گیا۔“ تیمور حسن نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔  
 ”کہیں نہیں جانے والے وہ صاحب آجائیں گے سڑکیں تپ کر اور پائے کیوں ہیں یہاں؟“  
 ”آپ کے لیے آئے ہیں۔“ تیمور حسن نے جواب دیا۔

”میں نے انہیں نہیں بلایا اور نہ ہی مجھ سے ضرورت ہے آپ ان سے کہہ دیجیے کہ وہ یہاں سے چلے جائیں۔“  
 ”بیٹا۔۔۔ وہ شرمندہ ہیں۔“ افسوس نے بتایا۔

”مہمان میں بھی بہت شرمندہ ہوئی ہوں وہاں جا کر اور انہوں کے ہاتھوں زخم کھا کر۔۔۔ اب کوئی نیاز ختم دینے آئے ہیں یہ صاحب۔۔۔ کیوں نہیں چھوڑ دیتے مجھے؟ کیوں پھر سے میرے زخم ہرے کرنے آگئے ہیں؟“ رائیل نے سنجیدہ سپاٹ اور دردناک لہجے میں کہا اس کی آنکھیں اس کے رونے کی کہانی سن رہی تھیں۔ وہ دونوں تڑپ گئے۔  
 ”کیا سمجھا ہے انہوں نے مجھے؟ کھلونا ہوں کیا کہ جب دل چاہا کھیل لیا جب دل چاہا توڑ دیا۔ مجھ میں اور برداشت نہیں ہے پاپا! انسان ہوں میں پتھر نہیں ہوں مجھے بھی چوٹ لگتی ہے دکھ ہوتا ہے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے۔“ وہ بولتے بولتے رو پڑی۔

☆☆☆.....

تم نے تو پھر بھی سکھ لیا زمانے کے ساتھ جینا ہم تو کچھ بھی نہ کر سکے تمہیں چاہنے کے سوا!  
 نکمیں کے موبائل پر خرم کا میسج آیا جس کو پڑھ کر وہ مسکرا دی۔

”ٹھیک کہا آپ نے مسٹر خرم! آپ تو کچھ بھی نہ کر سکے مجھے چاہنے کے سوا اور محبت عمل سے ثابت ہوتی ہے۔ دعویٰ وعدوں اور قسموں پر زندگی نہیں گزرتی۔ عمل

سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔۔۔ اور عمل کی جرأت آپ کر نہ سکے۔“ نکمیں نے اسے دل میں مخاطب کرتے ہوئے کہا وہ اس وقت وہاب احمد کی فیکٹری کے آفس میں موجود تھی۔ وہ آج کل بزنس میں ان کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ اس کے دورشتے بھی آئے ہوئے تھے اور نوشین اور وہاب احمد سنجیدگی سے ان پر غور کر رہے تھے۔ نکمیں کی دوست زرین کی شادی بھی ایک ماہ پہلے ہوئی تھی وہ بھی بہت خوش تھی۔ نکمیں کو خرم کا خیال اکثر آتا مگر وہ اس کے ہر خیال کو جھٹک دیتی۔ جاوید کو پھانسی ہو گئی تھی۔ اس کا خوف بھی اس کے دل سے نکل گیا تھا نوافل خوب دل لگا کر پڑھ رہا تھا۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا لیکن اندر کہیں سب کے دلوں میں بے چینی کی اور بے کلمی سی کمی اور شاید اسی کا نام زندگی ہے۔

☆☆☆.....☆☆☆

رائیل بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ اسے ”وہاب لاج“ میں گزارہ ایک ایک پل یاد آ رہا تھا۔ تڑپا رہا تھا۔ علی کے ساتھ گزرے لمحے اسے کتنے بے چین رکھتے تھے۔ وہ کتنی اذیت میں رہی تھی اس سارے عرصے میں اسے اپنی ہر اذیت پھر سے یاد آ رہی تھی۔ رائیل نے بہت خلوص سے علی کو چاہا تھا۔ دل سے اس سے محبت کی تھی اسے یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ محبت آپ کی دسترس میں ہو تو لگتا ہے ساری دنیا آپ کی منگنی میں ہے اور اس محبت کے بل پہ آپ ساری دنیا سے نکل لے سکتے ہیں اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو سکتے ہیں اور اگر یہی محبت منگنی سے ریت کی طرح نکل جائے تو انسان کمزور پڑ جاتا ہے بے جان سا ہو جاتا ہے تڑپتا ہے الجھتا ہے اپنے آپ سے لڑتا ہے اور اپنے آپ تک سے ہار جاتا ہے خود کو تنہا محسوس کرتا ہے اور محبت اگر آپ کے پاس ہو تو لب مسکراتے اور من میں پھول کھلتے رہتے ہیں جن کی خوشبو سے پورا وجود مسکنے لگتا ہے۔ یہی محبت آپ سے دور ہو جائے تو آنسو تھمتے ہی نہیں ہیں وجود ہستی میں خزاں چھا جاتی ہے افسردگی طاری ہو جاتی ہے اندر باہر بارش سی ہوتی رہتی ہے درد ہجر کی بارش ہجر جاں کا پتا ہمارا جاتا ہے کھلا جاتا ہے۔

262 اگست ۲۰۱۵ آنچل



رائیل کے پاس سب کی محبتیں تھیں۔ ماں باپ بھائی بہن پھر بھی ایک گلی سی تھی۔ دل میں بے گلی سی تھی۔ علی کے قرب کے وہ چند لمحے وجود جاں پہ حاوی ہو گئے تھے۔ اسے کبھی کبھی خود پر بہت غصا آتا کہ اس نے کیوں اپنی سادگی اور معصومیت میں اپنا آپ علی کے ہاتھوں میں دے دیا تھا؟ کیوں اس کے لمس کو اپنے وجود سے آشنا کیا تھا؟ کیوں اس کی سانسوں کو محسوس کیا تھا۔ آخر کیوں وہ اتنی بیوقوفی کی مرتکب ہو گئی تھی کہ اس کی محبتوں پر ایمان لا کر اس کو خود برا اختیار دے دیا؟

وہی شخص اس پر طنز و تضحیک کے تسخیر کے سنگ برسا کر کتنا ارزاں کر گیا تھا۔ جس کے ساتھ وہ اب رہنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس کے پاس جانا بھی نہیں چاہتی تھی اور اس کی محبت سے پیچھا بھی نہیں چھڑا پار ہی تھی اور وہ اس کے پیچھے اسے منانے چلا آیا تھا عجیب دورا ہے پرکھڑی تھی وہ اس وقت..... غصہ بھی اسی پر تھا پیار جس سے تھا۔ عدوات بھی اسی سے تھی دل کو محبت جس سے تھی۔ نہ جائے فرار تھی نہ جائے امان! سوچ رہی تھی وہ جائے تو اب جائے کہاں؟



”یہاں کس لیے آئے ہیں آپ؟“ رائیل نے تلخی سے پوچھا۔

”مجھے یہاں منانے اور اپنے ساتھ لے جانے کے لیے۔“

”بھول ہے آپ کی کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گی اور بھول جائیے کہ میرے اور آپ کے بیچ کوئی رشتہ تھا یا ہے اور بھول جائیے مجھے بھی یہی آپ کے لیے بہتر ہے۔“ رائیل نے کھڑے ہو کر اسے کڑے تیروں سے دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ بلیک جینز کی پینٹ اور سرخ ہائی نیک میں بہت فریش لگ رہی تھی بالوں کو ہیر کچر میں مقید کر رکھا تھا۔ سادہ چہرہ دھلا دھلا سا اپنے قدرتی حسن کے جلوے دکھا رہا تھا۔ علی کا دل لبھار ہوا تھا وہ کتنی ہی دیر اسے محبت سے دیکھتا رہا پھر مخمور لہجے میں بولا۔

”میں جو چاہوں تمہیں اک۔ پل میں بھلا سکتا ہوں پر میں بزدل ہوں مجھے موت سے ڈر لگتا ہے“ آپ.....“ علی کے لفظوں اور لہجے نے رائیل کے دل پر آری سی چلا دی تھی۔ وہ تڑپ کر بس آپ ہی کہہ سکی اور جھنجھلا کر اپنا کوٹ اٹھاتی باہر نکل گئی جہاں کچھ بھی اس کا منتظر تھا علی نے بہت بے بسی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

”ہمت مرداں مدد خدا دلہا بھائی ثرائی ثرائی آگین۔“

نیل نے پیچھے سے آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

”ہاں ہمت تو میں بھی ہارنے والا نہیں ہوں۔“

”گڈ..... چلیں میں آپ کو اچھی سی کافی بنا کر پلاتا ہوں۔“ نیل نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ اس کے ساتھ آ گیا۔ علی نے نجانے ان تینوں پر کیا جادو کیا تھا کہ تیمور حسن اُشٹین اور نیل اس سے ناراض نہیں تھے بلکہ اسے رائیل سے بات کرنے منانے کا موقع فراہم کر رہے تھے۔ تیمور حسن جانتے تھے کہ علی بنیادی طور پر ایک اچھا انسان ہے اور بے بسی و جذباتی پن میں وہ رائیل پر غصے میں برس کر اسے ہرٹ کر گیا تھا اور اسے اپنی اس غلطی کا شدت سے احساس تھا اور وہ رائیل سے کچی محبت کرتا تھا جیسا کہ وہ یہاں آیا تھا رائیل کو منانے کے لیے وہ اسے کھانا نہیں چاہتا تھا اپنے ساتھ بسانا چاہتا تھا اس کا اظہار وہ ان کے سامنے کر چکا تھا اور رائیل کے دل میں بھی علی کے لیے محبت ہے اس بات سے بھی وہ بے خبر نہیں تھے۔



تکسین گھر پہنچی تو زاہد ماموں بسمہ فیلی موجود تھے۔ وہ انہیں سلام کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی اور واش روم میں گھس گئی۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے چہرے پر مارے پھر باہر آ گئی۔

”گلی بیٹی یہاں آؤ میرے پاس آ کے بیٹھو۔“ ثمنینہ نے اسے بہت پیار سے مخاطب کیا جیسا کہ وہ ہمیشہ اسے مخاطب کرتی تھیں۔



چھوٹوں کے لیے بہت دکھ کا باعث بن جاتی ہیں آئی نو ڈیٹ۔“ نکین نے مسکراتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو سمجھنے والے تو اس کی بات کا مطلب سمجھ کر نظریں چرا گئے۔

”نگی بیٹی! تم ہمیں بہت عزیز ہو اور مجھے تمہاری مامی کو تو تم ہمیشہ سے ہی بہت پسند ہو اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لے آئیں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے بیٹی؟“ زاہد ماموں نے براہ راست اس سے پوچھا تو وہ سمجھ گئی کہ اس کے آنے سے پہلے خرم اور اس کے رشتے کی بات ہو چکی ہے۔

”ماموں! اس سوال کا جواب آپ کو میرے ڈیڈی جی دیں گے۔ ہاں اس سے پہلے آپ مامی سے پوچھ لیں کہ کیا یہ واقعی دل سے مجھے اپنی بہو بنانے کی خواہش مند ہیں یا کسی دباؤ کے تحت مجبور ہو کر یہ رشتہ کرنا چاہ رہی ہیں۔“ نکین نے نظریں جھکا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔

”بیٹی! میں تمہیں دل سے اپنے خرم کی کہن بنانا چاہتی ہوں۔“ ثمنینہ نے فوراً اقرار کیا۔

”ہاں بیٹی! اس بات کی ضمانت میں تمہیں دیتا ہوں کہ یہ دل سے یہ بات کہہ رہی ہے۔“ زاہد ماموں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ سب ہنس دیئے۔

”اور میرا خرم بھی دل سے تمہیں چاہتا ہے اس نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ میں اگر شادی کروں گا تو صرف نکین وہاب سے ورنہ کنوارہ مرجاؤں گا۔“ ثمنینہ نے مسکراتے جو شیلے لہجے میں کہا۔

”مامی جی! میں بہت پھوپھو لڑکی ہوں مجھے گھر داری بالکل نہیں آتی۔“ نکین نے اپنی سلی کے لیے یہ بھی کہہ دیا۔

”ارے تو کیا ہو خرم آپ بھگتے گا۔“ ثمنینہ نے حسب عادت چٹکلا چھوڑا جس پر سب ہنسنے لگے۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)



”جی مامی! کیسی ہیں آپ؟“ نکین مسکراتی ہوئی ان کے برابر آئی تھی۔

”آج ان سب کا باجماعت آنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟“ نکین نے دل میں سوچا۔

”اللہ کا شکر ہے میں بالکل ٹھیک ہوں تم سناؤ کیسی ہو؟ کتنے مہینے ہو گئے تم نے اپنے ماموں کے گھر کا رخ ہی نہیں کیا۔“ ثمنینہ نے اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھتے ہوئے ہلکا سا شکوہ کیا۔

”مامی! میں آج کل ڈیڈی کے آفس جا رہی ہوں ناں تو ٹائم ہی نہیں ملتا اور آپ کون سا روز آتی ہیں میں تو آپ کو بھی مہینوں بعد اس گھر میں دیکھ رہی ہوں۔“ نکین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو وہ ذرا سی کھسانی ہو کر کہنے لگیں۔

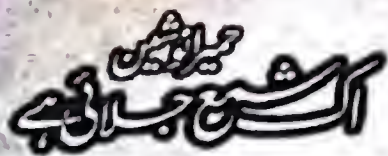
”بس نگی بیٹی! میں تو شرمندگی کے مارے بنا سکی اس روز آئی تھی تو نجانے کیا الٹی سیدھی باتیں کر گئی تھی تمہیں دکھ پہنچا تھا بس تم سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی بیٹی! اس بات کے لیے اپنی مامی کو معاف کر دو اور اپنا دل صاف کر لو میری بیٹی۔“

”میرا دل صاف ہے مامی! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم دل دکھانے میں تو ایک پل لگاتے ہیں اور منانے میں ایک سال اور کبھی کبھی پوری عمریں لگا دیتے ہیں جب ہم بھول چکے ہوتے ہیں تب لوگ پھر سے ہمارے درد جگا دیتے ہیں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر دوسرے کے دل میں پھر سے پرانا دکھ بیدار کر دیتے ہیں آخر ہم اتنی دیر کیوں کر دیتے ہیں؟“ نکین نے سنجیدگی سے کہا تو ثمنینہ سے تو کیا کسی سے بھی کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

”نگی بیٹی! بھول جائیے جو ہوا بڑوں سے بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔“ وہاب احمد معاملے کی نوعیت کو سمجھ چکے تھے بواجہ کی زبانی انہیں ثمنینہ کے حوالے سے جو تجویز بات ہوئی تھی معلوم ہو چکی تھی جب ہی وہ نکین کو پیار سے سمجھا رہے تھے۔

”جی ڈیڈی! آئی نو بڑوں کی غلطیاں بعض اوقات





سلسلہ دل کی بے چینی کو کیا کہتے ہیں دل والو تمہیں معلوم ہوگا مجھے تو آگہی کم ہے اب اس کے بعد جسم و جاں کو جلانے سے بھی کیا حاصل چراغوں میں لہو جلتا ہے پھر بھی روشنی کم ہے



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



شور سے سماعتیں بیکار ہوئی جاتی تھیں، وہ اللہ کا نام لے کر بچتا بچاتا اپنے گھر کے قریب پہنچ گیا۔ اس پاس کے گھر خالی ہو چکے تھے ایک دم آوازیں اس کی نکلنے کے قریب پہنچ گئیں خوف سے دل پتے کی طرح لرزنے لگا ساتھ والے گھر کا دروازہ کھلا تھا وہ جلدی سے اس میں گھس گیا اور مرغیوں کے ڈر بے کے پیچھے چھپ گیا اسے اپنے گھر کا دروازہ دھڑاک سے کھلنے کی آواز آئی اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ دھڑکنیں ست پڑ گئیں۔

”یا الہی! میرے بچے کی خیر.....“ دل سے دعا نکلی کچھ دیر تک آوازیں آتی رہیں اور پھر شور آگے بڑھ گیا جس گھر میں وہ چھپا بیٹھا تھا اس کا دروازہ کھلا تھا بلوائیوں نے خالی گھر سمجھ کر وہاں قدم ہی نہ رکھا اور عبدالرحمن کی جان بخشی ہو گئی۔ شور قدرے مدھم ہوا تو وہ دیوار پھاند کر اپنے گھر میں کود گیا۔ تاریکی میں کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا اس نے جیب سے ماچس نکال کر جلائی اور اپنے بچے کو دیکھنے کے لیے کمرے کا رخ کیا۔ بچہ چار پائی پر بے خبر سو رہا تھا اس نے جلدی سے اس کے منہ سے کپڑا ہٹایا اور اس کے زندہ وجود کو محسوس کر کے خوشی سے اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ چار پائی پر کپڑوں کا ڈھیر پڑا تھا اس نے پھرتی سے اس میں سے ایک بڑی سی چادر نکالی اور اپنے پیچھے کی طرف جھولی سی بنا کر آگے سے گرہ لگائی۔ بچے کو احتیاط سے اٹھا کر جھولی میں ڈالا بچہ کسمسا یا پھر رونے لگا۔

عبدالرحمن نے جلدی سے اس کے گلے میں پڑی چوٹی اس کے منہ میں ڈال دی بچہ خاموش ہو گیا۔ اس نے ایک اور چادر سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا احتیاط سے انہی رستوں پر لوٹنے لگا جہاں اس کے باقی بچے اور بیوی منتظر تھی قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اپنا وجود سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا وہ اپنے آپ کو سنبھالتا

یہ سوچ کر اس جگہ پر پہنچا کہ اس کی بیوی بچے کو دیکھ کر خوشی سے نہال ہو جائے گی مگر اگلے ہی لمحوں سے غڈ حال کر دینے والا منظر اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑا۔ بیوی اور معصوم بچوں کے لاشے اس جگہ پڑے تھے جہاں ابھی کچھ دیر قبل وہ زندہ سلامت چھوڑ کر گیا تھا۔

وہ صدمے سے غڈ حال ہو گیا ایک ایک بچے کے چہرے کو غم سے دیکھتا اور روتا رہا۔ بیوی کا بے جان لاشہ دیکھ کر اس کے کچھ دیر پہلے کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج گئے۔

”اپنی جان دے دوں گی مگر اپنے بچوں کو لیے بغیر یہاں سے نہیں ہوں گی۔“ سو اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا ممتا اپنی بچے پر قربان ہو گئی۔ مصطفیٰ کو تو اس نے بچالیا تھا مگر باقی تینوں بچوں کو وہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ عبدالرحمن کچھ دیر وہاں بے آواز روتا رہا مگر یہ وقت رونے کا نہیں سوچنے کا تھا۔ اپنی جان کی تو اسے پروا نہ تھی مگر ایک تنہی جان کو اس کی ماں اس کے سپرد کر گئی تھی سو اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر تھی اس نے تینوں بچوں کی پیشانی پر باری باری بوسہ دیا۔ جیلہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھا مگر تو نظر اس کی کلائی میں موجود چوڑیوں پر پڑی تو اس نے اس کے ہاتھوں میں پڑی چوڑیاں اور انگلیوں سی انگوٹھیاں نکال کر اپنی تہبند میں باندھ لیں۔ اس لمحے اسے لگا کہ وہ بھی ایک سفاک لٹیرا ہے جو برے ہوؤں کے سامان کو لوٹ رہا ہے۔ شدت غم سے اس کا سینہ پھٹا جا رہا تھا۔ جیلہ کا دوپٹہ پھیلا کر اس کے جسم پر ڈالا اور اپنے جگر گوشوں پر حسرت بھرا لوداعی نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ کیسی بے بسی و بد نصیبی تھی کہ ایک باپ اپنے بیوی بچوں کو بے گور و کفن چھوڑے جا رہا تھا۔



”جس سر زمین کو پانے کے لیے اپنے پیاروں کی جانوں کے نذرانے دینے پڑے ساری صعوبتوں اور تکلیفوں کو اس لیے برداشت کیا کہ اپنا آزاد پاک وطن نصیب ہو گیا جہاں اپنے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق آزادی و خود مختاری سے زندگی بسر کریں گے تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے اس پر ہزاروں جانیں فدا کی گئیں اس کی آبیاری میں مسلمانوں کا لہو شامل ہے اور تم کہتے ہو کہ میں اس ارض پاک کو چھوڑ کر انگریزوں کے دیس میں جا بسوں کہ جن کی غلامی و زیادتی کی وجہ سے یہ ملک حاصل کیا گیا پھر سے ان کے غلام بن جائیں۔“ بچے لکھوں کو یاد کر کے عبدالرحمن کا سانس دھونکی کی مانند چل رہا تھا سارے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔

”مگر بابا آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس ملک میں رکھا ہی کیا ہے رشوت دھوکہ دہی بے روزگاری انتشار قتل و غارت..... آئے روز دھماکے اس ملک کا دستور بن چکے ہیں پھر ایسے ملک میں رہ کر ہم کیسے ترقی کر سکتے ہیں۔“ مصطفیٰ برائیوں کی نشان دہی کرتا ہوا بولا۔

”واہ میرے بیٹے یہ برائیاں تو تمہیں نظر آ گئیں بھی اچھائیوں پر کبھی نظر دوڑائی ہے تم نے..... یہ جو آج کو ایفائیڈ ڈاکٹر بن کر لوگوں کی نظروں میں عزت و وقار تم نے حاصل کیا ہے جس کے بل بوتے پر تمہیں باہر کے ملکوں سے آفرز ہو رہی ہیں یہ تعلیم تم نے اسی ملک میں رہ کر حاصل کی ہے اسی سر زمین نے تمہیں اس قابل بنایا ہے کہ تم اپنی شناخت بنا چکے ہو۔ یہ ملک تمہاری پہچان ہے اس وطن کی بدولت تمہارا نام ہے تم سب کچھ ہوا اگر آج اسے چھوڑ کر چلے گئے تو کبھی اپنے مقام کو

مسکرائے

ایک شخص: ”کیا تم راجہ ہو؟“

دوسرا: ”نہیں میں میراثی ہوں۔“

پہلا شخص: ”تم راجہ ہو؟“

میراثی: ”نہیں میں میراثی ہوں راجہ نہیں ہوں۔“

وہ شخص: ”نہیں سچ بتاؤ تم راجہ ہو۔“

میراثی (غصے میں آ کر): ”ہاں ہاں میں راجہ ہوں۔“

پہلا شخص: ”شکل سے تو میراثی لگتے ہو۔“

لاریب عندلیب..... خیر پوتا میراثی

حقیقت دنیا

دنیا فانی ہے ہر شخص کی حیرت بقدر اس کی پیمائی

کے ہے جو کہ یہاں پینا تر ہے وہ حیران تر ہے۔

دنیا کی حلاوتیں جاہلوں کے لیے اور تمخیاں

عاقلوں کے لیے ہیں۔

دنیا ایک مسافر خانہ ہے لیکن بد بختوں نے اسے

اپنا وطن بنا رکھا ہے۔

دنیا ایک حسن پوش کنواں ہے عقل مندوں کو

احتیاط سے قدم رکھنا چاہیے۔

دنیا نئے تارک میں ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہی

شخص کو ہو سکتا ہے جس کی عقل و دانش کا چراغ گل ہو۔

دنیا میں ٹھکنے کے سوا کھڑا ہونے کی کوئی جگہ

نہیں۔

دنیا کو رنج و الم کو لازمی اور خوشی کو اتفاقیہ و عارضی

خیال کرو۔

مدیحہ کنول سرور..... چشتیاں

نہ پاسکو گے اور جن برائیوں کو تم بنیاد بنا کر یہاں سے جانا چاہ رہے ہو یہ برائیاں اس ملک نے تمہیں نہیں دیں بلکہ کچھ ضمیر فروش لوگوں نے اسے یہ ناپاک تحفے دیئے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ایک آزاد وطن میں رہ کر بھی تم غلامانہ ذہنیت رکھتے ہو۔“ عبدالرحمن بولتے بولتے ہانپ گیا اسے مصطفیٰ



کے خیالات نے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔

”تو آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں یہاں رہ کر اپنا مستقبل تباہ کر لوں، ترقی نہ کروں۔“ وہ اپنے باپ کی وطن سے محبت سے زچ ہو گیا۔

”ہاں میں چاہتا ہوں کہ ملک و قوم کی کشتی جو ہچکولے کھا رہی ہے اس کی پتوار تم سنبھالو۔ معاشرے سے یہ جو سکون عنقا ہو رہا ہے اپنے فکر و عمل سے اس بے سکونی کو راحت میں بدل دو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں رہو اپنے مستقبل کی نہ سوچو اپنے وطن اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہو اگر سارے نوجوان اسی طرح پڑھ لکھ کر اپنے ملک کی خدمت کرنے کی بجائے دوسروں کے در کو اپنے لیے وجہ ترقی و سکون بناتے رہے تو پھر یہاں تو تاریک راتیں ہی بسیرا کر لیں گی اور دشمن یہی کچھ تو چاہتا ہے۔ انگریزوں کے دور میں مسلمانوں پر اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے اس نا انصافی کو دیکھتے ہوئے ہمارے قائد نے ہمیں آزاد ریاست دلوائی اور اب وہی انگریز ہمارے نوجوانوں کو تعیشات اور روزگار کے بہترین مواقع فراہم کر کے ہمارے ملک کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تاکہ ترقی کے زینے پر ہم قدم ہی نہ رکھ سکیں اور تم دشمنوں کے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہو۔“

”تو آپ کا کیا خیال ہے تنہا میرے خدمت کرنے سے یہ تاریکیاں چھٹ جائیں گی؟“

”ہاں..... تم اپنا فرض نبھاتے رہو اگر یہی سوچ رکھی کہ ایک میرے تنہا چراغ سے کیا روشنی ہوگی تو تاریکی کبھی نہیں چھٹے گی۔ ہر چراغ اپنی روشنی پھیلاتا رہا تو اندھیرے کو ایک دن مات دینے میں کامیاب ہو جائے گا پھر دیکھنا کیسا روشن و تابناک مستقبل ہماری قوم کا مقدر ہوگا اور یہ تھوڑا مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں۔“ یہ کہہ کر عبدالرحمن وہاں رکا نہیں

کمرے سے ہی نکل گیا اور مصطفیٰ کے لیے ایک کی سوچ کا دروا کر گیا۔ وہ ساری رات مصطفیٰ نے آنکھوں میں گزاری دی۔ سوچتے فیصلہ کرتے صبح کی سپیدی نمودار ہونے لگی تو وہ تازہ دم ہو کر باپ کے کمرے میں چلا آیا، عبدالرحمن سجدے میں گرا اپنے رب سے اپنے ملک کی سلامتی و خوش حالی کے لیے دعا گو تھا۔

”ابا جان ایک محبت وطن کی دعاؤں کو اللہ کیسے رد کر سکتا ہے، آپ کا بیٹا دیار غیر کی محبت میں کیسے اپنے وطن کی محبت کو فراموش کر سکتا ہے۔ اپنے مفاد کی خاطر اپنے ملک کے مفاد کو کیسے پس پشت ڈال سکتا ہے۔ میں اپنے حصے کی شمع ضرور روشن کروں گا اور چراغ سے چراغ جلتا رہے گا، یہاں تک کہ ان قدیلوں کی روشنی سے اقوام عالم کی آنکھیں چندھیا جائیں گی۔“ مصطفیٰ باپ کا ہاتھ پکڑ کر امید کا دامن تھامے اس کے سامنے تھا اور عبدالرحمن نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے، خدا نے اس کی سن لی تھی اس نے اپنے بیٹے کی آنکھوں میں امید کے روشن دیئے جلتے دیکھ لیے تھے۔

دونوں نے کھڑکی کے اس پار دیکھا طلوع سحر کا منظر بڑا ہی روشن تھا۔ سورج کی روشنی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، تاریکی چھٹ رہی تھی اور سورج کی کرنیں ہر سوا جالا بکھیر رہی تھیں۔ ان دونوں کے ہونٹوں پر بڑی امید افزا اور آسودہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔







صالحی منزل  
تمہارا چاہتا ہوں گی

عيل سعيل عيل سعيل عيل سعيل عيل سعيل عيل سعيل عيل سعيل

گلشن کو کر رہی ہے معطر ہوائے عید  
آتا نہیں ہے کچھ بھی نظر ماسوائے عید  
میری طرف سے عید مبارک ہو آپ کو  
میرے پاس تو ہے یہی تحفہ برائے عید

جب میں نے پہلی مرتبہ ان کو دیکھا تو ان کی تابناک شخصیت نے میرے وجود کو اس طرح پکھلا دیا جیسے کوئی بھڑکتی ہوئی آگ میں موم ڈال دے اندھیرے سے نکل کر کوئی اجالک سورج کو دیکھ لے تو آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور میری آنکھیں بھی کچھ دیکھنے سے قاصر تھیں۔ دل میں بیس سی اٹھی اور آنکھوں میں جیسے چنگاریاں سی بھری گئیں۔ کہاں میں ایک ذرہ ناچیز اور کہاں وہ پہاڑوں کی طرح بلند قامت مغرور انسان..... اپنے سے کمتر لوگوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح سمجھنے والے..... مجھ میں بات کرنا تو درکنار ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت تک نہ تھی۔ میری عمر اس وقت چودہ برس تھی میٹرک کر کے فارغ ہوئی تھی اور جوانی کے قدموں کی چاپ ابھی میرے شعور سے بہت دور تھی۔

لڑکپن کی سرحد پر کھڑے ہو کر میں نے انہیں چالو جو میری پہنچ سے بہت دور تھے اور ان کا حصول..... ناممکن تھا۔ مگر مجھے ان کو دیکھنا اچھا لگتا تھا یہ جانے اور سوچے بغیر کہ چاند کو چھونے کی تمنا چکور بھی کرے تو تھک کر نیچے گر پڑتا ہے۔ میں تو انہیں صرف پوجتا اور ان کی پرستش کرتا چاہتی تھی اس طرح کہ کسی کو کان و کان خبر نہ ہو اور ہوتی بھی کیسے کہ میں کم سن اور دو تیس سالہ بھریور جوان۔

ہم کسی تقریب میں گئے ہوئے تھے یوں تو امیر رشتہ دار غریب رشتہ داروں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتے لیکن ایسے موقعوں پر بلا لئے جاتے ہیں تاکہ اپنی شان و شوکت اور جاہ و حشمت کی نمائش ہو سکے۔ ہر طرف مہمانوں کا ہجوم تھا رنگ و بو کا سیلاب امنڈ آیا تھا میں بھی اپنے معمولی لیکن خوب صورت لباس میں اڑی اڑی پھر رہی تھی تب اماں نے کسی ضروری کام سے اوپر بھیجا۔ میں پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی ٹھٹھک گئی اوپر سے وہ بچے آرہے تھے۔ سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں اور سیاہ لٹ پیشانی پر جمبھوتی ہوئی میری نگاہیں جھک گئیں۔ انہوں نے ایک لاتعلقانہ سی نگاہ مجھ پر ڈالی اور بیگانگی سے برابر سے نکلتے چلے گئے اور میں سر سے پاؤں تک لرز اٹھی اندر جیسے گہری دہک اٹھی اور یہ آگ دکھ بن کر بری طرح میرے وجود کو چاٹنے لگی.....!

اپنے اور ان کے لباس کا موازنہ کر کے میری مسکراہٹ کرب میں ڈوب گئی، ان کی بے توجہی نے میرے تن من کو جھلسا دیا مگر میں توجہ کے قابل تھی ہی کہاں؟ سمندر میں ایک قطرے کی مانند وسیع صحرا میں بھٹکتے ہوئے ایک سوکھے تنکے کی طرح حقیر جس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ میرا دل پیٹھ گیا کیونکہ ہر وقت ان کے خواب دیکھنا میری عادت بن گئی تھی۔



قدموں میں لوٹ رہی تھیں۔ انہوں نے اخلاقیاتی سے پوچھا۔  
 ”مامی! دردہ کون سی کلاس میں پڑھتی ہے؟“ اور امی بڑے  
 فخر اور پیار سے میری طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔  
 ”انٹری پری میڈیکل کیا ہے A-one گریڈ میں اور اب  
 انٹری ٹیسٹ کی تیاری کر رہی ہے۔“

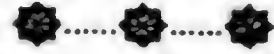
”اچھا.....“ انہوں نے مصنوعی حیرت سے کہا جس میں  
 لاتعلقی اور بیگانگی کے رنگ نمایاں تھے۔

”اس کا مطلب ہے ہم مستقبل کی ڈاکٹر سے ہم کلام  
 ہیں۔“ میں جھل ہو گئی اور وہاں سے اٹھ جانے میں ہی عافیت  
 سمجھی بہر حال جو کچھ بھی تھا دردہ کا ایک انمول خزانہ میں نے اپنے  
 سینے میں چھپا لیا تھا۔ میں ابھی کم عمر اور نا سمجھ تھی اور محبت کی پختگی  
 ناپید میں محبت کے بحر طلسم اور اس کی بھول بھلیوں میں دیوانہ وار  
 بھٹک رہی تھی اور نکلنے کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا سچ تو یہ ہے کہ اس  
 بھٹکنے میں بھی ایک لذت تھی وہ حقیقی زندگی میں مجھ سے دور  
 ہونے کے باوجود میری تخیل کی دنیا میں آباد تھے۔ ان کا تصور  
 مجھے آگے بڑھنے اور ان کے مقام تک پہنچنے کا حوصلہ دیتا تھا اور  
 میں سمجھتی تھی کہ بڑھنے میں لگ جاتی۔ ڈاکٹر بننا میرا خواب تھا  
 اور میرے خوابوں کی دنیا ان کے تصور سے آباد تھی..... اور میں  
 انجانے میں اپنے دیوتا کے قدموں میں لہو کے چراغ جلائی  
 رہتی تھی۔ میں بھرپور جوان تھی ہر شے پر نکھار آ گیا تھا زندگی  
 پہاڑی ندی کی طرح تل کھاتی گنتلاتی بہہ رہی تھی۔ ہماری سختی  
 کے دن گزر چکے تھے۔ خوش حالی اور آسودگی ہمارے در پر دستک  
 دے رہی تھی۔ بھیا کی CA کرتے ہی بہت اچھی ملازمت  
 ہو چکی تھی اور میرا میڈیکل میں ایڈمیشن بھی ہو گیا تھا۔



میرے بے حد اصرار پر بابا نے اورنگی ٹاؤن کا بڑا سا گھر بیچ  
 کر ڈیفنس دیو میں چھوٹا مگر خوب صورت سا گھر خرید لیا تھا۔  
 میں بے حد خوش تھی۔ میری خاموش پرستش اسی طرح جاری تھی  
 بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی چاہت کا پودا جو میں نے دل  
 میں لگایا تھا اس کو خون دل دے کر اس کی آبیاری کر رہی تھی۔  
 اسے جگر کا لہو پلا کر پیچ رہی تھی۔ اس پودے نے اب ایک تناور  
 درخت کی شکل اختیار کر لی تھی اور اس کی جڑیں کینسر کی طرح  
 میرے پورے جسم میں پھیل گئی تھیں اور میری روت کی گہرائیوں  
 میں اتر گئی تھیں۔ کم سنی کی محبت بھی کتنی گہری اور پائیدار ہوتی ہے  
 میں ان تمام دکھوں کا بوجھ تنہا اٹھا رہی تھی اور کسی کو خبر بھی نہ تھی۔

میں ان کو اپنے دل کے سب سے اونچے سنگھاسن پر بٹھا کر  
 پونے لگی تھی۔ حالانکہ میں جانتی تھی میرے اور ان کے درمیان  
 طبقاتی فرق اور دولت کی اونچی اونچی دیواریں حائل ہیں جو بہت  
 بلند اور پھیلی ہوئی ہیں۔ دولت کی چمک نے جہاں خون سفید  
 کیے تھے وہیں پرانے طور طریقے اور رہن سہن بھی بدل ڈالے  
 تھے۔ نئی تہذیب نے پرانی تہذیب کو اس طرح نکل لیا تھا جیسے  
 اندھیرا روشنی کو نکل لیتا ہے مگر یہ چاہت..... خانہ خراب انسان کو  
 دنیا سے بے خبر کر دینے والی۔ اونچ نیچ اور امیری غریبی کی تفریق  
 سے بے پروا نا آشنا ان کی شخصیت کے سحر نے مجھے پتھر کا بنا دیا  
 تھا اور میں ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب رہنے لگی  
 تھی مگر مجبوری تھی وہ آسمان کے باسی..... میں خاک کی پوندہ  
 میری پھپھو کے بیٹے جو ڈیفنس میں اپنے پریش بڑے سے گھر  
 میں رہتے تھے اور میں اورنگی ٹاؤن کی رہائشی کہاں راجہ بھوج  
 کہاں گنگو تلی۔



پھپھو نے فون کر کے بلایا تھا آریاں پڑھنے باہر جا رہے تھے  
 یوں تو میرے بابا بے حد خود دار غیرت مند اور اونچی ناک والے  
 تھے اور انہیں کسی قسم کا احساس کمتری بھی نہ تھا بلکہ انہیں فخر تھا  
 اپنی اولاد اور بیوی پر جو غریبی میں بھی خوش اور مطمئن تھے مگر  
 بہن کے بلانے پر جانا بھی ضروری تھا۔ کیونکہ پھوپا بے حد بڑے  
 پوتے چچا پھوپے اور شوباز تھے اور بابا کے نہ جانے پر جل گھڑی  
 ساسوں کی طرح پھپھو کو سوسو طعنتیں سننا پڑتے تھے۔ اس لیے  
 ایسے موقعوں پر بابا ضرور جاتے تھے پوری شان اور تمکنت سے۔



خاندان کی نوعمر اور دلکش لڑکیوں کا تھمکھا لگا ہوا تھا وہ ان  
 سے مرعوب بھی تھیں اور ان کی پرکشش شخصیت سے مسحور بھی۔  
 ہر ایک ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش میں تھی آخر وہ  
 ایک بڑے باپ کے بیٹے اور اعلیٰ تعلیمی اداروں سے فارغ  
 التحصیل متمول خاندان کے اکلوتے چشم و چراغ تھے یہ تمام  
 چیزیں اچھے اچھوں کو احساس برتری اور دوسروں کو احساس  
 کمتری میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھیں۔ سوائے ہمارے بابا  
 کے جو اپنی کھال میں مست قانع صابر اور شاکر تھے لیکن ماں  
 باپ کے برخلاف آریاں میں غرور و تکبر نام کو نہیں تھا بلکہ  
 عاجزی انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لیے وہ سب  
 سے بلند اور مایہ ناز دکھائی دے رہے تھے اور میری نگاہیں ان کے

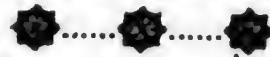


مگر ٹھہرے شاید میں کچھ غلط بول گئی بھلا ماں سے بھی کہیں کچھ چمپا ہے ان کی جہاندیدہ نظروں نے اپنی بیٹی کو جانچ لیا تھا اور اشاروں کنایوں میں مجھے سمجھائی رہتی تھیں۔

”بیٹا! تم آگ سے کھیل رہی ہو۔ جل جاؤ گی، فنا ہو جاؤ گی اور ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ چاند کو چھونے کی کوشش نہ کرو اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ بقاء بارے میں کبھی غفلت میں بھی ٹاٹ کا پیوند لگا ہے؟ کنول گندے پانی میں ہی کھلتا ہے مگر توڑنے میں ہاتھ تو میلے ہوتے ہی ہیں نا۔ تم وجدان کے بارے میں سوچا کرو۔ تمہاری خالہ کا بیٹا ذہین مہذب اور خوددار ہے اور تمہارے ساتھ ہی ڈاکٹر بن رہا ہے۔ تمہارے اماں اور بھائی کو تو بے حد پسند ہے اور تمہاری خالہ کئی مرتبہ کہہ چکی ہیں مگر میں تمہاری پڑھائی کا بہانہ بنا کر ٹال رہی ہوں۔“ ان کے لہجے میں تسکین تھی۔

”بیٹا! خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ چاند کو چھونے کی تمنا میں تھک کر گر جاؤ اتنی اونچی اڑنا اڑو جتنا تم میں دم اور حوصلہ ہو۔ جو تم چاہ رہی ہو اور سوچ رہی ہو اول تو ایسا ہوگا نہیں اور اگر ہو بھی گیا تو ساری عمر بچھتاؤ گی۔ وہ گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والا مرد اور تم نو خیز کٹی بھنورا مفت ڈال ڈال پات پات منہ مارنے والا بھلا ایک پراکتفا کرے گا؟ پھر سب سے بڑھ کر تمہاری پھوپھی اور پھوپھا چلو پھوپھی کی تو خیر ہے مگر پھوپھا؟ چٹکیوں بھرا کھاب غرور کی بلند ترین چوٹیوں پر کھڑے رشتہ داروں کو کیڑے مکوڑے سمجھنے والے۔ سہہ سکوگی ان کی حقارت بھری نگاہیں اور آگ برسائی زبان۔ میں ماں ہوں میرا کام تمہیں سمجھانا تھا باقی تمہاری مرضی۔ سمجھدار ہونا پتا برا بھلا سمجھ سکتی ہونہ سمجھو تو تمہاری مرضی۔“

میں نے جواب دیئے بغیر کتاب اٹھائی اور اپنے کمرے میں آگئی ان کو سمجھانا بیکار تھا میں نے کب ان کو پانے کی تمنا کی تھی میرا فکرو ان کے تصور سے آباد تھا اور امی اسے برباد کرنے پر تلی تھیں۔



وجدان میڈیکل کالج میں مجھ سے دو سال سینئر میرا خالہ زاد تھا بے حد مختصر، مخلص، خوش مزاج اور خوش اخلاق تقریباً ہمارے جیسے حالات کا شکار لیکن اس میں آگے بڑھنے کا عزم اور حوصلہ تھا اس لیے عام نوجوانوں کی طرح نہ وہ ناٹ کینے میں جاتا تھا اور نہ فضول لغویات میں اس کا دل لگتا تھا لکھنا پڑھنا ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا خالہ کی مجھے بہو بنانے کی شدید خواہش تھی جس میں وجدان کی رضا بھی شامل تھی مگر اس نے کبھی

چمچھورے پن کا مظاہرہ نہیں کیا تھا نہ عامیانہ گفتگو کی تھی میں اس کی بے حد عزت کرتی تھی سب کے دوٹ یعنی لبا بھائی اور میری چھوٹی بہن..... وجدان کے لیے تھے اور اماں کے سوا کسی کو نہ میرے جذبات کا احساس تھا نہ علم۔



پھر اچانک سنا کہ آریاں امریکہ سے ایک اور ڈگری لے کر آگئے ہیں لبا جان ہم سب کو لے کر مبارکباد دینے ان کے گھر گئے۔ جدید طرز کا عالی شان بلکھ جس کے پورچ میں کئی قیمتی گاڑیاں کھڑی تھیں اور باوردی ڈرائیور انہیں چمکانے میں مصروف۔ لٹلش کرتا گرین لان جس میں دنیا بھر کے ملکی اور غیر ملکی پودے اپنی محبت دکھا رہے تھے سرخ قالین سے مزین کوریڈور سے گزر کر ہم ان کے وسیع اور کشادہ ڈرائنگ روم میں آگئے جس کی شان ہی زالی تھی۔ قیمتی عمدہ میٹنگو بہترین فرنیچر فراہمی طرز کی کھڑکیوں پر لہراتے پردے اور بے تحاشہ میٹکے اور قیمتی ڈیکوریشن پیسز غرض ہر چیز سے دولت لمارت نفاست اور اچھے ذوق کی عکاسی ہو رہی تھی اور میری نگاہوں میں اپنا تین بیڈ روم کا وہ گھر محسوس رہا تھا جو خوش حالی کی بدولت کافی سنور گیا تھا مگر یہ گھر دیکھ کر مجھے دانتوں پسینا گیا۔ میری بھاری بھر کم پیمو بڑے اخلاق سے پیش آئیں جو سرسرم مصنوعی لگ رہا تھا پھر یہ جان کر کہ میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ انہوں نے ازاراہ عنایت مجھے لائبریری میں بھیج دیا۔ میں کچھ دھوئیں اور مرغوب سی اسٹڈی روم دیکھ رہی تھی جو دنیا بھر کی قیمتی اور نایاب کتابوں سے بھرا ہوا تھا ہر فیلف پر رنگ لگا ہوا تھا اردو سٹری جغرافیہ سائنس فکشن انکس اور بہت کچھ ایک طرف بے حد خوب صورت مطالعہ کی میز کے ساتھ رولنگ چیئر میں نے بے خیالی میں بیٹھ کر اس پر معمولی شروع کر دیا۔ ”ماشاء اللہ چیئر کا صحیح استعمال تو اب ہوا ہے“ میں شرمندہ ہو کر گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ آریاں کب کمرے میں آئے مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔

”کمال ہے میرے ذہن میں تو تمہارا وہی تصور تھا دلی پتلی سانولی سی دو موٹی موٹی چٹیاں آگے ڈالے دوپٹے گلے میں جھلاتی ہوئی۔“ میں خاموش رہی۔ ”کافی خوب صورت اور اسارٹ ہو گئی ہو بچپن میں تو ایسا نہ تھیں۔“

”جی.....“ میں نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ ”میں کہہ رہا تھا جوانی میں آفت ہو گئی ہو۔ قیامت لگ رہی ہو تم تو اچھے اچھے ذہنوں کے ہوش اڑا سکتی ہو۔“ میری پیشانی پر



مل پڑ گئے۔  
 ”یہ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں آپ؟“ میرا ناگوار لہجہ اور  
 بگڑا ہوا سوؤں دیکھ کر وہ جلدی سے بولے۔  
 ”کمال ہے تعریف سن کر لڑکیاں خوش ہوتی ہیں اور تم منہ بنا  
 رہی ہو۔“

”جن لڑکیوں سے آپ کا واسطہ ہا سجدہ لسی ہی ہوتی ہوں  
 گی مگر ہمارے یہاں لسی عامیانہ اور گھٹیا باتیں نہیں کی جاتیں۔“  
 ”کمال ہے کیا بد ذوق لوگ ہیں یہاں کے۔“  
 ”اس میں بد ذوقی کی کیا بات ہے مسلمان اور شریف  
 لڑکیاں اتنی منہ پھٹ اور بے باک نہیں ہوتیں۔“

”اس کا مطلب میں منہ پھٹ اور بے باک ہوں اور تمہیں  
 میرے مسلمان ہونے پر بھی شک ہے۔“ وہ مسکرا کر بولے۔  
 ”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا صرف بتایا ہے کہ ہماری مذہبی  
 اقدار ہماری تہذیب اور ہماری نسوانیت اس طرح کی آزادی  
 و گفتار کی اجازت نہیں دیتی۔“ میں نہ چاہتے ہوئے بھی بولنے  
 پر مجبور ہوئی۔

”وہ بھی مذہبی اقدار کیا ہوتی ہیں آپ وضاحت کریں  
 گی۔ ہر طرف کھلے عام بے باکی کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ ہر  
 ٹی وی چینل پر فحاشی اور بے حیائی کے تقارے دکھائے جا رہے  
 ہیں۔ لڑکیاں وہلباس پہن رہی ہیں جو شاید مغرب میں بھی اتنے  
 عام نہ ہوں جبکہ یہاں کی تہذیب و ثقافت کا حصہ ہے کھلا ڈالنا حول  
 سیلو۔ کس بلکہ ٹوپ۔ کس کپڑے و جمیوں کے نام کے دوپٹے اور وہ  
 بھی ندارد۔ کیا یہی تمہاری مذہبی اقدار ہیں؟ چلو چھوڑو مذہب  
 کی باتیں ہوں کو تو لوگوں نے قرآن کی عقل میں کارنس پر سجا کر رکھ  
 دیا ہے کھوکھلا مذہب ہن۔“ ان کے لہجے میں عجیب طرز اور  
 حقارت تھی اور میں جوان کی باتوں سے شرمندگی محسوس کر رہی تھی  
 جھنجھلا انھی میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

”خدا نہ کرے کہ ہمارا مذہب کھوکھلا ہوا جاسم مستند اور  
 قابل عمل اور کوئی مذہب ہو ہی نہیں سکتا جب تک یہ چاند تارے  
 روشن ہیں دنیا باقی ہے تاملناک جاں پرور لہلا تے کھیت کھلیان  
 سیا باد بستیان یہ مسلمانوں کی یک جہتی اتحاد و اتفاق اور بھائی  
 چارگی یہ سب اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہے کوئی ان دیکھی ہستی  
 ہے جو ان سب پر قادر ہے آپ چھٹھی بھر مسلمانوں کی بے  
 راہ روی کی وجہ سے سارے مسلمانوں کو مورد اہرام نہیں ٹھہرا  
 سکتے۔ ہمارا مذہب کبھی سال خوردہ نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن کے

احکامات رہتی دنیا تک ہیں مسلمان بگڑ سکتے ہیں۔ ان کا چلن  
 خراب ہو سکتا ہے لیکن مذہب اسلام نہیں یہ نئی تہذیب کی چلتی  
 پھرتی لاشیں ہمارے مذہب کی ترجمان نہیں اور سچ پوچھئے تو  
 مجھے اپنے مسلمان ہونے پر فخر بھی ہے اور غرور بھی۔“ میرا لہجہ  
 خود بخود سرخ ہو گیا اور میں نے واپسی کے لیے قدم بڑھا دیئے۔

”اچھا رکھو تو“ کہاں جا رہی ہو۔ اب اس بات پر برا مت  
 مان جانا کہ تم واقعی تقریر بہت اچھی کر سکتی ہو۔“ ان کا لہجہ شرارتی  
 تھا۔ پھر انہوں نے الساری سے شراب کی بوتل نکالی اور اپنا گلاس  
 بھر لیا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

”سوری میں تمہیں آفر نہیں کر سکتا کیونکہ بد قسمتی سے یہ  
 نعمت مسلمانوں پر حرام ہے۔“ انہوں نے ایک دم گلاس منہ سے  
 لگایا اور غنا غٹ ٹی گئے میرے سامنے اب خالی گلاس تھا اور ان  
 میں اور اس خالی گلاس میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ان کی شخصیت کا  
 خمازان کے کردار کا حسین اور ان کی پاکیزگی و پارسائی کی تصویر  
 چھٹا کے سے ٹوٹ گئی تھی اور بے دھیانی میں میں جو کارنس پر  
 رکھی ایک ڈانگ ڈول سے چھیڑ خالی کر رہی تھی وہ میرے  
 ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی۔ نجات سے میرا برا حال ہو گیا لیکن  
 انہوں نے بے پروائی سے کہا۔

”ڈنٹ وری اگرچہ یہ کڑیا مجھے بے حد پسند تھی اور میں  
 امریکہ سے لایا تھا لیکن کوئی بات نہیں پیسہ ہو تو ہر چیز خریدی  
 جاسکتی ہے۔ چیز تو کیا انسان بھی۔“ انہوں نے میری آنکھوں  
 میں آنکھیں ڈالتے ہوئے خود اعتمادی سے کہا اور میں خاموشی  
 سے باہر نکل آئی مگر اس کے باوجود میری چاہت میں کوئی کمی  
 نہیں آئی تھی بلکہ اب میں اپنے اللہ سے ان کے صراطِ مستقیم پہ  
 چلنے کی دعائیں مانگنے لگی تھی بہت شدد و مد سے۔



اس دن اچانک وہ گھر آ گئے امی پڑوس میں گئی تھیں اور میں  
 گھر میں اکیلی تھی۔ میں گھبرا گئی۔

”تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔“ انہوں نے لڑکھڑاتی ہوئی  
 آواز میں میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا اور میں سناٹے  
 میں آ گئی۔

”بیٹھنے کو نہیں کہو گی۔۔۔۔۔؟“ بھی کچھ تو بولو کیا واپس چلا جاؤں  
 اور مای کہاں ہیں؟“

”پڑوس میں گئی ہیں۔“ میرا لہجہ خشک ہو گیا۔

”پھر تو مزے ہو گئے آؤ بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔“ انہوں



نے میرا ہاتھ پکڑ کر زبردستی بٹھانا چاہا اور مجھے جیسے کرنا چاہا۔

”آریاں بھائی سوری میں اس وقت آپ کو نہیں بٹھا سکتی میں اپنی دوست کی طرف جاری ہوں اور وہی بھی جانے کب آئیں گی؟“

”تم مجھے گھر سے نکلنے کو کہہ رہی ہو۔“ انہوں نے جھڑک کر کہا میں نے جواب دیئے بغیر گیٹ سے قدم باہر نکالا تو مجبوراً ان کو بھی باہر آنا پڑا۔

”یار کمال ہے اتنی بداخلاق تم کب سے ہو گئیں۔ ایک کپ چائے کا بھی نہ پوچھا۔“ ان کے منہ سے بوکے بھگے آ رہے تھے۔

”سوری مجھے کیا سنڈ اسٹڈی کے لیے دوست کی طرف جانا نہ ہوتا تو ضرور آفر کرتی۔“ جب تک میں نے گیٹ کو تالا لگانے کی ایکٹنگ کی وہ اپنی سرسبز میں بیٹھ کر جاچکے تھے میں اندر آ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی پتہ نہیں کیوں مجھے وجدان کا خیال آ گیا جو ایک دن اسی طرح گھر آیا تھا اور یہ سن کر خالہ گھر پر نہیں ہیں وہ یہ کہتے ہوئے ہی گیٹ سے واپس چلا گیا کہ.....

”تم مجھے جو یہ کہہ کر روک رہی ہو کہ اندر آ جاؤں تم مجھے کھا نہیں جاؤ گی بالکل بجا لیکن ہو سکتا ہے میں تمہیں تنہا دیکھ کر آدم خور بن جاؤں۔ انسان کو شیطان بننے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ جب تک خالہ نہ آ جائیں کسی کے لیے بھی دروازہ مت کھولنا۔“ اس نے تو یہ بات مذاق کے حیرائے میں کہی تھی لیکن میری نظر میں اس کا قد بہت بلند ہو گیا تھا۔



ان کی چاہت نے ایک کام یہ ضرور کیا تھا کہ میں اپنے خالق سے قریب ہو گئی تھی یوں تو ہمارا پورا گھرانہ ہی پابند صوم و صلوٰۃ تھا اور ہر طرح کی آزاروں کے باوجود ہمیں اپنی حدود و قیود کا احساس تھا لیکن میں کچھ زیادہ ہی عبادت گزار ہو گئی تھی۔ رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہو گیا تھا اور میں بڑی پابندی سے اسی کے ساتھ تہجد پڑھ رہی تھی۔ بغیر کسی طلب اور انتہا کے کیونکہ مجھے گہرائی سے سوچنے اور غور کرنے کی عادت ہو گئی تھی۔ زندگی کے بے شمار پہلو میرے سامنے روشن اور عیاں ہو گئے تھے اور میرے جذبات اور احساسات میں سلیقہ اور نظم آ گیا تھا اور شاید میری فطرت کے اسی پہلو نے مجھے دیگر لڑکیوں سے ممتاز اور منفرد بنادیا تھا خاندان اور خاندان سے باہر بے شمار رشتے میرے طلب کار تھے سب گھر والوں کو وجدان پسند تھا لیکن فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیا گیا تھا جبکہ آریاں کے بعد میرے دل کے

دروازے پر تو کب سے ”نودیکسی“ کا پورڈا آویزاں تھا۔



میں اپنے کمرے میں خیالوں میں گم تھی۔ جب اچانک اسی کمرے میں آ گئیں۔ خوشی ان کے چہرے سے پھولی پڑ رہی تھی اور ہونٹوں پر مسرت بھری مسکراہٹ تھی۔

”عید میں تو ابھی دس دن باقی ہیں لیکن میری وردہ کی تو آج عید ہو گئی۔ میں ماں ہوں تجھے سمجھائی ضرور تھی مگر جانتی ہوں خواہوں سے دستبردار ہونا آسان نہیں ہوتا اس لیے ہر دم تیری خوشیوں کی دعائیں مانگا کرتی تھی یقین کر اس رشتے کو دل سے پسند نہ کرنے کے باوجود تیری خوشی کے لیے میں ہر نماز میں صرف ایک ہی دعا مانگا کرتی تھی کہ ”آریاں کو میری بیٹی کا نصیب ملے۔“ انہوں نے مجھے گلے لگاتے ہوئے عیار سے کہا۔ ”بیٹا تمہاری پھوپھی کا فون آیا تھا آریاں کے لیے تمہارے رشتے کی بات کر رہی تھیں وہ تو تمہاری پر سوسو جھانا چاہ رہی ہیں۔ عید کے بعد مگنی اور عید قربان کے بعد شادی۔“ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری مگر گویا ہوئیں۔

”جج پوچھو تو میری پسند آج بھی وجدان ہے مگر ہمیں تمہاری خوشی عزیز ہے اور تمہاری بچی لگن ہے لوٹ چاہت اور خاموش محبت نے بلا خرا آریاں کو تمہاری منزل بتا دی۔ اپنی پڑھائی کا شیڈول بتا رہا پھر نٹ فکس کر لیں گئے آجے نوچے گھرنے سے تمہارا رشتہ آ یا ہے ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے اس لیے سب بہت خوش ہیں۔“ میں اندر ہی اندر خوشی سے لرزنے لگی کیا وہ گھڑی آ گئی جس کا برسوں سے انتظار تھا کیا واقعی میں اس دینا کی دہائی بننے کے قائل ہوں؟ کیا آسمان کا چاند میری جھولی میں آنے والا ہے؟ کیا میرے وجود کی جہم یکایاں ان کی قربت سے جھلکانے والی ہیں؟ کیا میرے مقدر کے اندھیرے روشنی میں بدلنے والے ہیں؟ میں نے مطمئن اور خوش ہو کر خود کو مسوئی پر گرالیا اور چادر میں منہ ڈھانپ کر ان کی رفاقت اور مہربانی کے خواب دیکھنے لگی۔ پھر اچانک مجھے وہ دن یاد آیا گیا جب میں روڈ پر گھڑی پوائنٹ کا انتظار کر رہی تھی اور بعد اصرار مجھے گاڑی میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا کہ وہ مجھے گھر ڈراپ کر دیں گے۔ عید کی خندک اور اسیر فریب شہر کی سڑکوں خوشبودار مٹی وافر میں چلتی ہوئی CD پلیئر پر غزل جب خواب ناک ساحل تھا میں گم سم سم بھی تھی جب انہوں نے منزل دائر کی بول منہ سے نکالی۔

”آریاں بھائی آپ کا روزہ نہیں ہے؟“ میں نے حیرانگی



سے پوچھا۔  
 ”روزہ یا کس چیز کا نام ہے مجھے؟“ میرے پاس کھانے کی کوئی  
 کمی ہے جو میں روزہ رکھوں۔“ انہوں نے بے پروائی سے کہا۔  
 ”آریاں بھائی روزہ ارکان دین میں سے ایک فرض عبادت  
 ہے رمضان کا مہینہ آتے ہی جنت کے دروازے وا اور دوزخ کے  
 در بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان کو زنجیریں پہنا دی جاتی ہیں  
 یہ وہ فرض عبادت ہے جو ہم سب اللہ کے لیے کرتے ہیں اور  
 بات کی اور زیادتی کی نہیں صرف احساس کی ہے کہ جب ہمیں  
 بھوک اور پیاس لگتی ہے تو ہمیں ان لوگوں کا بھی خیال رہے جو  
 کھانے کے ایک ایک دانے کو ترستے ہیں تزکیہ نفس کے لیے  
 روزہ رکھا جاتا ہے ورنہ انسان جھوٹ بھی بول سکتا ہے کہ روزہ ہے  
 کیونکہ یہ واحد عبادت نظر نہیں آتی اور اس میں دکھاوا بھی نہیں  
 ہوتا۔“ مجھ میں کی باتوں سے شدید تکلیف ہو رہی تھی۔

”ریش؟“ انہوں نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا  
 کر کہا۔ ”یہ تمہیں دادی اماؤں والی باتیں کس نے سکھائی ہیں؟  
 مجھے تو خیر یہ سب دکھاوا اور ڈھکوسلا لگتا ہے روزہ رکھ کر مسلمان  
 سوائے فائدہ کرنے کے اور کیا کرتے ہیں۔ جھوٹ، غیبت،  
 ریاکاری، چوری، دیکھتی نقل و عارت گری مجھے یہ منافقت بالکل  
 پسند نہیں حالانکہ اردو سے مجھے کوئی خاص لگاؤ نہیں مگر کسی شعر کا  
 ایک مصرعہ یاد آ رہا ہے۔۔۔۔۔

”کار بد تو خود کریں لعنت پر ہمیں شیطان پر“

ایسا روزہ رکھنے والے پر جموٹے اور منافق ہیں۔ تم بھی  
 زیادہ ملانی بننے کی کوشش مت کرو مجھے پسند نہیں ویسے بھی میں  
 کوئی بچہ نہیں مکی لکڑی ہوں بدل نہیں سکتا ہاں ہر ایک کو اپنے  
 رنگ میں ضرور رنگ سکتا ہوں۔“ آخر میں ان کا لہجہ شرارتی ہو گیا  
 مجھے بہت ہی برا لگا۔

”مجھے بھی کسی کو بدلنے یا نصیحت کرنے کا کوئی شوق نہیں۔  
 ”اپنی گور اپنا جواب“ ہر شخص اپنے نامہ اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔“  
 میں نے زور سے دہرایا وہ نہ دیکھا اور گھر پر اتر گئی۔ انہیں اندازے کی  
 دعوت دیئے بغیر اور یہی سب سوچتے سوچتے مجھے ان کے  
 عالی شان گھر کا اسٹڈی روم بھی یاد آ گیا۔ وہ گڑیا جو ٹوٹ گئی تھی اور  
 وہ دوسری منگانی والے تھے جو ان کے اشارے پر چلے گئے تھے  
 کی چابی کی گڑیا جو ٹھہری اور وہاں میری حیثیت کیا ہوگی؟ ان کے  
 اور میرے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے ان کی تہذیب  
 معاشرت اور سوچنے کا انداز بالکل جدا اور مختلف۔ وہ اس قدر

پڑھے لکھے متول کیسے ایک دیندار اور مذہبی اقدار کی حامل لڑکی کو  
 اپنی زندگی میں شامل کرنے کے لیے راضی ہو گئے؟ انہوں نے  
 ایک ذرے کا آفتاب کیسے بنا لیا؟ ان کے سرکل میں تو ایسی بے  
 شمار طرح دار اور حسین لڑکیاں ہیں جو ہر لمحے کے ہوئے پھل کی  
 طرح ان کی آغوش میں گرنے کو تیار رہتی ہیں پھر میں ہی کیوں؟  
 انہوں نے سوچا ہوگا مجھے بھی ترس خراش کر ایک گڑیا کی طرح  
 کونے میں سجا دیں گے جب چاہے اپنے اشاروں پر چلائیں  
 گے نچائیں گے مکی لکڑی کو جس طرح چاہے سوڑ لو جس  
 سانچے میں چاہے ڈھال لویا ہو سکتا ہے ان کی نظر میں میں کیلی  
 مٹی کا ڈھیر ہوں بے جان خاموش اہمیت تو ان ہاتھوں کی ہوگی جو  
 اسے اپنی مرضی کی صورتی بنانے میں استعمال کریں گے۔ اور میں  
 جو ان سے اس قدر متاثر اور مرعوب ہوں۔ کبھی انہیں سراٹھا کر  
 دیکھ سکوں گی ان کے حکم سے سر تابی کر سکوں گی سراٹھا کر جی سکوں  
 گی؟ ان کی حرام سے دوستی ہے کیا مجھے بھی کرنی ہوگی۔ کیا میں  
 دین و دنیا دونوں میں سرخرو ہو سکوں گی میں اپنی زندہ لاش کا ندھے  
 پر اٹھائے اپنے مالک حقیقی کا سامنا کیسے کر سکوں گی؟ میرے دل  
 اور روح کی موت کیا مجھے زندہ رہنے دے گی دولت کی چمک اور  
 ماڈرن تہذیب کی چمک چوند میری آنکھیں چند حیا نہ دے گی؟ کیا  
 میں بھی ان کی طرح اپنے مذہب کو سال خوردہ اور اللہ کی کتاب کو  
 کارنس پر سجادوں کی اور پھر اپنی روح کی بیماریوں کا علاج نام  
 انجیٹ سے شروع کروں گی۔

بے شک فیصلہ مشکل تھا مگر صاف تھا۔ میں بڑی ہمت اور  
 وقار سے سب کے سامنے پیش ہوئی پورے اعتماد کے ساتھ  
 ”آریاں“ کے کدھتے سے انکار کرتے ہوئے وجدان کا رشتہ قبول  
 کرنے کا عندیہ دے دیا۔ سب نے حیرت سے میری طرف  
 دیکھا۔ امی کی آنکھوں میں بے یقینی اور تعجب تھا پھر اچانک ان کی  
 آنکھوں میں سکون اور اطمینان ہلکودے لینے لگا انہوں نے بڑھ  
 کر مجھے گلے لگا لیا اور لرزتی ہوئی آواز میں گویا ہوئیں۔

”مجھے تم پر اور تمہارے فیصلے پر فخر ہے۔“ میرا دل خالی ہو چکا  
 تھا آنکھیں خشک تھیں مگر میں نے آریاں کے رشتے سے  
 انکار کر دیا تھا کیونکہ مجھے سراٹھا کر جینا تھا اپنے وجود کے ساتھ  
 اپنی انا خود داری اور وقار کے ساتھ اور سب سے بڑھ کر اپنے  
 رب کو راضی کر کے۔





# حوائی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

جاری رکھیں۔

لوشد خلیں ..... لاہور

جواب:- مکمل روحانی علاج کرائیں، جادو ہے۔

ایوب ..... گانوں بدر مرجان

جواب:- سورۃ قریش امتحان میں کامیابی کے لیے ہر نماز کے بعد 7 مرتبہ۔

”یا قوی“ سر پر ہاتھ رکھ کر پڑھا کریں فرض نماز کے بعد 11 مرتبہ۔

منیر احمد ..... ضلع جھلم

جواب:- ”یا لطیف یا ودود“ ہر وقت ورد کرتے رہیں۔

صدف ناز ..... ملتان

جواب:- سورۃ شمس اور سورۃ العصر 11-11 مرتبہ (اول و آخر 3-3 مرتبہ درود شریف) صبح شام پڑھ کر شوہر پر دم کیا کریں ہو سکے تو پانی پر دم کر کے بھی پلایا کریں۔ نیت ہو کہ میری طرف اور بیٹی کی طرف توجہ دیں۔

حوا احمد ..... راولپنڈی

جواب:- بعد نماز عشاء سورۃ قریش 111 مرتبہ (اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف) اپنے لیے اور بھائی کے لیے دعا کریں۔

شمشاد اختر ..... گجرات

جواب:- بعد نماز فجر 3 مرتبہ سورۃ یسین پڑھ کر اللہ سے اپنے حق میں بہتری کی دعا کریں۔ (وظیفہ آپ دونوں نہیں کریں) صدقہ بھی دیں۔

زہرہ ..... کراچی

جواب:- عشاء کی نماز کے بعد سورۃ القریش 111 مرتبہ اول و آخر 11-11 مرتبہ درود شریف جاب کے لیے دعا کریں۔

کلثوم ..... لاڑکانہ

جواب:- بعد نماز فجر سورۃ شمس 21 مرتبہ (اول و آخر 7، 7 مرتبہ درود شریف)

بعد نماز مغرب سورۃ العصر 21 مرتبہ پانی پر دم کر کے پلا میں پڑھتے وقت نیت ذہن میں ہو۔

سبین افضل ..... واہ کینٹ

جواب:- (۱) بعد نماز فجر سورۃ یسین پڑھا کریں۔

(۲) بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11، 11 مرتبہ درود شریف۔

(۳) آیات شفا روزانہ صبح و شام 7، 7 مرتبہ پانی پر دم کر کے پیئیں۔

کرامت اعجاز ..... گجرات

جواب:- آپ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھا کریں فجر اور عشاء کی نماز کے بعد 21-21 مرتبہ اول و آخر 3-3 مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔

سورۃ یسین 1 مرتبہ فجر کی نماز کے بعد تمام معاملات ٹھیک ہونے کے لیے دعا کیا کریں صدقہ بھی دیں۔

عائشہ عدنان ..... کراچی

ج:- جو وظیفہ بتایا تھا وہی جاری رکھیں، صدقہ بھی دیں۔

زاہد پاشا ..... منڈی بہاؤ الدین

جواب:- سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر دم کیا کریں ہر نماز کے بعد 3-3 مرتبہ وظیفہ کے لیے دعا کریں۔

آنچل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 275



سورۃ بقرہ ایک مرتبہ پانی پر دم کریں گھر میں  
بھی چھڑکیں (حمام کے علاوہ) اور گھر کے تمام افراد کو  
بھی پلائیں۔

**عائشہ رحمان ..... شیخو پورہ**  
جواب:- صبح و شام سورۃ فلق، سورۃ الناس  
21, 21 مرتبہ اول و آخر 7, 7 مرتبہ درود شریف پڑھ کر  
اپنے اوپر دم کیا کریں۔  
استغفار کثرت سے کریں، کم از کم 313 مرتبہ  
روزانہ۔



<http://facebook.com/elajbilquran>  
[www.elajbilquran.com](http://www.elajbilquran.com)

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی  
لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام  
انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت  
میں ادارہ کی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔  
موبائل فون پر کال کرنے کی زحمت نہ کریں۔ نمبر بند  
کر دیا گیا ہے۔  
اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے  
ماہ شائع ہوں گے۔  
ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔  
[rohanimasail@gmail.com](mailto:rohanimasail@gmail.com)

**نبیلہ رئیس ..... ٹھٹھہ**

جواب:- رشتہ کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان  
آیت نمبر 74، 70 مرتبہ (درود شریف اول و آخر  
11, 11 مرتبہ) وظیفہ گھر کا کوئی بھی فرد پڑھ سکتا ہے۔

**گلشن بی بی ..... کراچی**

جواب:- استحارہ کر لیں اگر آگے بہتری کے  
امکانات ہوں پھر یہ وظیفہ کریں۔  
فجر اور مغرب کی نماز کے بعد ”سورۃ والضحیٰ“  
21 مرتبہ اول و آخر 11, 11 مرتبہ درود شریف (نیت ہو  
کہ خوفاً کر لے جائے خیر سے) (3 ماہ)۔

**نازیہ نور ..... کراچی**

جواب:- عشاء کی نماز کے بعد سورۃ القریش  
111 مرتبہ اول و آخر 11-11 مرتبہ درود شریف  
آسانی اور جلد رہائی کے لیے صدقہ لازمی دیں۔

**افضل محمود ..... گجرات**

جواب:- ”یا لطیف یا ودود“ روزانہ 101  
مرتبہ اول و آخر 3, 3 مرتبہ درود شریف پڑھ کر تصور میں لا  
کردم کریں، درود ہمیشہ رکھیں۔

**افتخار ..... کراچی**

جواب:- رشتہ کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان  
آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11, 11 مرتبہ درود  
شریف۔ (بہن خود پڑھے یا والدہ)  
یا قوی سر پر ہاتھ رکھ کر ہر نماز کے بعد پڑھیں۔

**روحانی مسائل کا حل کوپن برائے ستمبر ۲۰۱۵ء**

گھر کا مکمل پتا

والدہ کا نام

نام

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں

**انچل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 276**



مہر گل.....کراچی

کبھی نظر میں بلا کی شوخی کبھی سراپا حجاب آنکھیں  
وہ آئے تو لوگ مجھ سے بولے حضور آنکھیں جناب آنکھیں  
عجب تھا کچھ گفتگو کا عالم سوال آنکھیں جواب آنکھیں  
ہزاروں ہی ان سے قتل ہوں گے خدا کے بندے سنبال آنکھیں

ام حنتہ.....کوٹ مومن

وہ دن وہ محفلیں وہ شکفتہ مزاج دوست

موج زمانہ لے گئی جانے کہاں کہاں

نیلیم شہزادی.....کوٹ مومن

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے

وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا کہتا؟

حراقریسی.....بلال کالونی ملتان

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ

سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ

نہ مادہ ہے نہ صراحتی نہ دور پیمانہ

فقط نگاہ سے رنگین ہے بزم جانانہ

حارمضان.....آخر آباد

ملنے ہی چلے آؤ عید کا دن ہے

دیکھو! یوں نہ تڑپاؤ عید کا دن ہے

یہ دستور زمانہ ہے حرام معلوم تمہیں بھی ہوگا

آکر ہمیں گلے سے لگاؤ عید کا دن ہے

نورین مسکان سرور.....سیالکوٹ

باغ عالم میں رہے شادی و ماتم میں رہے

پھول کی طرح بنے رو دیے شبنم کی طرح

شکوہ کرتے ہو خوشی تم سے منائی نہ گئی

ہم سے غم بھی تو منایا نہ گیا غم کی طرح

مدیحہ کنول سرور.....چشتیاں

اب نیند رات بھر آنکھوں سے خفا رہتی ہے کنول

محسوس ہوتا ہے سزائے محبت شروع ہو چکی ہے

جاذبہ عباسی.....دیول مری

توبہ تو کرنی عشق سے مگر پھر بھی یارو

تھوڑا سا زہر لادو طبیعت اداس ہے

رنگ حناء.....سرگودھا

بارش ہوئی تو پھولوں کے تن چاک ہو گئے

موسم کے ہاتھ بھیگ کے سفاک ہو گئے

بادل کو کیا خبر کہ بارش کی چاہ میں

کیسے بلند و بالا شجر خاک ہو گئے

عائشہ پرویز.....کراچی

تیری یادوں کی کتابوں کو سامنے رکھ کر

میری عیدیں بند کمروں میں گزر جاتی ہیں

ثانیہ مسکان.....گوجران

میرے ہاتھوں سے اور ہونٹوں سے خوشبو نہیں جاتی

میں نے اسم محمد ﷺ کو لکھا بہت اور چوما بہت

ثناء ریاض.....بوسال سکھا

یوں تیری چاہتیں سنبالتی ہوں

جیسے عیدی ہو میرے بچپن کی

دلکش مریم.....چنیوٹ

کیسی عید ہے دلکش

تھکے کوئی اپنا نہیں ملتا

حافظ زائمتہ حافظہ سبحانہ.....میانوالی

دلی آرزو ہے کہ عید پہ تجھ سے گفتگو کروں

مگر یہ حسرت، حسرتوں کا شمار رہی

شمس مسکان.....جام پور

عید آئی ہے تو آنکھوں میں اتر آئے ہیں

ہجر کی اوس میں بھیکے ہوئے پچھی کتنے

فیصحا صف خان.....ملتان

نہ پڑیں کبھی مدھم یہ خوشیاں روشنیاں عید کی

قدم قدم پہ ملے آپ کو چمکتی کہکشاں عید کی

پروین افضل شاہین.....بہاولنگر

اداسیوں کی شام اور یادوں کا یہ سماں

اپنی پلکوں پر ہرگز ستارے نہ لائیں گے

رکھنا سنبھال کے چند خوشیاں میرے لیے

میں لوٹ آؤں گا تو پھر عید منا میں گے

حمیرا نوسین.....منڈی بہاؤ الدین



درد ہے یا اس کی طلب؟  
بس جو بھی ہے مسلسل ہے  
اقصی زرگزینیاں زرگز..... جوڑہ

دلوں میں فرق بڑھ جائے تو اتنا یاد رکھنا تم  
دلیلیں، غتیں اور فلسفے سب بے کار جاتے ہیں  
صائمہ سکندر سومرو..... حیدر آباد سندھ  
کی محبت سے وفا ٹوٹنے تو ہم تیرے ہیں  
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں  
عادل مصطفیٰ..... طوز جہلم

وہ پتھروں سے مانگتے ہیں اپنی مراد منزل اقبال  
ہم تو ان کے اُمّتی ہیں جن کو دیکھ کر پتھر بھی کلمہ پڑھتے ہیں  
رخ کوئل شہزادی..... سرگودھا

اداس دل کی دیرانیوں میں بکھر گئے ہیں خواب سارے  
یہ میری بستی سے کون گزرا نکھر گئے ہیں گلاب سارے  
نہ جانے کتنی شکایتیں تھیں نہ جانے کتنے گلے تھے تم سے  
جو تم کو دیکھا تو بھول بیٹھے سوال سارے جواب سارے

کرن وفا..... شاد یوال گجرات  
وقت کرتا ہے پرورش برسوں  
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا  
عنزہ یونس..... حافظ آباد

ضروری تو نہیں سورج سوا نیزے پر ہو  
بدل جائے کوئی اپنا تو قیامت ہو ہی جاتی ہے  
صدف سلیمان..... شورکوٹ  
اپنی ذات کی خامیوں کو پس پشت ڈال کر  
ہر شخص کہہ رہا ہے زمانہ خراب ہے  
سعدیہ عابد..... تارکھ کراچی

میرے دل پر رکھا ہے آج بھی سنگ تیری جفا کا  
تیری یاد نہ سکھا سکی ڈھنگ کسی سے وفا کا  
تم ہی میں نہ تھی وفا کی خوشبو ورنہ  
میرا دل ہے متمنی آج بھی رنگ وفا کا



biazdill@aanchal.com.pk

عام دنوں کا تو حساب رہنے دو  
یہ بتاؤ عید پر مجھے یاد کیا تم نے  
عائشہ نورعاشا..... گجرات

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے  
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے  
حلیہ سعدیہ..... تل خالصہ  
اس عید پر ہم نہ ملیں گے تو کیا ہوا  
جذبوں میں ہو خلوص تو عیدیں ہزاروں  
ندار شید گھمن..... ستیانہ

تجھ سے ملے تو خود کو بھول گئے ہم  
تجھ سے پھڑے تو جینا بھول گئے ہم  
بھول بھول ہے یا یاد ہماری  
کہ ٹو بھول گیا یہی بھول گئے ہم  
جانان..... چکوال

ہمیشہ نہیں رہتے چہرے نقابوں میں  
سبھی کردار کھلتے ہیں کہانی ختم ہونے پر  
نکسین افضل و ذراغ..... گجرات

نہ تھی کوئی زنجشیں  
بس عادتوں میں تضاد تھا  
اسے پسند تھی شوخیاں  
اور ہمیں سادگی میں کمال تھا

ملائکہ زاہد..... پشاور

وہ مجھ پر عجیب اثر رکھتا ہے  
میرے ادھورے دل کی خبر رکھتا ہے  
شاید میں اسے بھول جاتا مگر  
یاد آنے کے وہ سارے ہنر رکھتا ہے  
فائقہ کیف سکندر..... لنگڑیال

اس معصوم کی ظلمت کا یہ حال تھا فراز  
وہ خود کو سزا دے کر مجھے تڑپایا کرتا تھا  
سمیعہ کنول..... مانسہرہ

خوشیاں ہم جیسوں کا مقدر کہاں  
خوشیاں تو ان کو ملتی ہیں جو غم کو مات دیتے ہیں  
فاطمہ..... وہاڑی

میں فنا ہو گیا افسوس وہ بدلا ہی نہیں  
میری چاہت سے بھی تھی رہی نفرت اس کی



# دش متہ

طلعت آغاز

عید سوی

اجزا:

سویاں

تازہ دودھ

کشرڈ پاؤڈر

چینی

ڈیڑھ پیالی (چورا کریں)

ایک لیٹر

3 کھانے کے چمچ (رفان)

ایک پیالی

بادام، سٹے، خشک ناریل آدھی پیالی (کٹے ہوئے)

چاندی کے ورق اور گھی حسب ضرورت

ترکیب:

ایک فرائی پن میں گھی ڈال کر پستے اور بادام تل

لیں۔ اس کے بعد سویوں کو دو منٹ تک بھونیں۔ جب

دودھ پک کر گاڑھا ہو جائے تو میوہ جات ڈال

دیں۔ رفان و نیلا کشرڈ کو گھول کر سویوں میں ڈال کر

جلدی جلدی چمچ چلائیں۔ جب گاڑھا ہو جائے تو

سرونگ باؤل میں ڈال کر چاندی کے ورق اور کٹے

ناریل کے سلاخ سے سجادیں۔ یہ میٹھا جتنا ٹھنڈا ہوگا اتنا

ہی مزیدار ہوگا۔

(نزہت جبین ضیاء..... کراچی)

لذیذ سویاں

اجزا:

سویاں

دودھ

کھویا

کریم

کارن فلور

بادام، پستے

موٹی والی (آدھا کلو)

2 کلو

ایک پاؤ

ایک پکٹ

تین کھانے کے چمچ

باریک کٹے ہوئے (آدھا

کپ)

ترکیب:

دودھ کو ایک دیکھی میں ڈال کر چولہے پر رکھ

دیا۔ دوسری دیکھی میں سویاں ابال کر چھان لیں۔ دودھ  
میں ابال کر الائیچی اور چینی ڈال دیں۔ تھوڑے پانی میں  
کارن فلور گھول کر دودھ میں شامل کر دیں اور ساتھ ساتھ  
کھویا ڈال کر مکس کریں۔ میوہ جات سے سجادیں عید کی  
خاص مزے دار ڈش تیار ہے۔

(عائشہ سلیم..... کراچی)

ایزی فروٹ جیلی ٹرانفل

اجزا:

پلین کیک

ایک عدد

جیلی

ایک ڈبہ

آم، کیلا، خوبانی

موٹی دستیاب فروٹ

کارن فلاور

چار سے پانچ چمچ

چینی

پانچ سے چھ چمچ

دودھ

ایک لیٹر (کشرڈ بنانے کے لیے)

بادام، پستے اور کاجو گار خشک کے لیے

فینسی رول بسکٹ حسب منشا

ترکیب:

سب سے پہلے من پسند جیلی فلیور بنائیے اور جیلی کو

پکا سا ٹھنڈا کر کے اس میں سادہ کیک کے پیسز کاٹ کر

جیلی میں ڈپ کر کے فریز کر لیجیے۔ پن میں دودھ ابالے

اور اس میں چینی، الائیچی کارن فلاور کو ساتھ ملا کر نارل سا

کشرڈ بنا لیجیے (خیال رہے ٹرانفل کے لیے کشرڈ بہت

موٹا نہ ہو) کشرڈ کے ٹھنڈا ہونے تک حسب منشا اپنے

فروٹ کو چھوٹے چھوٹے کپوریز میں کاٹ لیجیے۔ اب

ایک بڑا باؤل یا چوکور ڈیزائن کا باؤل لیجیے اور اس میں

سب سے پہلے جیلی کو خشک کیک کے پیسز طریقے سے

رکھتے جائیں اور ایک تہہ لگا کے اس پر کشرڈ کا مخلول چمچ

سے پورا کر دیں اور باقی آدھا کشرڈ رکھ لیں۔ اب اس

کشرڈ کی تہہ پر کٹا ہوا فروٹ ڈالے اور باقی کا کشرڈ

ڈال دیجیے۔ سب سے آخر میں باریک کٹا ہوا تمام ڈرائی

فروٹ، اوپر سے گارنش کر دیجیے اور اس کے اوپر ڈیزائن

کی صورت میں فینسی بسکٹس کی ڈیکوریٹ کر



دیکھیے۔ 30 سے 45 منٹ فریز کریں اور مزیدار (ایزی فروٹ جیلی ٹرائفل) انجوائے کیجیے۔  
(طلعت نظامی.....کراچی)  
عید بریانی

پاؤڈر آلو بخارے کڑی پتے ہری مرچیں ڈال کر پانچ منٹ تک بھونیں اس کے بعد ٹماٹر اور حسب ضرورت پانی ڈال کر گوشت کے گلنے تک رکھیں۔ ایک دوسری پتیلی میں تھوڑا سا گھی گرم کر کے پہلے ایک تہہ چاولوں کی لگانے کے بعد اس پر گوشت کے آمیزے کی تہہ لگا کر بقیہ چاول ڈال دیں اور دم پر لگا دیں۔ مزے دار عید بریانی تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں نکال کر دہی کے ساتھ سرو کریں۔

(جویریہ ضیاء.....ملیر کراچی)  
کھڑے مسالے کا قورمہ

اجزاء:-

چاول  
گوشت  
نمک  
لال مرچ (کٹی ہوئی)

ایک کلو  
ایک کلو  
حسب ذائقہ  
دو چائے کے چمچ  
ایک چوتھائی چمچ  
ایک چائے کا چمچ  
ڈیڑھ چائے کا چمچ  
دو کھانے کے چمچ  
چار عدد  
چار عدد  
ایک کپ  
چار عدد  
چھ عدد  
دو کھانے کے چمچ  
دو چٹکی

ہلدی پاؤڈر  
دھنیا پاؤڈر  
زیرہ پاؤڈر  
لہسن ادرک پیسٹ  
پیاز (پیسٹ بنالیں)  
ٹماٹر (چوپ کر لیں)  
دہی  
آلو بخارے  
کڑھی پتے  
ثابت گرم مسالا  
زرد رنگ  
گھی  
ہری مرچیں  
ترکیب:-

چاولوں میں ایک کھانے کا چمچ ثابت گرم مسالا اور نمک ڈال کر ایک کئی رہنے تک ابال لیں اور پانی نتھار کر اس میں زرد رنگ ڈال کر مکس کر کے ایک طرف رکھ دیں۔ ایک پتیلی میں گھی گرم کر کے اس میں بقیہ ثابت گرم مسالا ڈال کر کڑکڑائیں اب اس میں پیاز پیسٹ ڈال کر ساتھ فرائی کرنے کے بعد اس میں گوشت لہسن ادرک پیسٹ ڈال کر تھوڑی دیر بھونیں۔ اس کے بعد اس میں نمک کٹی لال مرچ ہلدی پاؤڈر دھنیا پاؤڈر زیرہ

اجزاء:-

مرغی  
لہسن (ہوائیاں کاٹ لیں)  
ٹماٹر (گول سلاکس کاٹ لیں)  
ثابت دھنیا (موٹا کوٹ لیں)  
پیاز (درمیانی)  
ادرک (باریک کاٹ لیں)  
دہی  
(ملل کے کپڑے میں ڈال کر پانی نچوڑ لیں)  
ثابت گرم مسالا  
لونگ  
دار چینی  
چھوٹی الائچی  
بڑی الائچی  
زیرہ  
سیاہ مرچیں (کٹی ہوئی)  
جائفل پاؤڈر  
جاو تری پاؤڈر  
کڑھی پتے  
تیل  
نمک  
لال مرچ پاؤڈر

ایک کلو  
ایک پونگی  
تین عدد  
ایک کھانے کا چمچ  
تین عدد  
دو انچ کا ٹکڑا  
ایک کپ  
(ملل کے کپڑے میں ڈال کر پانی نچوڑ لیں)  
ایک چائے کا چمچ  
چار عدد  
تین اسٹک  
چھ عدد  
تین عدد  
ایک کھانے کا چمچ  
آدھا چائے کا چمچ  
ایک چٹکی  
ایک چٹکی  
تین عدد  
دو کپ  
حسب ذائقہ  
آدھا کھانے کا چمچ



ہلدی پاؤڈر

ہر ادھنیا (باریک کٹا ہوا)

آدھا چائے کا چمچ

دو کھانے کے چمچ

ہری مرچ کا پیسٹ

ادرک لہسن کا پیسٹ

ایک چائے کا چمچ

ایک چائے کا چمچ

ہری مرچیں

تین عدد

نمک

کھن

حسب ذائقہ

ڈھالی کھانے کے چمچ

ترکیب:-

سب سے پہلے تیل گرم کریں اور مرغی میں ہلکا نمک لگا کر تیل لیں۔ اب اس تیل میں ثابت گرم مسالا لوٹگ دار چینی، چھوٹی الائچی، بڑی الائچی، زیرہ سیاہ مرچیں، جانتقل پاؤڈر، جاوتری پاؤڈر اور کڑھی سے ڈال کر تیل لیں۔ اس کے بعد اس میں پیاز ڈال کر گلابی کر لیں۔ اس میں لہسن اور ادرک ڈال کر چمچ چلائیں، ہلکا گلابی ہو جائے تو ٹماٹر ڈال دیں۔ ساتھ ہی نمک، لال مرچ پاؤڈر اور ہلدی پاؤڈر ڈال دیں۔ اب تھلا ہوا گوشت دوبارہ ڈال کر اس مسالے میں بھونیں (چاہیں تو پانی کا چھینٹا بھی دیں) اب وہی بھی شامل کر لیں اور اچھی طرح بھونیں جب لگے کہ گوشت مسالے میں اچھی طرح بھن گیا ہے تو کٹا دھنیا بھی شامل کر دیں اور ساتھ میں دو کپ پانی ملا دیں تاکہ حسب ضرورت گریوی رہ جائے۔ تو رومہ تیار ہو جائے تو دھنیا اور ہری مرچوں سے گارنش کریں۔ چاہے تو گارنشنگ میں ہلکا سا کریم کا چمچ بھی دے سکتے ہیں۔ پرائیٹوں یا روغنی نان اور رستے کے ساتھ سرو کریں۔

(ہالہ سلیم..... اورنگی ٹاؤن)

پشاور فرانی چرغہ

اجزاء:-

ثابت مرغی

ڈیڑھ کلو (چھری کی مدد سے

کٹ لگالیں)

دہی

دھنیا پاؤڈر

ہلدی

سفید زیرہ ثابت

لال مرچ پاؤڈر

گرم مسالا پاؤڈر

سویاں

چینی

کھی

الائچی

کھویا

کیوڑہ

پانی

ضروری اشیاء:

آدھا کلو

ایک پاؤ

چوتھائی کپ

تین عدد

آدھا کلو

چند قطرے

حسب ضرورت

کھوئے والی قوامی سویاں



ترکیب:

چینی اور پانی ڈال کر دو تار کا شیرہ بنالیں۔ ایک ساس پین میں کھی گرم کر کے الاچھی اور لونگ ڈال دیں۔ اس کے بعد کھی میں سویاں فرائی کریں۔ شیرے میں کھویا ڈال دیں۔ سویاں شامل کریں اور کیوڑہ ڈال کر ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ مزیدار کھوئے والی قوامی سویاں تیار ہیں۔ انہیں سردنگ ڈش میں نکال لیں اور اس پر میوے اور چاندی کا ورق لگا کر سرو کریں۔

(اشہ غفار.....کراچی)

سوئیٹ فروٹ کریم

اشیاء:

انار

سیب

کیلے

شکر قندی

دودھ

چینی

کریم (بالائی)

زعفران

پستہ

بادام

گری

کیوڑہ

سبز الاچھی

ترکیب:

سیب اور شکر قندی چھیل کر مکڑے کر لیں۔ کیلوں کے بھی موٹے موٹے قتلے کر لیں۔ بالائی پھینٹ لیں اور الاچھی کے دانے پیس لیں۔ دہی میں دودھ ڈال کر ہلکی آنچ پر چڑھا دیں۔ جوش آنے پر چینی ڈال دیں۔ بالائی زعفران الاچھی کے پے ہوئے دانے اور سیب شکر قندی کے مکڑے ڈال دیں۔ حجم جلاتی رہیں۔

دودھ پک کر گاڑھا ہونے لگے تو کیلے کے قتلے اور کیوڑہ ڈال دیں۔ ذرا مکنے پر دم پر رکھیں۔ ڈش میں نکال کر انار کے دانوں اور ذرائی فروٹ سے گارنٹنگ کر لیں۔

(شہزادی فرخندہ.....خانوال)

رنگین سویاں

اشیاء:

سویاں

شکر

کھی

کھویا

کیوڑہ

چھوٹی الاچھی

پستہ

بادام

کھوپرا

گلابی اور سبز رنگ

کشمش

ترکیب:

سویوں کے تین برابر حصے کر لیں۔ دو حصوں کو گلابی اور سبز رنگ کے پانی میں الگ الگ ابال لیں۔ تیسرے حصے کو سادہ پانی میں ابالیں۔ چینی کا شیرہ بنالیں۔ اب کسی کھلے منہ کے برتن میں پہلے سادہ سویاں ایک گول لچھے کی صورت میں رکھیں۔ اس پر شیرے کی ایک تہہ بچھائیں۔ اب اس کے اوپر گلابی رنگ کی سویوں کی تہہ بچھائیں اور میدے کی ہوائیاں اور پھر سبز سویاں بچھا دیں۔ اس کے اوپر شیرہ ڈال دیں۔ درمیان سے سویاں ذرا سی کاٹ لیں تاکہ شیرہ تمام سویوں میں جذب ہو جائے اور اب اس پر پستہ بادام اور کھوپرا کی ہوائیاں سجا دیں۔ مزیدار رنگین سویاں بالکل ریڈی ہیں۔

(رخسانہ اقبال.....قائدآباد)



www.Paksociety.com



## بالوں کے اسٹائل اور میلٹ اپ

مشرقی لڑکی کا ذکر ہوتے ہی لمبے بالوں کی سادہ سی چوٹی بنائے ایک معصومی سی ناری چہم سے تصور میں ابھرتی ہے مگر وقت کے ساتھ زمانے میں جہاں اور تبدیلیاں آئیں وہیں روایتی مشرقی لڑکی کا تصور بھی معدوم ہو گیا۔ ایسا نہیں ہے کہ اب ایسی لڑکی کہیں نہیں ملتی بلکہ ایسا ہے کہ اب معصوم لڑکی کا تصور محض لمبے بالوں ہی سے مشروط نہیں رہا۔ آج کل کی مصروف اور تیز ترین زندگی میں اکثر خواتین شوق ہونے کے باوجود بھی لمبے بالوں کی دیکھ بھال سے گھبراتی ہیں لہذا وہ بال تراشوا دیتی ہیں۔

مانسی میں خواتین لمبے بال رکھنا پسند کرتی تھیں وہ ان کی خصوصی دیکھ بھال بھی کرتی تھیں۔ بالوں میں تیل ڈالتیں اور ریٹھے آٹے سے دھوتی تھیں۔ ابتدا میں فیشن کے طور پر صرف ماتھے کی طرف سے بال کاٹے گئے جو ماتھے پر دونوں اطراف میں پڑے رہتے تھے پھر بے بی کٹ بالوں کا فیشن آ گیا۔ اس میں ماتھے پر بال لمبے ہی ہوتے تھے پھر باب کاٹ اسٹائل آیا۔ یہ اسٹائل نوجوان لڑکیوں میں خاص طور پر بے حد مقبول ہوا پھر اس کے بعد فیر کٹنگ اور لیسر کٹنگ کا فیشن آیا۔ آج کل اشار کٹنگ زیادہ مقبول ہے اس کٹنگ میں ستارے کے پانچ کونوں کے انداز میں بال کاٹے جاتے ہیں اور اسی مناسبت سے اسے اشار کٹنگ کا نام دیا گیا ہے۔

تقریبات میں بنائے جانے والے بالوں کے انداز کی بات کی جائے تو کھلے ہوئے بال ہر دور میں پسند کیے جاتے رہے ہیں۔ مانسی میں خواتین بالوں کا جوڑا بنانا زیادہ پسند کرتی تھیں پہلے پہل سادہ انداز میں جوڑے بنائے گئے مگر پھر جوڑوں کو مختلف دلکش انداز دیے گئے۔ بالوں چوٹی اور جوڑے میں سوتی اور مختلف بیٹس بھی پروئے گئے۔ فریج چوٹی کا فیشن بھی بے حد مقبول ہوا۔ سامنے کی طرف چھوٹی

چھوٹی مینڈھیاں بھی باندھی گئیں ایک زمانے میں نوجوان لڑکیوں میں دو اور ایک پونی ٹیل بھی بے حد مقبول رہی آج کل پونی ٹیل پھر فیشن میں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اوپر سے بال سیدھے کر کے نیچے کناروں پر رولز سے بال گھنگھریالے کرنے کا انداز بھی بے حد مقبول ہے۔ بالوں میں جیل لگایا جا رہا ہے اس سے بال گیلے ہونے کا تاثر ملتا ہے کچھ عرصہ قبل تک بالوں میں مختلف رنگوں کے اسپرے کیے جا رہے تھے جو اب متروک ہو چکے ہیں۔ بالوں کو سفید کرنے کا فیشن بھی ترک ہو چکا ہے آج کل براؤن اور سیاہ رنگ کے بال زیادہ پسند کیے جا رہے ہیں۔

بالوں کو اسٹائل دینا کوئی آسان کام نہیں ہے ان خواتین کے ساتھ بھی یہ بڑا مسئلہ بن سکتا ہے جن کے بال آسانی سے سنور جاتے ہیں۔ اس کا انحصار بالوں کی ساخت پر ہوتا ہے کہ کون سا اسٹائل درست رہے گا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ بناوٹ اور رنگ میں مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح چہرے کو بھی مد نظر رکھنا ہوتا ہے کیونکہ ہر چہرے پر ہر اسٹائل اچھا نہیں لگتا ہے اگر چہرے کی بناوٹ کو دھیان میں رکھے بغیر بالوں کو اسٹائل دیا جائے گا تو لمبا چہرہ اور پتلا چہرہ اور پتلا ہو جائے گا آپ اس طرح سے بال بنائیں کہ اگر چہرہ لمبا ہے چھوٹا اور پتلا ہے تو موٹا نظر آئے۔

بالوں پر تجربات کرنے ہوں تو اس معاملے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں ہمیشہ اس کے لیے زیادہ وقت نکالیں اور وقت کم ہو تو سادہ اسٹائل اپنائیں اگر آپ نے بالوں کو سیدھا گھنگھریالے کر دیا ہے تو بالوں میں زیادہ چیزوں کا استعمال نہ کریں مثلاً جیل، ماؤس یا ہیر اسپرے کیونکہ ان بالوں پر کیمیکل کے اثرات موجود ہوتے ہیں اور اگر آپ ایسا کریں گی تو آپ کے بال کمزور اور بے رونق ہو جائیں گے اس لیے بالوں کے ہلکے پھلکے اسٹائل اپنائیں جو آپ پہلے بھی آزما چکی ہوں اور جن کے بارے میں آپ جانتی ہیں کہ یہ اسٹائل آپ پر چھے گا۔

اگر آپ کا چہرہ لمبوترہ ہے تو آپ کو جوڑا یا بالوں کو کھینچ کر پونی ٹیل بنانے سے گریز کرنا چاہیے اس طرح کا انداز آپ



ایسے ہال بھی ہوتے ہیں جو اکثر اچھے ہی رہتے ہیں ان کا بہترین حل یہ ہے کہ انہیں باندھ کر رکھا جائے اگر آپ کا دل انہیں کھلا رکھنے کو چاہتا ہے تو اسی مناسب سے انہی فریزی شیمپو اور کنڈیشنرز استعمال کریں۔ آپ انہیں بلوور کے ذریعے خشک کر کے یا مستقل طور پر ہال سیدھے کروا کر ان پر قابو پاسکتی ہیں۔

اگر آپ کے ہال گدی سے چکے رہنے والے ہیں اور حجم میں کم ہیں تو آپ ایسا شیمپو استعمال کریں جس سے بالوں کے حجم میں اضافہ ہو آپ پانی میں ایک عدد لیموں نچڑیں اور شیمپو کرنے کے بعد بالوں پر اس کے جوں کو ڈالیں اس سے بالوں کا میل اور چمکتائی جاتی رہے گی اور بالوں کے حجم میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ مہندی لگانے سے بھی بالوں کے حجم میں اضافہ ہو جاتا ہے مہندی پاؤڈر کو چائے کے پانی میں بھگو دیں اور اس میں ایک عدد لیموں کا رس ڈال دیں اور صرف تیس منٹ بالوں میں لگائیں بال حسب منشا ہو جائیں گے اور بالوں میں مہندی کا رنگ بھی نہیں آئے گا۔ گھنگھریالے اور لہریے دار بالوں کو نرم کرنے کے لیے بالوں میں تیس منٹ کے لیے ہی لگائیں اور پھر شیمپو کر لیں۔ گرم تیل سے بال کی جائے تب بھی بال نرم ہو جاتے ہیں اس حوالے سے بہترین نسخہ کچھ اس طرح سے ہے کہ دو ٹیبل اسپون مکھن اور اس میں تھوڑا سا زیتون کا تیل ملائیں اور ان کو اچھی طرح مکس کر کے بالوں میں لگائیں اور ہولے ہولے مساج کریں اور بعد میں نیم گرم پانی سے آدھے گھنٹے کے بعد بالوں کو دھو لیں اس سے آپ کے خشک بال سلکی اور بہت ہی نرم ہو جائیں گے۔

بالوں پر برا وقت بھی آتا ہے اور لاکھ سلجھانے کی کوشش کرو نہیں سلجھتے ہیں۔ شیمپو اور کنڈیشنرز سے بالوں کو صاف کریں اس کے بعد جوڑا یا پونی ٹیل بنالیں اگر آپ بالوں کو کھلا رکھنا چاہتی ہیں تو انہیں بلوڈرائی کریں۔ سیٹ کرنا چاہتی ہیں تو جیل کی مدد سے سیٹ کر لیں اور وہی اسٹائل اپنائیں جو آپ پر چماتا ہے۔

ہنی ایمان..... کراچی



کے چہرے کو اور لمبا کر دے گا۔ بالوں کو درمیان سے تقسیم نہ کریں اور زیادہ جیل بھی نہ لگائیں ایسا اسٹائل اپنائیں کہ جس سے چہرہ بھرا نظر آئے اور لمبائی میں کم دکھائی دے۔ لمبے چہرے کے لیے پیشانی پر بالوں کی جھلک کرانا اچھا رہتا ہے۔ گھنگھریالے ہال گول چہرے پر اچھے لگتے ہیں لیکن بالوں کو ماتھے پر کرنا نہیں چاہیے ورنہ چہرہ چھوٹا اور پھولا پھولا لگے گا۔ درمیان سے مانگ نکالی جائے اس سے چہرہ لمبا لگنے لگتا ہے اگر آپ کے ہال سیدھے ہیں تو درمیان سے برابر تقسیم کریں اس سے بھی چہرہ بڑا اور لمبا نظر آتا ہے۔

چوکر چہرے کو اپنے چہرے کی جوڑائی چھپانے کی ضرورت ہوتی ہے اگر آپ جوڑا یا بالوں کو کھینچ کر پونی ٹیل بنائیں گی تو آپ کا چہرہ بڑا لگے گا۔ سائیڈ سے مانگ نکالیں یہ جو کوس چہرے پر خوب اچھا لگتا ہے۔ بالوں کی چند ایک لٹ کالوں پر بھی کر لیں ایسا اسٹائل اپنائیں کہ جس سے بالوں کی نرم اور ہلکی تہ کے ذریعے چہرے کے دائیں اور بائیں حصے کو تھوڑا چھایا جاسکے اس سے آپ کا چہرہ مناسب لگے گا۔ پھنسی شکل پر گھنگھریالے ہال اچھے لگتے ہیں ان پر لہریے دار اور سیدھے ہال بھی سیٹ رہتے ہیں۔ جوڑا بنایا جائے یا پونی ٹیل یا پھر بالوں کو کھلا رکھا جائے ہر طرح سے جتنے ہیں مگر پھر بھی آپ کو ایک دو ہیئر اسٹائل جان کر رکھنا چاہیے تاکہ وقت کی کمی ہو تو اسے اپنا سکیں۔

ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کے بالوں کا اسٹائل جدا گانہ ہو مگر ہر اسٹائل ہر کسی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ سلکی بالوں کو سیٹ کرنے کے لیے جیل اور اسپرے کا استعمال لازمی ہوتا ہے کیونکہ یہ نکتے نہیں ہیں۔ ایسی بالوں والی خواتین بعض اوقات بالوں کو سنبھالنے کے لیے بہت سارے کلیپس لگاتی ہیں مگر یہ بال کھلے ہوں تو زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ خشک اور کھردرے بالوں کو سیٹ کرنے کے لیے بالوں کا سیرم استعمال کیا جاتا ہے جس سے بال درست ہو جاتے ہیں اور اسٹائل دینا آسان ہو جاتا ہے اگر آپ اپنے خشک بالوں کو کھلا رکھنا چاہتی ہیں تو ایڈولس میں ڈسپ کنڈیشنرز لگائیں تاکہ یہ اچھے درجہ کا نظر آئیں۔







شہید وطن عطرستوں کے نشاں  
ہے نعرہ تکبیر سے سینہ شاد  
ہے ماں سے بھی پہلے خدا ان کو یاد  
ہوئی عرش بریں پر فرشتوں کی عید  
وہاں یاد ماں یاد شہید

ام جنت..... کوٹ مومن

بنام پاکستان

چلو ہم مان لیتے ہیں تجھے ہم مان دیتے ہیں  
چلو ہم ٹھان لیتے ہیں تجھے ہم جان دیتے ہیں  
محبت کا تقاضا ہے تو ہمیں سائبان دے  
بدلے میں تجھے ہم لاشوں سے بھرے میدان دیتے ہیں  
اے شاہین تیرے پروں میں اس مٹی کی ہے ملاوٹ  
انہوس اڑنے کے لیے کوئی اور تجھے آسمان دیتے ہیں  
محبت وطن ہوں میں پر قلم زخمی ہے بہت  
آہ! ادھوری محبت اور الفاظ سنان دیتے ہیں  
صد انہوس تیری وادیوں کی مٹی سے نکلیں  
بناکر تجھے ہم خود ذہین بدگمان دیتے ہیں  
نکلیں افضل و زانج..... کجرات

عید کی خوشی میں

میرے ہمد لوٹاؤ  
ذرا سادیدار کروا جاؤ  
آج عید کی خوشی میں  
پائل بے تاب ہے چمکنے کو  
دند یا خنجر ہے چمکنے کو  
ننگن بے چین ہے کھنکنے کو

لوہ کا جل بھیگا جا رہا ہے

تیری دید کی خوشی میں

میرے ہمد لوٹاؤ

آج عید کی خوشی میں

آنکھوں میں کئی خواب جل رہے ہیں

حزکن میں کئی راگ جل رہے ہیں

کچھ سننے بے تاب سے بھل رہے ہیں

آج کل سڑا کر سنا جا رہا ہے

تیری دید کی خوشی میں

میرے ہمد لوٹاؤ  
آج عید کی خوشی میں  
رنگ مہندی کا سرخ ہو رہا ہے  
جو مکا کان کا کچھ گنگنا رہا ہے  
زلفیں سرشاری لہر رہی ہیں  
سرخ ہونٹ مسکرا رہے ہیں  
تیری دید کی خوشی میں  
میرے ہمد لوٹاؤ  
آج عید کی خوشی میں

مدیحہ کنول سرور..... چشتیاں

عید

پھولوں کو جس طرح بھنورے ملتے ہیں

آؤ! اس عید پر ہم بھی کہیں ملتے ہیں

اپنی اس چاہت کو

پیار بھری رفاقت کو

تجھی لگن کا رنگ دیتے ہیں

دنیا کے لیے اپنی محبت کو مثال کرتے ہیں

روانی کے لیے جیسے دریا

سمندر میں خود کو پامال کرتے ہیں

پھول جیسے

گلابوں سے وفا نبھاتے ہر بار نکلتے ہیں

تو.....

آؤ..... اس عید پر ہم تم بھی ملتے ہیں

عروسہ شہوار رفیع..... کالا گوبراں، جہلم

عید کا چاند

اداسی تھی

تنہائی تھی

بے قراری تھی

دل مضطرب تھا

عجب بے گلی کی حالت تھی

انتظار کے جاہل لہجے تھے

ٹوٹے بکھرے سنے تھے

دیبا س کے بجھے تھے

کہ.....



ایسا کیوں محسوس ہوا کہ اس کے ساتھ تو اپنا سایہ بھی نہیں  
طارق محمود (شامل)..... کامرہ کلاں انک  
آ جاؤ کہ.....

اس دوست.....  
آ جاؤ کہ.....  
اب تو وجود میں  
محسوس آئی ہے  
محو انتظار آنکھیں  
تمہاری راہ دیکھتی ہیں  
آ جاؤ کہ.....

دل مضطرب  
راحت چاہتا ہے  
جذائی کی آگ میں  
جھلستا شریہ  
وصل کی دلفریب  
چھاؤں چاہتا ہے  
آ جاؤ کہ.....  
چراغ آس کی لو  
مدھم ہوئی جاتی ہے  
زیست کی ڈور ہاتھوں سے  
چھوٹی جاتی ہے  
آ جاؤ کہ.....

عید کے بد مسرت دن پر بھی  
میرادل اداس ہے  
جس کا انتظار ہے وہی  
جان مسکان نہ مریے  
پاس ہے.....!

شع مسکان..... جام پور

امید رب ستار ہے

امید رب ستار ہے  
چمک جائے جودل میں تو  
اجالا پھل جاتا ہے  
اک ایسا نور کرتا ہے  
سکوں بدل کو بھرتا ہے.....!

کہ.....  
یک لخت تنہائی کے لمحے  
انتظار کے پل  
اک پل میں دم توڑ گئے  
کہ تم بن کے  
”عید کے چاند“

میرے من آنکھن میں اتر آئے  
فصیحاً صف خان..... ملتان  
غزل

اسے میری وہ بچپن کی شرارت یاد آ جائے  
کبھی کچھ بھول بھی جائے محبت یاد آ جائے  
اسے پوچھا اسے چاہا اسے مانگا بھی ہے ہم نے  
میری سچی محبت کی عبادت یاد آ جائے  
کسی کے پیار کی خاطر یہ ہم نے دشمنی کی تھی  
اسے میری زمانے سے بغاوت یاد آ جائے  
ہمیں وہ بھول ہی بیٹھا نجانے کس طرح لوگو  
خدارا اب اسے میری شکایت یاد آ جائے  
ہمیں وہ جان سے پیارا اسے معلوم ہی کب ہے  
میری پہلی محبت کی عنایت یاد آ جائے  
ایسے میں پیار کرتی ہوں اسی پر جان دیتی ہوں  
فری اب اسے میری سخاوت یاد آ جائے

فرید جاوید فری..... لاہور

غزل

سامنے ہی کھڑا تھا میں لیکن اس نے پکارا ہی نہیں  
ظاہر کر رہا تھا ایسے جیسے اس نے دیکھا ہی نہیں  
ساتھ تھا شاید کوئی اپنا وہ نظریں جھکا کر گزر گیا  
وہ بھول گیا ہو مجھ کو ہو سکتا کبھی ایسا بھی نہیں  
عرصہ بعد دیکھا اس کو یوں بے فکر سا گھومتے ہوئے  
چہرہ وہی آنکھیں وہی اس میں کچھ بھی بدلا ہی نہیں  
اب بھی مسکور سا کردیتی ہے شخصیت اس کی  
اور شاید اب بھی پیار اس کا کسی نے پایا ہی نہیں  
کوئی وعدہ نہ تھا نہ ہی کوئی عہد وفا لیکن  
جاتے ہوئے کیوں اس نے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں  
اب جو اتنے عرصہ بعد دیکھا اسے کسی کے ساتھ



امید رت کنار ہے  
 سمندر لاکھ گہرا ہو  
 کنارے کا نظارہ ہو  
 تو بہت آئی جاتی ہے  
 سفر آگے بڑھتا ہے.....!  
 امید رت اشارہ ہے  
 سکوت تنگی شب میں  
 صد لہر گرچہ پہرہ ہو  
 نشان رملہ دکھاتا ہے  
 سفر آسان کرتا ہے.....!  
 امید رت سہارا ہے  
 ہمیشہ ساتھ رہتا ہے  
 کبھی گرنے نہیں دیتا  
 لے جو تمام لے لے کو  
 عطا رحمت بھی کرتا ہے.....!  
 امید رت تو ایمان ہے  
 خدا جب ساتھ چلنے  
 کہ جب دور رت ہے بندوں کا  
 بھلا کیوں نا امید ہو.....؟  
 وہ ہم سے پیار کرتا ہے.....

عرشہ ہاشمی..... آزاد کشمیر

ہم پھر لوگ  
 مجھ کو دھکار کر تم کدھر جاؤ گے  
 نئی میری وفا کی نہ کر پاؤ گے  
 جہاؤں سے گھبراتا سیکھا نہ ہم نے  
 بتاؤ بھلا کتنا ترپاؤ گے  
 تمہاری رگوں میں ہمارا لہو ہے  
 ہمیں بھول کر خوب پچھتاؤ گے  
 پانی ہو تم ہم اتریں ہیں تہہ میں  
 پھر سے کیسے تم جھراؤ گے  
 دیوانے عقل سے بلائی ٹھہرے  
 بھلا کتنے پھر تم بدساؤ گے  
 رہو عشق میں کوئی غیر نہ ہی  
 لہنوں سے آخر پھڑ جاؤ گے

چلو اپنی چال ہمیں چلنے دو اپنی  
 چھیڑا جو ہم کو خود بکھر جاؤ گے  
 کوڑ نے اپنی کہانی سادی  
 بعد از مرگ اس کی دہراؤ گے

کوڑ خالد..... جڑانوالہ

غزل

بہار جب آئی گل بہار دیکھتے رہے  
 منظر خوابناک کو پہروں خن ور دیکھتے رہے  
 بد نصیبوں نے تیرا بس ستم دیکھا  
 نصیب والے ہر دن تیرا پیار دیکھتے رہے  
 تیرے دیدار کی اجازت تو نہ تھی  
 بس تیرے با و ور کو لگا تار دیکھتے رہے  
 نہ تجھے آتا تھا نہ تو آیا  
 ان رستوں پر دتوں ہم بیکار دیکھتے رہے  
 درد دل کا علاج تو نہ کیا سچا نے البتہ  
 ہونٹوں میں ہنسی دبائے ہماری چشم تر دیکھتے رہے  
 کس طرح ہم اس کی تلاش میں ننگے پاؤں چلے صندل  
 بہت دور تک ہم کو صحرا کے شجر دیکھتے رہے  
 کلثوم صندل..... منظر گڑھ

صلی ملا مجھے

بہت سالوں بعد

میری وفاؤں کا صلہ ملا مجھے

آنکھیں پانی سے ہیں سمندر

جدل میں در کا دھواں

جدائی کے قیاس سے شکستہ چہرہ ہے

پر ہونٹوں پہ نئی مسکان کیوں نا ہو

کہ کہا ہاتھ تمام کر بڑی چاہت سے اس نے

خود سے مجھ تک کا جو سفر طے کیا ہے

آج پھر ان رستوں کی پہچان کرو

باندھ لو محبت ساری اپنی

آج تمہیں میری زندگی سے ملے جانا ہوگا.....

مشاعی مسکان..... قمر مشانی

اک کام کرو گے تم

اک کام کرو گے تم



میرے نام کے سنگ.....

اپنا نام لکھو گے تم

جو چھین نہ سکے کوئی

بھی مجھ سے

جن کی تعمیر سے وابستہ

ہوں میرے ہر پل

کی خوشیاں بھی

سنو.....

کوئی ایسے ہی خواب

میری آنکھوں کی

زیست کرو گے تم

مدیحہ نورین مہک..... برتالی

صدائے سانحہ صفورا

کیا خوب شہر ہیں وہ

جہاں برسات ہوتی ہے

زمین سیراب ہوتی ہے

ہمارے شہر سے ملو لوگوں

یہاں کی بات انوکھی ہے

یہاں گلشن نکھرتے ہیں

نہ ہی بادل برستے ہیں

ہے یہ شہر کراچی.....

جہاں آنسو برستے ہیں

گونج اٹھتی ہیں صدائیں

زمین لال ہوتی ہے

یہاں آدم کے ہاتھوں رسوا

آدم کی ذات ہوتی ہے

ودیعہ یوسف زباں قریشی..... لاٹھی کراچی

عید مبارک

عید مبارک

کہہ کر

میری عید

مبارک کرو

عائشہ نور عا شا..... مہجرات

غزل

دل میں ایک مانوس سا شخص بسا ہے  
جو میری دھڑکن دھڑکن میں بسا ہے  
کبھی ایک پل کو جو مجھ سے جدا نہ ہوا تھا  
آج وہ اجنبیوں کے دلیں میں جا بسا ہے  
میری ایک آہ پر شدت سے تڑپ اٹھنے والا  
میرے درد کی وجہ کسی اور کے دل میں بسا ہے  
میں تو رہ گئی تنہا دل میں اب ارمان نہیں باقی  
آشیانہ میرا اجڑا ہے اس کا مکان تو بسا ہے  
وہ سر راہ کہیں ملے تو پوچھوں گی میں اس سے  
پچھڑ کر کسی اپنے سے یہ دل بھی کبھی بسا ہے  
کیسے مان لوں کہ میرا نہ تھا دیا  
جس کے مجھ جانے سے میرے گھر میں اندھیرا بسا ہے

سعدیہ عابد..... نارتھ کراچی

غزل

بڑی مدت بعد مجھے جیسے کسی نے پکارا ہو؟  
بہت پہچانی سی صدا تھی کہیں تم تو نہیں ہو؟  
اندھیروں کے راستے میں سفر مشکل تو تھا مگر  
اک دیا سا میرے ساتھ رہا کہیں تم تو نہیں ہو  
دربدر کی ٹھوکروں سے بچ لکنا آسان تو نہ تھا  
مگر کوئی جیسے سہارا سا ہو کہیں تم تو نہیں ہو؟  
میرے لیے غموں کا سماں تھا بے حد و حساب تھا  
مگر مرہم سا کوئی لگا ہو جیسے کہیں تم تو نہیں ہو؟  
تنہائیوں کی وادی میں قدم اپنے پڑے تو تھے  
میں اکیلی رہی مگر تنہا نہیں کہیں تم تو نہیں ہو؟

جویریہ بیداج تنہا..... باغ آزاد کشمیر

عید مبارک

اے جاوید عید کے

ان کی طرف گزر جو تیرا ہو جائے

ان سے کہنا.....

کہہ اہیں بگتی ہیں مجھ آج تیری آس لگائے

اس سے کہنا.....

اتظار میں تیرے بدن تمام ہونے لگا ہے

چند لمحے نکال کر

آ کے مجھ سے عید ضرور مل جائے

289 اگست ۲۰۱۵ء

آنجل



اے چاند عید کے.....!  
نجم انجم ہوا..... کورنگی کراچی

عیدی  
وہ ہم سے پوچھ بیٹھے ہیں تمہیں عیدی میں کیا دیں ہم  
اب ان سے ہم کہیں کیسے  
ہمیں نہ بھول گئے ہیں  
نہ کوئی عید کا رٹا لیتا ہے  
ہمیں عیدی جو دینا چاہتے ہو تم  
تو حقے میں ہانپا دل ہمیں عیدی کی طرح دو  
کہ.....

ہر عیدی سے بڑا کر یہ عیدی ہو جائے  
ٹوبیہ شہر لوی..... راولپنڈی

غزل

وہ جو لفظوں کے پھول ہوتے ہیں  
خوشبو ہر دل میں ہی سموتے ہیں  
ان کو الفت اسیر کرتی ہے  
جن کے خود سر حراج ہوتے ہیں  
جو کسی کشتی میں کریں سوراخ  
خود کو بھی ساتھ میں ڈبوئے ہیں  
ان سے دنیا کتناہ کرتی ہے  
وہ جو اپنے ہی رونے روتے ہیں  
مجھ کو جب دیکھتے ہیں وہ یک ٹک  
دل میں نغمے شریہ ہوتے ہیں  
جو ترپتے ہیں ہجر کے بن میں  
دن میں جلتے ہیں شب کو روتے ہیں  
وہ بڑا کار ساز ہے خانم  
اس کی رحمت سے زخم دھوئے ہیں  
فریدہ خانم..... لاہور

تم آنہ کے

رات ڈھلنے لگی

چاند جھکنے لگا

سوچ کا ہر زلویہ

رخ بدلتے لگا

شہنشاہی مٹھی ہوا میں

صبح نو کی آمد کا پیغام لے کر  
میری زلفوں سے خوشبو چراتی ہوئی  
گل و گلزار کو مہکانے چلیں

اور چڑیاں.....

میرے آئینے کے اک گھنے ہنڈ پر

چنچھانے لگیں

اور ہم.....

رجبکوں کے مسافر

خوابوں خیالوں کی اوڑھ بے

سوچتے ہی رہے

تم بے وفا تو نہیں شاید مجبور ہو

تبھی تو ترپتے دل کی کوئی بھی صدا سن نہ پائے کبھی

ہم کھلتے رہے

رات ڈھلتی رہی

چاند جھلار ہا دل چھلار ہا

گم آج بھی وعدہ کر کے صنم

تم کھا کے قسم

بھانڈے کے

ہم سکتے رہے تم آنہ کے

سیدہ جیا عباس..... مرالی تیلہ گنگ

میری نیند

جس رات برستی ہے مجھ پر

تیری یاد صنم

اس رات.....

کمرے کے کسی کونے میں

غموں اور سہمی سہمی سی

سحر تک.....

روٹی رہتی ہے.....

میری نیند.....

نمیرہ اسد نازی..... راولپنڈی





# دوست کلینگز

بہا احمد

اداس نہ ہو کہ راشد عید پر ساتھ نہیں ہو گا ہاہا۔ سب کی دوست دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

مدیحہ نورین مہک۔۔۔۔۔ برنالی

گل مینا خان فائزہ بھٹی اینڈ نازیہ کنول نازی کے نام  
السلام علیکم! میں تمہیں چار ماہ بعد حاضر ہوئی ہوں غیر حاضری کی وجہ میرے گلے کا ناسلو انفیکشن ہے۔ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی تو آنچل میں انٹری نہیں دے پائی۔ گل مینا خان! آپ واقعی اپنے نام کی ایک ہیں! ٹھیک یوسوچ کچ پر پٹی کر لیں! برتھ ڈے ڈس کرنے کا۔ ہمیشہ خوش رہو سوٹ ہارٹ۔ ڈیسرٹ فائزہ بھٹی! تم نے میری غیر حاضری کو مس کیا ٹھیک یوسوٹ کر لیں! میں ابھی پیادہ نہیں گئی دور ہو گئی پریشانی (ہاہا) ویسے میرے لیے تو تم پھولوں کی ملکہ ہو۔ میری دعا ہے کہ زندگی میں ڈھیروں خوشیاں اور کامیابیاں سیمٹو آئیں۔ مائی ہارٹ فوریٹ نازیہ کنول نازی آپ کو نکاح کی ڈھیروں مبارک باد آپ میرے سنے پہلے ہی ہارون آباد چھوڑ رہی ہیں ناٹ فخر (مذاق کر رہی تھی)۔ اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش کا باور رکھے اینڈ تمام آنچل فرینڈز مدیحہ نورین شاہ زندگی پر دین افضل زائر طاہر شہا احمد فرح کنول ارم کمال گل مینا خان نورین مسکان سرور حافظ سمیرا آنچل کے ٹیم ممبرز جناب مشتاق احمد قریشی صاحب طاہر احمد قریشی آبی قیصر آرا آبی جویریہ سالک روہین احمد اینڈ آل پاکستانوں کو میری طرف سے ایڈوانس عید مبارک پلیز دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

مدیحہ کنول سرور۔۔۔۔۔ چشتیاں

قریشی مسز کے نام  
ہنسی کیسا ہے؟ اس کی قلعاریوں سے بھرپور شراقتیں ابھی بھی ذہن میں گونجتی ہیں تو بہت یاد آتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کام ہیں نا تا اس کے اور ہاں بتائیے اسد شیر بہادر کیسا ہے؟ جس کے اپنے کام کم ہی سیدھے ہوتے ہیں۔ ثوبان سے کہیے گا کہ سدھر جائیں (اب ڈینٹوٹک کی مشہوری کا اشتہار نہ بن جانا)۔ ڈیسرٹ فائزہ بھٹی افسانہ رہائے آنچل میں پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ ضرور کیجیے گا۔ رگ جلی آنچل میں حرا قریشی کے علاوہ بھی باذوق لوگ ہیں۔ ان پر بھی نظر کرم کیا کریں ہالہ جانی کے مشعو سے کہہ دیں کہ اپنی پوزیشن قطعی ڈاؤن نہ کریں۔ گڈی با عروہ سے کہا کریں تاکہ کم چڑھایا کریں۔ ابھی نہیں لگتی بالکل چھوٹی آپ لگتی ہے عبد اللہ کی بھی کلاس لیں تاکہ یہ بھی اچھے کریڈٹ لیں۔

حرا قریشی۔۔۔۔۔ بلال کالونی ملتان

شاہ زندگی زورش بخاری غزل ملک زوہاں خان فریدی کے نام  
السلام علیکم! پیاری پیاری دوستو میرا نام عدنان ہے اور سب مجھے

پیاری آنچل فرینڈز کے نام  
السلام علیکم! آنچل قارئین! آپ سب کو عید کی ڈھیروں مبارکباد اور دعاؤں۔ سمیرا شریف طور شادی کی اور عید کی ڈھیروں مبارکباد اور دعاؤں قبول کریں! اللہ تعالیٰ آپ کی ہر عید مسرتوں سے معمور کرے! آئیں۔ نازیہ کنول نازی عید اور شادی کی مبارکباد اور دعاؤں کا تحفہ آپ کے لیے آنچل میں آپ کی شادی اور سسرال کے متعلق اشاعت پر بہت خوشی ہوئی ہمیشہ خوش رہیں آئیں۔ پروین افضل شاہین صاحب آپ کو عید کی ڈھیروں مبارکباد۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ہر عید بونہی مسکراہٹوں سے سجائے آپ کے دامن ادا آپ کی گود میں پھول کھلیں! اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد کی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے! آئیں۔ آپ میاں نے ایوارڈ وصول کیا میری طرف سے ڈھیروں مبارکباد۔ بشری باجوہ عید کی ڈھیروں مبارکباد اور دلی دعاؤں۔ طیبہ نذریا آپ کو بھی عید مبارک ہو ڈھیروں پر خلوص دعاؤں کے ساتھ ایس امول شاہ نورین شاہد اور شاہ زندگی آپ کو بھی عید کی مبارکباد اور ڈھیروں دعاؤں۔ میری طرف سے ادارہ آنچل اور مدیرہ آنچل کو ڈھیروں مبارکباد۔ اللہ تعالیٰ آنچل کا ساتھ ہمارے ساتھ ہمیشہ جوڑے رکھے۔ ماہنامہ حجاب بھی اپنی مقبولیت کی سیر حیاں اسی طرح ملے کرے! آئیں ہم آئیں آپ کی دعاؤں کی طالب آپ کی بہن۔

شازیہ فاروق احمد۔۔۔۔۔ خان بیلہ

دل والوں کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے سب پڑھنے والوں کو میری طرف سے عید کی بہت مبارک ہو! یلو اقرام اسحاق تمہیں سالگرہ مبارک ہو۔ پیارے فیصل تمہیں بھی سالگرہ مبارک اور اٹلی والو! میں ہوں بار عقیل تمہاری بہنا گزشتہ سالگرہ بہت مبارک ہو۔ طیبہ نذریہ ہنسی مسکراتی رہو۔ پرنس افضل شاہین تسی تے گرسٹ ہو اور نوشین اقبال پی پی برتھ ڈے ٹو یو سارے اسکول اسٹاف کو بہت بہت عید کی خوشیاں مبارک! پیاری میری آئی مس یو۔ جلدی سے جاؤ گڑیا سوٹ سوٹ اور جویریہ ذیشان محسن احسن سب کو السلام علیکم! پیارے ابو جان اس دفعہ زیادہ عیدی لوں گی میں ہاہا۔ امی جی تسی دی دینی ہے اور سمیع اللہ پی پی برتھ ڈے ٹو یو۔ شاہ زندگی ساریہ چوہدری طیبہ نذریہ ثوبیہ کوثر انا احب سب کو بہت بہت سلام ہو۔ مجھے عید کی خوشیوں میں مت بھولے گا میری عیدی بھیج دینا بھائی راشد اقرام ہمارے گھر آنے کا شکریہ۔ ادو اقرام



السلام علیکم! پیارے ڈاکٹر زبیر کیسے ہو؟ سدا خوش مسکرا رہے ہو۔ آپ جیسے دوست قدرت کی طرف سے دیا جانے والا ایک عظیم تحفہ ہوتے ہیں! میں اس تحفے کے لیے خدائے رحمان کی شکر گزار ہوں۔ آپ کے فاضل امیر کے ایگزامز ہو رہے ہیں! آپ سے زیادہ میں ایکسائنڈ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ آپ کا رزلٹ شاندار آئے اور آپ کی تمام قارئین سے بھی دعا کی درخواست کرتی ہوں۔ بس اب آپ جلدی سے اپنا کلینک کھول لیجیے تاکہ میں وزٹ کر سکوں۔ اللہ آپ کو بہت خوشیاں دے آمین۔

ماریہ پارس.....

صدرہ رخسانہ کائنات اینڈ عائشہ بیٹ کے نام

آداب! عرض ہے آپ لوگوں نے میرا پیغام پڑھا اور میرے درد کو سمجھا آپ کی بہت شکر گزار ہوں! آپ میرے دکھ میں شریک ہوئیں۔ آپ کے خلوص کو دیکھ کر میں رہ نہیں پائی اور ساری رات کروٹیں بدل بدل کر اور سوچ کر کہ کیا لکھوں دراصل میں نے اپنی سائر سے آپ کی خط کے بارے میں سنا جو میرے نام تھا تو میں حیران بھی ہوئی اور خوش بھی۔ پھر میں نے ہمت کی اور لکھ ہی دیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے دوستی کرنا چاہی میں جس سے بھی دوستی کروں ان شاء اللہ پر خلوص ہو کر بھائی ہوں۔ آپ نے میری امی اور ابو جان کے لیے صبر کی دعا کی ہے اب آپ سے دعا ہے کہ آپ میری والدہ کے لیے مغفرت کی دعا کریں کیونکہ وہ اپنے پوتے طلال بن طیب کو دیکھنے کی آس لیے 14 مئی کو اس دنیا سے جا چکی ہیں۔ میں کتنے ضبط سے یہ لکھ رہی ہوں آپ میری کیفیت کا اندازہ لگا سکتی ہیں آپ نے لکھا اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے امتحان لیتا ہے۔ بے شک میری والدہ سے دعا ہے ہم سب کو امتحان میں پورا اترنے کا حوصلہ دے! میرے اور میری فیملی کی طرف سے آپ سب کا شکریہ جو ہمارے دکھ میں شریک ہوئے اپنے پیچھے اور سچی کو میری طرف سے پیار دینا اللہ ان کو نیک بنائے اور صحت والی زندگی عطا کرے۔ آپ کے لیے دعا گو۔

ریحہ اساورث..... لعل آباد

کلاس فیلو فریڈز کے نام

سب سے پہلے تو میری بیٹ فریڈز عظمیٰ کیسی ہو؟ بھائی کی شادی بہت بہت مبارک۔ خدا بابر بھائی اور صنم آبی کو ہمیشہ ساتھ رکھے اور ہزاروں خوشیاں نصیب فرمائے آمین! اس کے بعد کشف تم تو بہت ہی بدل گئی ہو۔ مانی تمہارا کیا حال ہے؟ نور تم سناؤ؟ اور ہاں جی سعد یہ تمہارے تو رنگ ہی اور ہیں! میں نے تمہیں ایک دن بازار میں دیکھا تھا اسکائے بیوڈریس میں تم بہت پیاری لگ رہی تھی۔

پیارے عاشری بلا تے ہیں۔ پیاری شاہ زندگی اور زرش بخاری میں نے آپ کا تعارف پڑھا جو کے مجھے بہت اچھا لگا! میں پوری سچائی اور ایمانداری سے آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے ایک قلم دوست پاؤ گی۔ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا پلیز جواب ضرور دیجیے گا۔ غزل ملک اینڈ زوباش میں نے آپ کا تعارف بھی پڑھا میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں وہ بھی مکی والی آپ چاروں فریڈز مجھے ہمیشہ ایک قلم دوست پاؤ گی۔ میں آپ سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں! کیسے وہ آپ بتائیے گا پلیز! اس کے علاوہ اگر کوئی بھی مجھ سے دوستی کرنا چاہتا ہے تو موسٹ ویکرم دوستی کے معاملے میں ہم بہت قلم دوست ہیں۔ تمام آج کل اسٹاف نازیبا پی میرا آنی طاہر بھائی اور تمام آج کل پڑھنے اور لکھنے والی سوٹ فریڈز کو رمضان کی ڈمیروں ڈمیر مبارک باذنہ حافظ۔

عدن چوہدری عاشری..... سبکرات

عائشہ نور محمد کے نام

السلام علیکم! میری طرف سے تمام آج کل کے چاہنے والوں کو عید کی ڈمیروں مبارک! بوڈیئر عائشہ نور محمد کیسی ہیں آپ؟ کچھ نہیں آ رہا بلکہ وہ لہجہ ہی نہیں مل پارہے جن کے ذریعے میں آپ کو بتا سکوں آپ کیا سمجھتی ہیں اور کتنا اچھا سمجھتی ہیں ابھی کچھ دن پہلے ہی تو میں سوچ رہی تھی کہ عائشہ سے کہوں گی کہ کوئی بول لکھے مگر دو دن بعد جب آج کل میں آپ کا بول شامل تھا اور میں حیران نہ تھی دیکھ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ اتنی جلدی بھی کسی کی خواہش پوری کر سکتا ہے اور جب پڑھا تو بے اختیار دل سے نکلا کاش میں سمجھتی ہوتی تو پلیز آپ دعا کریں میں مجھے سمجھتی ہیں جاؤ اور کیا آپ شرمی پردہ کرتی ہیں۔ کیونکہ اینڈ سوٹ شاہ زندگی القسی کتوزہ فوزیہ سلطانہ مسکان قصور کتوزہ زین العین وہا پارس شاہ جاہل ملک لکھا ہے آپ سب کی شادی ہوئی ہے جو ایک دم آج کل سے عتاب ہوڈیئر! حیران عرض! اینڈ سارا بول شاہ شادی کی ڈمیروں مبارک! باب ڈیئر بلوچ میں آپ کو ایک بار پھر آج کل کے صفحات پر دیکھ کر جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے! آج کل فریڈز ہر شاہ اینڈ زبیر کہیں گم ہو رہی ہیں ذل حور میں کسی ہوا ڈیئر مجھ ہی میں آپ کو بہت مس کرتی تھی۔ حور ام آپ کن فضاؤں میں سانس لیتی ہیں۔ حور کن بلوچ سوچتی ہیں آپ تو اس دل سے بیٹے ہو ڈیئر! میرا چاہتا ہے! میرا تعجب عائشہ پر دینا چھو! نورین شکیلا ریحہ طاہرہ زبیرہ شاہ کرن شاہ فخر الدین کول رہا اب آپ سب کو جواب! صاحب اب لکھ لکھ کر کیا بات ہے جو تم ہم جیسی کیونکہ دوستوں کو بھی بھول جانا خوب صدمہ دیتی کیا حال ہے اچھا اب اجازت تو یہ کہ ہر بھول گئی فی اللہ!

ماوراء رشک حواء سرگودھا







السلام علیکم! میں آپ سب کی محفل میں بے حد پیار محبت عقیقت و احترام اور دعاؤں کے نذرانے لے کر حاضر ہوتی ہوں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ سب کو خوش و خرم آباد رکھے۔ طیبہ نذریہ ساریہ چوہدری عظمیٰ شاہین مدیحہ کنول سرور گھٹت اسلم چوہدری فوزیہ سلطانہ مونا شاہ کوثر خالد رھک وفا ماہ رخ میں آپ سب سے دوستی کرنا چاہتی ہوں آپ لوگوں کے مسکتے الفاظ کی خوشبو اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ آپ سب آج کل فیملی کا حصہ ہیں اور میں بھی آج کل فیملی کا حصہ بننا چاہتی ہوں۔ امید کرتی ہوں کہ مجھ ناچیز کی دوستی کو قبول کر کے ضرور عزت افزائی فرمائیں گی آپ سب کے جواب کی منتظر رہوں گی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

روشنی وفا..... ماہیہوال

اسکول فرینڈز کے نام  
آمنہ کیسی ہو تم تو مجھے بھول ہی گئی ہوگی کیسی فرینڈ ہو تم۔ پڑھائی سے ذرا باہر نکلو اور ہمیں بھی یاد کر لیا کرو۔ آمنہ تم کو میرا ہنسا بہت پسند تھا ناں ہم دونوں کتنی باتیں کرتے تھے۔ عقیفہ میں تمہاری نصیحتوں کو بہت یاد کرتی ہوں۔ ہم دونوں میں لڑائی بہت ہوا کرتی تھی گلزار شہزادی تمہاری امی ماشاء اللہ عمرہ کر کے آئی ہیں اور تم نے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا کیا تم سے میں کمجوریں اور آپ زم زم مانگتی؟ بے شرم لڑکی اب بھی پاڑا اور چورن کھاتی ہو یا چھوڑ دیا۔ عقیفہ اور تمہاری بہت پرسل باتیں ہوا کرتی تھیں۔ کنز کی کیسی ہو؟ لاہور زیادہ ہی پسند آ گیا ہے وہاں کی ہو گئی ہو۔ کیا ہمیں یاد کرتی ہو کہ نہیں ہم دونوں کی سوچ بہت ملتی تھی ٹیچر راشدہ سے ہماری کبھی نہیں ملتی تھی۔ تم لوگو کو مس ساڑہ یاد ہیں جو میرے پیچھے دیوالی تھی ہم سب کو ان پر بہت ہنسی آتی تھی مس جی تھی گرسٹ او۔ مس یو مس جی! آپ کے تمام گفت میں نے ابھی تک سنبھال کر رکھے ہیں۔ شاہ کیسی ہو؟ میں تم سے ناراض ہوں تم مجھ سے ملنے کیوں نہیں آتی اگر میں کال کرتی ہوں تو وہ بھی پک نہیں کرتی۔ جلدی سے مجھ سے ملنا۔ رو مین جان کیسی ہو؟ ہم دونوں بچپن کی دوست ہیں مگر اب پتا نہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ فرسٹ ایئر کے اب ہم دونوں نے ہی پیپرزدئے ہیں دعا کرنا ہمارا رزلٹ اچھا آ جائے۔ جہا قریشی کیسی ہو؟ تم نے آج کل میں لکھنا کیوں بند کر دیا ہے آج کل میں تم ہی میری پہلی دوست ہو۔ اقراء اور سونیا آپ لوگ کیسی ہو؟ اقراء اپنی مس فرح کو یاد کرتی ہو تو کیا میں تمہاری دوست تمہیں یاد نہیں آتی۔ میں بھی ان کے ہی گھر میں رہتی ہوں سب دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

صباہ زرگر..... جوڑو

سویت کیوٹ لولی اینڈ بھیابھائی کے نام  
سب سے پہلے میرے پیارے بھیابھالاجی آپ کمال فیملی

دونوں سے تھوڑا تھوڑا افتخار ہوں کیونکہ میرے کہنے کے باوجود ابھی تم نے اپنی تصویر ہی نہیں بھیجی جلدی سے بھیج کر مجھے منالو۔ اریہ شاہ سکھڑنگی بن گئی ہو بہت اچھی بات ہے ہا ہا۔ امن کیسی ہے شہزادی! اس سے جب بھی بات ہو بہت اچھا لگتا ہے جب دو جاناں پھوپھو کہتی ہے۔ شاہ علی تمہارا چھوٹا کیسا ہے تنگ کرتا ہوگا اب تو تمہیں اپنے پیچھے دوڑا دوڑا کر مزید اسارٹ کر رہا ہوگا اور پلیز اپنا خیال رکھا کرو۔ ام کلثوم شادی مبارک۔ ایمان شہرین شاہ ملک ندا چوہدری مہدیہ یونس فرزات شہرین ملک منم ناز فتح مسکان مسکان قصور فرخ کرن وفا یاسمین عندلیب مقدس رباں پارس شاہ شاہ زندگی مسائرہ سکندر سحر طیبہ نذریہ اور رخ (رھک حنا) حجاب زہرہ چندا مثال نہادیہ انظفر عظمیٰ ایمان شہزادی سعادت کول شہزادی (تمہارا تعارف پڑھ کر اچھا لگا مجھے یاد رکھا خوشی ہوئی) ماہ رخ آپ نے مجھے پرنسز کہا اچھا لگا میں شکر یہ نہیں کہتی۔ ملالہ اسلم آپ کی بھی بھی عادت ہے ہم ٹو سم اچھا لگا خوش رہو۔ پروین افضل شاہین جی آپ کا آج کل میں پڑھ کر اچھا لگتا ہے۔ ریس افضل شاہین بھائی کو ایوارڈ جیتنے پر مبارک باد۔ زویا خان مجلس محکم کی مبارک باد۔ کرن شاہ کیسی جا رہی ہو تمہاری شادی شدہ لائف۔ فردہ تم کیسی ہو تم سے بات کر کے ہمیشہ اچھا لگتا ہے۔ ہم دونوں کے ساتھ ایک جیسا ہی کیوں ہوتا ہے ڈیئر ضرور بتانا۔ اللہ حافظ۔

ما معلوم..... ما معلوم

اپنی امی کے نام

جہاں دوست کی بات آئے وہاں اپنی ماں سے بڑھ کر کوئی بھی بہترین دوست نہیں ہو سکتا جو اپنی ذات سے پہلے ہمارے بارے میں سوچتی ہیں اور ہمیشہ ہمارا بھلا چاہتی ہیں خلوص دل سے ہمارے لیے دعائیں کرتی ہیں اپنی امی کی تعریف میں لفظ نہیں ملے لیکن میں ان سے اتنا کہنا چاہتی ہوں ہم آپ سے بہت پیار کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم آپ کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے ہماری وجہ سے جو بھی دکھ آپ کو ملے ہم اس کے لیے شرمندہ ہیں آپ کے لیے عام سے لفظوں میں لکھی ایک نظم میری طرف سے عید کا تحفہ ہے۔

میری پیاری ماں تجھ سے روشن ہے میرا جہاں تجھ سے محبت کروں نہ کیوں تو میری جنت تو میرا مکان تجھ سے ہے وجود تو میری زمیں تو میرا آسمان تیری آنکھیں نہ بھیگیں کبھی غم سے تجھ پر رہے ہمیشہ خدا مہرباں تیری دعاؤں میں میرا کل انا صبح نور ہے سلامتی اے میری ماں میری پیاری ماں تُو ہے میری جاں تُو یہ بلال ج..... ظاہر ہیر

آج کل فرینڈز کے نام

آنجل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 294



کی طرف سے بہت بہت عید مبارک ہو فرسٹ عید ہوگی جہاں اپنی فیملی کے بغیر سعودیہ میں منائیں گے۔ ہم سب آپ کو بہت یاد کر رہے ہیں ہر کوئی آپ کے بغیر اس جہاں آپ کے دم سے ہمارے گھر میں رونق نہی ماما پاپا کہہ رہے ہیں ہمارا بیٹا ہمارے بغیر کیسے عید کرے گا۔ سسٹر سب کہہ رہی ہیں کہ عید والے روز ہم لڑکھاپنے بھائی سے عید لیتے تھے اور زبردستی تعریفیں کرواتے تھے کہ سب سے پیاری سسٹر کون سی لگ رہی ہے۔ عثمان علی صاحب کہہ رہے ہیں کہ میرا بھائی بلال اجمل مجھے زبردستی صبح صبح عید والے روز اٹھا کر کہتا تھا جلدی تیار ہو جاؤ عید کی نماز سب سے پہلے ہم پڑھنے جائیں گے (آئی تمہنک کافی ایسوشل کر دیا ہے آپ کو سوری) اب آتے ہیں ہم اپنی پیاری بھائی نیلم شاکر کی طرف ہماری بھائی بہت اچھی ہیں اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ بالکل ہماری طرح ہیں لونگ کیسٹرنگ اینڈ پریٹی اور ایسوشل بھی میری طرح بہت جلدی ہو جاتی ہیں۔ ہمارے بھیا اور بھائی کی جوڑی ماشاء اللہ بہت پیاری ہے اللہ انہیں ہمیشہ ساتھ رکھے آمین۔ ماما پاپا آپ کی سیراً معظمہ مریم ماریہ اینڈ عثمان علی کی طرف سے بہت عید مبارک اور اللہ آپ کو ڈیروں خوشیاں دے آپ کی جوڑی اللہ ہمیشہ سلامت رکھے آمین۔

عظمیٰ بٹ..... سمندری

عائشہ نور عا شا اور کزنز کے نام

السلام علیکم! عا شہ کیسی ہو؟ رمضان میں پیپرز کیسے لگے؟ ہاں یہ تو جانتی ہوں بہت اچھے ہوئے ہوں گے۔ چلو اللہ تمہیں کامیاب کرے۔ اب آتے ہیں بے شمار کزنز اور فرینڈز کی طرف ہاں جی آپ سب کو گزری ہوئی عید مبارک۔ آ منہ تم کتنی بچی ہو بچپن کا ساتھ کیا خوب طریقے سے نبھایا (ہا ہا ہا) سمجھ گئی نا۔ منگنی مبارک اور رمہ یار تم موسم کا سناؤ کیسا ہے آج کل؟ ناں ناں..... شرمنا منع ہے دونوں ٹریٹ دے بھی دو۔ رمہ اب تو تمہاری شادی بھی ہونے والی ہے آئی، نظیر قاطمہ، ارم شہزادی، کرن شہزادی، مریم بتول، صبا، امتیاز، اریہ اور نور سب کو بہت بہت مبارک۔ پتا ہے کس بات کی؟ بھی تم سب کا نام آچل میں آیا ہے میں نے سوچا میں ہی تم سب کا شوق پورا کر دوں۔ میری تمام اسکول اور کالج فرینڈز کو سلام دعاؤں میں یاد رکھنا آپ سب کی من پسند۔

نکلیں افضل وڈانج..... گجرات

سوٹ سسٹر کے نام

السلام علیکم! ثناء کیسی ہو؟ بھائی اور تمہارے سسرال والے ام..... وہ تو بٹے کٹے ہی ہوں گے۔ ہیں..... تم تو نہ اسی مان گئیں اب غصہ چھوڑ دو۔ منگنی ہونے والی ہے ارے ارے میری نہیں بھائی یا سر کی تیاری کر لو دیکھتے ہیں کون زیادہ اچھا لگتا ہے ویسے

اچھی تو تم ہی لگو کی کیونکہ ایک ہزاروں میں میری بہن ہے۔ اچھا اپنا زیادہ سے زیادہ خیال رکھنا اور اس کا بھی سمجھ ہی گئی ہوگی کس کا ہے نا؟ چلو اب اللہ حافظ۔

ندار شید کمسن..... ستیانہ بنگلہ

پرنس عبداللہ کمسن کے نام

آج ایک اور برس بیت گیا اس کے بغیر جس کے ہوتے ہوئے ہوتے تھے زمانے میرے پتا ہے عبداللہ! 15 اگست کو تمہیں آخری بار دیکھا اور باتیں کیں مجھے پتا ہوتا کہ میں تمہیں آج آخری بار دیکھ رہی ہوں تو یقین جانو میں تمہیں کبھی جانے ہی نہ دیتی۔ تم سے جی بھر کر باتیں کر لیتی تھی بھر کر دیکھ لیتی۔ اس کے بعد بہت کوشش کی تم سے رابطہ کرنے کی لیکن تم پہلے ہی شہر خوشاں میں ہمیشہ کے لیے نیند کی چادر اوڑھ کر گہری نیند سو گئے۔ عبداللہ سمجھ نہیں آتی ہماری سب کی یہ عید کیسی گزرے گی تمہارے پتا؟ پتا ہے عید کے دن کوئی اودائے یا نائے عبداللہ ضرور آئے گا۔ 18 ستمبر دن، جمعرات کا وہ دن ہم سب کی زندگیوں کو اندھیر کر گیا۔ ہمارا شہزادوں جیسی آن ہاں رکھنے والا بھائی چھین کر لے گیا۔ ماموں اور پچھو کی بوڑھی آنکھوں کی رو رو کر چٹکیں بھی جھڑ گئی ہیں تمہارے نانی کے بغیر آگلن اجڑا اجڑا سا دیران ہے۔ تمام قارئین سے گزارش ہے وہ اس عید پر اپنے تمام مرحومین کے لیے تحن تسبیحات ”سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم“ پڑھ کر ان کو بخش دیں اور ساتھ عبداللہ اور میری نانی اماں مرحومہ کو بھی بخشائے بھولیں۔ بیان کے لیے عید کا اصول تحفہ ہے۔ جان سے پیاری صلہ کو بہت سارا سلام اور پیار اللہ تمہاری مشکلیں آسان کرنے کوئی تم تمہیں چھو کر بھی نہ گزرے اور بشری کو بہت سارا سلام۔

سدرہ احسان..... سمبڑیال

اپنے دل کی پریوں کے نام

روبی علی نجم انجم میرے لیے اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا مانگنے پر بہت بہت شکریہ۔ ثوبیہ کوثر آپ نے خوب اچھا اندازہ لگایا کہ میں اپنے پرنس افضل شاہین کی لاڈلی ہوں ظاہر ہے اکلوتی بیگم جو ہوں لاڈلی تو ہونا ہی تھا۔ شبنم کنول آپ مجھے کہہ رہی ہیں کہ اپنے میاں پرنس افضل کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑی رہتی ہو۔ محترمہ میرا بس چلے تو میں ان کے پیچھے نہا دھو کر پڑ جاؤں۔ فریدہ جاوید فری! آٹھ ایوارڈ جیتنے پر مبارک باد قبول کریں۔ امیر گل طیبہ نذر ارم کمال ثناء مدیحہ نورین مہک میری تحریریں پسند فرمانے پر بہت بہت شکریہ۔ مدیحہ نورین آپ نے تو میری بجائے میرے میاں پرنس افضل شاہین کو ہی سلام کہہ دیا ہے مجھے تو وال میں کا نظر آ رہا ہے (نہ انہ منانا)۔ پردین افضل شاہین..... بہاؤنگر



سب پڑھنے والوں کے نام

السلام علیکم! مجھے امید ہے کہ سب رائٹرز ریڈرز خیر دعائیت سے ہوں گے۔ میری طرف سے سب کو بہت عید مبارک ہو عید پر انہوں کی کمی کا بہت ہی زیادہ احساس ہوتا ہے جو ہم سے چھڑ گئے ہوں لیکن انسان ان کو یاد کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ جو ہم سے ناراض ہیں ان کی ناراضگی دور کر دیں تو عید کا کیا ہی مزہ آخر میں جیا آپ کی طرف سے میرے دل میں پڑھے بہت اچھے ہیں اور میری طرف سے درخواست ہے کہ دوست کا پیغام میں شرکت کریں میری طرف سے میرے فوجی بھائیوں کو سلام سلیوٹ اور عید کی مبارک باڈ آپ کی دعاؤں کی طالب۔

روبی ناز..... جہلم

پیاری سی دوست کے نام

السلام علیکم! ماریہ خالد کیسی ہو؟ رمضان کا پیارا پیارا اور مقدس ماہ مبارک آخر اختتام کو پہنچا اور رمضان المبارک کا تحفہ عید آ پہنچا۔ میری طرف سے تمہیں تمہارے گھر والوں کو دل کی گہرائیوں سے عید مبارک۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ ایسی عیدیں ہزاروں نہیں لاکھوں تمہارے نصیب میں ہوں آمین۔ میری سوٹی سی ریڈ فیری کو بھی بہت بہت عید مبارک ہو۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ ایسے بہت سے لمحے تمہاری زندگی میں آئے اور ہر لمحہ تمہارے چہرے پر مسرتوں کے پھول کھلائے آمین اور میری طرف سے اسکول کے سارے اسٹاف کو بھی عید مبارک ہو ربت رکھا۔

علیزے..... برنالی

دلفریب نازی اور سمیرا بھو کے نام

میرے لفظ بہت الجھاؤ کا شکار ہیں فور مسرت کے باعث ہاتھوں کی لرزش قابل دید ہے۔ قلم کی نوک سے وہ کون سے موتی نکھیروں جو عزیزانِ نازیہ بھو کے شایانِ شان ہوں۔ جولائی کے شمارے میں نازیہ کی شادی کا پڑھ کر جو خوشی کی لہر دل میں اٹھی وہ ناقابلِ بیان ہے۔ ازدواجی زندگی کا اطمینان اور قلب کا سکون پڑھ کے میری آنکھیں یکلفت باعث شکر لمحہ بھر کو بند ہوئیں اور ہونٹوں کے گوشے مسکرانے کا عندیہ دینے لگے۔ فی الہدیہ دل کے کونوں سے اک صدا دعا بن کے پھیل گئی کہ رب ذوالجلال تازیت انہیں ہمہ ہمسر پایاں خوشیوں سے ہمسار رکھے اور ان کی زندگی کو گلاب کے پھولوں سا معطر رکھے آمین۔ سمیرا بھو آپ کے سہاگ کو آنجل کے صفحات پر دیکھنے اور پڑھنے کی خواہش اٹھائی لے رہی ہے۔ بخدا عالم مت بنے گا اور ہمیں احوال شادی کا دیدار ضرور کروادے گیے گا۔ ستاروں کی لاتعداد خوشیاں اور روشنیاں وہ پاک ذات آپ کے دامن میں سمیٹے آئیں۔ میری کٹ گئی ملی سمیٹہ انم

ایڈیٹور صاحب افشاں عروسہ عید سعید کی ان گنت مبارک باد بعد ایک عدد شرارتی مسکراہٹ قبول کیجیے گا۔ ملاہ اسلم آپ نے میری رہائش کا پوچھا تھا تو ڈنیر میں کیر والہ سٹی کے عین مرکز میں قیام پذیر ہوں۔ صبا آپ کی 31 جولائی کو آپ نے اس دھرتی پر قدم رنجہ فرمائے تھے اور پوری کائنات کو ہلا کے رکھ دیا تھا (شکر ہے میں اس وقت اس دنیا میں نہیں تھی) بجانب میرے قلم سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باڈ آخر میں اہل آنجل اور تمام فیملی ممبرز کو عید مبارک۔

مونا شاہ قریشی..... کیر والہ

پیاری بہنوں کے نام

السلام علیکم! ارے حیران کیوں ہو رہی ہو میں وثیقہ ہی ہوں تم سناؤ معاویہ کیسا ہے اور باجی قیصرہ کا کیا حال ہے؟ عید کی تیاریاں کر لی ہیں اور ہاں بھابی کہہ رہی ہیں کلثوم کو مبارک لکھ دینا ننھے مہمان کے آنے کی اس لیے بہت بہت مبارک ہو۔ ہم سب کی طرف سے ہم عیدی دینے 4 تاریخ کو آئیں گے تیاری کر لینا عیدی وصول کرنے کی باجی کو بھی بتا دینا۔ تمہاری فرمائش پر ڈائجسٹ لکھی آؤں گی اب جلدی سے مجھے شکریہ بولو ورنہ جانتی ہو مجھے اور ہاں میری عیدی تیار رکھنا اللہ حافظ۔

وثیقہ زمزمہ..... سمندری

پیارے بہادر علی اور تمام فرینڈز کے نام

سلام مستون اسب سے پہلے جان سے عزیز بہادر علی شاہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے عید مبارک اور سالگرہ مبارک۔ ہزاروں سال جنمیں جہاں رہیں جس خیال و خواب میں رہیں بس خوش اور میری آخری سانس تک میرے ساتھ رہیں۔ آئی مس یو ایڈ آئی لو یو سوچو ردا زینب گڑیا سالگرہ مبارک پھولوں کی طرح مہکتی رہو جانو! تم تو میرے آنکھن کی رونق ہو گڑیا! روبی ناز (جہلم) دوستی ہوئی۔ روبی علی (سید والا) بیٹی کے لیے دس کیا شکریہ۔ عکینہ عمران ڈنیر گھر کی مصروفیات بڑھ گئی ہیں نورین لطیف ہم سب دوست ہی تو ہیں۔ ایس بتول شاہ (گجرات) حمیرا عروش ساریہ چوہدری فائقہ سکندر طیبہ نذیر رشک وفا سباس گل مہر گل ام شامہ نازیہ کنول جی (نیابند من مبارک)۔ سب کو محبتوں بھر اسلام نجم انجم رشک وفا پروین افضل شاہین تمنا بلوچ میری انکم پسند کرنے کا شکریہ اور ہاں پروین افضل شاہین آپ کے میاں جانی کو ایوارڈ ملا مبارک! اللہ آپ کو اولاد دے دے نوازے باقی تمام آنجل فرینڈز کو محبت بھر سلام یاد رکھنے کا شکریہ۔ سید جیا عباس..... تلہ ملک



dkp@aanchal.com.pk

آنجل اگست 2015ء 296



حمد باری تعالیٰ

سارے جہاں کا داتا کون و مکاں کا مالک ہے اس کی ذات افضل دونوں جہاں کا مالک دنیا کی ساری رونق محتاج ہے اسی کی جتنی بھی رونقیں ہیں روح رواں کا مالک دلکش رسی جتنی آوازیں ہیں جہاں میں بہت سمجھتا ہے وہ سب کی زبان کا مالک دنیا کی دولتیں ہوں یا بن کے ہوں خزانے مانگو اسی سے سب کچھ وہ ہے جہاں کا مالک دیکھے ہیں جتنے موسم سب اس کی دسترس میں سردی ہو یا گرمی بہار و خزاں کا مالک اندر ہے جو زمیں کے اوپر وہ جانتا ہے وہی زمیں کا مالک وہ آسمان کا مالک دنیا کے کام سارے کیسے چلیں کنول ہیں؟ وہی چلا رہا ہے جو ہے جہاں کا مالک

یا سکین کنول..... پسرور

اے گناہ گار

اے گناہ گار! تُو گناہ کے انجام بد سے کیوں بے خوف ہے؟ حالانکہ گناہ کی طلب میں رہنا گناہ کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے۔ تیرا دائیں بائیں جانب کے فرشتوں سے حیا نہ کرنا اور گناہ پر قائم رہنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ یعنی توبہ کیے بغیر تیرا گناہ پر قائم رہنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ تیرا گناہ کر لینے پر خوش ہونا اور قہقہہ لگانا اس سے بھی بڑا گناہ ہے حالانکہ تُو نہیں جانتا کہ اللہ عزوجل تیرے ساتھ کیا سلوک فرمانے والا ہے؟ اور تیرا گناہ میں ناکامی پر سکین ہونا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ گناہ کرتے ہوئے تیز ہوا سے دروازے کا پردہ اٹھ جائے تو تُو ڈر جاتا ہے مگر اللہ عزوجل کی اس نظر سے نہیں ڈرتا جو وہ تجھ پر رکھتا ہے تیرا یہ عمل اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔

ثوبیہ بلال حج..... ظاہر میر

پیاری بات

اپنی تقدیر کا ہر فیصلہ اللہ پاک کے ہاتھ میں دے دو اس سے دعا تو کرو پر ضد نہ کرو کیونکہ جب تم اللہ پاک پر اپنی زندگی کا ہر فیصلہ چھوڑ دیتے ہو تو اللہ پاک بھی وہی کرتا ہے جو تمہاری خوشی ہوتی ہے۔ تم اپنی رضا اللہ کی رضا میں شامل کرو پھر دیکھو وہ کس طرح اپنی رضا تمہاری رضا میں شامل کرتا ہے۔

”بے شک اللہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے“

طیبہ سعدیہ عطاریہ..... سیالکوٹ  
ایک شخص نے شوق شوق میں روزہ رکھ لیا اس نے اپنے بیٹے سے پوچھا۔

”دیکھو بیٹا! سورج ڈوبا کون نہیں؟“

بیٹا: ”جی نہیں۔“

باپ نے تھوڑی دیر بعد پھر پوچھا: ”بیٹا دیکھو سورج ڈوبا کون نہیں؟“

بیٹا: ”نہیں ابو جان۔“

باپ: ”لگتا ہے سورج مجھے لے کر ہی ڈوبے گا۔“

یروین افضل شاہین..... بہاولنگر  
کے الیکٹرک

ایک خوب صورت لڑکی کے لیے چار لڑکوں کے رشتے آئے ہر لڑکے نے اسے اپنے بارے میں بتایا۔

سہلا لڑکا: ”میں لی آئی اے کا پائلٹ ہوں، تمہیں پوری دنیا کی سیر کراؤں گا۔“ لڑکی خوش ہو گئی۔

دوسرا لڑکا: ”میں بزنس مین ہوں، تمہارے دس بینک اکاؤنٹ کھلوادوں گا۔“ لڑکی اور بھی خوش ہو گئی۔

تیسرا لڑکا: ”میں ایک سنار ہوں، تمہیں پوری دنیا کا سونا دلا دوں گا۔“ لڑکی بہت زیادہ خوش ہو گئی۔

چوتھا لڑکا: ”مجھ سے شادی کر لو کیونکہ میں کے الیکٹرک میں جاب کرتا ہوں اور میرے گھر لائٹ بھی نہیں جاتی۔“

لڑکی: ”قبول ہے قبول ہے قبول ہے۔“

عائشہ پرویز..... کراچی  
بکھرے موتی

اس چراغ کی طرح جیو جو بادشاہ کے محل میں بھی اتنی ہی روشنی کرتا ہے جتنی کہ کسی غریب کی جھونپڑی میں۔

تعب ہے کہ اللہ اتنی ساری مخلوق میں سے میری چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو نہیں بھولتا مگر اللہ تو ایک ہے پھر بھی میں اسے بھول جاتی ہوں (اللہ اکبر)۔



آسمان پر اڑتے ہوئے پرندے سے پوچھا گیا تمہیں  
زمین کا ڈر نہیں لگتا۔

تو اس نے مسکرا کر جواب دیا  
میں انسان نہیں جو ذرا سی بلندی پر آ کر مغرور ہو جاؤں  
میں چاہے کتنا ہی بلندی پر رہوں میری نگاہیں زمین پر رہتی ہیں۔  
علیزے..... برتالی

بے بس  
آنکھ..... آنسو کے سامنے  
دل..... دماغ کے سامنے  
زندگی..... موت کے سامنے  
خوشی..... غم کے سامنے  
غریب..... امیر کے سامنے  
دن..... رات کے سامنے

فاطمہ خشک..... میانوالی

تم بن

دکھ ہوں.....

درد ہوں.....

سزا ہوں.....

بیٹے دنوں کی آواز ہوں

میں جو کچھ بھی ہوں

میں جو کوئی بھی ہوں

تم بن بہت اوس ہوں.....

زائمد خانہ..... میانوالی

اقوال امام غزالی

سب انسان مُردہ ہیں

زندہ وہ ہیں جو علم والے ہیں

سب علم والے سوئے ہوئے ہیں

بیدار وہ ہیں جو عمل والے ہیں

تمام عمل والے لگائے میں ہیں

فائدے میں وہ ہیں جو اخلاص والے ہیں

تمام اخلاص والے خطرے میں ہیں

کامیاب وہ ہیں جو تکبر سے پاک ہیں

ثانیہ مسکان..... گوجران

فلسفہ محبت

عورت کی مٹی محبت سے گندمی ہے اور مرد اس مٹی کے

زر خیز پن سے نا آشنا ہے۔

عورت محبت نہ ملنے پر اکتفا کر لیتی ہے مگر مرد ایک  
عورت پر کبھی اکتفا نہیں کرتا۔

ٹھیکسیر کہتا ہے "عورت کمزور ہے" مگر شاید وہ بھول گیا  
تھا کہ یہی کمزور شے مرد کی کمزوری ہے۔

عورت بانٹی ہوئی محبت کبھی نہیں لیتی مگر مرد کی رضا  
اسے تقسیم کرنے میں ہے۔

عورتوں کے کاروبار میں ہمیشہ خسارے عورت کے  
کھاتے میں آتے ہیں۔

مونا شاہ قریشی..... کبیر والا

کچھ یہ بھی حقیقت ہے

○ اگر عقل مند اور بے وقوف دونوں اسیر محبت ہو جائیں تو  
ان میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا (پیرا چناؤ)

○ تیز زبانی ایک ایسا آلہ ہے جو استعمال سے گھس کر اور  
بھی تیز ہو جاتا ہے (ہاسکنز)

○ قرض کے دریا میں اترنے سے پہلے اپنی اجرت میں  
اضافہ کر لیں (روسو)

○ زندگی ایک غیر ملکی زبان ہے جس کا تلفظ ہر کوئی غلط ادا  
کرتا ہے (کرستوفر مارلو)

حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین

شاید اتر جائے تیر بدل میں

○ مجھے ایسے شخص کی تلاش ہے جس پر عادات اور  
خواہشات کے بجائے عقل حکمرانی کرتی ہو۔

○ معاف کرنا سب سے زیادہ اسے زیب دیتا ہے جو سزا  
دینے پر قادر ہو۔

○ بھوکے شریف اور پیٹ بھرے کینے سے بچتے رہو۔

○ محبت کا سبق بارش سے سیکھو جو پھولوں کے ساتھ  
ساتھ کانٹوں پر بھی برتی ہے۔

○ لوگ کیا کہیں گے یہ ایک ایسا فقرہ ہے جو لاکھوں  
خواہشیں چکنا چور کر دیتا ہے۔

ایس جلیلی..... نور پور

محبت

محبت ایسا دریا ہے

کہ بارش روٹھ بھی جائے تو پانی کم نہیں ہوتا

(امجد اسلام امجد)



زوبیہ عبدالرشید..... ماسمرہ شروع ہو جاتا ہے۔

+ جو درخت پھل نہ دے وہ کم از کم سایہ ضرور دیتا ہے۔

آئینہ

چہرہ نفس اور دماغ کا آئینہ ہوتا ہے  
اور آئینے کے سامنے جو چیز رکھی جائے  
وہی نظر آتی ہے.....

حکیم محمد رضوان عرف رضی..... فیصل آباد

جواہر پارے

+ بلند حوصلہ انسان کے ہاتھ میں آ کر مٹی بھی سوتا

ہو جاتی ہے۔

+ سچی لگن کو کانٹوں کی پروا نہیں ہوتی۔

+ سزا دینے کا حق صرف اسے حاصل ہے جو سزا دینے

والے سے محبت کرتا ہے۔

+ مبارک ہیں وہ لوگ جن کے پاس نصیحت کرنے کے

الفاظ نہیں اعمال ہوتے ہیں۔

+ بیماری سے مر جاؤ لیکن احسان کی دوا نہ کھاؤ۔

+ محبت قربانی سکھاتی ہے حساب نہیں سکھاتی۔

+ خیر سب سے بڑی دعا ہے۔

+ نفرت، نفرت سے کبھی کم نہیں ہوتی محبت سے کم

ہوتی ہے۔

آمنہ ولید..... لاہور

رشتہ

وقت اور پیار

دونوں زندگی میں اہم ہوتے ہیں وقت کسی کا نہیں ہوتا اور  
پیار ہر کسی سے نہیں ہوتا۔

وقت اور سمجھ

ایک ساتھ قسمت والوں کو ملتی ہے کیونکہ اکثر وقت پر سمجھ  
نہیں آتی اور سمجھ آنے تک وقت نہیں بچتا۔

حرار مفسان..... اختر آباد

کوزے میں دریا

+ اگر عبادت پر بندہ ہوئی تو نماز اور روزہ اس کے ہر ہوتے۔

+ بری کتابیں ایسا زہر ہیں جو جسم کو ہی نہیں روح کو بھی مار

ڈالتی ہیں۔

+ غم ایک ایسا پرندہ ہے جو انسان کا خون پی کر زندہ

رہتا ہے۔

+ عشق چاند کی مانند ہے جب بڑھ جاتا ہے تو گھٹنا

نٹی لیلیٰ، نیا مجنوں

ایک لڑنے کی اپنی گرل فرینڈ سے کہا ”میرے پاس اپنے  
دوست جیسی کار تو نہیں مگر میں تمہیں اپنی پلکوں پر بٹھا کر کھماؤں  
گا۔ میرے پاس اس جیسا حسین بنگلہ تو نہیں مگر میں تمہیں اپنے  
دل میں جگہ دوں گا۔ میرے پاس اس جتنا جیسا پیسہ تو نہیں مگر  
میں محنت مزدوری کر کے کماؤں گا اور تمہیں کیا چاہیے جان من؟“  
گرل فرینڈ نے کہا: ”زیادہ باتیں مت بناؤ مجھے اپنے  
دوست کا موبائل دے دو۔“

ارم کمال..... فیصل آباد

خوف

مجھے خوف ہے کہ.....

وہ بھاکے کسی سر حلقے پر

آ کر یہ نہ کہہ دے

کتاب.....

میر عدل کو تیری طلب نہیں

نورین لطیف..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

ایک پیغام اپنوں کے نام

☺ محبت چل کر در پر دستک دے تو اس سے بڑی خوش  
نصیبی کوئی نہیں اور وہی محبت در نہ کھلنے پر پلٹ جائے تو اس سے  
بڑی بد نصیبی کوئی نہیں۔

☺ محبت انمول ہے اسے بے مول مت کرو ایسا نہ ہو تم خود  
بے مول ہو جاؤ۔

☺ انا رشتوں میں ایسی دراڑ کی مانند ہوتی ہے جو انہیں  
کھوکھلا کر کے جدا جدا کر دیتی ہے۔

☺ پھل دار درخت کی ٹہنیاں ہمیشہ جھکی ہوتی ہے۔

☺ جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں وہ درخت کی پھلدار ٹہنیوں کی

مانند جھکے رہتے ہیں۔

سیدہ جیاعباس..... تلہ گنگ

حقیقت

دل میں آنے کا راستہ تو ہوتا ہے لیکن جانے کا راستہ نہیں

ہوتا اسی لیے تو جب کوئی دل سے جاتا ہے تو دل توڑ کر ہی

جاتا ہے.....

عظمیٰ بٹ..... سمندری

آنجل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 299



## کہانیاں غزل

میری محبت کو اپنے دل میں ڈھونڈ لینا  
اور ہاں آنے کو ابھی طرح گوندھ لینا  
مل جائے پیار تو کھوتا نہیں  
پیاز کاٹتے وقت رونا نہیں  
مجھ سے روٹھ جانے کا بہانہ اچھا ہے  
تھوڑی دیر اور پکاؤ گوشت ابھی کچا ہے  
مل کر پھر خوشیوں کو بانٹنا ہے  
ٹماٹر ذرا باریک ہی کاٹنا ہے  
لوگ ہماری محبت سے جل نہ جائیں کہیں  
حادل ٹانگ پر دیکھ لینا جل نہ جائیں کہیں  
کیسی کھلی غزل بتا دینا  
نمک کم تلکے تو بتا دینا

نمرہ اسلام زادہ..... خیر پور ٹامیوالی

حکمت بھرا کلام

حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کرتے

ہوئے فرمایا۔

اے بیٹے! تم حفاظت کرو نماز میں اپنے دل کی  
لوگوں کی تحفل میں اپنی زبان کی  
دوسروں کے گمروں میں اپنی نگاہ کی  
دستر خوان پر اپنے معدے کی  
اور دوجیزوں کو فراموش کر دیا کرو  
تمہارے ساتھ اوروں کا ندامت  
تمہارا اوروں کے ساتھ حسن سلوک

لائب مہر..... حضرت

پیری باتیں

ۛۛ بہترین انسان اپنی منہمی زبان سے پہچانا جاتا ہے ورنہ

بھی باتیں تو دیوانوں پر بھی لکھی ہوتی ہیں۔

ۛۛ جب بدبختی ہونے لگتا ہے تو بندے کو اپنے عیبوں کا

الگنا شروع ہو جاتا ہے اور یہ اس کی رحمت کی پہلی نشانی ہے۔

مدیحہ نورین مہک..... برتالی

آج کی نصیحت

ایک آدمی کا پالتو طوطا ملی لے گئی تو وہ نے لگا لوگوں نے کہا۔

”رہت دوسرا طوطا خرید لینا۔“ اس آدمی نے کہا۔

”میں طوطے کی جدائی میں نہیں رو رہا میں نے اسے کلمہ

سکھایا تھا جو وہ ہر وقت پڑھتا تھا لیکن جب اس پر ملی جھٹی تو وہ  
نہیں نہیں..... کرنے لگا اور میرا سکھایا ہوا کلمہ بھول گیا۔ مجھے یہ  
فکر ہے کہ کلمہ تو مجھے بھی یاد ہے اور میں بھی پڑھتا ہوں ایسا نہ ہو  
کہ جب موت مجھ پر جھٹے تو میں بھی کلمہ بھول نہ جاؤں۔“  
ذرا سوچئے اور اصل سفر پر جانے کی تیاری شروع  
کر دیجئے۔

نجم انجم..... کورنگی کراچی

آنسو

آسمان روتا ہے تو خوب صورت سبزہ اگتا ہے قلم روتا ہے تو  
آسمان کاغذ پر الفاظ کے ستارے چمکتے ہیں بچہ روتا ہے تو اسے  
غذا ملتی ہے بیوی روتی ہے تو اسے خواہ لیتی ہے بچہ دسم روتی ہے  
تو کلیاں کھلتی ہیں۔ وقت سے گناہ گار روتا ہے تو دوزخ کی آگ  
بجھتی ہے۔ سارے سمندر سب دریا تمام ندیاں دوزخ کی آگ  
بجھانا چاہے تو نہیں بجھا سکتے اور بندہ خدا کی آنکھ سے نکلا ہوا  
ایک قطرہ اسے بجھا دیتا ہے آنسو کا کتنا وزن ہے۔  
آدمی 20 کلو وزن اٹھا لیتا ہے مگر آنسو نہیں اٹھا سکتا وہ گر  
پڑتے ہیں۔

صنعا سندھ..... حضرت کیلیا نوالہ

اشعار

جب تک تیرے دل کا موسم ٹھیک نہ ہو  
بن موسم برساتوں میں کیا رکھا ہے  
محنت کر کے منزل پائی لوگوں نے  
خالی خولی باتوں میں کیا رکھا ہے  
راؤ تہذیب حسین تہذیب..... مدحیم یار خان

اے چاند

جب وہ تیری طرف دیکھیں

تو انہیں کچھ یاد دلانا

مدھر سے کچھ گیت سنانا

اور کہنا.....

تمہیں کوئی یاد کرتا ہے

تیری آرزو تیری امید کرتا ہے

کوئی آج بھی

تمہیں دیکھ کر عید کرتا ہے

سمیرا مشتاق ملک..... اسلام آباد

مشاہدات

آنچل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 300



تقدیر: ایک دھندلا ستارا ہے۔

انتظار: بے قراری کا دوسرا نام ہے۔

آنسو: یہ کڑوے گھونٹ امید کے سہارے بنے پڑتے ہیں۔

احساس: ایک عظیم جذبہ ہے جس کی پاکیزگی پر پوری دنیا  
قربان کی جاسکتی ہے۔

طاہرہ غزل..... جیتوئی

اچھی بات

دو چیزیں زندگی میں پورے حق سے لینی چاہیں

☆ سبزی کے ساتھ دھنیا۔

☆ سموسوں کے ساتھ چٹنی۔

وہ شوق زمرہ..... سمندری

عید اور ہم

تھوڑا سا مسکرا دینا آج عید کا دن ہے  
گلے شکوے بھلا دینا آج عید کا دن ہے  
خفا ہونا خفا کرنا کسی کو بھی نہیں اچھا  
دعا لینا دعا دینا آج عید کا دن ہے  
کسی سے بھی شکایت ہو اسے جا کر یہی کہنا  
نہیں تم سے جدا ہونا آج عید کا دن ہے  
محبت بائنا سب سب کے گلے سب کو لگا لینا  
یہی ہے بس میرا کہنا آج عید کا دن ہے  
ماہی کو عید کا دن پھر عطا کرنا میرے مولا  
سب کو خوشی دینا آج عید کا دن ہے

ماہی کنول ماہی..... چک درکاں

انمول موتی

۞ اہمیت دکھ کی نہیں دکھ دینے والے کی ہوتی ہے دور  
بھاگنے ایسے دوستوں سے جو کھیل ہی کھیل میں زندگی سے کھیل  
جاتے ہیں۔

۞ انسان کسی کو شریک سفر بنانے سے پہلے اس کے حال  
اور ماضی کو دیکھتا ہے لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ رفاقت میں اس کو  
مستقبل گزارنا ہے۔

۞ حوصلہ ایک ایسی طاقت ہے جو پتھروں کو بھی توڑ  
سکتی ہے۔

۞ دکھ انسان نہیں بلکہ انسان سے وابستہ امیدیں دیتی ہیں۔

۞ زندگی میں دو باتیں تکلیف دیتی ہیں ایک جس کی خواہش

ہو اس کا نہ ملنا اور دوسرا جس کی خواہش نہ ہو اس کا مل جانا۔

۞ اگر نظریں پاک ہوں تو سائے۔ مانوں پار بھی خدا نظر

آتا ہے۔

۞ معاشرے میں وہی لوگ کامیاب رہتے ہیں جو بغیر کسی

صلے اور تمنا کے لوگوں کے ساتھ اچھائی کرتے ہیں۔

لیلیٰ رب نواز لیلیٰ..... ودھیوالی بھکر

انمول موتی

۞ ایک اچھے دوست کی مثال اک اچھی خوشبو کی طرح

ہے جب بھی تم اس کو یاد کرو گے تو تمہیں اس کی مہک آئے گی۔

۞ کسی کو اپنی صفائی نندو کیونکر جھاپ سے پار کرتا ہے اس

کو ضرورت نہیں اور جلفرت کرتا ہے وہ کبھی یقین نہیں کرے گا۔

۞ کسی نے پوچھا کہ ماں مر جائے تو دعا کون دیتا ہے؟

فرمایا کہ جھیل سوکھ جائے تو مٹی میں کمی ضرور رہتی ہے اسی طرح

ماں کے انتقال کے بعد بھی ماں دعا دیتی رہتی ہے۔

۞ جب تمہیں خوشی ملے تو تین چیزوں کو مت بھولنا

اللہ کو..... اس کی مخلوق کو..... اپنی اوقات کو

عادل مصطفیٰ..... بطور جہلم

چند اہم باتیں

۞ انتظار مرتنا نہیں ہے آنکھوں میں جم جاتا ہے بس

آنکھیں مرجاتی ہیں۔

۞ اکثر محبتیں اس لیے ضائع ہو جاتی ہیں کہ ہم وہ محبت غلط

انسان کو سونپ دیتے ہیں۔

۞ جب ہم کسی سے رشتہ جوڑتے ہیں تو اس کی کوئی نہ کوئی

وجہ ضرور ہوتی ہے بعد میں وجہ ختم ہو جاتی ہے اور صرف رشتہ رہ

جاتا ہے۔

۞ اطاعت صرف اس کی کرو جس سے بڑا کوئی نہیں۔

۞ اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ذکر ہر ایک سے نہ کرتے

کیونکہ دشمن خوش اور دوست پریشان ہوتا ہے۔

کرن شہزادی..... بھیر کندا ماسمہ



yaadgar@aanchal.com.pk

301 اگست ۲۰۱۵ آنچل



# انکشاف

## شہزاد عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! پروردگار کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالق کو نہیں ہے۔ اگست کا شمارہ عید نمبر پیش خدمت ہے۔ آنچل اشاف کی جانب سے تمام قارئین کو عید کی ڈھیروں مبارک باد! آپ بہنوں کی تجاویز و آرا کو پیش نظر رکھتے عید نمبر ترتیب دیا گیا ہے امید ہے آپ کے ذوق کے عین مطابق ہوگا آئیے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب۔

حرا قریشی..... ملتان۔

جناب من اور کوئی ارادہ کیجیے  
تیس جون کی اچلی روشن اور ابرما لود صبح نے صاحب من سورج قدرے کٹھنائیوں کے بعد آج روپوش ہونے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ کشادہ فلک کے سینے پر منتشر سحاب خلیل ہو کر کئی حصوں میں بے محسوس ہیں۔ سحاب کے تیوروں سے فہم پاتے چند بوندوں نے فلک سے زمین کا بڑے ہی دلچسپ اور سحر آفریں انداز میں بوسہ لیا ہے۔ اس بوسے کا پس عالم شباب میں میری حنا بستہ آنکھوں پر ٹھہر گیا ہے۔ جانتے ہیں ناں! تار بارش کے ہیں آغاز برسات ہے اور میری ابتدا ہے عزیز آنچل سے گفتگو کی..... وصل.....!

اور مجھے ہر اس موسم سے محبت ہے  
جو تمہارے آتا ہے۔  
میرے ارد گرد صفحات دائرہ دائرہ بکھرے ہوئے ہیں۔ خاکسار قلم خشک رومان پروردگار کی دلفریبیوں سے محفوظ ہوتے ہیں اپنے کہنے پر مصر ہے کہ یہ عزیز آنچل کے اتنا قریب آ گیا ہے جیسے دل میں دھڑکن..... تو جناب من! اس سے دوری فاصلہ اب اہمیت نہیں رکھتا۔ آ دم بر سر مطلب..... آنچل کے ہر دفعہ تاخیر سے موصول ہونے کی بنا پر اب ایک جامعہ تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں جہاں لفظوں کی سرسبز دلکش وادی ہے اور اس دلکش وادی میں حرا قریشی قدم رکھ چکی ہیں (کیا کہیے حسن ہی ایسا ہے!) کیا سمجھے؟ مبالغہ آرائی؟ نہیں بھئی..... صدق حقیقت ہے (کردن اثبات میں مل رہی ہے ناں) مجھے کوئی ایسی چوڑی تفصیل نہیں بگھارنی ہاں بس اتنا کہ میری ساری آنچل سے باتیں کرتی ہیں۔ جی بھر کر اس غبار کو باہر نکالنا ہے جو لمبی نہاں خانوں میں ایک خوشی پناہ کے ہوئے ہیں تو سناؤ عزیزم! کیسے ہو؟ کس حال میں ہو؟ کچھ نہ بھی کہو تو ہم جانتے ہیں کہ ہماری آمد سے آپ کے رخسار کھل ہو جاتے ہیں۔ عین پر جگنو چمکنے لگتے ہیں اور ساتھیوں اپنے گرد و پیش سے بے نیاز ہو جاتی ہیں عنائی لب بے ساختہ مہبوت سے داہو جاتے ہیں۔

کچھ اس میں بات ہی ایسی نئی نئی رہا.....!

پھر اپنے آپ پر کچھ اختیار نہ رہا.....!

یہاں آنچل مارچ 2015: خدا، عشق، عبادت، عباس شاہ کی رباب کے لیے قابل قدر محبت، باسبب عمار کے کیسی میر عین کی شناخت کا بدل کر مومن ہو جانا اور شرف با اسلام ہونا پر کشش عصر تھا۔ رخسانہ شاہ کا رواجی ساسوں والا اہانت آمیز رویہ اچھا تاثر نہ پیدا کر سکا وہیں عمار کی بے پروائی جو اس کے والدین کے لیے بھی پوائنٹ آؤٹ کرنا ایک مثبت پیشرفت کی سمت ہموار کرتا ہے۔ "تمنائے دل" بھی اچھی تھی۔ "اپنے آپ دام میں" موضوع نیا تو نہیں تھا بہر کیف احتشام کے مزاج نے تحریر میں رنگ بھر دیئے۔ افسانوں میں "اپنا گھر" نیا پیر رہا۔ "نقیرنی پالہ" اور "موسے کا پھول" اخلاقی نتائج سے لبریز تھے۔ "ہیں کو اکپ کچھ" تعلیمی درس گاہوں کے اہم پہلو کو اجاگر کرتا دکھائی دیا۔ فاخرہ گل کی نعت نے راحت بخش شجر سایہ دار ساتھ حفظ بخشا۔ عشق نیلوتی کو مزید تقویت عطا کی باقی سلسلے بھی اپنی قدر و قیمت کم کرتے نظر نہیں آئے۔ بنام اپریل آنچل 2015: "کچھ کی سی ہے" نگہت سیما آؤٹ کلاس تحریر۔ عذیقہ جی نے درحقیقت آؤٹ کر ہی دیا۔ "لال جوزا" اور "جامت دھوپ چھاؤں کی" درد طلب رہیں۔ افسانے سارے ہی اس ماہ اپنی جگہ کمال تھے۔ "جگنو میرے آنچل میں" سروے میں خوش نوا آزادی سے اڑتے چمکی کے سے جذبات محسوس کیے بصورت حمد جہاں بیج نے دل کے تار چھیڑے وہاں ہنماد نے جذبہ شوق کو مزید ہوا دی۔ بنام آنچل مئی 2015: "کاش آنکھیں پڑھا کرے" اور "زندگی پھولوں کی راہ" دونوں اپنی جگہ دلچسپ تحاریر ہیں۔ "محبت اب بھی باقی ہے" نے اگر مزہ کر کر انہیں کیا تو بہت ذائقہ بھی نہیں دیا۔ سوریا فلک کا افسانہ ٹھیک سے دل پر لگا۔ باقی بھی اپنی جگہ ٹھیک تھے۔ ہمارا آنچل میں حرا کی انٹری نے حرا کے اندر جان ڈال دی اور کہیں اندر سے آواز آئی "آ.....! میرے آنچل مجھے پلوں پر بٹھالوں" جزاک اللہ از حد شکریہ۔ بنام آنچل جون 2015: یہاں

آنچل اگست ۲۰۱۵ 302



جناب عائشہ نور کی تحریر نے سماں باندھ دیا، نگلی قسط کا شدت سے انتظار عابدہ حسین کی بھی ہلکی پھلکی اور پور نہ کر دینے والی تحریر تھی۔ ام ایمان جی یزید اسپنڈ پکڑے۔ آپ کی تحریر صفت کا سپیدہ و در و در تک نمودار ہو رہا ہے۔ افسانے سب تقریباً ٹھیک تھے "میں بھولی میرا آشیان" صحیح حقائق کا پرتو ثابت ہوا۔ سلسلے وار ناولز پڑھ نہ سکی سو تبصرہ ادھار۔ خیر اور خوش آئندہ انداز میں "بندھن" کی نشست پر حرا بھی آجائے۔ دعا گور ہو سب ساتھیو! نیرنگ خیال پڑھ کر اپنی اپنی ڈھلی اپنا اپنا سارا گ جیتے تاثرات ابھرتے ہیں سدا۔ میں نے یہ چند سطور اس محبت اور شوق عقیدت سے لکھی ہیں جیسے کوئی ننھا بچہ قدرے اشتیاق سے مٹی کا گھر بنائے وار برف کا سنو مین نیک خواہشات کے ساتھ اجازت۔

**شمع مسکان..... جام پور۔** آداب تسلیمات! سب سے پہلے میری طرف سے پوری آنجل ٹیم ریزورڈر وائٹرز فرینڈز کو عید الفطر بہت بہت مبارک ہو۔ امید ہے تمام مسلمان بہنوں نے خوب خشوع خضوع کے ساتھ عبادتوں میں مشغول اس مقدس ماہ سے نیکیاں کشید کی ہوں گی اور اب اپنا انعام (عید الفطر) کے لیے تیاریاں عروج پر ہوں گی۔ سوروزے داروں آپ کے لیے روزوں کی بھی بہت بہت مبارک ہو خیر! اس ماہ آنجل 25 تاریخ کو مکمل کرتا ہوں میں آیا۔ سروق کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو گئیں نماز کی طرز میں لپٹے دوپٹے میں وہ معصوم سا چہرہ بہت بے نور اور پاکیزہ لگا۔ حسب معمول حمد و نعت پڑھ کر فضاے قلب میں عقیدت کے سوتے پھوٹ پڑے۔ روزے کی حالت میں پڑھتے ایک سرور ساروح میں اترتا چلا گیا۔ قیصر آٹمی کی سرگوشیاں سنیں جو کہ اس بابرکت مہینہ کی فضیلت بیان کر رہی تھیں۔ در جواب آں میں تانکا جھانگی کی یہاں سے کوچ کیا اور پروزا بھری آئینہ میں مگر یہ کیا..... شہلا آئی آپ بھی تنگ آئیں مجھ سے مسلسل تین ماہ سے نو انٹری کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ سلسلے وار ناولز میں سب سے پہلے ٹوٹا ہوا تار پڑھا، کاشفہ کی۔ سیم اب فلاب ہونے والی ہے۔ انا تو ہے ہی سائیکس کیس باضی بھی آہستہ آہستہ واضح ہو رہا ہے۔ سیرا کی بہت بہترین تحریر ہے ویلڈن سیرا جی! راحت وفا کی "موم کی محبت" کچھ خاص تاثر قائم نہیں کر پا رہی۔ اب بوبی کا دماغ خراب ہو گیا ہے پتا نہیں شرمین کو کتنی آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا۔ شب بھر کی پہلی بارش نازیہ جی ہماری بہت سی امیدیں آپ کی تحریر سے وابستہ ہو چکی ہیں کہ یہ آپ کا سابقہ کامیابی کا ریکارڈ برقرار رکھے گی ان شاء اللہ۔ محل ناول میں "زیست کی شام سے پہلے" اقراء صغیر احمد کا ناول انہماک سے پڑھنا شروع کیا مگر انڈ میں ان شاء اللہ آخری حصہ آئندہ ماہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی۔ تبصرہ ناول مکمل ہونے پر کروں گی عائشہ جی آپ کی تحریر یقیناً نام ہی کی طرح پیاری اور دلکش ہوگی مگر سوری ابھی پڑھی نہیں اب تبصرہ لکھنے کے بعد فرصت سے پڑھوں گی۔ ناولٹ "محبت دل کا سجدہ ہے" سباس جی بہت پیاری تحریر ہے مگر طوالت نہ دیں ورنہ چارم تہم ہو جائے گا۔ ذوالنون اور کرن کی اسٹوری مزہ دے رہی ہے محبت کی اصل اہمیت و قدر کا اندازہ ہمیں تب ہوتا ہے جب وہ ہماری دسترس سے دور ہوتی دکھائی دے۔ دل کے کسی پوشیدہ خانے میں چھپی محبت کی کوئیل لمحہ میں تناور درخت بن کر ہر انسان کو بے بس و مجبور کر دیتی ہے۔ کرن اور ذوالنون کی محبت بھی اب بھر کی بھٹی میں یک کر امر ہو جائے گی۔ راتیل کا ان حالات میں اور ذہنی رو کے حساب سے فیصلہ ٹھیک ہی تھا۔ موجودہ صورت حال میں اس کی ذات منتشر ہوئی وہ ذہنی و روحانی کرب کا شکار ہے اپنوں کی محبت اسے واپس زندگی کی سمت لاسکتی ہے۔ فلمیں کاری ایکشن بالکل صحیح تھا شادی صرف دو انسانوں کے ملباب کا نام نہیں۔ ٹھینہ کو خود ہی حالت بہتر کرنے پڑیں گے۔ "مجھے رنگ دے" صدف آف کی پڑ مزح انداز میں لکھی ہلکی پھلکی تحریر تھی۔ محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے یہ عام سے انسان کو خاص اور بعض اوقات بہت خاص انسان کو ایک عام سا انسان بنا دیتی ہے۔ افسانے بھی سارے نظروں کی صراط سے گزرے اور روشنیاں بکھیرتے چلے گئے۔ "بینگی بیٹا" بڑھاپے میں تنہائی کے دکھ کو واضح کیا گیا، دولت ہوتی ہے تو بڑھاپے میں محتاج نہیں ہونا پڑتا اولاد کا۔ اولاد کو سب کچھ دینے کے ساتھ اپنے بڑھاپے کے لیے بھی کچھ جوڑ کر رکھنا چاہیے یہ ڈاکٹر حکمت نسیم کی بہت حساس تحریر تھی۔ طلعت نظامی کی یہ حوصلہ جو ممکن میں سے سچا سچ کل گئے ہائی اسٹینڈر کا فیشن کہ بچے دو ہی اچھے حالانکہ یہ رت کی طرف سے دیا جانے والا خوب صورت تحفہ ہے اور تحائف تو جتنے ہوں اچھے ہوتے ہیں۔ اولاد کی اہمیت ان سے پوچھو جن کی کوئی اولاد نہیں جو بے اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب انسان کو دنیا میں پیدا فرماتا ہے تو اس کے رزق کی ذمہ داری خود اٹھاتا ہے پھر ہم فکر کیوں کریں دینے والا رت جب خوش ہے تو ہم کون ہوتے ہیں اس کی عطا سے منکر ہونے والے بیٹ تحریر تھی۔ باقی افسانے بھی سارے اچھے تھے مستقل سلسلے میں دوست کا پیغام آئے میں ان فرینڈز کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنہوں نے مجھے یاد رکھا۔ میں شدت سے آپ سب کے میسجز کا انتظار کرتی ہوں۔ نیرنگ خیال میں علامہ شمشاد طارق محمود عنایت اللہ راحل، مس اختر تارڑ اور زینب حسین کی شاعری پسند آئی۔ بیاض دل میں بسم شہزادی انصی زرگر سنیاں زرگر عروج مغل اور فاطمہ ملک کے اشعار بیٹ تھے۔ پیا کا گھر میں نازیہ جی کی سائینڈک دیکھ کر اچھا لگا مگر پوری ہوئی تو کیا بات تھی۔ شادی کا احوال بھی اوی۔ جوابات بھی پسند آئے۔ سب سے بڑا جھٹکایہ جان کر لگا کہ یہ آنجل کی مستقل قاری عامہ اقبال کی بھابی بنی ہیں اور وہ بھی آنجل کے توسط سے۔ شادی کی بہت بہت مبارک ہو نازیہ جی! اب اجازت دیں رب راکھا۔

عائشہ پرویز..... کراچی۔ السلام علیکم! اے اگست کا شمارہ میری سالگرہ کا شمارہ جانے کیسا ہوگا رہنے لگا ہا ہا۔ امید کرتی

آنجل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 303



ہوں کتا نچل اشاف سمیت سب خیریت سے ہوں گے میرا خیال ہے جب اگلا شمارہ آئے گا تب تک عید بھی آچکی ہوگی اس لیے میری طرف سے سب کو بہت بہت عید مبارک۔ اب آتے ہیں اپنے آپ نچل کی طرف حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد ڈائریکٹ ”نوٹا ہوا تارا“ کی طرف چھلانگ لگانی ہمیشہ کی طرح سپر ہٹ اسٹوری، سیرا آبی انا کو کیا ہوتا جا رہا ہے دن بہ دن نئی بے وقوف ہوتی جا رہی ہے۔ ہنید ویسے اسٹوری زبردست جا رہی ہے۔ ”محبت دل کا سجدہ ہے سب اس گل آپ بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں اللہ پاک آپ کو اور اچھا لکھنے کی صلاحیت عطا فرمائے آمین اور سدا خوش رہیں۔ ”موم کی محبت“ راحت و فاجی اسٹوری تھوڑی تیز گردیں بولی کے چپکنے کی وجہ سے کچھ مزہ نہیں آ رہا ہے، چلیں بیٹ دشمن۔ ”عشق تمام مصطفیٰ علیہ السلام“ اس ناول کے لیے الفاظ نہیں آپ کے لکھنے کی تعریف جتنی بھی کروں کم ہے۔ خوش رہیں اور اسی طرح اپنا نام روشن کریں (ہم نام جو ہیں کسی سمجھ گئی نا) ہا ہا ہا۔ بانی افسانے ابھی پڑھنے نہیں عید میں پڑھوں گی بوریٹ سے بچنے کے لیے (چالاکی) ہا ہا ہا۔ بیاض دل میں سب کے اشعار اچھے تھے۔ ہم سے پوچھئے میں سوالات سب کے مزے دار اور شامل کیا پی کے چٹ پٹے جوابات فروٹ چاٹ کی طرح لگے ہی ہی ہی۔ یادگار لمحے ہمیشہ کی طرح یادگار بنا گئے۔ ڈش مقابلہ میں ساری ڈشیں پڑھ پڑھ کے منہ میں پانی آتا رہا ہا ہا ہا۔ آئینہ اور دوست کا پیغام آئے میں جن دوستوں نے مجھے یاد کیا ان سب کو بہت سا پیار اور سلام۔ اللہ حافظ۔

**جی کنول خان..... موسیٰ خیل۔** السلام علیکم! سویت سی شہلا آبی آپ نچل اشاف اور تمام قارئین کو میری جانب سے بہت بہت عید مبارک۔ امید ہے سب کی عید بہت اچھی اور مزے سے گزرے گی آپ سب سے گزارش ہے کہ اس خوشیوں بھرے عید کے موقع پر جو بھی آپ سے ناراض ہے اسے منالیں اور سب مل جل کر عید منا میں اس سے مزہ اور دو بالا ہو جائے گا۔ تو جی اب آتے ہیں پیارے آپ نچل کی طرف اس ماہ کا آپ نچل ہمیشہ کی طرح بہت زبردست تھا ٹائٹل گرل سر پر آپ نچل لیے بہت خوب صورت لگ رہی تھی پھر نظر ٹھہری نازی یہ کنول نازی کے انٹرویو پر وہ نازی آبی آپ کو بہت بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو بے شمار خوشیاں دے آمین۔ پھر ”موم کی محبت“ کی طرف دوڑ لگانی زبردست بہت اچھی اسٹوری جا رہی ہے لیکن نا مجھے عارض پر بڑا غصہ آتا ہے۔ بے جاری سچا کی اتنی بے عزتی، پلیرز آپ شرمین کی شادی بولی سے کر دیں۔ مہربان مہمان، نیکم شہزادی نے اچھے موضوع پر قلم اٹھایا لیکن ایک کمی رہ گئی مسرز پھر کو بھی احساس ہو جانا چاہیے تھا نا بانی پورے کا پورا آپ نچل زبردست تھا۔ تمام اسٹوریز بہت اچھی تھیں آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ نچل کو دن دینی اور رات چوٹی ترتی عطا فرمائے آمین اللہ حافظ۔

**طیبہ نذیر..... شادیوال گجرات۔** السلام علیکم شہلا آبی اینڈ آپ نچل کی آپ نچل مجھے بارش کی ہلکی سی پھوار میں بھگتے ہوئے مارکیٹ ہے 24 کو ملا۔ ہاتھ میں پکڑتے ہی راستے میں ہی کھول کے پڑھنے لگی، مہمان نے منع کیا اور بولیں۔ ”پرس میں رکھو بھگ رہا ہے“ آپ نچل سرورس دیکھ کے اچھا لگا۔ ماڈل حجاب میں نازی کا تاثر لگے براجمان تھی۔ سب سے پہلے آنٹی قصیر آراء کی سرگوشیاں سنیں پھر حمد و نعت سے مستفید ہوتے ہوئے دانش کدہ میں جہان کا تو مشتاق انگل کی اچھی اچھی باتیں پڑھنے کو لیں۔ ہمارا آپ نچل میں چاروں بہنوں کے تعارف پسند آئے لیکن زیادہ مجھے دعائے سحر جی آپ کا پسند آیا (سویت لڑکی) تھوڑا آگے بڑھی تو ”پیا کا گھر“ میں نازی آپ کی شادی کا احوال پڑھا، نازی آپ کی آپ کے سوالوں کے جواب بڑے زبردست تھے۔ عاصمہ اقبال خوش قسمت ہے جس کی آپ بھابی بنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ہر امید ہر مراد کو پورا کرے آمین۔ سلسلے دار ناؤز کی طرف بڑھی تو اس سے پہلے ہی عائشہ نور جی نے روک لیا، بہت اچھا اینڈ کیا آپ نے۔ ”موم کی محبت“ بولی بھی بے وقوف ہے عقل سے پیدل شرمین کو سمجھتا ہی نہیں۔ شرمین کو چاہیے اب عارض کے والد سے نہ ملے جب عارض سے کوئی ناٹھ ہی نہیں تو کیا تک بتی ہے ان کے پاس جانے کی۔ ”نوٹا ہوا تارا“ جھٹکنی کی اور شہوار کی ریفیکٹ اسٹوری جا رہی ہے لیکن انا اتنی پاگل ہو گئی ہے کسی کو تو اعتماد میں لیتی اور کافدہ کا مقابلہ کرتی۔ ”شب جگر کی پہلی بارش“ بہت اچھی اسٹوری جا رہی ہے۔ ”زیست کی شام سے پہلے“ اقراء جی ویل ڈن مجھے تو اگلی قسط کا بڑی بے چینی سے انتظار ہے۔ ”میں کی بیٹا“ سبق آموز کہانی تھی۔ ”بی سبیل اللہ“ دل کو چھو جانے والی تحریر تھی۔ ”یہ حوصلہ جو ممکن میں ہے“ بے شک صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔ ”افطار یاربی“ نظیر فاطمہ جی کیا بات ہے آپ کی آپ نے تحریر کے ذریعے سمجھا تو دیا ہے شاید کوئی سمجھ جائے۔ ”اندر کا دکھ“ بہت زبردست کہانی کاش ہر انسان ایک دوسرے کو سمجھے اور ان کے جذبات کی قدر کریں۔ ”مجھے رنگ دے“ بہت ہی سن موہنی سی اسٹوری تھی زبردست جی۔ ”مہربان مہمان، نیکم شہزادی بہت سبق آموز اسٹوری تھی ایمان تازہ ہو گیا پڑھ کے۔ ”میں بولوں کہ نہ بولوں“ جی بولنا تو چاہیے اور تعریف بھرے دو لفظ بھی کہنے چاہئیں۔ بیوی کا سید غیر زبردست جی بہت اہم باتیں بتائیں آپ نے۔ ”ڈش مقابلہ“ میں ساری بہنیں ایک دوسرے پر بازی لے لیں۔ ”بیاض دل“ میں ہسم شہزادی، حمیرا، نو سین، نجم، نجم، عزیز مجید، پروین افضل آپ سب نے اچھا لکھا۔ ”نیرنگ خیال“ علیہ شمشاد، سجد نواز، مس اختر تارڑ، مہر مہارشد، آپ سب نے بہت ہی زبردست لکھا۔ ”یادگار لمحے“ میں آسیہ اشرف، سجدہ نواز، اقراء، ارم وڈ ایچ، مزدلفہ عارف، زویا خان، بخش، تمنا بلوچ آپ سب نے لمحے یادگار بنادئے۔ دوست کا پیغام آئے میں میری بہن میکہ نذر نے مجھے دس کیا، شکریہ اور ارم کمال جی مجھے آپ کی دوئی دل و جان سے قبول ہے۔ پروین افضل جی آپ مجھے اپنی بڑی بہن جیسی لگتی ہو (لو یو)۔ ہم سے



پوچھے "میں اتنے اونٹ چنانچہ سوال پوچھتی ہیں کچھ ہمیں دل قبضہ لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔" کام کی باتیں "میں لہذا رضوان آپ نے بہت اچھی باتیں بتائیں۔ آئینہ میں افشاں علیٰ نجم انجم کرن ملک ارم غزل جنت معنہ پونس مہرین آصف بٹ آپ سب کے تبصرے زبردست تھے اینڈ پراچل ٹیکلی آپ سب کو بہت بہت عید مبارک۔ اللہ تعالیٰ آپ سب سے وابستہ سب لوگوں کو ڈمیروں خوشیوں سے ہمکنار کرے اور اللہ تعالیٰ سب کی رمضان میں کی گئی عبادات کو قبول و منظور فرمائے آمین۔ مجھ تاجیزہ کو دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

**دلکش مریم..... چنیوٹ۔** السلام علیکم! شہلا آپ کو عید مبارک ہو جولائی کا آچل ذرا تاخیر سے ملا کر ماڈل کے سر پر دوپٹہ اور ہر کہانی کے شروع میں اس کراف و حجاب کے ساتھ تصاویر نے دل خوش کر دیا۔ حمد و نعت کے بعد در جواب آپ پر پہنچنے ہماری طرف سے بھی ایک بار پھر ناز یہ کنول اور سیرا شریف طور کو شادی کی مبارک باد اور بہت سی دعائیں۔ دعائے سحر اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کے درجات بلند کرے آمین۔ دعا آپ کا تعارف بھی پسند آیا (باقی بہنوں کو ابھی نہیں پڑھا) "عشق تمام مصطفیٰ ﷺ" کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے خیر حضرات اگر دیانت داری سے صدقہ و خیرات دیں تو غربت کی شرح بہت حد تک کم ہو سکتی ہے مگر انہیں بس اپنے بینک بھرنے کی فکر ہوتی ہے۔ رہی بات عورت کی تو کوئی شک نہیں عورت پردہ میں رہ کر ہر کام سرانجام دے سکتی ہے جیسا کہ یمینہ..... بہت پسند آیا مجھے یمینہ کا کردار یہ تجریر یاد رہے گی۔ اقراء صغیر احمد کے ناول کا پہلا حصہ بہت پسند آیا ہر صفحہ پلٹتے ہوئے اے محسوس ہوا جیسے ابھی اچھا یاد ہے محبت ہوتی کہ ہوتی مگر نہیں جی..... اگلے حصے کا شدت سے انتظار ہے۔ سب اس گل "محبت دل کا سجدہ ہے" کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں بس محبت کرنے والوں کے درمیان دوریاں طویل مت کرو۔ موسم کی محبت عارض اور شرمین کو ملا دیجیے یہی بہتر ہے اور بولی کو کھوڑی عقل دیں صغیر احمد میں اپنا گھر بر باد کر رہا ہے۔ حیرت جہاں نے بچے کو دیکھ کر بھی اس کا دل نہیں پھٹتا باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

**علینہ..... برنالی۔** السلام علیکم شہلا آپ! مجھے آچل پڑھتے ہوئے تین سال ہو گئے ہیں آج پہلی دفعہ آچل کے کسی سلسلے میں شرکت کر رہی ہوں ویسے تو آچل کا ہر سلسلہ وار ناول اور افسانہ ہی بہت اچھا ہوتا ہے لیکن آج جس ناول نے مجھے کلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ عائشہ نور محمد کا ناول "عشق تمام مصطفیٰ ﷺ" ہے۔ دل کر رہا ہے کہ یہ موتی بھرنے والوں کے ہاتھ چوم لوں اتنے اچھے طریقے سے ہمیں ہمارے مذہب کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ میں تو بہت خوش ہوئی۔ عائشہ نور محمد نے یہ ناول بہت اچھا لکھا اور بہت ہی اچھے طریقے سے ہماری رہنمائی کرنے کی کوشش کی۔ مجھے ان کی یہ کاوش بہت پسند آئی میری بہت ہی عاجزانہ سی گزارش ہے کہ پلیز آپ آچل میں شرکت کرتی رہا کریں اور کوئی سلسلہ وار ناول بھی لکھ کر ہماری رہنمائی فرما میں میں آپ کی بے حد مشکور ہوں۔

☆ ڈیر علیزہ! خوش آمدید۔

**ثناء..... صادق آباد۔** تمام قارئین کو سلام اس بار تو سرورق رمضان المبارک کے حساب سے تھا بہت اچھا لگا۔ اس ماہ آچل میں تعارف چھاپ گئے کیونکہ کثیر تعداد میں تھے۔ نازیہ صاحبہ کی شادی کا احوال پڑھا بہت مطمئن اور خوش نظر آئیں ہماری دعا ہے کہ ان کی یہ خوشیاں کئی گنا بڑھ کر ان کی تمام عمر پر محیط ہوں۔ سیرا صاحبہ کی شادی خانقاہ بادی کا حال بھی اب آچل کے صفحات پر آ جانا چاہیے۔ "عشق تمام مصطفیٰ ﷺ" کے لیے دل ذرا عائشہ نور! مسلمان عورتوں کے لیے مشکل راہ ہیں انکی تحاریر۔ یمینہ نے ثابت کر دیا کہ اللہ کی محبت اور اس کے احکام کے آگے باقی سب بچے تعریف کے لیے الفاظ نہیں میرے پاس۔ "موسم کی محبت" میں اب ذرا نوٹس آیا ہے بچا کی شادی اور پھر اس کی دھمکی سے۔ بولی بھی بھی زیادہ ہی بے بی بن جاتا ہے آخر میں اس کی پست ذہنیت کا بھی ثبوت مل گیا۔ "زیست کی شام سے پہلے" اقراء صغیر صاحبہ کی کہانی شروع سے ہی جاندار ہے آگے دیکھیے۔ "محبت دل کا سجدہ ہے" سب اس گل کیا کہوں ملنے کو دل چاہتا ہے آپ سے کشاں کیا ہو سکے۔ "میں بولوں کہ نہ بولوں" چندا چوہدری نے خوب لکھا اس کے بعد "اندر کا دکھ" ایک لکھاری کی متاع حیات اس کا کلم ہے اگر وہی چھن جائے تو اسے یوں لگتا ہے کہ جیسے جینے کی وجہ بھی مر گئی۔ مسکان وحیٰ سونیا عاصمہ نور بشری عابد آپ سب کا تعارف اچھا لگا۔ دعائے سحر اللہ تعالیٰ کی والدہ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کو صبر کی توفیق دے آمین۔ میمونہ گل آپ کی طرح ہمیں بھی کافی عرصہ ترسنے کے بعد آچل کا ساتھ نصیب ہوا۔ بچپن اور لڑکپن میں ہم اپنی ماما اور کزنز کو حسرت سے دیکھتے تھے اب کالج کے آخری سال میں اجازت ملی (ورنہ چھپ کر پڑھتے تھے) تمام آچل دلچسپ اور بہترین ہے۔ آئینہ میں مونا شاہ قریشی کا تبصرہ پسند آیا بلکہ تمام مضمون ہی نٹ کھٹ پریوں کی بھی (مجھ سمیت) آخر میں آچل اسٹاف اور شہلا جی کے لیے دعا کہ اس رمضان میں آپ اور آپ کے افراد خانہ پر اللہ کی بے پایاں رحمتوں کا نزول ہو آمین۔

**سمیہ کنول..... بھیر کنڈ مانسہرہ۔** سوٹ شہلا آپ! اینڈ کیوٹ قارئین در انٹرز السلام علیکم! کیسے ہوا آپ سب؟ ہمیشہ میں دوسروں کے خط پڑھتی ہوں آج سوچا کیوں نہ خود لکھا جائے۔ آچل نام کا ہی نہیں کام کا بھی آچل ہے۔ یہ تمام



تذکیوں کے لیے تحفہ فراہم کرتے ہوئے میری سوچ میں میرا ضمیر بلا صرف اور صرف آنجل نے دیکھ میں بھی آنجل نے بڑا ساتھ دیا، غم میں بھی بڑا ساتھ دیا۔ اسی سے ڈانٹ کھائی آنجل کھول کے بیٹھ گئی ساری ٹینشن دور۔ جب 711 میں گئی تو چھپ کے بڑی مٹی اب 2nd ایئر میں ہوں تو کوئی ایک ہفتہ میں جہاز دو دوسرے میں آنجل۔ میرا بہترین دوست صبیحہ ولدہ کے بعد آنجل نے آخر میں تمام دوستوں کا رشتہ زب کو میری طرف سے رمضان مبارک عید مبارک۔

**نگین افضلہ وزانچ**۔ گجرات۔ السلام علیکم ایند عید مبارک نوآل پاکستان یقین ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے اور عید کی خوشیوں کو خوب منارہے ہوں گے۔ جولائی کے شمارے کی بات کی جائے تو منہ میں پورا پڑھ لکھ پائی بھرا آتا ہے (بابا) جناب قاضی اتاد چھپ۔ ”عشق تمام مصطفیٰ علیہ السلام“ ایک بہترین کاوش ہے اور اس کی آخری قسط بھی اچھی رہی۔ اقراء صغیر احمد آپ کا بول ٹریسٹ کی شام سے پہلے ”کلاشبہ بہت اچھا ہے۔ سب اس جی اسٹوری اچھی ہے مگر یہی ہورہی ہے۔ سلسلہ دار ناول کی بات کی جائے تو تمام ناول بہت اچھے ہیں بلکہ بہترین جارہے ہیں اور یہاں سیراجی اتارنا تشدد مت کروا میں بے چاری معصوم سی تو ہے اور کاغذ کو تو نہیں اڑا رہی ہیں اب مجھ سے مزید برداشت نہیں ہوتی۔ ”ہمو کی محبت“ میں شرمین بے چاری حالات کی ماری اب جانے کیا کیا ہے گی۔ ویسے شرمین کی شادی عارض سے ہی ہوئی چاہیے تازہ یہ کنول نازی آپ کی مہندی پیاری بھی اور دلہا بھی اچھے تھے۔ بہت مزا آتا تھا۔ دیکھ کر اور جب آپ کوغاب میں دیکھا تو یقین مانیے بہت فخر محسوس ہوا ایک رائٹر کو ایسے ہی بارہ ہونا چاہیے۔ آپ کا ناول ”شب جگر کی پہلی بارش“ مزے کا ہے کیونکہ آپ نے جو لکھا ہے صدف آصف کے ناول ”مجھے رنگ دے“ میں رمان اور شہر یار دونوں کی جوڑی اچھی لگی۔ افسانے ابھی زیر مطالعہ ہیں اب کچھ مستقل سلسلوں کی بات کرتے ہیں۔ نیرنگ خیال بہت اچھا تھا مالک یوم الدین بھی بہترین سلسلہ ہے اور اسے میں ضرور پڑھتی ہوں۔ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ ہر دن ہر شخص کے لیے خوشی لائے اللہ حافظ۔

**صبا خان۔۔۔۔۔ ڈی جی خان۔** السلام علیکم! آنجل کا ٹائل بہت تر و تازہ لگا، سب سے پہلے حمد و نعت پڑھی دل عقیدت سے پھر گیا سبحان اللہ۔ ہر دفعہ کی طرح دلائل کدہ بھی اچھا لگا آیات کریمہ میں مومنین صالحین کی جو صفات بیان کی گئی ماشاء اللہ۔ ”پیا کا گھر“ تازہ کنول کو میری طرف سے بہت بہت مبارک باد۔ اب آتے ہیں افسانوں کی طرف ”فی سبیل اللہ“ فاخرہ گل کی تحریر ہمیشہ کی طرح دل کو چھو گئی۔ ”اندر کا دکھ“ شمسہ فیصل نے زبردست لکھا۔ ”بیتنگی بیٹا“ نے زلدا دیا ڈاکٹر نگہت سیم کی جاندار تحریر بھی۔ باقی افسانے بھی اچھے لگے۔ اس کے بعد ناول پڑھے ”محبت دل کا سجدہ ہے“ سب اس گل ہر دفعہ کی طرح بے قسط بھی شاندار بھی گزدرک سب اس گل جی! اس کے بعد صدف آصف کا ناول ”مجھے رنگ دے“ پڑھا ایک منفرد تحریر لگی محبت کی کہانی بہت سادگی سے دل میں اتر گئی۔ ناول کا نام کہانی کا نچوڑ لگا۔ ناول ”عشق تمام مصطفیٰ علیہ السلام“ نام کی طرح بہت خوب صورت تحریر عائشہ نور محمد کو مبارک باد۔ تازہ کنول کا ”شب جگر کی پہلی بارش“ اچھا جارہا ہے یادگار لمحے اور نیرنگ خیال اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ آنجل کو دن و رات اور رات چوٹی تر قی عطا کرے آمین ثم آمین۔

**صدف آصف۔۔۔۔۔ کراچی۔** آداب مدبرہ جی! اس بار کے آنجل کے لیے ایک لفظ برقیٹ ذہن میں آتا ہے آنجل کا ٹائل بہت پسند آیا رمضان کے اعتبار سے کافی مناسب تھا۔ سہرا لکھنوی جی کی حمد سبحان اللہ۔ ”پیا کا گھر“ میں تازہ کنول نازی کی شادی کا احوال پڑھ کر بہت اچھا لگا اللہ تازہ کو سدا خوش رکھے آمین۔ برائے مہربانی ہماری مبارک باد ان تک پہنچا دیں۔ سب سے پہلے ہم ”فی سبیل اللہ“ کی بات کریں گے ہماری پیاری رائٹر فاخرہ گل کی کیا بات ہے ہمیشہ کی طرح لا جواب لکھا۔ سلامت رہے ان کے علاوہ اظفار پاری اور شمسہ فیصل کا ”اندر کا دکھ“ بھی بہترین لگا۔ پیاری سب اس گل جی کا ”محبت دل کا سجدہ ہے“ ہمیشہ کی طرح شاندار۔ سیرا شریف طود اور راحت وفا جی کے سلسلہ دار ناول بھی اچھے جارہے ہیں۔ اقبال بانو جی آپ کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ عائشہ نور محمد کے ناول کا نام ہی دل میں عقیدت کی لہر دوڑا دیتا ہے واقعی بہت اچھی تحریر ہے۔ ”زیست کی شام سے پہلے“ اقراء صغیر احمد اچھا جارہا ہے۔ ”بیاض دل“ دل کو چھو گیا آئینہ کا فانٹ سائز اتنا چھوٹا تھا کہ پڑھنا مشکل ہو گیا بانی سارے سلسلے بھی مناسب لگے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ آنجل ہر ماہ یوں ہی جگمگا تارہ۔

**ماریہ کنول ماہی۔۔۔۔۔ جٹ ورکان۔** السلام علیکم تمام قارئین کرام کو سوئٹ سی ماہین کا سوئٹ سا سلام۔ باقی سب چھوڑیں اس دفعہ ٹائل دیکھ کر دل گارڈن گارڈن ہو گیا اور یہاں سب کہانیوں کے سرورق نے بھی حجاب اوڑھ رکھا تھا ویری ٹائٹ! تازہ کنول نازی آپ جانی جتنی خوشی آپ کی شادی کی ہوئی بھی وہ ساری کی ساری دھری کی دھری رہ گئی پتا ہے کیوں؟ کیونکہ آپ کا زعم لائف پارنر آپ کے پادلوں کی طرح خوبصورت بالکل نہیں ہے۔ معذرت کے ساتھ لکھ رہی ہوں عائشہ نور محمد ویری دل ڈان اعمہ موضوع پر کلمہ اٹھایا ہے واقعی اگر ہمارے ایمان مضبوط ہو تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں کمزور نہیں کر سکتی۔ بات ساری ایمان کی



ہے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" اتنا تم کچھ عقل سے کام لو کیوں کاغذ جیسی لڑکی کے لیے خود کو ڈی گریڈ کر رہی ہوں۔ ویسے کاغذ کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ تم چکور ہو اور ولید چاند ہے۔ چکور بھی چاند کی محبت میں جان دے دیتی ہے مگر اس کو پا نہیں سکتی تمہارا بھی مغرب بھی حال ہوئے والا ہے (ویٹ کرو)۔ بیاض دل میں ارم کمال شاہناہ میں انجم انجم دعائے سحر اور نذر شید کے اشعار پسند آئے۔ دوست کا پیغام میں مجھے کسی نے بھی یاد نہیں کیا بڑے افسوس کی بات ہے۔ آئینہ میں افشاں علی، انجم انجم طیبہ نذیر کا تبصرہ پسند آیا۔ ہم سے پوچھئے پروین افضل شاہین، جازبہ عباسی، ارم کمال، نادیہ حسین، مدیحہ نورین، مہک، سحرش، بٹ کے سوالات مزے کے تھے۔ ارم کمال، پروین افضل، شاہین، طیبہ نذیر، ملالہ، سلمہ، مدیحہ نورین، سمیع مسکان، شاہ زہد کی شیریں گل اور جن کے نام رہ گئے ہیں سب کو عید کی ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ حافظ۔

**میزاب..... قصور۔** السلام علیکم! آنجل ریڈرز امید ہے سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے اور جو نہیں ٹھیک ہیں انہیں اللہ صحت دے اور سب کو میری طرف سے ڈھیروں ڈھیر عید مبارک۔ اب آتے ہیں آنجل کی طرف سب سے پہلے تو نازیہ کنول کا خوب صورت بندھن پڑھا، پڑھ کر اتنا اچھا لگا اور اتنی خوشی ہوئی کہ میں بتا نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نازیہ کی کوڈھیر ساری خوشیاں دے آئین اور ان کے لفظوں کا درد ہمیں غائب ہو جائے۔ اس کے بعد میں سارا آنجل تو پڑھ نہیں سکی، صرف قسط دار کہانیاں پڑھی ہیں، ابھی انہیں نہیں لیکن "ٹوٹا ہوا تارا" انار پر مجھے ولید سے بھی زیادہ غصہ ہے یہ اپنا کچل ہے کیا اتنی بڑی بات سب سے چھپا کر بھی کوڈھی کرنی پھر رہی ہے کوئی اتنا موڈی کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم تو کوئی اتنی چھوٹی سی بات نہیں کمر والوں سے چھپا سکتے اور یہ ایک خبیث لڑکی سے اس قدر ڈر رہی ہے پلیز انار! شاپ دس اور ولید کو سب کو بتا دے۔ نازیہ کنول نازیہ کی "شب ہجری پہلی بارش" کا دو قسط میں رنگ، ہم پر چڑھنے لگا ہے بہت انٹرٹیننگ ہے۔

**ندار شید گھمن..... ستیانہ بنگلہ۔** راستہ دو پیچھے ہو..... ارے شہلا آبی السلام علیکم! فاضلی آپ نے میرا پیغام پڑھ ہی لیا، پہلی بار میں نے آنجل میں قلم اٹھایا ہے مجھے آنجل ڈائجسٹ بہت پسند ہے۔ ہر کہانی میں محبت اور سبق نظر آتا ہے۔ میرا شریف کا لکھا ہوا ناول "ٹوٹا ہوا تارا" مجھے اور لوگوں کو اتنا پسند ہے کہ اگر دوستک ہو تو سمیرا ہی جیتے گی۔ سب اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

**مدیحہ نورین مہک..... بر فالجی۔** السلام علیکم! اس دفعہ آنجل جلدی مل گیا سب سے پہلے "عشق تمام مصطفیٰ" پڑھا ہماری مرضی کا اینڈ ہوا عائشہ جی ایسی تحریر لکھتی رہا کریں پھر آتے ہیں "محبت دل کا سجدہ ہے" کی طرف سباس جی! علی اور رانیل کو اور کرن اور ذوالنون کو الگ مت کیجیے گا پلیز باقی تمام تحاریر بہت خوب تھیں۔ نیرنگ خیال میں رانا زید حکیم خان حکیم بیٹھ رہے۔ بیاض دل میں مجھے شامل نہیں کیا کوئی بات نہیں پروین افضل، حبہ خان بیٹھ تھیں اور یادگار لمحے میں ہر چیز آؤٹ کلاس ہوئی ہے۔ شاملہ جی کی محفل میں ارم کمال چھا گئی ہیں سب کو عید مبارک ہو۔ طیبہ نذیر ساریہ چوہدری اور سب کو سلام دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

**ثویہ بلال صبح..... ظاہر پیو۔** السلام علیکم! بہت سی دعاؤں اور آداب کے ساتھ آغاز گفتگو کرتے ہیں الوداع ماہ رمضان پر دکھ تو بہت ہے نہ جانے ہم نے اس بھر پور رحمتوں اور مغفرتوں کے خزانے سے کچھ فائدہ اٹھایا بھی ہے کہ نہیں لیکن اس کے ساتھ دلی عید مبارک قبول ہو۔ جولائی کا آنجل بلکے رنگوں سے سجے سرورق پر حجاب کے رنگ اور ہلے ماڈل کے ساتھ ہمیشہ کی طرح بہت خوب صورت لگا۔ سب سے پہلے نازیہ کنول نازیہ کی شادی کا احوال پڑھ کر اور ان کی تصویر دیکھ کر بہت خوش ہوں تصویر میں ایک رخ سے نقاب میں چہرہ چھپائے ایک پیاری سی لڑکی کو دیکھ کر یقین ہی نہیں آیا کہ یہ نازیہ کنول نازیہ ہیں۔ نازیہ کنول اور ان کے شوہر زعیم کی جوڑی کو اللہ ہمیشہ خوشیوں کے سائے تلے سلائے رکھے آمین۔ اس کے علاوہ "عشق تمام مصطفیٰ" بھی "پیر کامل" کی طرح تھا جو کہ بہت خوب صورتی سے اپنے اختتام کو پہنچا۔ "زیست کی شام سے پہلے" اقراء صغیر احمد کا ناول شروع کیا اور پڑھتے ہی چلے گئے ایک گلے حصے کا بے مبری سے انتظار رہے گا۔ سلسلہ دار ناول بھی نازیہ کنول نازیہ کا ناول "شہر ہجری پہلی بارش" کی دوسری قسط بھی خوب تھی۔ "ٹوٹا ہوا تارا" ابھی تک ماضی کی طرف رواں دواں ہے۔ "موسم کی محبت" کی یہ قسط پڑھ کر لگتا ہے شرمین بوبی سے علیحدہ ہو جانے کی اور عارض کا ہی نصیب نے کی خیر یہ تو کہانی ہی بتائے گی اور باقی سلسلے بھی بہت اچھے لگے اللہ حافظ۔

**وثیقہ زمزمہ..... سمندری۔** السلام علیکم! میری طرف سے آپ سب کو بہت بہت مبارک۔ آنجل اس بار تھوڑا الٹ ملا تھا اس لیے کچل پڑھ نہیں سکے۔ ناول "عشق تمام مصطفیٰ" عائشہ نور نے بہت خوب صورتی سے اینڈ کیا۔ دعا میں رنگ لائیں آمین کو اللہ تعالیٰ نے سیدھے رستے پر چلایا کہ وہ تمام برائیوں کو چھوڑ گیا بہت خوب صورت ناول تھا اس کے علاوہ ابھی تک کوئی کہانی نہیں پڑھ سکے اس لیے معذرت بانی تبصرہ اگلے ماہ۔

**روشی وفا..... ماچھوال۔** آنجل اشاف اور تمام قارئین کو میرا محبت بھرا خلوں سلام قبول ہو۔ کسی بھی رسالہ میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ آنجل بہت اچھا ڈائجسٹ ہے۔ تمام سلسلے دار ناولز اور مستقل سلسلے زبردست ہیں ہائے اللہ کس



کسی کی تعریف کروں۔ اللہ ان سب معصقات کا زور قلم اور زیادہ کرے جس کہانی نے مجھے لکھنے پر مجبور کیا۔ عائشہ نور محمد کی کہانی ”عشق تمام مصطفیٰ ﷺ“ انہوں نے بہت زبردست لکھا۔ میری طرف سے ذمہ داری مبارک باد قبول کیجئے۔ ”شبِ ہجر کی پہلی بارش“ کی دوسری قسط پڑھ کر بہت خوش ہوئی، نازیہ جی آپ نے تو دوسری قسط میں ہی اپنی تحریر کے بحر میں جھلک لیا ہے۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ نازیہ جی آپ کو شادی کی ذمہ داری مبارک باد اللہ آپ کو پل پل کی خوشیاں عطا فرمائے آمین۔ ”ٹوٹا ہوا تارا“ کہانی دلچسپ موڑ پر آگئی ہے تاہم کچھ الجھاؤ باقی ہے۔ سباس گل کا ناولٹ ”محبت دل کا سجدہ ہے“ منفرد عنوان، منفرد کرداروں کے ناموں سمیت پسند آیا۔ ”سوم کی محبت“ بھی اچھا ناول ہے اس ماہ کے تقریباً سارے ہی افسانے اچھے تھے مگر کاغذ پر گل نے بازی جیت لی ان کی تحریر میں ہمیشہ ایک پیغام ہوتا ہے۔ بہت عمدگی سے افسانہ لکھا ہے۔ نیرنگ خیال اور بیاض دل میں سب کے اشعار پسند آئے اور اینڈ میں میری طرف سے آپ سب کو رمضان اور عید مبارک۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ یوہی قائم و دائم رکھے اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

بناؤ میری روشنی! خوش آمدید

شاہ زیندگی..... راولپنڈی۔ السلام علیکم کیسے ہیں آپ؟ بہت عرصے بعد انٹری دے رہی ہوں۔ نازیہ بہت زبردست اسٹوری ہوئی آپ کی۔ عائشہ نور محمد آپ کی اسٹوری چھاننی بہت زبردست اور سیراجی پلیز اب اس کہانی کو کھول دیں اور ولید اور انا کو ایک کر دیں بہت سوا اسٹوری جارہی ہے۔

حبیب اعوان..... ہتیاں ہالا۔ السلام علیکم شہلا آبی! سدا بہتی مسکراتی رہیں آمین۔ پہلی بار آئینہ میں شرکت کرنے کا شرف حاصل ہوا، پچھنی جماعت سے آپ چل کے ساتھ میرا تعلق جزا اور اب اللہ کے کرم سے آٹھویں جماعت میں زیر تعلیم ہوں مگر آپ چل کے ساتھ تعلق پہلے جیسا ہے آپ چل میرا فیورٹ ڈائجسٹ ہے اس کو پڑھنے کی عادت بیماری کزن این صدیقی کی فریڈ مین گیلانی سے بڑی۔ آپ چل رسالہ اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے۔ چلتے ہیں اپنے بیٹ ناول کی طرف ”ٹوٹا ہوا تارا“ انا پر بے حد غصا یا جو ولید کو چھوڑ کے حماد سے شادی کر رہی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ انا کی شادی ولید کے ساتھ ہوگی۔ کافقہ اور درویش کی عادت بھی اسٹول فیلو دلار بھائی کی طرح ہے ہر کام میں ٹانگ اڑانا ”عشق تمام مصطفیٰ ﷺ“ پرفیکٹ ناول ہے۔ عائشہ نور محمد ویل ڈن۔ پردین افضل شاہین کا کوئی مضمون ایسا نہیں ہوتا جس میں وہ اپنے میاں کا ذکر نہ کریں اچھا اب اجازت چاہوں گی اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

بناؤ میری روشنی! خوش آمدید

جانان..... چکیوال۔ السلام علیکم! ڈیرا نچل اور محترم رائٹر زیندگیارے قارئین کرام امید ہے سب خیریت سے ہوں گے اور میں جانتی ہوں مجھ سے تمہوڑا ٹھوڑا ناراض ہا ہا ہا۔ میری خوش فہمی۔ ارے بھائی یہ میں نے اس لیے کہا کہ اتنے عرصے بعد جو جانان نے آپ سے شرف ملاقات بخشا ہے جو جو ناراض ہیں ان سے دلی طور پر معذرت۔ آپ چل ہر ماہ کی 23 یا 24 تاریخ کو مل جاتا تھا اور پھر آپ چل ہوتا اور جاتاں صاحبہ! اتنا بابرکت ماہ بہت سکون سے گزر گیا۔ رحمتیں برکتیں، نعمتیں سمیٹے بس رب کائنات سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کی عبادات کو قبول و مشکور فرمائے آمین۔ سب سے پہلے تعارف پڑھئے دعائے سحر بہت اچھا لگا آپ سے مل کر اور نازیہ جی بہت مبارک باد آپ کو شادی کی۔ بہت اچھا لگا آپ کے سوالات کے جوابات پڑھ کر بس اللہ تعالیٰ سے دعا کہ وہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، کبھی غم کا سایہ بھی آپ پر نہ پڑے آمین۔ سیرا شریف طور اللہ آپ کو کبھی بہت سی خوشیاں عطا کرے آمین بس آپ دونوں آپ چل سے اپنا رشتہ بحال رکھیے گا۔ اب آتی ہوں آپ چل کی طرف سب سے پہلے سلسلے دار ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ پڑھا بہت اچھا لگا، شہوار اور مصطفیٰ کا پیار دیکھ کر لیکن بہت دکھ ہوا انا اور ولید کا پڑھ کر یہ کافقہ کی بچی کہاں سے ٹپک پڑی۔ اُف جی چاہتا ہے کہ دو تین لگا کر دماغ درست کروں۔ نازیہ جی آپ کے ناول کا آغاز بہت اچھا لگا، ان شاء اللہ اختتام بھی بہت زبردست ہوگا۔ مکمل ناول ”عشق تمام مصطفیٰ ﷺ“ عائشہ نور محمد بہت مبارک باد اتنا زبردست لکھنے پر۔ سباس گل کا ناولٹ اختتام کا انتظار شدت سے لیے جاری ہے پڑھ کر غصا جاتا ہے بیاض دل میں خیر اتر گئی، ثوبیہ بلال، فاطمہ ملک، حبیبہ ملک، بسم شہزادی کے اشعار بہت پسند آئے۔ ڈش مقابلہ کی تمام ڈش مزے کی تھیں مگر سب کو پیش کیوں اور داد وصول کی۔ ندیم بھائی (ندیم عباس ڈھکو) آپ کی غزلیات بہت اچھی ہوتی ہیں۔ تمغیلہ لطیف ”زندگی“ بہت خوب صورت لکھا۔ مس اختر تارڑ (دھوڑا بابل دا) آپ نے سچ زلادیا۔ دل سے بہت زبردست لکھا آپ نے نادیہ گل نادی! زینہ جبین عمر آپ کی غزلیات بھی بہت زبردست تھیں آپ سب کی شاعری میری ڈائری کی زینت بنی۔ دوست کا پیغام آئے مس جو دوست مجھے ہمیشہ یاد رکھتے ہیں ان کے پیغام پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ یاہ رخ یعنی رشک حنا! ایس جتول شاہ بشری پا جوہ آپ ہمیشہ مجھے چل میں یاد کرتی ہو۔ تہہ دل سے کہہ رہی ہوں مجھے بہت خوشی ہوئی ہے آپ بھی ہمیشہ خوش رہوں میں اپنے آپ چل اور تمام فریڈز کے ساتھ ہمیشہ سے ہوں اور رہوں گی۔ اب اجازت چاہتی ہوں اس امید کے ساتھ کہ آپ چل والے مجھے دل سے ایک بار پھر دیکھیں گے۔ اللہ حافظ۔



مسکان جاوید..... گوجر خان، ڈیر یڈر اینڈ آپل اشاف السلام علیکم! امید ہے سب بخیریت ہوں گے۔ ایک بار پھر بزمِ آمینہ میں شریک ہونے جارہی ہوں آپل کی بہت سی خوبیوں میں ایک یہ خوبی بھی اسے سب میں ممتاز بناتی ہے کہ یہ نئے آنے والوں کے لیے بھی اپنا دامن بہت اپنائیت سے وسیع رکھتا ہے۔ بات ہو جائے سلسلہ دار ناولز کی تو سیرا آپل کی کیا بات ہے لیکن یہ کافیہ تو اب برداشت سے باہر ہی ہو گئی ہے پلیز آر پی اسے ناول سے نکال باہر کر دیں۔ مصطفیٰ اور سہوار کی تہاب زبردست انڈر ٹینڈنگ ہو گئی ہے۔ اللہ کرے ولید برکافہ کی اصلیت کھل جائے۔ عائشہ نور محمد آپ ہمیشہ زبردست اور منفرد تھیں ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ آپل حیرانگاہ اب کہاں غائب ہیں ان کی اسٹوریز لا جواب ہوتی ہیں۔ جب الوطنی پر کوئی رائٹر اب لکھ ہی نہیں رہی۔ اس موضوع کی کمی محسوس ہوتی ہے بہت طاہرہ جہانگیر اگست میں تمہاری برتھ ڈے ہوتی ہے میری جانب سے نیک نیتی پی پی برتھ ڈے ٹو یو خوش رہو۔ امید ہے ایک بار پھر آمینہ میں جگہ بنایاؤں گی اب اجازت اللہ حافظ۔

بختاور ناز..... سنجر پور۔ السلام علیکم! شہلا آپل میں دس سال سے آپل کی خاموش قاری ہوں مجھے آپل بہت زیادہ پسند ہے دی کریم ناول ”ٹوٹا ہوا تارا“ مجھے اس میں شہوار اور مصطفیٰ کی جوڑی بہت اچھی لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیر ساری خوشیاں دے آمین۔ نازی آپل آپ کا یہ ناول بھی اچھا جا رہا ہے آپ کو ڈھیر ساری مبارکباد آپل کی۔ مکمل ناول میں عائشہ نور محمد نے بہت ہی زیادہ اچھا لگا۔ اقراء صغیر احماد آپ کا ناول بھی اچھا تھا لیکن باقی آئندہ دیکھ کر موڈ خراب ہو گیا۔ افسانے پلیز کم دیا کریں اور مکمل ناول میں چار تو دیا کریں۔ دوست کا پیغام آئے مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔ دعائے سحر جب خان اور اناتاحب مجھے آپ سے دوستی کرنی ہے پلیز سے جواب ضرور دینا آخر میں سب بہنوں سے التجا ہے پلیز میری امی کے لیے دعا کریں وہ بہت بیمار ہیں زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔

سونیا قیوم..... دھڑوہند کے۔ السلام علیکم شہلا آپل! میں فرسٹ ٹائم تبصرے کے لیے حاضر ہوئی ہوں آپ کی خدمت میں۔ جن کے لیے تبصرہ کرنے پر مجبور ہوئی ہوں وہ ہیں عائشہ نور محمد میں پر تو نہیں جانتی کہ یہ کس سے کتنی ہیں لیکن میں اتنا ضرور کہوں گی کہ میں نے بھی کسی مکمل ناول کو پڑھتے ہوئے دوبارہ نہیں دیکھا کہ یہ کس نے لکھی ہے لیکن ان کی اسٹوری پڑھتے ہوئے ابھی میں سینٹر میں تھی مجھے اتنی پیاری اور اتنی اچھی لگی سوچا یا اللہ! یہ کس رائٹر نے لکھ دیا اتنا خوب صورت ناول جلدی جلدی صفحے پلٹے اور دیکھا تو عائشہ نور محمد کہانی کی طرح نام بھی اتنا پیارا اور ناول ختم کیا تو صدقہ دل سے دعا کی یا اللہ ہمیں بھی اپنے ایمان پر مضبوطی سے جم جانے والیاں بنا دے اور پیاری عائشہ کے لیے میں آپ کو جانتی تو نہیں مگر اتنا ضرور کہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کسی کے بھی نیک عمل کو ضائع نہیں کرتے آپ اپنے لکھنے کے انداز کو ایسے ہی رکھے گا ردیننگ سا اور دینی تاکہ کوئی بوجھ بھی نہ ہو کہانی دل پر بھی اثر کرے بہت ہو گیا تبصرہ..... مکمل تبصرہ کے ساتھ پھر بھی حاضر ہوں گی۔

پروین افضل شاہین..... بھاو لنگر۔ پیاری باجی شہلا عامر صاحب! السلام علیکم! اس بار جولائی کا آپل رمضان المبارک نمبر میرے ہاتھوں میں ہے اسکا رف اوڑھے مہوش بہت ہی معصوم لگ رہی تھی۔ حمد و نعت اور مالک یوم الدین پڑھ کر ایمان کو تازگی بخشی۔ سرگوشیاں اور در جواب آپ قیصر آرا کا اچھا سلسلہ ہے۔ سلسلہ دار تینوں ناولز ہی خوب صورتی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان کے علاوہ ناولز اور افسانوں میں ”عشق تمام مصطفیٰ علیہ السلام“ زینت کی شام سے پہلے محبت دل کا سجدہ ہے مجھے رنگ دینے کی جھیل اللہ اندر کا دکھ میں بولوں کہ نہ بولوں بیسکی بیٹا“ پسند آئے۔ ”پیا کا گھر میں نازی کنول نازی سے ملاقات خوب رہی۔ اگر ان کی تصاویر رنگین ہوتیں تو مزا آ جاتا۔ نازی آپ کے نیٹاں کتنے پیارے ہیں آپ خود کتنی پیاری ہوں گی آپ کٹاری کے اسارت میاں مبارک ہوں اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے آمین۔ ارم کمال، نجم، نجم، مسز نگہت غفار دعائے سحر کے اشعار۔ علم شمس شاد حسین، حکیم خان، حکیم تمغیلہ لطیف کی غزلیں اور یسری کنول، نجم، نجم، ارم کمال، مدیحہ نورین مہک لائبہ میر کے سوالات پسند آئے۔ ہماری دعا ہے آپل کی طرح حجاب بھی کامیابی حاصل کرے آمین اللہ حافظ۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ ہی اگلے ماہ تک کے لیے رخصت کہ رب تعالیٰ ہماری ناقص عبادات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخش دے اور ہمیں دائمی خوشیاں عطا فرمائے۔ مستقل سلسلوں میں جن بہنوں کی نگارشات عید نمبر میں شائع ہونے سے محروم رہیں انہیں عید نمبر 2 میں شامل کر لیا گیا ہے۔

تاخیر سے موصول ہونے والے خطوں۔  
عقیدہ ایوب، اقراء لیاقت معززہ یونس، تمنا بلوچ، ستارہ آمین، کوئل، حافظہ صائمہ، کشف، فضہ، ہاشمی، سلمیٰ گوری خان۔



شازیہ فاروق احمد..... خان بیلہ  
س: السلام علیکم شائلہ جی! آپ کو آج کل اشاف اور قارئین کو عید مبارک؟

ج: علیکم السلام! آپ کو بھی تہنود سے عید مبارک۔  
س: شائلہ جی اس عید پر عیدی لینے خود آ رہی ہوں تیار رہے گا اور ساتھ میں آنے کا کرایہ بھی وصول کی؟  
ج: اگر تمہارے دو اہل زنت دیں تو ضرور آؤ پھر دیکھنا بہت اچھے سے عیدی بھی ملے گی اور کرایہ بھی۔  
س: شائلہ جی آپ کو عیدی کس شخصیت سے زیادہ ملتی ہے؟  
ج: تمہیں بتا دوں تاکہ تم بھی حصہ بنو رہے ہو؟  
ج: چالاکو۔

س: شائلہ جی پروین افضل شاہین صاحبہ کو میری طرف سے عید کی ڈھیروں مبارک باد اور دعا میں پہنچا دیجیے۔ ڈنڈی مت ماریے گا یہ سب ان کے لیے ہے سمجھ گئی ناں؟  
ج: ڈنڈی تو آپ مارتی ہیں اپنی غیر حاضری سے اور شکوہ ہم سے۔

س: مجھے اس سال کی عید یادگار بنانی ہے جلدی سے بتائیے کیا کروں؟  
ج: خود ہی یادگار بن جائے گی جب عید پر تمہاری شادی ہوگی۔  
س: آپ کی خوب صورتی کا راز پتا چل گیا ہے کہیں تو بتا دوں؟

ج: پہلے خود پتا زما لو تاکہ تم بھی عید پر خوب صورت لگ سکو آخر کو بچا رہے دلے پر بھی تو کچھ رحم کھاؤ۔  
س: شائلہ جی اللہ تعالیٰ آپ کی عید میں خوشیوں کے ہزاروں رنگ بھر دے اجازت دیں اچھی سی دعا کے ساتھ؟  
ج: اپنے ہم سفر کے سنگ بہت سی خوشیاں اور بہت سی عیدیں مناؤ اور بہت سی اپنے ان سے عیدی بھی لو۔

مدیحہ نورین مہک..... برنالی

س: آپ کی کتنی عیدی دیں گی مجھے؟  
ج: رمضان کے روزے رکھے نہیں اور عیدی لینے آئیں

شرم کر دو کچھ۔

س: بھلا انہوں نے مجھے کتنی عیدی دی؟  
ج: دو روپے..... شاپنگ کے بعد یہ بھی ان کے پاس بیچ گئے غنیمت ہے۔

س: چھوٹی اور بڑی عید ہوتی ہے منجھلی عید کیوں نہیں ہوتی؟  
ج: آپ کا بس چلے تو ہر دن عید منائیں اور سب سے عیدی وصول کرنی پھرے۔

س: عید پر تیار ہوتی تو انہوں نے مجھے کیا کہا بھلا؟  
ج: آپ کون ہیں..... سچ بتانا یہ ہی کہا ناں۔  
س: مرد اپنی تنخواہ کیوں ٹھیک نہیں بتاتا؟  
ج: اگر بتا دے تو پھر بے چارے کے پاس تم جیسی چیز کچھ بچنے ہی نہیں دے۔

س: آپ مجھے چاند رات کو کیوں گھور رہی تھیں؟  
ج: تم لنڈا بازار سے اپنے میاں کے لیے سوٹ جو خرید رہی تھیں پکڑی گئی ناں آخر۔

س: مجھے دیکھتے ہی ان کی ہنسی کیوں غائب ہو جاتی ہے؟  
ج: شکر کرو کہ بے چارے پیٹھ پیچھے ہنس لیتے ہیں ورنہ آپ نے عید کی شاپنگ میں خرچہ ہی اتنا کر دیا۔

س: لوگ ہر وقت سڑے ہوئے کیوں رہتے ہیں؟  
ج: یہ تو آپ اپنے آپ سے پوچھیں اور جواب سب کو دیں۔  
س: شاپنگ کرواتے ہوئے ان کا والٹ کانپ کیوں رہا تھا؟  
ج: اتنے مہنگے مہنگے سوٹ لوگو تو ان کا والٹ ہی نہیں ان کا پورا جسم کانپنے کا۔

س: میری عیدی بھجوا دیں آپ جلدی سے؟  
ج: چھوٹی بہن سے عیدی مانگتے شرم نہیں آتی آپا.....! روشنی وقار رحمانی..... ماچھیوال

س: آپ کی جی میں پہلی دفعتاً آپ کی محفل میں آئی ہوں کیا میں قبول ہوں آپ کو؟

ج: شکل و صورت سے تو تھوڑی بہت قبول ہیں بس حرکات بھی بدل لو تو زیادہ بہتر ہے۔

س: خواب میں تو سب اڑ سکتے ہیں لیکن اگر کسی کا آنکھیں کھول کر اڑنے کو دل چاہے تو وہ کیا کرے؟

ج: ایک عدد ڈنڈا اپنی امی کے ہاتھ میں تھما دے پھر دیکھیں کس طرح اڑتی ہیں آپ۔

س: سسرال میں داماد کی اتنی زیادہ عزت کیوں کی جاتی ہے؟



ج: کیونکہ اس کی اپنے گھر میں کوئی عزت نہیں ہوتی اس لیے بیچارہ.....

س: اوکے آپ چلتی ہوں! اس مت ہو بس دعا دیں مجھے واپس پھر آؤں گی اللہ حافظ۔  
ج: خوش رہو! اس آپ بھی۔

حافظہ نادیہ یسین..... ساہوال

س: آپ اپنی ہمیشہ مردہی گنجنے دیکھے عورتیں کبھی نہیں دیکھیں کیوں بھلا؟

ج: خواتین کی زلفوں پر ہی تو شاعر اشعار لکھتے ہیں اگر خواتین بھی گنجنی ہوگی تو شاعر گننا کو کس سے تشبیہ دیں گے۔

س: آپ اپنی مجھے اندھیرے میں نظر نہیں آتا صرف روشنی میں آتا ہے کیا کروں؟

ج: الو کی آنکھیں لگو! الو اندھیرے میں بھی نظر آئے گا مگر پہلے تو یہ بتاؤ! اندھیرے میں دیکھنا کیا ہے؟

س: آپ اپنی کھانا کھانے کے بعد بھوک کیوں ختم ہو جاتی ہے؟  
ج: بھوک تو سب کی کھانا کھانے کے بعد ختم ہو جاتی ہے مگر آپ کی نیت نہیں بھرتی پیوندیدی۔

س: آپ اپنی میرے ابو ہمیشہ اور ہر وقت پوچھتے ہیں کہ یہ سب تمہیں بندر یا کیوں کہتے ہیں؟ آپ ہی بتائیں میں کیا جواب دوں۔

ج: بتا دیں شرماتی کیوں ہیں! آخر کآپ کے ابو ہیں کہ ابو یہ مجھے ٹھیک سے پہچانتی جو ہیں اس لیے۔

س: رمضان مبارک آپ خوش رہیں۔  
ج: رمضان اور عید مبارک۔

حنّا اشرف..... کوٹ اردو

س: شاملہ آپ کیسی ہیں آپ؟ ماشاء اللہ میں تو بہت خوب صورت ہوں؟

ج: اس کو کہتے ہیں میاں مٹھوا! اب بول کر دکھاؤ میں نہیں..... بس بس زیادہ نہیں۔

س: آپ اپنی اچھی سی دعا دیں اللہ حافظ۔  
ج: سدا خوش رہو! اپنے خرچے پر۔

رشک حنا..... سرگودھا

س: آپ اپنی کیا حال ہے زندگی میں سب سیٹ ہے؟  
ج: پہلے سب سیٹ تھا اب آپ نے آ کر اپ سیٹ کر دیا ہے۔

س: آپ اپنی آپ کبھی ہیں کہ ہم سے پوچھئے تو بتائیے میرا حال کیسا ہے؟  
ج: سخت گرمی اور لوڈ شیڈنگ کے باعث تمہارا حال اور

س: کل رات خواب میں میں نے بھلا کیا دیکھا؟  
ج: آپ کی ساس آپ کے ساتھ عید مناتے گئیں ہیں۔  
س: اُف اللہ..... آپ اپنی آپ کی آنکھیں؟  
ج: قیامت ہیں نا! پلنزاب نظر مت لگاتا۔  
س: آپ نے مجھے کتنا مس کیا گئی بتاؤ ورنہ.....  
ج: مسنگ گرل! تمہیں بالکل بھی مس نہیں کیا اور اپنا ورنہ اپنے پاس رکھوں ورنہ پورا سسرال.....  
س: آپ اپنی! آپ سب کو عید مبارک! اینڈ اللہ حافظ۔  
ج: آپ کو بھی عید مبارک! بچوں کی عیدی اس مرتبہ مت بڑپ کر جانا ہر سال کر طرح.....  
پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

س: چاند رات کو میرے میاں جانی پر بس افضل شاہین سامنے والی بلڈنگ پر نظر میں جمائے کیا دیکھ رہے تھے؟  
ج: اپنے اس چاند کو جو صرف ان کی تمنا بن کر کسی اور کی کھڑکی میں گج گیا اب بے چارے دیکھیں بھی نہیں۔  
س: عید والے دن میں اپنے میاں کے آگے پیچھے پھرتی ہوں تو وہ مجھے غصہ سے کیوں دیکھتے ہیں؟  
ج: عید کے دن تو میاں جی کو چھوڑ کر میکہ میں سانس لیا کریں تاکہ وہ بھی سکون کی سانس لے سکیں کچھ ہل۔  
س: عید والے دن عیدی لینے میں مزا ہے یا کہ دینے میں؟  
ج: یہ سوال تو آپ اپنے بے چارے میاں جی سے پوچھیں جو چاند رات پر ہی اپنی جیب خالی کر چکے ہوتے ہیں۔  
کول زعنب..... جھنگ

س: آپ اپنی آپ مجھے لیٹ جواب کیوں دیتی ہیں؟  
ج: تم سوال بھی تو بہت لیٹ بھیجتی ہو لیٹ لطیف کہیں کی۔  
س: آپ اپنی میرا گھر کے کام کرنے کو من کیوں نہیں کرتا؟  
ج: اپنا من گھر کے کاموں میں لگاؤ ورنہ ساس اماں تمہیں بہت لگائیں گی سمجھ گئی۔  
اقراء لیاقت..... حافظ آباد

س: آپ اپنی مجھے آپ سے گلہ ہے آپ نے کبھی بھی میرا خط شائع نہیں کیا..... وجہ؟  
ج: آپ کا گلہ اوآپ کا گلہ دونوں فضول ہیں۔  
س: آپ اپنی آپ کبھی ہیں کہ ہم سے پوچھئے تو بتائیے میرا حال کیسا ہے؟  
ج: سخت گرمی اور لوڈ شیڈنگ کے باعث تمہارا حال اور



س: آپ کی ہر بات پر میاں جی کا ڈراوا کیوں دیتی ہیں کیونکہ ہم تو ابھی کنوارے ہیں؟  
ج: کنوارے ہی تو ڈرتے ہیں ورنہ شادی شدہ تو ڈراتے ہیں۔

س: آپ کی رمضان پھر آ گیا ہے ہماری افطاری کب کریں گی؟ ہم نے تو ڈریس بھی بنوالیا۔  
ج: پہلے روزہ تو رکھ لو روزہ خور۔

س: آپ کی ہماری طرف سے رمضان مبارک آپ کو بھی اور تمام قارئین کو بھی اللہ اس رمضان میں زیادہ سے برکتیں اور رحمتیں سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے؟

ج: آمین آپ کو بھی ماہ صیام اور عید مبارک۔  
تبسم شہزادی..... بیلیا نوالہ

س: شمی آپ کی پہلی بار شریک محفل ہوں جبکہ ملے گی؟  
ج: تمہارا سناؤ دیکھ کر جبکہ دینا تو مشکل ہی لگتا ہے۔  
س: شام کلا آپ! ہمیں آری میں جانتا ہے جبکہ گھر والے کہتے ہیں تمہیں ٹیچر بننا ہے میں کیا کروں بتائیں؟  
ج: آری کالج میں ٹیچنگ کر لو اپنا شوق بھی پورا کرو گھر والوں کا بھی۔

س: آپ کی صبر کا پھل میٹھا کیوں ہوتا ہے؟  
ج: کیونکہ بے صبرے کو نہیں ملتا اس لیے۔

آمنہ ولید..... لاہور  
س: اب آپ یہ بتائیں کہ جب میں آؤں گی آپ کیسے پیش آئیں گی خندہ پیشانی سے یا.....؟  
ج: بس خالی ہاتھ مت آنا کچھ تحائف لے کر ضرور آنا پھر دیکھو۔

س: کیا آپ نیچے کپاڑا مونڈ رہی ہیں کیا کہا جوتی..... نہیں نہیں میں کھالی کے آئی ہوں آپ اپنی جیتی جوتی اپنے لیے رکھیں میں جالی ہوں۔

ج: آپ کا اعتراف جوتا بہت اچھا لگا دیسے کس نے مارا تھا؟ یہ ضرور بتانا۔

حبیب خان..... چکوال  
س: پہلی بار ہماری آمد کیسی لگی؟ ضرور بتائیے گا۔  
ج: اب جیسی بھی لگی مجبوری ہے۔  
س: شعر مکمل کریں؟

س: آپ کی ایک بات بتائیں پروین ہر بات میں اپنے میاں جانی پر نس افضل شاہین کو کیوں مسکتی ہیں؟

ج: تم بتاؤ تم کس کو گھسیٹنا چاہتی ہو اپنے ان کو یا ساس کو؟  
س: ہم تو بھی ہیں ہمیں اڑنے دو ہم ندیا ہیں ہمیں بہنے دو اور ہم پردہ کی ہیں ہمیں جانے دو۔

ج: جانے دیا لیکن لوٹ کے بدھو گھر کو ہی آتے ہیں مس بدھو! کچھ جاؤ۔

نوشین..... حاجی شاہانک  
س: پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کی ہے کیا ہمیں خوش آمدید نہیں کہیں گی؟

ج: اتنی تاخیر سے آمد پر ایک ٹانگ پر کھڑی رہو لیٹا نے پر ایسے ہی خوش آمدید کہا جاتا ہے۔

س: شام کلا آپ کی بارش اور اس کیوں کر دیتی ہے؟  
ج: کیوں تم نہیں محفل گئی ہو بارش میں جو اداس ہو۔  
س: آپ کو کون سی باتیں ابھمن میں ڈالتی ہیں؟  
ج: آپ کی یہی باتیں ہمارے لیے باعث ابھمن ہیں۔  
س: کیا ہم اگلی دفعہ آپ کی محفل میں تشریف لاسکتے ہیں؟  
اب کے لئے اجازت خدائے بالبال۔

ج: نہیں اگلی سے اگلی دفعہ آنا پھر کسی اور مکی مڑ جانا۔  
عزیزہ یونس..... حافظ آباد

س: آپ کی بہت گری ہے ایک گلاس جوس تو پلا دیں؟  
ج: کچھ جوس بھی چوس ہمارے لیے تو جوس لانی نہیں اب الٹا ہم سے مانگ رہی ہو۔

س: شمی آپ کی بھی بتائیں آپ مجھے دیکھتے ہی ہنسنے کیوں لگتی ہیں؟

ج: اب ایسے جو کر والے حیلے میں تمہیں دیکھ کر ہنسیں نہ تو ہو کیا کریں۔

س: شمی آپ اب میں سوتے جاگتے ایک ہی خواب دیکھتی ہوں کون سا؟

ج: اگر بتاؤں تو تمہارا خواب تو ماں سے جوتے پڑ جائیں گے تمہیں اس لیے رہنے دو۔

س: آپ کی آج تو آپ کو مجھے دعاؤں کے ساتھ رخصت کرنا پڑے گا ورنہ.....؟

ج: رخصت ہوئے بغیر تم ہماری جان چھوڑ دیں گی نہیں۔



تیرے سر پر منم ہم چلتے آئے۔۔۔۔۔

ج: ہم نے نہیں بلایا پھر بھی آپ چلے آئے بہت ڈھیٹ ہیں آپ۔

س: اگلے سال دیکھ لیتا آپی پر دین افضل شاہین کے ہاں اولاد ہوگی ان شاء اللہ مگر بدلے میں آپ مجھے تحفے میں کیا دوگی؟

ج: بدلے میں آپ پر دین صاحبہ سے ہی مانگے مٹھائیوں کے نوکرے اور بہت کچھ۔

س: اس دفعہ میرا بجلی کا بل آپ جمع کروادیں؟

ج: بجلی نہیں آتی تو بل بھی جمع مت کرواؤ کسی بل میں چھپ کر بیٹھ جاؤ بس۔

ارم کمال..... فیصل آباد

س: شہلا جی! اس گرمی نے مجھے چوٹی سے ایڑی تک گھما کے رکھ دی ہے کیا کرنا چاہیے؟

ج: کبھی ہو جائیں نہ رہے گی چوٹی نہ رہے گی گرمی۔

س: نیا آئینہ مجھ سے کیا کہہ رہا ہے؟

ج: میرے سامنے سے ہٹ جاؤ اب تو مسلسل آپ کی صورت دیکھ کر میں ہنک آ گیا ہوں۔

س: ساجن جی اتنے نخرے کیوں دکھاتے ہیں؟

ج: کیونکہ نخرے کے بعد ہی تو ان کی جیب ڈھیلی ہوتی ہے۔

س: بابی آپ کو رمضان کی بہت مبارک ہو؟

ج: آپ کو بھی رمضان و عید مبارک۔

س: عورت ہی عورت کی دشمن کیوں ہوتی ہے؟

ج: کیونکہ ان کو محبت جو مرد سے ہوتی ہے چاہے وہ باپ بھائی اور شوہر کی صورت ہی کیوں نہ ہو۔

س: کنویں کا مینڈک ہمیشہ کنویں میں ہی کیوں رہتا ہے باہر کیوں نہیں آتا؟

ج: یہ تم نے اپنے میاں جی کو مینڈک بنا دیا کچھ تو شرم کرو۔

کرن شنہادی..... بھیر کنڈ ماسکھ

س: آپی آپ کہتی ہیں ہم سے پوچھئے جب آپ سے پوچھا جاتا ہے تو جواب ہی نہیں دیتیں؟

ج: کیونکہ آپ جب بھی پوچھتی ہیں فضول ہی پوچھتی ہیں۔

س: جب ہم کوئی دشواری پڑھ رہے ہوں لے دے کر

کہ ائی کی آواز کانوں سے ٹکر کر واپس پلٹ جائے اور ہم اس سے کس نہ ہوں کہ اچانک ائی کا..... اونکی امی!

ج: اپنا آلہ سماعت کہانی پڑھنے کے دوران آئندہ لگا کر رکھنا ورنہ یونہی جوتے کھاؤ گی۔

نیلیم شنہادی..... کوٹ مومن

س: شامل آپی میں پہلی بار اس دھنک بار محفل میں قدم رنجہ فرما رہی ہوں مزاج کیسے ہیں؟

ج: قدم رنجہ مت فرماؤ لٹے قدموں لوٹ جاؤ پہلے ہی بہت بھینٹ رہے۔

س: یہ تو بتائیں کہ جون جولائی میں گرمی کیوں پڑتی ہے؟

ج: لگتا ہے اس گرمی میں آپ کا دماغ پھل گیا ہے بھی ایسے سوال کر رہی ہو۔

شبانہ امین راجپوت..... کوٹ راجہ کشن

س: شامل آپی یہ وزیر مشیر کیا ہوتے ہیں؟

ج: شیطان کے چیلے۔

س: آپی اس رمضان میں شیطان کہاں بند ہوا؟

ج: تم اس کی خالہ یو یہ تو تمہیں پتا ہوگا نا؟

س: اس سال ہمیں عید کیسے منانی چاہیے؟

ج: دعاؤں کے ساتھ کہ رب تعالیٰ ہم سب کے حال پر رحم فرمائے اور ہماری مشکلات آسان فرمائے آمین۔

س: لومڑی اتنی چالاک کیوں ہوتی ہے؟

ج: دیسے چالاک تو تم بھی بہت ہوئی لومڑی۔

س: آپی اس مرتبہ کیٹھی عید پر کون سی ڈش بنانے کا ارادہ ہے؟

ج: ہمارے ہاتھوں کی مٹھاس سے سب کچھ مٹھا ہی بنتا ہے اب تمہیں کیوں بتائیں کیا بتائیں گے۔

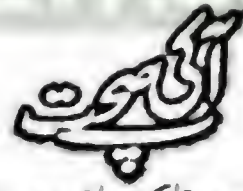
س: آپی رمضان شریف کے حوالے سے آنچل فیملی کے لیے اچھا سا پیغام۔

ج: اپنی دعاؤں میں سب کو یاد رکھیں بالخصوص اپنے وطن کو۔





صائمہ نورین لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کے بغیر دوا تجویز کر دیں۔



بومبوزا کتربانسم مرزا

محترمہ آپ CHIMAPHILA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ مبلغ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ دونوں چیزوں کے استعمال سے ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

پلو شہ بی بی ہری پور سے لکھتی ہیں کہ میرا عمر 18 سال ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری تھوڑی اور اپر لپس پر موٹے اور گھنے بال ہیں تھوڑی کے بال آہستہ آہستہ گردن پر بھی پھیل رہے ہیں اور میری بہن جس کی عمر 24 سال ہے اس کے چہرے پر بھی بال ہیں جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہے۔ ان کے پورے جسم پر بھی گھنے بال ہیں ہاتھوں پر بھی مردوں کی طرح بال ہیں میری بہن کے چہرے اور جسم کے بالوں کا کوئی مستقل حل بتائیں تاکہ یہ بال ختم ہو جائیں یا کم ہو جائیں۔

محترمہ آپ OLILIM JACC 3X کی ایک ایک گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور ایفروڈائٹ کا استعمال جاری رکھیں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

نائلہ خانیوال سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اپنے وہم کو ختم کریں بلا خوف و خطر شادی کر لیں ان شاء اللہ تمام مسئلے حل ہو جائیں گے

عقیدہ رضی فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میں آپ کو بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہی ہوں مجھے بہت سی

مبا طابہرٹی ٹی سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کو بار بار پیشاب کا مسئلہ ہے آپ نے ایک دوا بتائی تھی اس سے فائدہ نہیں ہوا دوسرا مسئلہ میری کزن کا ہے اس کے چہرے پر دانے نکلتے ہیں اور چہرے کا رنگ ماند پڑ گیا ہے اور دانے نشان چھوڑ جاتے ہیں۔

محترمہ آپ بہن کو R H U S AROMA-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلا میں اور کزن کو GRAPHITES-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلا میں۔

مہوش پورے والا سے لکھتی ہیں کہ میں اپنے خاوند کا مسئلہ لکھ رہی ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے ان کے لیے دوا بتادیں ان کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کی انٹریوں میں سوزش ہے کچھ بھی کھا لیں پاخانہ بار بار آتا ہے لیکن قبض کی شکایت ہے وائس روم میں بہت دیر لگاتے ہیں اور دوسرا مسئلہ بھی انہی کا ہے ناخن بہت خراب ہیں ہاتھوں کے ناخن جلد چھوڑ جاتے ہیں اور پاؤں کے ناخن تو جیسے ہیں ہی نہیں۔ دیکھ کر ڈر لگتا ہے آپ پلیز ان کے دونوں مسئلوں کے لیے کوئی اچھی سی دوا بتادیں اللہ آپ کو اجر دے آمین۔

محترمہ آپ ان کو MERC COR-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں اور GRAPHITES-200 کے 5 قطرے ہر آٹھویں دن پلائیں۔

آنچل \* اگست \* ۲۰۱۵ء 314



بیماریاں ہیں میں نے بہت علاج کروایا مگر کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ سردیوں میں میرے ہاتھوں اور پاؤں پر سفید دانے بن جاتے ہیں ان میں سے پانی نکلتا ہے اور خارش بھی بہت زیادہ ہوتی ہے بعد میں زخم کی شکل اختیار کر جاتے ہیں ہاتھ بہت زیادہ جلتے ہیں کھانا بھی نہیں بنایا جاتا اور کپڑے استری کرنے میں بھی پر اہلیم ہوتی ہے ہاتھ جلنے لگتے ہیں اور چہرے اور آنکھوں میں بھی خارش ہوتی ہے۔ چوہے کے پاس اور دھوپ میں تو بالکل بھی نہیں بیٹھ سکتی چاہے وہ سردیوں کی ہی دھوپ کیوں نہ ہو دل گھبراتا ہے دھڑکن تیز ہو جاتی ہے میری شادی ہونے والی ہے۔ میرے ان مسئلوں کی وجہ سے شادی لیٹ ہوئی جا رہی ہے۔

محترمہ آپ PETROLIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں مکمل آرام ہونے تک دوا کا استعمال جاری رکھیں۔  
نبیلہ خانیوال سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔  
BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گا دونوں چیزوں کے استعمال سے ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

شہباز آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر حل بتائیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BARRY-Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور 700

روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے آپ کے بالوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔

مزدلفہ عارف ماڑی بھنڈراں سے لکھتی ہیں کہ میری ایک ہمسائی بہن ہیں ان کی عمر 30 سال ہے اور وہ شادی شدہ ہیں ان کے چہرے پر مردوں کی طرح بال ہیں اور پریکٹسی کے دوران تو یہ بال زیادہ گروتھ کرتے ہیں یہ مسئلہ ان کے خاندان میں بھی ہے۔ لہذا کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں تاکہ اس مسئلے سے چھٹکارا مل سکے وہ بہت پریشان ہیں۔

محترمہ آپ OLIUM JAC-3X کی ایک ایک گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں۔  
APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا اس کے استعمال سے فالو بال مستقل طور پر ختم ہو جائیں گے۔

اقرا سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے گھٹنوں میں درد رہتا ہے یہ درد مجھے تین چار سال سے ہے اور ماہانہ نظام کبھی ٹھیک نہیں ہے۔ میں بہت پریشان ہوں اس کی وجہ سے میرا ویٹ بہت بڑھ گیا ہے مجھے ایسی دوائی بتائیں کہ میرے دونوں مسئلے حل ہو جائیں میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں گی۔

محترمہ آپ CLC-PHOS-6X کی 4,4 گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور PULSATILLA-200 کے 5 قطرے ہر

آٹھویں دن پیا کریں۔

صائمہ سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ مجھے یورک ایسڈ ہے گھٹیا بھی ہے میری عمر 26 سال ہے اور میں غیر شادی شدہ ہوں مجھے 8 سال ہوئے ہیں اس تکلیف میں مبتلا ہوئے بہت علاج کروایا مگر آرام

آنچل اگست ۲۰۱۵ء 315



نہیں آتا مجھے اچھی دوا بتائیں مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ COLCHICUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

مسز فیصل لاہور سے لکھتی ہیں کہ مجھے موٹاپے کی شکایت ہے پیٹ اور کولہے بہت بڑھ گئے ہیں ماہانہ اخراج کی کمی ہے اور سیلان کی شکایت بھی ہے میری کمر میں شدید درد رہتا ہے کوئی اچھی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ PITUIRIN-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سارہ لکھتی ہیں کہ میرا پیٹ بڑھا ہوا ہے دوسرا مسئلہ میرے چہرے کے بالوں کا ہے چہرے پر موٹے موٹے بال ہیں۔ بہت برے لگتے ہیں ایک بوتل ایفروڈائٹ استعمال کی بال ختم نہیں ہوئے۔

محترمہ آپ CALC FLOUR 6X کے 4,4 گولی تین وقت روزانہ کھایا کریں اور ایفروڈائٹ کا استعمال جاری رکھیں آپ کے چہرے کے موٹے بال پتلے اور چھوٹے ہوتے جائیں گے پھر نکلنے بند ہوں گے تین چار بوتل اور استعمال کرنا ہوں گی، ان شاء اللہ چہرے کے بال مستقل طور پر ختم ہو جائیں گے۔

محمد اشرف ولد نور داد مانسہرہ سے لکھتے ہیں کہ جناب لڑکیوں کے چہرے سے بال ختم کرنے والی دوا میرے بچے پر ارسال کر دیں دوائی کی قیمت لفافے میں مبلغ 900 روپے رکھ کر بھیج رہا ہوں۔

محترمہ آپ نے لفافے میں رکھ کر پیسے بھیجے ہیں رقم کے بغیر آپ کا لفافہ موصول ہو گیا ہے اس میں کوئی رقم نہیں ہے ہم نے بارہا لکھا ہے کہ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال کریں مگر پھر بھی آپ نے یہ غلطی کی ہے آئندہ مبلغ 900 روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ ڈاکخانے والوں سے

معلوم کر لیں منی آرڈر کس طرح ہوتا ہے۔

اعجاز احمد فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میری بہن کے سر کے بال تیزی سے گر رہے ہیں اب تو یہ حال ہے کہ بال سر پر برائے نام ہی رہ گئے ہیں برائے مہربانی اس کا کوئی علاج تجویز فرمادیں تاکہ اس کے بال لمبے گھنے خوب صورت اور مضبوط ہو جائیں بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہا ہوں۔

محترمہ آپ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ 3,4 بوتل کے استعمال سے آپ کے بالوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ایس غزل احمد جہلم سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ CHIMA PHILA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور بریسٹ پیوٹی کا استعمال جاری رکھیں۔

جہاں آراں ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال ہیں جو بڑھتے جا رہے ہیں میں بہت پریشان ہوں میرے مسئلے کا بھی کوئی حل بتائیں۔

محترمہ آپ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال فرمائیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل نام پتا اور مطلوبہ دوا کا نام APHRODITE ضرور لکھیں ایک ہفتے کے اندر دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی 3,4 بوتل کے استعمال سے آپ کے چہرے کے بال مستقل طور پر ختم ہو جائیں گے۔

بشیر احمد کراچی سے لکھتے ہیں کہ مجھے بیوی کے سامنے بہت شرمندگی ہوتی ہے اس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوتا ہوں بیوی بھی چڑچڑی ہو گئی ہے بڑی امید کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو



ہوں آپ میرے مسئلے کا مناسب حل بتائیں۔ روزانہ پیا کریں۔

محترم آپ  
STAPHISAGARIA-30 کے پانچ  
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت  
روزانہ پیا کریں۔

دین محمد سکھر سے لکھتے ہیں کہ پیشاب کرنے کے  
بعد قطرہ قطرہ آتا رہتا ہے جو بہت دیر میں ختم ہوتا  
ہے۔

محترم آپ CONIUM-30 کے پانچ  
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت  
روزانہ پیا کریں۔

ذکیہ بیگم اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے درم رحم  
کی شکایت ہے بھاری پن محسوس ہوتا ہے ڈاکٹر  
آپریشن کا مشورہ دیتے ہیں میں آپریشن نہیں کرانا  
چاہتی آپ اس کی کوئی دوا بتائیں۔

محترمہ آپ SEPIA-30 کے پانچ قطرے  
آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا  
کریں۔

ماہ نور کراچی سے لکھتی ہیں کہ مجھے ماہانہ نظام کی  
کمی ہے اور سیلان کی بھی شکایت ہے مجھے کوئی اچھی  
سی دوا تجویز کر دیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی میں  
بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ SEPIA 30 کے 5 قطرے  
آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا  
کریں۔

رضیہ سلطانہ چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں کہ مجھے رات  
بھر نیند نہیں آتی میں بہت پریشان رہتی ہوں آپ  
سب کو اچھے مشورے دیتے ہیں لوگوں کی تکالیف  
دور ہو جاتی ہیں میری تکالیف کا بھی کوئی علاج  
بتائیں۔

محترمہ آپ CAFFEA-30 کے 5  
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت

آنچل اگست ۲۰۱۵ء 317

مرزا ضمیر بیگ سیالکوٹ سے لکھتے ہیں کہ میں کئی  
بیماریوں میں مبتلا ہوں مکمل کیفیت لکھ رہا ہوں  
میرے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں۔

محترم آپ CALC CARB-30 کے  
5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت  
روزانہ پیا کریں۔

سدرہ قمر کراچی سے لکھتی ہیں کہ میں 5 بچوں کی  
ماں ہوں مزید اولاد نہیں چاہتی کیا ہومیو پتھی میں  
کوئی برتھ کنٹرول کی دوا ہے مجھے ضرور بتائیں۔

محترمہ آپ NATRUM  
MUR-200 کے 5 قطرے ماہانہ غسل والے  
دن سے تین دن تک پی لیں ایک مہینے کے لیے حل  
سے محفوظ رہیں گی۔

کاشف حیدر آباد سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ  
شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترم آپ ZINCUM-30 کے پانچ  
قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت  
روزانہ پیا کریں۔

ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتہ۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون نمبر  
021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

کلینک دکان نمبر C-5 کے ڈی اے فلیٹس فیز 4  
شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14 تار تھ کراچی

75850

خط لکھنے کا پتہ

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس  
75 کراچی۔



www.Paksociety.com



# گاہکی باتیں

حنا احمد

## عید اور گھر کی آرائش

یوں تو رمضان المبارک کا چاند نظر آنے کے ساتھ ہی عید کی تیاریاں شروع کر دی جاتی ہیں کیونکہ مسلمانان اسلام چاہے دنیا کے کسی کونے میں رہیں اپنے مذہبی تہواروں کو روایتی جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ عید کا تہوار چونکہ خوب صورت روایتی تاریخی اور مذہبی تہوار ہے جس کا ہر لمحہ ہر انسان خوش گوار انداز سے گزارنا چاہتا ہے۔ عید کے موقع پر گھر کے ماحول کو خوش گوار رکھنا بے حد ضروری ہے تمام اہل خانہ ایک دوسرے کی مصروفیات میں دلچسپی لیں یہ وہ قیمتی موقع بھی ہے جب تمام اہل خانہ اپنے روزمرہ فرائض سے کچھ دن کے لیے فارغ ہوتے ہیں۔ باہمی روابط محبت و یکجہالت بڑھانے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کی پسند اور گفتگو بہت ضروری ہے۔

عید کے خوشیوں بھرے دن سے لطف اندوز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ عید کا دن افراتفری بے سکونی اور اضافی کام کے بوجھ میں گزارنے کی بجائے دل پسند اور پرسکون انداز میں گزارنے کی پلاننگ کی جائے اگر عید کی آمد سے قبل ہی بہتر منصوبہ بندی اختیار کر لی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے گھروں کی رونقیں دوبالا نہ ہو جائیں عموماً خواتین رمضان المبارک کی آمد سے قبل ہی پورے گھر کی صفائی ستھرائی اچھی طرح کر لیتی ہیں تاکہ رمضان المبارک میں ہلکی پھلکی صفائی کرنی پڑے۔ اسی طرح پورا رمضان سکون سے گزارتا ہے اور عبادات کرنے میں بھی لطف آتا ہے صاف ستھرا گھر روحانی ماحول پیدا کرتا ہے۔

ہر خاتون خاندان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا گھر ہر روز خصوصاً عید کے دن صاف ستھرا جگہ گاتا نظر آئے۔ اس مقصد کے لیے عید کی پہلے کی تیاری بہت ضروری ہے لہذا آپ کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ عید کے موقع پر گھر کی

ترتیب و آرائش اس طرح کی جائے کہ دیکھنے والے آپ کی سلیقہ مندی کی داد دیں اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنی مصروفیات کا تعین ایک روز پہلے ہی کر لیا جائے۔

سب سے پہلے گھر کی صفائی دھلائی پر توجہ دی جائے گھر کو صاف کرنے کے بعد پردے کسٹرز، قالین وغیرہ دھو لیے جائیں تاکہ عید کے دن ہر چیز صاف ستھری نظر آئے۔ اسی طرح گھر کی اشیاء کی چیزوں کو گرم پانی میں واشنگ پاؤڈر ملا کر ایک دو گھنٹے کے لیے بھگو دیں صاف کی مدت سنا نہیں صاف کر کے دھوپ میں سکھادیں دوبارہ سے نئی لگیں گی۔ کمرشل کی خوب صورت اشیاء کو بھی احتیاط سے پانی میں سرکہ ملا کر گھنٹے بھر کے لیے بھگو دیں اور پھر نرم کپڑے سے خشک کر لیں اس سے ان میں نئی چمک پیدا ہو جائے گی۔ گھر میں موجود آئینے بھی صاف کرنے ضروری ہیں اس کے لیے پانی میں لیموں کا رس سفید سرکہ اور چند قطرے تل ملائیں اس پانی سے آئینہ دھوئیں اور خشک اخیار سے سکھالیں۔ آئینے چمک جائیں گے اور گھر میں چمکتے ہوئے آئینے گھر کو خوب صورت بناتے ہیں گھر زیادہ چمکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

گھر میں فرنیچر کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے عید کے موقع پر فرنیچر کی خوش نمائی اور ترتیب بہت ضروری ہے اگر فرنیچر پرانا ہے تو آپ اسے پالش کروالیں اور اگر ہو سکے تو رمضان المبارک کی آمد سے قبل پالش کروالیں اور اگر گھر میں بھی کلر کرانا ہو تو رمضان سے پہلے کروالیں تاکہ آپ کو رمضان میں سہولت رہے اور رمضان میں گھر صاف اور خوب صورت نظر آئے۔ اگر فرنیچر نیا ہے تو اسے صاف خشک کپڑے سے صاف کریں لکڑی کے فرنیچر کو عموماً قلیل وقت میں پالش کی ضرورت پڑ جاتی ہے اس فرنیچر کو صاف کپڑے سے خشک کرنے کے بعد فرنیچر گھر پر بھی پالش کیا جاسکتا ہے اس سے لکڑی میں چمک پیدا ہوتی ہے فارمیکا کے فرنیچر کے داغ دھبے ختم ہو جائیں گے اور فرنیچر نیا محسوس ہوگا جو عید کے موقع پر اچھا لک دے گا۔ عید سے قبل باہر جی خانہ غسل خانہ بھی اچھی طرح صاف کر کے ایک اچھا ماحول پیدا کرتا ہے ویسے بھی کچن کی صفائی حفظان صحت کے اصولوں پر مبنی ہے جو



ناصرف خاص لوگوں میں ضروری ہے بلکہ عام لوگوں میں بھی کچن کی صفائی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کچن کی صفائی کرتے وقت چلوہوں پر ضرور توجہ دیں۔ صاف ستھرے چولہے کھانا پکانے کی بنیاد ہیں اگر چولہے گندے ہوں گے تو کھانا پکاتے وقت اچھا محسوس نہیں ہوگا اس لیے یہ ضروری ہے کہ چلوہوں کو صاف ستھرا رکھا جائے اور عید کے موقع پر تو خاص طور پر ان کی صفائی کی جائے تاکہ کچن اچھا محسوس ہو۔

عید سے ایک روز پہلے غسل خانہ خوب اچھی طرح دھویا جائے۔ واشنگ پاؤڈر سے غسل خانے کا فرش خوب اچھی طرح صاف ہو سکتا ہے باتھ روم کے واش بیسن اور کموڈ کو واشنگ پاؤڈر سے ویسے تو روزانہ ہی دھونا چاہیے تاکہ یہ ہمیشہ صاف رہیں۔ باتھ روم کے فرش کو لیکوئیڈ بلیچ لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں بعد ازاں دھو لیجئے فرش چمک اٹھے گا۔ باتھ روم دھونے کے بعد ایئر فریشز کر کے ایک گھنٹے کے لیے دروازہ بند کر دیں سارا دن باتھ روم صاف ستھرا رہے گا۔

گھر کے ڈسٹ بن کو سب سے زیادہ صفائی کی ضرورت ہوتی ہے اگر یہ صاف ستھرا ہوگا تو گھر میں بیماریاں بھی نہیں ہوں گی ڈسٹ بن کے اوپر پلاسٹک کی تھیلی چڑھا لیں جب ڈسٹ بن بھر جائے تو تھیلی نکال کے منہ باندھ کر پھینکیں نئے ڈسٹ بن گندا ہوگا نہ بدبو پیدا ہوگی اور نہ ہی کیڑے مکوڑے پیدا ہوں گے ورنہ کچرے کی وجہ سے ڈسٹ بن میں نا صرف ناخوش گواری بو پھیلیتی ہے بلکہ ڈسٹ بن میں باریک کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو مختلف بیماریوں کا باعث بنتے ہیں کچن میں ڈسٹ بن رکھیں اور اس میں بھی ہمیشہ پلاسٹک کی تھیلی چڑھا کر رکھیں۔

عید کے موقع پر گھر کی آرائش اور سجاوٹ کے مقصد سے آرائشی اشیاء میں اضافہ کیا جاسکتا ہے مثلاً نازک گلدان گلے اور شوپیں کے ذریعے آرائش میں نیا پن پیدا کیا جاسکتا ہے۔ ان اشیاء کے لیے نئی جگہوں کا انتخاب کیا جاسکتا ہے نئی ترتیب ماحول میں ایک نئی جان ڈال دیتی ہے اور اکٹھا ہٹ اور یکسانیت کا نامحسوس سا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے جب بھی

گھر کی صفائی کا آغاز کریں تو ابتداً دروازوں کی صفائی سے ہی کی جائے۔ پچھلے ٹیوب لائٹ بلب اور پردے لگانے کی ریلنگ کو اچھی طرح صاف کر لیں کیونکہ جب تک یہ چیزیں صاف دکھائی نہیں دیں گی گھر کی صفائی لامحسوس رہے گی۔ انہیں کپڑے سے صاف کرنے کے بعد نم کپڑے اور پھر خشک کپڑے سے پونچھنے تاکہ یہ چیزیں چمک سکیں۔

عید کے دن اپنی خوشیوں کو دوبالا کرنے کے لیے پرانی رنجشوں اور کدورتوں کا خاتمہ کیجیے کہ یہ محبت اخوت اور بھائی کے فروغ کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔ عید کے اجتماع سے مسلمانوں کی شان و شوکت اتحاد و اتفاق کا خوب مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس اتحاد کو برقرار رکھیے کہ اصل خوشی دوسروں کو اپنی خوشیوں میں شامل کرنے میں ہے۔ زرق برق ملبوسات حنا کے رنگ میک اپ کے اسٹروک رنگا رنگ چوڑیاں اور سہیلیوں کے جھرمٹ یہ سب عید ہی کے رنگ ہیں کہ پیل بیٹھے خوشیوں کو دوبالا کرنے کا موقع ہے اور یہ وقت دعا بھی کہ اللہ ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

### عید الفطر شکرانے کا دن

#### خوشیوں بھرا تہوار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ نماز عید کے لیے جب گھر سے روانہ ہوتے تو چند کھجوریں ضرور تناول فرماتے جو طاق عدد میں ہوتیں کھجوریں کھانے کی حکمت یہ ہے کہ وہ مٹھاس اور شیرینی ہے جو قوت بینائی میں اضافے کا سبب ہے نماز عید سے قبل صدقہ الفطر لدا کرنا واجب ہے جو رمضان کے روزوں کو پاک و صاف کرنے اور غریبوں کے لیے خدا کا باعث بننا ہے۔ یوم عید کا آغاز عبادت الہی سے ہوتا ہے کیوں کہ یہ یوم تشکر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوم عید کو نماز عید کے خطبے سے پہلے پڑھتے اور جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو کھڑے ہو خطبہ فرماتے۔ خطبہ سننا بھی سنت ہے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عید الفطر اللہ کا انعام ہے جو بے شک خوشی اور شکرانے کا دن ہے۔

(زعینب احمد..... کراچی)



# حنا کے رنگ..... آنچل کے سنگ



بارش  
ہوا  
مگر  
دائیں  
زیر  
ولید  
آ







# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



